ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل صاحب رئیس دارالافتاء والتحقیق ابوبکر صدیق مسجد نیو ۱۲ ای ایچ اے

مطبع: ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی۔ فون نمبر: 32630051

مسائل معلوم کرنے کے لئے مفتی صاحب سے مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کر سکتے ہیں براہ کرم نماز اور آرام کے اوقات کا خیال رکھیں۔

برائے رابطہ فون نمبر: 02135804388

موبائل: 03132775126 0333-2251145

☆ ملنے کے پتے ☆

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل (مندرجہ بالا تینوں نمبرز)

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32638114

دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون نمبر: 32631861

اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قرآن محل اردو بازار ڈیرہ اسماعیل خان

مولوی سیف الرحمٰن عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان فون نمبر: 03139341266

مکتبہ جاوید میانوالی شہر

مکتبہ رشیدیہ ۳ شیش محل روڈ لاہور۔ فون نمبر: 04237364516

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ فون نمبر: 0812662263

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
85	﴿فصل فی آداب الصلوٰۃ﴾	55
85	﴿امام صاحب سے پہلے رکوع سجدہ وغیرہ میں جانا سخت گناہ ہے﴾	56
87	﴿سورہ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا چاہیے﴾	57
88	﴿آئمہ مساجد عام حالات میں قرأت کی مستحب مقدار پوری کریں﴾	58
89	﴿قرأت میں اتمام مضمون بہتر ہے ضروری نہیں﴾	59
91	﴿دوران نماز اونگ اور کھانسی کو روکنا مستحب ہے﴾	60
92	﴿فرض نماز میں قومہ اور جلسہ کی ماثور دعاؤں کا حکم﴾	61
93	﴿دوران نماز ہر رکن کی ادائیگی کے وقت نظر کس جگہ رکھی جائے؟﴾	62
94	﴿نماز میں انگلیوں کو قبلہ کی سمت کرنا مستحب ہے﴾	63
95	﴿دوران نماز جمائی روکنے کا حکم اور طریقہ﴾	64
96	﴿نماز میں خشوع وخضوع کا حکم﴾	65
97	﴿واجبات صلوۃ﴾	66
98	﴿سورۃ کی جگہ دوبارہ فاتحہ پڑھنے سے واجب ادا نہیں ہوتا﴾	67
98	﴿فرض نماز کی آخری دو رکعت میں سورۃ فاتحہ کا حکم﴾	68
99	﴿من نسی فی القاعدۃ الاولی وتجاوز عن قدر التشهد﴾	69
99	﴿قاعدہ اولیٰ میں "عبدہ ورسولہ" سے تجاوز کرنا﴾	69
100	﴿نیت میں غلطی کرنے سے نماز کا حکم﴾	70
100	﴿قومہ کی حالت میں امام مقتدی اور منفرد کا تسمیع وتحمید پڑھنا﴾	71

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
214	﴿نماز جمعہ کی تشہد میں شریک ہونے والے کا حکم﴾	238
215	﴿لاحق کی نماز کا طریقہ﴾	238
216	﴿مسبوق ثناء کب پڑھے؟﴾	239
217	﴿دوران نماز خاتون کو حدث لاحق ہو تو باقی ماندہ نماز کس طرح مکمل کرے؟﴾	240
218	﴿مسبوق کا بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیرنا؟﴾	242
219	﴿مسبوق قعدہ اخیرہ میں صرف تشہد پر اکتفاء کرے گا﴾	243
220	﴿مسبوق کیلئے تشہد کا حکم﴾	243
221	﴿مسبوق کو باقی ماندہ رکعتوں میں دوبارہ سہو ہو جائے تو۔۔۔﴾	244
222	﴿باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها﴾	245
222	﴿نماز کے مفسدات اور مکروہات کا بیان﴾	245
223	﴿دوران نماز کسی تحریر پر نظر پڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾	245
224	﴿ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد وضو ٹوٹنے سے نماز کا حکم﴾	245
225	﴿مصحف میں دیکھ کر قرآن پڑھنا مفسد صلوٰۃ ہے﴾	246
226	﴿دوران نماز آدھا چہرہ ڈھانپنا مکروہ ہے﴾	247
227	﴿نماز میں سورتوں کا قصداً ترتیب کے خلاف پڑھنا مکروہ ہے﴾	248
228	﴿دوران نماز اور خارج نماز انگڑائی لینا مکروہ ہے﴾	248
229	﴿جانی و مالی نقصان سے بچنے کیلئے نماز توڑنے کی گنجائش ہے﴾	249
230	﴿نمازی کے آگے سے گزرنے کا حکم اور چھوٹی اور بڑی مسجد میں فرق﴾	250

نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
444	﴿خلیفہ کو سجدہ سہو کا اشارہ﴾	445
445	﴿فرض نماز کے آخر میں دو رکعتوں میں سورۃ ملانے سے سجدہ سہو کا حکم﴾	446
446	﴿سجدہ سہو لازم نہ تھا پھر بھی کر لیا تو کیا حکم ہے؟﴾	447
447	﴿سجدہ سہو کیلئے سلام پھیرنا بہتر ہے﴾	447
448	﴿نماز میں سجدہ بھول جانے کا حکم﴾	449
449	﴿مغرب کی نماز غلطی سے تین کے بجائے چار رکعات پڑھنے کا حکم﴾	450
450	﴿تراویح کی نماز میں قعدہ اخیرہ چھوڑ کر سیدھا کھڑے ہو جانے سے سجدہ سہو کا حکم﴾	451
451	﴿دو رکعت والی نماز میں کسی رکعت کا ایک سجدہ چھوٹ جائے تو اس کا حکم﴾	452
452	﴿فرض کی آخری دو رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا﴾	453
453	﴿فرض کی تیسری رکعت میں جہراً قراءت کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا﴾	453
454	﴿فاتحہ کی جگہ تشہد پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو کا حکم﴾	454
455	﴿سجدہ سہو کے متعلق چند سوالات﴾	455
456	﴿نماز میں قرآن کو ترتیب کے خلاف پڑھنا﴾	456
457	﴿سورتوں کی ترتیب الٹ کر دی تو سجدہ سہو واجب نہیں﴾	458
458	﴿من نسی فی القعدة الاولی وتجاوز عن قدر التشهد﴾	458
458	﴿ایک رکن کے بقدر تاخیر کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے﴾	458
459	﴿سجدہ تلاوت کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا﴾	459
460	﴿شک کی وجہ سے سجدہ سہو کا حکم﴾	460

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
497	﴿سجدہ تلاوت کا بیان﴾	494

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

﴿باب شروط الصلوٰۃ وارکانہا وواجباتہا وسننہا وآدابہا﴾

﴿فرض، واجب اور نوافل کی نیتوں میں فرق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض، واجب، سنت، نفل کی نیتوں میں فرق ہے یا ایک ہی طرح ہیں؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ نیت دل سے کسی عمل کے ارادہ کا نام ہے۔ اس اعتبار سے تو فرض نفل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ اس ارادے میں فرض، واجب، نفل کی تعیین ضروری ہے، اور مطلق نماز کی نیت کرنے سے سنت اور نفل نماز ہو جاتی ہے اگر چہ نیت میں خاص وقت وغیرہ کی کوئی تعیین نہ ہو، وقت اور موقع کی وجہ سے خود ایسی نماز میں تعیین ہو جاتی ہے۔ مثلاً طلوع فجر کے بعد مطلق نیت سے دو رکعات نماز کوئی اداء کرے تو یہ فجر کی سنتیں شمار ہونگی، رات کو طلوع فجر سے پہلے عشاء کے بعد کوئی مطلق نیت سے نماز پڑھ لے تو تہجد شمار ہوگا۔ اور تمام سنتیں چونکہ نفل نماز کی قسم ہیں اس لیے نیت میں سنت کی تعیین کر لی اور عملی طور پر نفل پڑھ لیے یا نیت میں نفل کی تعیین کر لی اور عملی طور پر سنت پڑھ لیے تو عملی طور پر جس ترتیب سے نماز پوری کی ہوگی اسی کا اعتبار ہو گا۔ مثلاً نماز ظہر سے پہلے چار رکعات نفل کی نیت کر لی اور عملی طور پر ظہر کی چار سنتوں کی طرح اداء کیں یعنی قعدہ اولی میں " عبدہ ورسولہ" تک التحیات پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا تو ظہر کی سنتیں شمار ہونگی۔ اور اگر نیت ظہر کی سنتوں کی کر لی اور پھر عملی طور پر چار رکعات نفل کی طرح اداء کیں یعنی قعدہ اولی میں قصداً درود شریف اور دعا بھی پڑھ لی اور تیسری رکعت میں ثناء پڑھ لی تو یہ نفل شمار ہونگے اور ظہر کی سنتیں الگ پڑھنا ضروری ہوگا۔ یعنی نوافل وسنن چونکہ ایک قسم ہے اس لیے نفل کی نیت سے سنت اور سنت کی نیت سے نفل اداء ہو جاتے ہیں اور مطلق نماز کی نیت سے بھی اداء ہو جاتے ہیں، اگر چہ تعیین کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔

لیکن فرض نماز کی نیت میں فرض اور واجب میں واجب کی تعیین ضروری ہے۔ مطلق نماز کی نیت سے اسی طرح فرض نماز واجب کی نیت سے اور واجب فرض کی نیت سے اداء نہ ہوگی۔ اس

کے علاوہ یہ تعیین بھی ضروری ہے کہ ظہر کی فرض نماز یا عشاء کی فرض نماز پڑھ رہا ہے۔ اگر ظہر کے وقت عشاء کی نماز پڑھنے کا کوئی ارادہ کرے تو نماز نہیں ہوگی، ہاں وقت چونکہ شرعاً متعین ہے تو بلا تعیین مطلق فرض کے ارادہ سے بھی نماز ہو جائے گی لیکن اپنے اختیار سے غلط متعین کرلیا تو نماز نہیں ہو گی۔ اسی طرح واجب میں بھی تعیین ضروری ہے کہ نذر ہے، "قضاء، مالزم بالشروع" ہے یا کوئی اور۔

اداء کے لیے وقت چونکہ متعین ہے اس لیے مطلق فرض نماز کی نیت بھی کافی ہو جاتی ہے۔ لیکن قضاء کا اپنا وقت چونکہ رہا نہیں اس لیے تعیین ضروری ہے کہ فلاں دن کی فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ زیادہ نمازیں ذمے باقی ہوں اور دنوں کی تعیین کرنا مشکل ہو تو اس طرح ارادہ کرے کہ "سب سے پہلی ظہر کی نماز مثلاً جو رہ گئی تھی کی قضاء کر رہا ہوں" یا ظہر کی نمازوں میں سے اخیر والی نماز جو ذمہ باقی ہے اس کی قضاء کر رہا ہوں۔ کبھی اندازہ ہوتا ہے کہ وقت باقی ہے اداء کی نیت کرلیتا ہے بعد میں معلوم ہو جاتا ہے کہ وقت باقی نہیں تھا اسی طرح کبھی اس کا الٹ ہو جاتا ہے یعنی وقت باقی ہوتا ہے نمازی قضاء کی نیت کرلیتا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا دونوں صورتوں میں نماز ہو جاتی ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۹۵،۹۴/۲ طبع: امدادیہ)

(وکفی مطلق نیۃ الصلوۃ) وان لم یقل لللہ (لنفل وسنۃ) راتبۃ (وتراویح) علی المعتمد، اذ تعیینہا بوقوعہا وقت الشروع، والتعیین احوط (ولا بد من التعیین عند النیۃ) فلو جہل الفرضیۃ لم یجز، ولو علم ولم یمیز الفرض من غیرہ، ان نوی الفرض فی الکل جاز، وکذا لو ام غیرہ فیما سنۃ قبلہا، (لفرض) انہ ظہر او عصر قرنہ بالیوم او الوقت او لا ہو الاصح (ولو) الفرض (قضاء) لکنہ یعین ظہر یوم کذا علی المعتمد، والاسہل نیۃ اول ظہر علیہ او آخر ظہر وفی القہستانی عن المنیۃ لایشترط ذالک فی الاصح (وواجب) انہ وتر او نذر.

قال الشامی:

وقولہ: (وکفی الخ) ای بان یقصد الصلوۃ بلا قید نفل او سنۃ او عدد. قولہ (لنفل) ہذا بالاتفاق. قولہ: (وسنۃ) ولو سنۃ فجر ،......... قولہ: (قرنہ بالیوم او الوقت او لا) ای ولم یقرنہ بشیء منہا ،......... قولہ (ہو الاصح) قید لقولہ "او لا" ای اذا نوی الظہر ولم یقرنہ بالیوم او الوقت وکان فی الوقت فالاصح کما فی الظہیریۃ ......قولہ (وواجب) بالجر عطفا علی قولہ "لفرض" وقد عد منہ فی البحر قضاء ما افسدہ من

النفل والعيدين وركعتي الطواف.

ولما في مراقي الفلاح:(ص٨٣،طبع قديمي)

(و)السادس من شروط صحة التحريمة(تعيين الفرض))في ابتداء الشروع ....السابع منها (تعيين الواجب)اطلقه فشمل القضاء نفل ما افسد والنذر والوتر وركعتي الطواف والعيدين لاختلاف الاسباب.

ولما في حلبي كبير:(ص٢٢٩،٢٢٨،طبع سهيل اكيڈمي)

(وذكر المتاخرون ان التراويح وسائر السنن تتادى بمطلق النية)هو اختيار صاحب الهداية ومن تابعه قال الشيخ كمال الدين ابن همام وتحقيق الوجه فيه ان معنى السنية كونه النافلة مواظبا عليها من النبي ﷺ بعد الفريضة المعينة وقبلها فا اذا وقع المصلي النافلة في ذالك المحل صدق عليه انه فعل النفل المسمى سنة.....(ولو نوى)في صلوة الوتر (او)في صلوة(الجمعة او)في صلوة (العيد)فانه(ينوى)صلوة(الوتر) ويعينها (و)كذا ينوى صلوة(الجمعة وصلوة العيد)اي يشترط فيها التعيين ولا يكفي مطلق النية الصلوة وكذا جميع الفرائض والواجبات من المنذور وقضاء ما لزم بالشروع.

ولما في الاشباه والنظائر:(ص٢٢،٢٣،٢٤،طبع قديمي)

واما النوافل فاتفق اصحابنا انها تصح بمطلق النية .واما سنن الرواتب فا ختلفوا في اشتراطها تعيينها.والصحيح المعتمد عدم الاشتراط وانها تصح بنية النفل وبمطلق النيه.وتفرع عليه :لو صلى ركعتين على ظن انها تهجد لظن بقاء الليل ،فتبين انها بعد طلوع الفجر كانت السنة على الصحيح.

واما نية الاداء والقضاء :ففي التاتارخانية:اذا عين الصلوة التي يؤديها صح نوى الاداء او القضاء ،وقال فخر الاسلام وغيره في الاصول في بحث الاداء والقضاء :ان احدهما يستعمل مكان آلاخر ،حتي يجوز الاداء بنية القضاء ،وبالعكس......وذكر في كشف الاسرار شرح اصول فخر الاسلام:ان الاداء يصح بنية القضاء حقيقة،كنية من نوى اداء الظهر اليوم بعد خروج الوقت على ظن ان الوقت باق،..............وعكسه كنية من نوى قضاء الظهر على ظن ان الوقت خرج ولم يخرج بعد.......فيه باعتبار انه اتى باصل النية ،ولكنها خطا في مثله معفو عنه.(انتهى)

ولما في الشامي:(١/٤٢٢،طبع سعيد)

اقول:ومعنى كونه اتى باصل النية انه قد عين قلبه ظهر اليوم الذى يريد صلاته فلا يضر وصفه له بكونه اداء او قضاء،بخلاف ما اذا نوى صلاة الظهر قضاء وهو في وقت الظهر ولم ينو صلاة هذا اليوم لا يصح عن الوقتية .لانه بنية القضاء صرفه عن هذا

الیوم ولم توجد منه نية الوقتية حتى يلغو وصله با لقضاء فلم توجد التعيين ،وكذا لو نواه اداء وكانت عليه الظهر فائتة لا يصح عنها وان كان قد صلى الوقتيةلما قلنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ　　فتوی نمبر: ۳۶۵۸

﴿کیا تکبیر تحریمہ کے وقت نیت کرنا ضروری ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا نیت تکبیر تحریمہ کے وقت ضروری ہے یا پہلے سے نیت کرنا بھی کافی ہے؟　　مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ تکبیر تحریمہ کے ساتھ متصل نیت ضروری نہیں ہے البتہ بہتر ہے، گھر سے نماز کے ارادہ سے نکلنا بھی کافی ہے بشرطیکہ اس دوران کوئی ایسا عمل جو نماز کے بالکل منافی ہو نہ کیا ہو مثلاً کھانا پینا، کسی سے بات کرنا وغیرہ۔ نماز کے لیے چلنا، وضو کرنا نماز کے متعلقات میں سے ہے اس سے فصل واقع نہیں ہوتا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۹۳/۲،طبع سعید)

(وجاز تقديمها على التكبيرة)......وفي البدائع:خرج من منزله يريد الجماعة،فلما انتهى الى الامام كبرولم تحضره النية جاز......(مايوجد)بينهما(قاطعها من عمل غير لائق بصلاة)وهو كل ما يمنع البناء،وشرط الشافعيؒ قرانها فيندب عندنا.

وقال الشامی:

(جاز)وأما اشتراطهم عدم الفاصل بين النية والتكبير فالمراد به ما كان من اعمال الدنيا كما في التاتارخانية،وفي البحر:المراد به الفاصل الاجنبي ،وهو ما لا يليق بالصلوة كالأكل والشرب والكلام ،لأن هذه الافعال تبطل الصلوة فتبطل النية،واما المشي والوضوء فليس بأجنبي :الا ترى أن من أحدث في صلوته له أن يفعل ذالك ولا يمنعه من البناء

ولما فی حلبی کبیر:(ص۲۲۳،طبع نعمانیه)

لو نوى عند الوضوء أنه يصلي الظهر والعصر مع الامام ولم يشتغل بعد النية بما ليس من جنس الصلوة يعني سوى المشي الا أنه لما ينتهي الى مكان الصلوة لم تحضره النية جازت صلوته بتلك النية وهكذا روى عن ابى حنيفةؒ وابى يوسفؒ فا لحاصل جواز الصلوة عندنا بنية متقدمة اذا لم يفصل بينها بين التكبير عمل ليس للصلوة قال في التجنيس لان النية المتقدمة تبقيها الى وقت الشروع حكماً.

ولما فی مراقی الفلاح :(ص ۸۲،طبع:قدیمی)

ویشترط لصحة التحریمه أن توجد مقارنة للنية حقيقة أو حكما(بلا فاصل بينها وبين النية بأجنبي يمنع الاتصال للاجماع عليه كا لأكل والشرب والكلام فاما المشى للصلوة والوضوء فليسا مانعين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفر لہ ولوالدیہ

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۸۶

﴿نیت میں امام کی تعیین کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ مقتدی کو امام کی تعیین کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ تعیین میں کبھی غلطی ہوجاتی ہے تو نماز پر اثر پڑیگا یا نہیں؟ مثلاً مسجد میں آیا جماعت کھڑی تھی میں نے نیت کی کہ امام صاحب کی اقتداء میں چار رکعت فرض پڑھ رہا ہوں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ امام صاحب نہیں تھے نماز مؤذن صاحب پڑھا رہے تھے تو میری نماز ہوئی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مقتدی کے لیے امام کی تعیین کرنا کوئی ضروری نہیں ہے، بغیر تعیین کے بھی اقتداء صحیح ہوجاتی ہے لیکن اگر تعیین کر لی یعنی ارادہ میں خاص امام کا سوچا یا زبان سے خاص شخص کا نام لیکر اقتداء کی نیت کر لی لیکن نماز اس نے نہیں پڑھائی بلکہ کسی اور نے پڑھائی تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی اس لیے تعیین نہیں کرنی چاہیے، نیت اس طرح کرنی چاہیے کہ حاضر امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہوں۔

مذکورہ صورت میں نیت کرتے ہوئے خیال تھا کہ نماز امام صاحب پڑھا رہے ہیں اس لیے امام صاحب کا سوچتے ہوئے نیت کر لی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ نماز مؤذن صاحب پڑھا رہے تھے تو اس صورت میں نیت کرتے ہوئے آپ نے امام کی تعیین نہیں کی بلکہ متعین امام کی تشخیص یعنی جاننے میں غلطی کی اس سے نماز میں فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ جب آپ مسجد آئے اور جماعت کھڑی تھی تو آپ نے نماز پڑھانے والے حاضر امام کی اقتداء کا ارادہ کیا اور وہ متعین تھا لیکن ساتھ ساتھ سوچ رہے تھے کہ نماز پڑھانے والے امام صاحب ہیں جبکہ وہ مؤذن صاحب تھے تو یہ تشخیص میں غلطی ہوئی یعنی جاننے میں غلطی ہوئی اس سے فرق نہیں پڑتا۔ دراصل حاضر، موجود اور اشارہ کرنے سے خواہ دھیان اور سوچ میں اشارہ ہو بشرطیکہ وہ موجود ہو اس سے تعیین

ہو جاتی ہے اور تمام احکامات میں اسی کا اعتبار ہے نام سے یا اسکی خاص صورت سے متعین کرنے میں اگر غلطی ہو جاتی ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۰۵/۲،طبع:امدادیه)

(کنیة تعیین الامام فی صحة الاقتداء) فانها لیست بشرط ،فلو اتم به یظنه زید فاذا هو بکر صح ،الا اذا عینه باسمه فبان غیره ،الا اذا عرفه بمکان کالقائم فی المحراب أو اشار کهذا الامام الذی هو زید ،الا اذا اشار بصفة مختصه کهذا الشاب فاذا هو شیخ فلا یصح ،وبعکسه یصح لان الشاب یدعی شیخاًلعلمه.

ولما فی الشامی :(۱۰۶،۱۰۵/۲،طبع:امدادیه)

قوله:(صح)لانه نوی الاقتداء بالامام الموجود فلا یضره ظنه ،بخلاف اسمه ،قال فی الحلیة :لان العبرة لما نودی لا لما یری .ویظهر منه ان مثله ما لو اعتقد انه زید لانه جازم بالاقتداء بهذا الامام ،فافهم.قوله:(الا اذا عینه باسمه)ای لم ینو الاقتداء بالامام الموجود .وانما نوی الاقتداء بزید سواء بلفظ باسمه اولا ،لما فی المنیة:الا اذا قال اقتدیت بزید او نوی الاقتداء بزید .فاذا ظهر انه عمر و لا یصح الاقتداء ،لانه العبرة لما نوی .قال فی الحلیة:ای وهو قد نوی الاقتداء بغیر بهذا الامام الحاظر .قوله:(الا اذا عرفه)استثناء من عدم الصحة التی تضمنها الاستثناء الاول .قوله:(کالقائم فی المحراب)ای نوی الاقتداء بالامام القائم فی المحرابالذی هو زید فاذا هو غیره جاز. اشباه،لان ال یشاربها الی الموجود فی الخارج او فی ذهن ،وعلی کل فقدنوی الاقتداء بالامام الموجود فلغت التسمیة ،قوله:(او اشارة)ای باسماء الموضوع لها حقیقة ،وانما جاز لانه عرفه بالاشارة فلغت التسمیة کما فی الخانیة وغیرها ....واما الشیخ والشاب فهما من الاوصاف الملحوظ فیها الصفات دون الذات ،ومعلوم ان صفة الشیخوخة تبانی صفة الشاب فکانا جنسین ،فاذا قال هذا الشاب فظهر انه شیخ لا یصح الاقتداء لانه وصفة خصة لا یوصف بها من بلغ سن الشیخوخة ،فقد خالفالاشارة التسمیة مع اختلاف الجنس ،فلغت الاشارة واعتبرت التسمیة بالشاب ،فیکون قد اقتدی،بغیر موجود ،کمن اقتدی بزید فبان غیره ،واما اذا قال هذا الشیخ فظهر انه شاب فانه یصح ،لان الشیخ صفة مشترکةفی الاستعمال بین الکبیر وفی السن الکبیر فی قدر کالعالم وبالنظر الی المعنی الثانی یصح ان سمی الشاب شیخاً،فقد اجتمعت الصفتان فی المشار الیه لعدم تخالفهما فلم یبلغ احدهما فیصح الاقتداء

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۶۷

﴿رکعات کی تعداد کی نیت ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ظہر کی نماز کے بعد والی دوسنتیں اداء کررہا تھا تشہد کے بعد بھولے سے کھڑا ہوگیا اس کی ظہر سے پہلے والی چار رکعات رہ گیں تھیں اس نے دوران نماز چار کی نیت کرلی اور چار رکعات پوری کرلیں تو کیا اس کا یہ نیت کرنا درست ہے؟ اور وہ چار رکعت اداء ہوگئیں یا دوبارہ پڑھے گا؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ سنت اور نوافل مطلق نماز کی نیت سے بھی اداء جاتے ہیں رکعات کی تعداد ارادہ میں جو بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا، لہذا صرف دل میں دوران نماز دو سے چار رکعات کا ارادہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ زبان سے یہ الفاظ نہ بولے ہوں۔

لما فی التنویر مع الرد:(۴۱۲/۲، طبع: امدادیه)

(وكفى مطلق نية الصلوة) وان لم يقل لله (لنفل وسنة) راتبة.

قال الشامی:(وكفى الخ) أى بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أو سنة أو عدد، قوله:(لنفل) هذا بالاتفاق، قوله:(وسنة) ولو سنة فجر.

ولما فی الهندیه:(۶۶/۱، طبع: رشیدیه) ولا يشترط نية عدد الركعات هكذا فى شرح الوقاية.

لما فی حلبی کبیر:(ص۲۱۸، طبع: نعمانیه) ولا يشترط نية اعداد لركعات اجماعاً لعدم الاحتياج اليها.

ولما فی فتح القدیر:(۲۶۳/۱، طبع: رشیدیه)

الثانى يكفى فيه مطلق النية نفلا كانت أو سنة فى الصحيح لأن النية فى النفل للتميز عن العادة وهو يحصل لمطلق النية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ
فتویٰ نمبر: ۳۶۱۷

﴿زبان سے نیت کرنا بدعت نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات زبان سے نیت کرنے کو بدعت کہتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ نیت دل کے ارادے کا نام ہے، البتہ زبان سے الفاظ بھی کوئی اس لیے

کہدے تاکہ عمل کے موقع پر دل پوری طرح متوجہ ہو تو یہ اچھا ہے کوئی بدعت نہیں ہے۔ بدعت دین میں ایسے اضافے کو کہتے ہیں جس کی کوئی اصل نہ ہو۔ یہاں اصل ارادہ ہے اور زبان سے الفاظ بولنا اظہار مافی الضمیر ہے۔ اس لیے اس کو بدعت کہنا غلط ہے۔ البتہ دل کے ارادے کو کافی نہ سمجھنا اور الفاظ بولنے کو ضروری سمجھنا بھی غلط ہے۔

لما فی الدر مع الرد:(۹۲/۲،طبع:امدادیه)

(والتلفظ)عند الارادة (بها مستحب)هو المختار .....(وقيل سنة)يعني أحبه السلف أو سنة علمائنا اذ لم ينقل عن المصطفى ﷺ ولا الصحابةؓ ولا التابعينؒ ،بل قيل بدعة.

قوله :(يعني الخ)اشار به للاعتراض على المصنف بان معنى القولين واحد سمى مستحباً باعتبار انه احبه علماؤنا ،وسنة باعتبار انه طريقة حسنة لهم لا طريقة للنبي ﷺ كما حرره في البحر .قوله:(اذا لم ينقل الخ)في الفتح عن بعض الحفاظ لم يثبت عنه ﷺ من طريق صحيح ولا ضعيف أنه كان يقول عند الافتتاح :اصلي كذا ،ولا عن احد من الصحابةؓ والتابعينؒ زاد في الحلية:ولا عن الأئمة الاربعؒ ،بل المنقول انه ﷺ كان اذا قام الى الصلوٰة كبر.قوله:(بل قيل بدعة)نقله في الفتح ،وقال في الحلية:ولعل الاشبه انه بدعة حسنة عند قصد جميع العزيمة،لان الانسان قد يغلب عليه تفرق خاطره ،وقد استفاض ظهور العمل به في كثير من الاعصار في عامة الامصار ،فلا جرم انه ذهب في المبسوط والهداية والكافي الى انه ان فعله ليجمع عزيمة قلبه فحسن ،فيندفع ما قيل انه يكره.

ولما في مراقي الفلاح:(ص۸۲،۸۳،طبع:قديمي)

وفي مجمع الروايات التلفظ بالنية كراهة البعض لان عمرؓ ادب من فعله وإباحه بعض لما فيه من تحقيق عمل القلب وقطع الوسوسة وعمرؓ انما زجر من جهر به المخافتة به فلا باس بها فمن قال من مشايخنا ان تلفظ بالنية سنة لم يرد به سنة النبي ﷺ بل سنة بعض مشايخ لاختلاف الزمان وكثرت الشواغل على القلوب فيما بعد من التابعين.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۶۰۳

﴿کسی بھی زبان میں نیت کرنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا نیت ہر شخص اپنی مادری زبان میں کرسکتا ہے؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے۔ زبان سے کرنا ضروری نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی

زبان سے نیت کرنا چاہے تو وہ کسی بھی زبان میں نیت کر سکتا ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۲/۲،طبع:امدادیہ)

(والتلفظ)عند الارادة(بها مستحب)هو المختار،وتكون بلفظ الماضي ولو فارسياً لانه الأغلب في الانشاء ات،وتصح بالحال،قهستاني۔

ولما فی الهندیه:(۶۵/۱،طبع:رشیدیه)

النية ارادة الدخول في الصلوة والشرط أن يعلم بقلبه اى صلوة يصلي ــــــ ولا عبرة للذكر باللسان فان فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن كذا في الكافي۔

ولما فی الکفاية:(۸۷/۱،طبع:رشیدیة

(قوله:اما ذكر باللسان فلا معتبر فيه)اى في كونه شرطاً لصحة الشروع ويحسن الذكر باللسان لانه يجتمع عزيمة قلبه والعزيمة عقد القلب على ما يفعل،وفي شرح الطحاوي الافضل ان يشتغل قلبه بالنية ولسانه بالذكر ويده بالرفع۔

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:تنویر الرحمٰن غفر لہ ولوالدیہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　　فتویٰ نمبر:۳۶۱۱۶

﴿نیت کے الفاظ کا پڑھنا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بسا اوقات ہم نماز میں اس وقت شریک ہوتے ہیں جب امام رکوع کے لئے تکبیر کہہ رہا ہوتا ہے اس وقت اگر ہم نیت باندھنے کے الفاظ اور ثناء پڑھتے ہیں تو اتنی دیر میں رکوع ہو چکا ہوتا ہے تو کیا ہم اس وقت فوراً جماعت میں شامل ہونے کیلئے ثناء پڑھے بغیر رکوع میں جا سکتے ہیں یا نیت کے الفاظ اور ثناء پڑھنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا　　　مستفتی:بنیامین بنوی

﴿جواب﴾ نیت دل کے ارادے کا نام ہے زبان سے نیت کے الفاظ بولنا بالکل ضروری نہیں صرف دل میں یہ ارادہ کرلیں کہ فلاں نماز امام کی اقتدا میں پڑھ رہا ہوں یہ کافی ہے،اور ثناء کے بارے میں اگر آپ کو یقین ہو کہ میں ثناء پڑھ کر رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو سکتا ہوں تو ثناء پڑھ لیا کریں اور اگر ثناء پڑھنے کی وجہ رکعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ثناء بھی چھوڑ دیا کریں۔

لما فی الهندية:(۶۵/۱،طبع:رشیدیة کوئٹه)

النية ارادة الدخول في الصلوة والشرط ان يعلم بقلبه أى صلوة يصلي وادناها مالو

مثل لا مكنه ان يجيب على البديهة وان لم يقدر على ان يجيب الا بتأمل لم تجز صلوته . ولا عبرة للذكر باللسان فان فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن كذا في الكافي.

ولما في منية المصلي مع شرحه:(ص:۳۰۵،طبع:سهيل اكيڈيمی)

وان ادرك الامام في الركوع فانه يتحرى في الاتيان بالثناء ان كان أكبر رأيه انه لو اتى به أي بالثناء يدرك الامام في شئي من الركوع ياتي به قائماً والا اى وان لم يكن غالب ظنه انه لو أتى بالثناء يدرك الامام في شئي من الركوع بل غلب على ظنه انّه ان اشتغل به لايدرك شيأ من الركوع مع الامام أوشكّ في ذالك يركع ويتابع الامام ويترك الثناء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفرلہ ولوالدیہ

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۷۶۵

﴿نمازوں میں دل کی نیت کا اعتبار ہے نہ کہ زبان کی نیت کا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے کہ اگر کوئی شخص فجر کی نماز پڑھنا چاہتا ہے اسکے دل میں بھی فجر کی نماز کا ارادہ ہے لیکن غلطی سے نیت کرتے وقت زبان سے ظہر کی نیت کر لیتا ہے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟ مستفتی: محمد احمد

﴿جواب﴾ نیت اصل میں دل کے ارادے کا نام ہے لہٰذا کسی شخص کے دل میں نماز فجر پڑھنے کا ارادہ ہے اور اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ فجر کی نماز پڑھ رہا ہے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی اگر چہ زبان سے کسی اور نماز کی نیت کی ہو۔ اسلئے کہ اعتبار دل کی نیت کا ہے زبان سے نیت کے الفاظ دل کو متوجہ کرنے کیلئے ہی بولے جاتے ہیں۔

لما في الدر المختار:(۴۱۵/۱،طبع سعيد)

(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) فلا عبرة للذكر باللسان ان خالف القلب لانه كلام لانية.

وفي الشامية:(قوله ان خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوا أجزء ه ·كمافي الزاهدي قهستاني.

ولما في الهندية:(۶۵/۱ طبع رشيديه)

ألنية ارادة الدخول في الصلوٰة والشرط أن يعلم بقلبه أى صلوٰة يصلي وأدناها مالوسئل

[illegible] لم يعرف الاختلاف لم تجز صلوته ولا

[illegible] وهو حسن كذا في الكافي.

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب محمد سجاد

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　فتوی نمبر: ۲۰۲۳

﴿نمازوں میں نیت کا حکم؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جمعہ کے بعد والی دو رکعت میں سنت کی نیت کرنی چاہیئے یا نفل کی؟ اور عید کی نماز میں چاشت کی نیت کرنی چاہیئے یا نہیں؟ مدلل جواب مطلوب ہے۔　　　مستفتی: احسان اللہ بحرین سواتی

﴿جواب﴾ نیت دل کے ارادے اور قصد کا نام ہے، دل میں یہ ارادہ اور قصد ہو کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، زبان سے خواہ کچھ بھی ذکر نہ کریں، نماز بلاشبہ ہو جائے گی، زبان سے نیت کے الفاظ بولنا کوئی ضروری نہیں، البتہ توجہ کو مرکوز کرنے کے لئے بہتر ہے، نماز جمعہ کے بعد والی دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں لیکن سنن و نوافل میں مطلق نیت یعنی دل میں صرف نماز پڑھنے کا ارادہ کر لینا بھی کافی ہے، تعیین ضروری نہیں۔

فرائض و واجبات میں نیت کرتے ہوئے تعیین ضروری ہے صرف نماز پڑھنے کا ارادہ کافی نہیں ہے، دل میں یہ توجہ ہو کہ فلاں وقت کا فرض یا واجب پڑھ رہا ہوں، اسی طرح عیدین کا حکم ہے یعنی نماز عید ادا کرتے ہوئے دل میں یہ خیال ہو کہ یہ میں نماز عید ادا کر رہا ہوں، زبان سے بھی بول دیا، تو بہتر ہے، ضروری نہیں ہے، چاشت کے وقت کا ذکر کرنا نہ کرنا برابر ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لما في التنوير مع الدر: (۱/ ۴۱۷، طبع سعيد)

(وكفى مطلق نية الصلاة) وإن لم يقل لله (لنفل وسنة) راتبة (وتراويح) على المعتمد،

قوله كفى (الخ) بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أو سنة أو عدد.

ولما في الهندية: (۱/ ۶۵، طبع رشيديه)

ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح هو الصحيح كذا في التبيين وهو ظاهر

الجواب، واختيار عامة المشائخ، كذا في التجنيس۔۔۔الواجبات والفرائض لاتتادى بمطلق النية اجماعا، كذا في الغياثية۔۔۔وفي العيد ين ينوى صلاة العيد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی غفرلہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
فتویٰ نمبر: ۱۳۶۴

﴿نماز کی نیت کا صرف دل میں ہونا کافی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی مغرب کی نماز کے لئے گھر سے نکلے مسجد میں آکر بے خیالی سے مغرب کی نیت کرنے کے بجائے عشاء کی نماز کی نیت کی یہ نیت صرف زبان سے کی دل میں تو گھر سے نکل کر صف میں کھڑے ہونے تک مغرب کی نیت تھی اب اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟
مستفتی: عبدالقیوم

﴿جواب﴾ نماز کیلئے دل کی نیت کا ہونا ضروری ہے اگر کوئی دل میں نیت کرے زبان سے نہ کرے تو نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ اگر دل میں نیت کے ساتھ زبان سے بھی نیت کرے تو زیادہ بہتر ہے، صورت مذکورہ میں چونکہ دل میں مغرب کی نیت تھی زبان سے بے خیالی کی بناء پر عشاء کی نیت کرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا نماز ہو جاتی ہے۔

لمافي التنوير مع الدر:(۱/۴۱۵،طبع ایچ ایم سعید)

والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذكر باللسان ان خالف القلب لانه كلام لانية.وفي الشامية:فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوا أجزاه كمافي الزاهدي.

ولمافي الهندية:(۱/۶۵،طبع رشيديه)

النية ارادة الدخول في الصلاة والشرط ان يعلم بقلبه أى صلاة يصلي وأدناها لو سئل لامكنه أن يجيب على البديهة وان لم يقدر على أن يجيب الا بتأمل لم تجز صلاته ولا عبرة للذكر باللسان فان فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن كذافي الكافي.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
فتویٰ نمبر:

﴿نماز کی نیت باندھتے وقت نظر کہاں رکھنی چاہیے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کی نیت

باندھتے وقت نظر کہاں رکھنی چاہیے سامنے یا سجدہ کی جگہ؟　　مستفتی: محمد کاشف شہزاد ساہیوال

﴿جواب﴾ نیت باندھتے وقت نظر ایسی جگہ ہونی چاہیئے جس سے توجہ اور دھیان نماز کی طرف ہو جائے، اصل چیز تو توجہ اور دھیان کے ساتھ اللہ تعالی کے دربار میں مؤدب حاضری ہے، یکسوئی حاصل کرنے کیلئے سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھ لی جائے تو زیادہ بہتر ہے، ویسے بھی احادیث میں دوران نماز نگاہ نیچی رکھنے کا حکم صراحۃً مذکور ہے۔

ولما فی اعلاء السنن:(۲/۱۷۷،طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ان النبی ﷺ قال:یاانس اجعل بصرك حيث تسجد　الخ

كذافي بذل المجهود: (۲/۱۰،طبع الشيخ)

ولما في البحر:(۱/۲۰۲،طبع سعيد)

(قوله وآدابهانظره الى موضع سجوده)اى فى حال القيام......لان المقصود الخشوع...... الخ.وكذافي تبيين الحقائق:(۱/۲۸۲،طبع سعيد)وكذافي الشلبي:(۱/۲۸۳،طبع سعيد) وكذافي التتارخانية:(۱/۳۸۱،طبع قديمي)وكذافي روح المعاني:معنى الخشوع: (۱۸/۲۸۰،طبع رشيديه)(تحت قول الله تعالى:الذين هم فى صلاتهم خشعون)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ لہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　فتوی نمبر: ۲۶۲۴

﴿صرف تصور میں قراءت کرنے سے نماز نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کوئی شخص ہونٹ ہلائے بغیر دل میں قرأت کرتا ہے تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟　　مستفتی: اختیار احمد اورنگی ٹاؤن کراچی

﴿جواب﴾ ہونٹوں کو حرکت دیئے بغیر دل ہی دل میں پڑھنے سے قرأت نہیں ہوتی قراءت کے لیے الفاظ کی باقاعدہ ادائیگی ضروری ہے جو کہ زبان، ہونٹوں کو کچھ آواز کے ساتھ حرکت دینے سے ادا ہو سکتے ہیں، اور آواز اتنی ہو کہ خاموش فضاء میں انسان کم از کم خود اپنی قراءت سن سکے یعنی اتنی آواز کے ساتھ پڑھے۔

مثلاً رات کی خاموشی میں، تنہائی میں اپنی آواز سنائی دے تو یہ کافی ہے، دن کے وقت فضاء

دیگر آوازوں کی گونج سے بھری ہوئی ہوتی ہے تو معمولی آواز سنائی نہیں دیتی اس کا اعتبار نہیں ہے، بہر حال ہونٹوں کو حرکت دیئے بغیر قراءت نہیں ہو سکتی، اس لیے منفرد کی نماز ادا نہ ہوگی۔

لما فی حلبی کبیر: (ص۲۷۵ طبع سہیل اکیڈمی)

"والثالثة" من الفرائض "القراء ۃ وھو تصحیح الحروف بلسانه بحیث یسمع نفسه" فان صحح الحروف من غیران یسمع نفسه لایکون ذالک قراء ۃ فی اختیار الھندوانی والفضلی لان مجرد حرکة اللسان لایسمیٰ قراء ۃ بلا صوت لان الکلام اسم لمسموع مفهوم" وقیل اذا صحح الحروف یجوزوان لم یسمع نفسه" وھو اختیار الکرخی لان القراء ۃ فعل اللسان وذالک باقامة الحروف دون الصماخ لان الصماع فعل السامع لا القاری وفی المحیط الاصح قول الشیخین وفی الکافی قال شمس الائمة الحلوانی الأصح ان لایجزیه مالم تسمع اذناه ویسمع من بقربه۔۔۔الخ.

وھکذا فی الشامیة: (۱/۵۳۵ طبع)

ھکذا فی البحر (۱/۳۳۶ طبع سعید)

ولما فی الھدایة: (۱/۱۱۹ طبع رحمانیه)

ثم المخافتة ان یسمع نفسه والجھران یسمع غیره وھذا عند الفقیه ابی جعفر الھندوانیؒ لان مجرد حرکة اللسان لایسمیٰ قراء ۃ بدون الصوت۔۔۔الخ.

وفی حاشیتها: "قوله "ان یسمع غیره تفسیر الجهر والمخافتة هو الصحیح اما درایة۔۔۔ واما روایة فلروایة البخاری وغیره عن ابی معمر قلت لخباب بن الارت أکان رسول الله ﷺ یقرأ فی الظهر والعصر قال نعم.قلنا له من این علمت قال باضطراب لحیته......فان ذالک لا یکون الا بتحریک اللسان بالشفتین

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۲۶۰

﴿تصور سے قراءت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ نماز پڑھتے وقت قراءت کا تصور کرتے ہیں یعنی ہونٹ اور زبان نہیں ہلاتے، بلکہ چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا زبان اور ہونٹ کو حرکت دینا ضروری ہے؟

مستفتی: عدنان

﴿جواب﴾ تصور سے قراءت کرنے سے نماز نہیں ہوتی، قراءت میں الفاظ کی ادائیگی کیلئے

زبان اور ہونٹوں کو حرکت دینا ضروری ہے۔

لما فی الهداية:(۱/ ۱۱۹،طبع رحمانیه)

وقال الكرخي"ادنى الجهران يسمع نفسه وادنى المخافتة تصحيح الحروف لان القراءة فعل اللسان دون الصماخ.

ولما فی العالمگیریة:(۱/ ۶۹،طبع رشیدیه)

واما حد القراءة فالقول لتصحيح الحروف امر لابد منه فان صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه لايجوز وبه اخذ عامة المشائخ هكذا في المحيط.

ولما فی ردالمحتار:(۱/ ۵۳۵،طبع سعید)

وادنى المخافتة اسماع نفسه ويجرى ذلك المذكور في كل مايتعلق بنطق كتسمية على ذبيحة ،ووجوب سجدة التلاوة ،وعتاق ،وطلاق ،واستثناء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:سعید احمد

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتوی نمبر:۸۴۵

﴿قرأت کے آخری لفظ کو رکوع کی تکبیر کیساتھ ملانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص سورۃ فاتحہ کے بعد قرأت کے آخری لفظ پر بغیر ٹھہرے رکوع کی تکبیر کیساتھ ملا دے تو ایسا کرنا سنت کے موافق ہے یا مخالف؟ بعض ائمہ حضرات اس طرح کرتے ہیں اس میں کوئی خاص علمی بات ہے؟

﴿جواب﴾ قرأت کے اختتام پر کچھ وقفہ کر کے رکوع کیلئے تکبیر کہے یا قرأت کے آخری لفظ کیساتھ ملا کر اللہ اکبر کہے دونوں جائز ہیں، البتہ زیادہ اولیٰ یہ ہے کہ قرأت کا آخری لفظ حمد وثناء پر اگر مشتمل ہو تو وقفہ کے بغیر آخری لفظ کیساتھ ملا کر تکبیر کہنی چاہئے، جیسے "وكبره تكبيراً" تو یہاں تنوین ظاہر کر کے اللہ اکبر کہے، اور آیت کا آخری لفظ حمد وثناء پر مشتمل نہ ہو مثلاً "ان شانئك هو الابتر" تو یہاں پوری طرح وقف کر کے "اللہ اکبر" کہے تو یہ زیادہ اولیٰ ہے۔

لما فی الشامی:۱/ ۴۹۳،طبع سعید)

ولا يكره وصل القراءة بتكبيرة،(قوله ولا يكره الخ)مثاله ان يقول "واما بنعمة ربك فحدث الله اكبر ،وفي القهستاني:وفي قوله ثم يكبر دلالة على انه لايصل التكبير بالقراءة ،وهذا رخصة والأفضل الوصل ،وفي شرح المنية:وعن ابي يوسف انه قال ربما

وصلت وربما ترکت ،وذکر فی التاتارخانیۃ تفصیلا حسنا ۔وھو انہ اذا کان آخر السورۃ ثناء مثل " وکبرہ تکبیرا،فالوصل أولی والا فالفصل أولی مثل،ان شانئک ھو الأبتر ۔فیقف ویفصل ثم یکبر للرکوع.

ولما فی التاتارخانیۃ:(۲۵۹/۱ طبع قدیمی)

وکان القاضی الامام السعید ابوبکر الھمقوبی قال:اذا فرغت من القراءۃ وترید ان تکبر للرکوع فان کان الختم بالثناء فالوصل (اللہ أکبر)أولی کقولہ تعالیٰ:"وکبرہ تکبیرا"ولو لم یکن ختم السورۃ بالثناء فالفصل أولی کقولہ عزوجل:"ان شانئک ھو الأبتر "الاولی ان یقف ویفصل ثم یقول:اللہ أکبر،وکقولہ عزوجل:"فی جیدھا حبل من مسد"یقف ثم یقول:اللہ اکبر.

ولما فی حلبی کبیر:(۲۷۳ طبع نعمانیۃ)

وھذا یفید انہ یصلی خاتمۃ القراءۃ بالرکوع من غیر تراخ وعن ابی یوسفؒ انہ قال ربما وصلت وربما ترکت وقال ابو جعفر الھندوانی یصلھا ای القراءۃ بالرکوع وصلا وانما ترک ابو یوسفؒ الافضل تعلیما للرخصۃ کذا فی الکفایۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:عمر فاروق لاہوری

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۵۹۳

﴿جہری قرأت شروع ہوتو ثناء چھوڑ دینا اولیٰ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی امام کے ساتھ جہری نماز میں اس وقت شامل ہوگیا جب امام نے الحمدللہ شروع کیا ہو،تو کیا اس وقت مقتدی کے لئے ثناء پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟اگر ہے تو پڑھنا بہتر ہے یا نہ پڑھنا؟برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں نوازش ہوگی۔　　　　مستفتی:فہیم الرحمٰن مروت

﴿جواب﴾ امام کے ساتھ جہری نمازوں میں اس وقت اگر کوئی شامل ہوا کہ امام نے قرأت پڑھنا شروع کرلیا ہو،تو امام صاحب کے وقفوں کے دوران ایک،ایک یا دو،دو کر کے کلمات پڑھنے کی گنجائش ہے،اور نہ پڑھنے کو اولیٰ قرار دیا ہے۔

لما فی مراقی الفلاح :(ص،۲۸۲،طبع:قدیمی کتب خانہ)

(فیأتی بہ المسبوق)فی ابتداء ما یقضیہ بعد الثناء فانہ یثنی حال اقتداء ہ ولو فی سکتات الامام علی ما قیل،وفی حاشیۃ الطحطاوی تحت قولہ:(فانہ یثنی حال اقتداء ہ)لا وجہ لھذا التعلیل قال فی الشرح:ویثنی أیضاً حال اقتداءہ وان سبقہ بہ امامہ ما لم

یقرأ،وقیل یثنی فی سکتاته ،هو أولی مما هنا.

ولمافی حلبی کبیر:(ص ۲۶۵، طبع: نعمانیه)

واذا أدرك الشارع فی الصلوة عند شروعه الامام وهوأی والحال ان الامام یجهر بالقرائة لا یأتی بالثناء بل یستمع وینصت للآية،وقال بعضهم یأتی بالثناء عند سکتات الامام حین کون الثناء کلمة کلمةأو کلمتین کلمتین بحسب ما یمکنه،لانه امکنه الاتیان بالسنة مع مراعات مقتضی الأمر ـــ بل الأصح هو القول الأولی انه لا یأتی به مطلقاً لاطلاق النص.

ولما فی الشامی:(۱/۴۸۸، طبع: سعید)

واختاره قاضیخان حیث قال:ولو أدرك الامام بعد ما اشتغل بالقراءة قال ابن الفضل لا یثنی،وقال غیره یثنی،وینبغی التفصیل ان کان الامام یجهر لا یثنی،وان کان یسر یثنی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۶ صفر ۱۴۳۴ھ   فتویٰ نمبر: ۳۵۵۷

﴿عورت جہری نماز میں جہراً قراءت نہیں کرسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ کیا جہری نمازوں میں عورت جہراً قراءت کرسکتی یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں   مستفتی: محمد ریاض

﴿جواب﴾ عورت کے لیے جہری نمازوں میں جہراً قراءت کرنا ممنوع ہے۔

(لما فی الرد المحتار ۱/۵۰۲)

ولا تجهر فی الجهرية ،بل لو قیل بالفساد بجهرها لامکن بناء علی ان صوتها عورة

(ولما فی البحر الرائق ۱/۳۲۱)

ولا یستحب فی حقها الجهر بالقراءة فی الصلوة الجهرية ،بل قدمنا فی شروط الصلوة انه لو قیل بالفساد اذا جهرت لامکن علی القول بان صوتها عورة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۱۱ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ   فتویٰ نمبر: ۳۳۸۴

﴿دوسری نماز کا ذکر کرنے سے نماز کی نیت خراب نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب: کبھی کبھی جلد بازی میں وقت کی فرض نماز کی نیت کے

بجائے دوسرے وقت کی نماز کی نیت زبان سے پڑھ لیتا ہوں، مثلاً اگر ظہر کے فرض پڑھتے وقت ظہر کی نماز کے بجائے عصر کی نماز کی نیت کر لیتا ہوں تو اس صورت میں کونسی نماز ادا ہوگی ظہر کی یا عصر کی؟

مستفتی: محمد سلمان ساہیوالی

﴿جواب﴾ نیت دل کے عمل کا نام ہے، لہٰذا دل میں اسی وقت کی فرض نماز کی نیت اگر ہو اور وقت بھی اسی نماز کا ہو تو فقط زبان سے جلد بازی میں دوسری نماز کا ذکر کرنے سے نیت خراب نہیں ہوتی۔

لما فی الحلبی:(ص ۲۵۴،طبع سہیل اکیڈمی)

ولو نوی بالقلب ولم يتكلم باللسان جاز بلاخلاف بين الأئمة لأن النية عمل القلب لاعمل اللسان.

ولما فی البحر الرائق:(۱/ ۲۸۲-۲۸۰،طبع سعید)

(بحث شروط الصلوة)وقد علم مما قدمناه من أنه لا معتبر باللسان أنه لو نوى الظهر وتلفظ بالعصر فانه يكون شارعا في الظهر كما صرحوا به ـــ وفي منية المصلي،ولو نوى مكتوبتين فهي للتي دخل وقتها وعلل له في المحيط بأن الوقتية واجبة للحال وغيرها لا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: مزمل شاہ

۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۵۵

﴿زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ثبوت احادیث سے ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ علماء احناف نماز میں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنے کو مسنون کہتے ہیں، کیا اس کا کسی حدیث سے ثبوت ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

مستفتی: عبدالکریم مروت

﴿جواب﴾ بحمد اللہ تعالیٰ فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی مسئلہ دلائل شرعیہ کے خلاف بیان نہیں فرمایا، لہٰذا مردوں کے لئے نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنا مسنون ہے، جو درجہ ذیل احادیث وآثار سے ثابت ہے۔

ولما فی هامش أبی داؤد:(۱/ ۱۱۸، باب وضع اليمين على اليسرى، طبع: رحمانيه)

"حدثنا محمد بن محبوب ثنا حفص بن غياث عن عبدالرحمن بن اسحاق عن زياد بن

زيد عن أبى جحيفة أن علياً رضى الله عنه قال:من السنة وضع الكف على الكف فى الصلوة تحت السرة".

ولما فى مصنف بن ابى شيبة:(۳۹۱/۱ بيروت)

"عن عبدالرحمن بن اسحاق عن زياد بن زيد السوائى عن أبى جحيفة عن على رضى الله عنه قال:من سنة الصلوة وضع الأيدى على الأيدى تحت السرة"

اگر چہ اس روایت کی سند میں کلام ہے، وہ یہ کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق ضعیف راوی ہیں، لیکن اس کی تائید دیگر مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہورہی ہے۔اور غیر مقلدین سینے پر ہاتھ باندھنے کی تائید میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کرسکتے بلکہ ایسی کوئی ضعیف روایت بھی پیش نہیں کرسکتے جسکی تائید کسی دوسری ضعیف حدیث سے ہوتی ہو۔

ولما فى اعلاء السنن:(۱۸۲/۲، طبع: دار الكتب العلمية بيروت)

وأما علة ضعف عبدالرحمن بن اسحاق فقد عرفت ارتفاعها بقول العجلى:أنه جائز الحديث يكتب حديثه،على أنه قد تأيد بشواهد كما قال ابن حزم:روينا عن أبى هريرة رضى الله عنه قال:"وضع الكف على الكف فى الصلوة تحت السرة "وعن أنس رضى الله عنه قال:ثلاث من أخلاق النبوة تعجيل الافطار وتأخير السحور ووضع اليد اليمنى على اليسرى فى الصلوة تحت السرة"كذا فى جوهر النقى(۱۲٦/۱)

ولما فى عمدة القارى:(۳۰۸/۵باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلوة)طبع رشيديه

رواه ابن حزم من حديث أنس رضى الله عنه:"من اخلاق النبوّة وضع اليمين على الشمال تحت السرة".

ولما فى اعلاء السنن:(۱۸۵/۲، باب وضع اليدين تحت السرة وكيفية الوضع)

"حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه رضى الله عنه قال:رأيت النبى صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله فى الصلوة تحت السرة" أخرجه ابن أبى شيبة ورجاله ثقات،وقال الشيخ قاسم ابن قطلوبغا الحنفى:ان هذا سند جيد

ولما فى مصنف ابن أبى شيبة:(۳۹۰/۱ بيروت)

"أخبرنا حجاج بن حسان قال:سمعت أبا مجلز،أو سئلته قال: قلت:كيف يضع؟قال:يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلها أسفل السرة".

عن ابراهيم قال يضع يمينه على شماله فى الصلوة تحت السرة".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۱۳

ہے کہ بعض اداروں میں اسکو لازمی بھی قرار دیا ہے، یہ لوگ اگر بطور فیشن یا انکے ادارے کی طرف سے لازمی قرار دینے کی وجہ سے اگر باندھتے ہیں تو یہ بلاشبہ ناجائز اور غیرت اسلامی کے خلاف ہے اور عیسائی لوگوں کے نظریہ کی تائید میں اگر باندھتے ہیں تو قرآنی خبر کا انکار ہے اس لیے کفر ہے، اس لیے ٹائی باندھنے سے گریز کرنا بہت ضروری ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ:(سورۃ الاعراف ایة ٢٦)

یبنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد،

ولما فی تفسیر روح المعانی تحت ہذہ الآیة(٨/٢٨٧ طبع رشیدیه)

(یبنی ادم خذوا زینتکم) ای ثیابکم لمواراۃ عوراتکم لان المستفاد من الامر الوجوب والواجب انما هو ستر العورۃ (عند کل مسجد) ای طواف و صلاۃ والی ذالک ذهب مجاهد وابو الشیخ وغیرهما۔۔۔۔وحمل بعضهم الزینة علی لباس التجمل، لان المتبادر منه ونسب للباقرؒ وروی عن الحسن السبط انه اذا قام الی الصلاۃ اجود ثیابه فقیل له یا ابن رسول الله لم تلبس اجود ثیبک؟ فقال: ان الله تعالی جمیل یحب الجمال فاتجمل لربی وهو یقول(خذوا زینتکم عند کل مسجد) فاحب ان البس اجمل ثیابی ولا یخفی ان الامر حینئذ لا یحمل علی الوجوب لظهور ان هذا التزین مسنون لا واجب،

ولما فی مرقاۃ المفاتیح(٨/٢٢٢ طبع رشیدیه)

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ" من تشبه بقوم فهو منهم" ای من شبه نفسه بالکفار(مثلا فی اللباس وغیره او بالفساق او بالفجار او باهل التصوف والصلحاء الابرار" فهو منهم" ای فی الاثم والخیر قال الطیبی هذا عام فی الخلق والشعار ولما کان الشعار اظهر فی التشبیه،

ولما فی الشامی(١/٤١٠ طبع سعید)

(ولا یضر التصاقه) ای بالالیة مثلا وقوله وتشکله من عطف المسبب علی السبب وعبارۃ شرح المنیه: اما لو کان غلیظا لا یری منه لون البشرۃ الا انه التصق بالعضو وتشکل بشکله فصار شکل العضو مرئیا فینبغی ان لا یمنع جواز الصلوۃ لحصول الستر،

ولما فی الشامی(١/٤٦٦ طبع سعید)

اقول مفاده: ان رویة الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعة ولو کثیفا لا تری البشرۃ منه

ولما فی سنن ابی داؤد(٢/٢١٨ باب فی الصلیب فی الثوب)

عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ کان لا یترك فی بیته شیئا فیه تصلیب الا قبضه،

ولما فی بذل المجهود تحت هذا الحدیث(٥/٦٨)

(عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ کان لا یترك فی بیته شیئا)یشمل الملبوس والستور

والبسط والالات فيه(تصليب) اى صورة الصليب التى للنصارى من نقش فى ثوب او غيره(الا قبضه) ولفظ البخارى الا نقضه اى قطعه وكسره وغيره صورة الصليب وان لم تكن على صورة ذى حيوة لكن يمحى لما يعبده النصارى.

ولما فى التاتارخانيه:(۲۱۰/۱ طبع سعيد)

ولو وقع بصر المصلى على عورة غيره لا تفسد صلاته وان تعمد ذلك فهو مسيئى،

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

ا ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۶۰۷

﴿باریک دوپٹے میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل لڑکیاں ایسے باریک دوپٹے استعمال کرتی ہیں کہ سر پر دوپٹہ ہونے کے باوجود سر کے بال صاف نظر آتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ لڑکیوں کے بال ستر میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح کے دوپٹوں میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔　　　مستفتیہ: بیگم سردار محمد سواتی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ لڑکیوں کا پورا جسم ستر ہے، جس میں سر کے بال بھی داخل ہیں، سوائے چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائیوں تک، لہٰذا ایسا دوپٹہ استعمال کرنا جس میں سر کے بال صاف نظر آتے ہوں نماز نہیں ہوتی۔

لما فى التنوير مع الدر:(۲۰۲/۱ مطلب فى ستر العورة، طبع سعيد)

(و) الرابع(ستر عورته) ووجوبه عام ولو فى الخلوة على الصحيح الالغرض صحيح.

وفى الشامية:(قوله ووجوبه عام) اى فى الصلاة وخارجها.

ولما فى التنوير مع الدر:(۲۰۵/۱ مطلب فى ستر العورة طبع سعيد)

(وللحرة) ولو خنثى(جميع بدنها حتى شعرها النازل فى الأصح. وفى الشامية:(قوله النازل)اى عن الرأس بان جاوز الأذن، وقيد به اذ لاخلاف فيما على الرأس(قوله فى الأصح)......وعليه الفتوى كما فى معراج.

وكذا فى الهندية:(۵۸/۱، الباب الثالث فى شرائط الصلاة طبع رشيديه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۹۳۹

﴿قبلہ نما کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبلہ نما کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿جواب﴾ قبلہ رخ ہونا نماز کی شرائط میں سے ہے لیکن مکہ مکرمہ کے باشندوں کے علاوہ کعبہ سے دور لوگوں کے لیے جہت کعبہ کو معتبر مانا گیا ہے بشرطیکہ ۴۵ درجہ کے زاویہ کی حد میں ہو اور جہاں یہ جہت معلوم نہ ہو تو اس کے لیے ''تحری'' کو ضروری قرار دیا ہے، ''تحری'' کا مطلب یہ ہے کہ اس جہت کو معلوم کرنے کے لیے نمازی کم از کم قرائن مثلاً سورج، چاند اور تاروں وغیرہ کے ذریعہ معلوم کرنے کی حتی الوسع کوشش کرے، قبلہ نما بھی اس جہت کو بتانے کے لیے ایک قرینہ اور ذریعہ ہے، شریعت ایسی چیزوں سے استفادہ کو منع نہیں کرتی۔

لما فی العالمگیریۃ:(۶۳/۱،الفصل الثالث فی استقبال القبلۃ،طبع رشیدیہ)

وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل في الأمصار والقرى المحاريب التي نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتباعهم فان لم تكن فالسؤال من أهل ذالك الموضع وأما في البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم هكذا في فتاوىٰ قاضيخان.وكذا في بدائع الصنائع:(۱۱۸/۱،طبع سعيد)وكذا في التنوير مع الدر:(۴۲۷/۱،طبع سعيد)

ولما في معارف السنن:(۴۷۷/۲،طبع سعيد)

ثم انه قدر تلك السعة في الجهة بقدر ربع الدائرة.وصرحوا بفساد صلاة من خرج عن مقدار الربع،واذن يتحمل الانحراف في الجهة عن الكعبة نفسها نحو خمس وأربعين درجة كما حققه الغزالي وغيره من المحققين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشاوری

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۰۹

﴿دوران نماز دونوں پاؤں کے درمیان فاصلے کی مقدار﴾

﴿سوال﴾ دوران نماز: قیام کی حالت میں دونوں قدموں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے بعض لوگ دونوں قدموں کو بہت کھول کر رکھتے ہیں اور بعض لوگ بالکل ملا کر رکھتے ہیں برائے مہربانی صحیح طریقہ بیان فرمائیں؟

﴿جواب﴾ دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار ہونا چاہیے (ہر

آدمی کے اپنے ہاتھ کا اعتبار ہوگا) کیونکہ اس سے خشوع میں مدد ملتی ہے۔

لما فی رد المحتار:(۱۳۱/۲ مطبع امدادیہ)

ويكره القيام على أحد القدمين في الصلاة بلا عذر، وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب الى الخشوع، هكذا روى عن ابى نصر الدبوسي أنه كان يفعله، كذا في الكبرى، وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أى قام كل واحد بجانب الاخر، كذا في فتاوى سمر قند — الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۸۶

﴿سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر سورۃ فاتحہ کے بعد قراءت سورت کی ابتداء سے شروع کریں تو سورۃ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا اولیٰ ہے اور اگر سورۃ فاتحہ کے بعد قراءت سورت کے درمیان سے شروع کی تو بسم اللہ نہ پڑھیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۹۲/۲ مطبع امدادیہ)

لاتسن بين الفاتحة والسورة مطلقا ولو سرية ولا تكره اتفاقا وفي الشامية:(قوله لاتسن) مقتضى كلام المتن أن يقال: لايسمى لكنه عدل عنه لايهامه الكراهة بخلاف نفي السنية. ثم ان هذا قولهما وصححه في البدائع وقال محمدؒ: تسن ان خافت لاان جهر بحر، ونسب ابن الضياء في شرح الغزنوية الاول الى ابى يوسفؒ فقط فقال: وهذا قول أبي يوسفؒ، وذكر في المصفى أن الفتوى على قول أبي يوسفؒ أنه يسمى في اول كل ركعة ويخفيها وذكر في المحيط: المختار قول محمدؒ وهو أن يسمى قبل الفاتحة وقبل كل سورة في كل ركعة وفي رواية الحسن بن زيادؒ انه يسمى في الركعة الاولى لاغير، وانما اختير قول أبي يوسفؒ لأن لفظة الفتوى آكد وابلغ من لفظة المختار، ولأن قول أبي يوسفؒ وسط وخير الامور اوسطها، كذا في شرح عمدة المصلى اه مافي شرح الغزنوية، ووقع في النهر هنا خطأ وخلل في النقل ايضا عن شرح الغزنوية فاجتنبه فافهم، قوله (ولا تكره اتفاقا) ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه ان سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سراً أوجهراً كان حسنا عند أبي حنيفةؒ ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي لشبهة الاختلاف في كونها اية من كل سورة، بحر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۸۴

﴿سورۃ فاتحہ کی ابتدا میں بسم اللہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پہلی رکعت میں ثناء پڑھنے کے بعد سورۃ فاتحہ کے شروع میں اور اسی طرح ہر رکعت میں سورۃ کے شروع میں تعوذ اور تسمیہ پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟
مستفتی: بہادر شیر شانگلہ پورن

﴿جواب﴾ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد منفرد اور امام کیلئے اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں پڑھنا مسنون ہے اور بقیہ رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے شروع میں صرف بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ سراً پڑھنا بہتر ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۱/۴۹۰، طبع سعید)

الاختلاف فی کونها آیة من کل سورة، مطلب قراءة البسملة بین الفاتحة والسورة حسن سمی غیر الموتم بلفظ البسملة لا مطلق الذکر کما فی ذبیحة ووضوء، سرا فی اول کل رکعة ولو جهریة لا تسن بین الفاتحة السورة مطلقا ولو سریة ولا تکره اتفاقا وفی شرحه لا تکره اتفاقا ولهذا صرح فی الذخیرة والمجتبی بانه ان سمی بین الفاتحة والسورة المقروءة سرا اوجهرا کان حسنا عند ابی حنیفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة.

ولما فی حاشیة الطحطاوی: (ص ۲۶۰، طبع قدیمی)

وتسن التسمیة اول کل رکعة وفی حاشیة المؤلف علی الدرر واتفقوا علی عدم الکراهة فی ذکرها بین الفاتحة والسورة بل هو حسن سواء کانت الصلوة سریة او جهریة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

ربیع الاول ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۳۴۲

﴿قراءت سریہ میں اخفاء کی مقدار؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قراءت سریہ میں اخفاء کی مقدار کیا ہے؟ ایک آدمی دل دل میں قراءت کر رہا ہے زبان سے قرأت نہیں کرتا تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟
مستفتی: محمد عظیم خان

﴿جواب﴾ قراءت سریہ میں اخفاء کی مقدار یہ ہے کہ حروف کی ادائیگی کے ساتھ اتنی مقدار آواز سے قرأت کرنا جو شور وغل کی رکاوٹ کے بغیر خود سنی جا سکتی ہو، صرف دل دل میں

زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیئے بغیر پڑھنے کو قراءت نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا صرف دل میں پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔

لمافی حلبی کبیر:(ص۲۲۰،طبع نعمانیه)

القراءۃ وهو تصحیح الحروف بلسانه بحیث یسمع نفسه.

ولمافی الدرالمختار:(۲/۲۵۲،طبع امدادیه)

(المخافتة اسماع نفسه)فشرط الهندوانی والفضلی لوجودها خروج صوت یصل الی اذنه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ۱۶ محرم ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی فتویٰ نمبر: ۱۸

امام کا جہری نماز سراً پڑھانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام نے مغرب میں جہری قرأت کے بجائے سراً نماز پڑھادی اور اتفاق سے مقتدیوں نے بھی اسکو لقمہ نہیں دیا، نماز ختم ہونے کے بعد کچھ مقتدیوں کا کہنا ہے کہ سجدہ سہو نہ کرنے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی، جبکہ امام اس بات پر مصر ہے کہ نماز ہوگئی، اس کا لوٹانا ضروری نہیں، برائے مہربانی ''اعادہ صلوٰۃ'' اور ترک اعادہ کے متعلق آپ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: غلام مصطفیٰ، سہراب گوٹھ

جواب: جہری نمازوں میں جہراً قرأت کرنا امام پر واجب ہے، لہٰذا بھول سے امام صاحب نے جہری نماز میں ایک رکن کی مقدار میں سراً قرأت کی ہو تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، لیکن پوری نماز میں یاد نہ آنا کہ یہ جہری نماز ہے کچھ بعید معلوم ہوتا ہے، دراصل امام صاحب کو مسئلے کا صحیح علم نہیں اس لئے وہ نماز کے صحیح ہونے پر مصر ہیں، حالانکہ نماز واجب الاعادہ ہے، لہٰذا پوری نماز میں امام صاحب بھولے رہے ہوں تب تو سجدہ سہو سے کفایت ہو جاتی لیکن مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جہری قرأت یاد آنے کے باوجود جہر نہ کی ہو تو ایسی صورت میں سجدہ سہو سے بھی تلافی نہیں ہوتی۔ بہرحال مذکورہ صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے۔ تمام نمازی اس نماز کا اعادہ کریں۔

لمافی الشامی :۱/۸۱(طبع ایچ،ایم سعید)

(والجهر فیما یخافت فیه)للامام (وعکسه)لکل مصل فی الاصح .وصرحوابان

وجوب السجود عليه اذا جهر فيما يخافت رواية النوادر وعلى ظاهر الرواية لا سهو على المنفرد اذا جهر فيما يخافت فيه وانما هو على الامام فقط.

ولما في البحر: ۱۰۲/۲ (سعید)

الجهر على الامام فيما يجهر فيه والمخافتة مطلقا فيما يخافت فيه وهذا في حق الامام دون المنفرد لان الجهر والمخافتة من خصائص الجماعه كذا في البنايه وذكر قاضيخان في فتاواه ان ظاهر الرواية وجوب السجود على الامام اذا جهر فيما يخافت أو خافت فيما يجهر.

لما في الهنديه: ۱۲۸/۱ (طبع رشيديه كوئٹه)

لو جهر فيما يخافت أو خافت فيما يجهر وجب عليه سجود السهو.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب عزیز احمد قندھاری غفرلہ ولوالدیہ

۳ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ   فتویٰ نمبر: ۳۹۷۵

﴿فرض نماز میں تلاوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بندہ نے عشاء کی نماز ادا کرتے ہوئے چوتھی رکعت میں بھول کر سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ بھی ملادی، کیا مذکورہ صورت میرے ذمے سجدۂ سہو لازم ہے کہ نہیں؟ مستفتی: عبدالواحد

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپ پر کوئی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوا۔

لما فی الشامی: (۱۵۰/۲ طبع امدادیہ)

قوله (وهل يكره) اى ضم السورة قوله (المختار لا) اى لا يكره تحريما بل تنزيها لانه خلاف السنة، قال فى المنية وشرحها: فان ضم السورة الى الفاتحة ساهيا يجب عليه سجدتا السهو فى قول ابى يوسف لتأخير الركوع عن محلّه، وفى اظهر الروايات لا يجب لان القرأة فيهما مشروعة من غير تقدير والاقتصار على الفاتحة مسنون لا واجب اه وفى البحر: عن فخر الاسلام ان السورة مشروعة فى الأخريين نفلا وفى الذخيرة انه المختار وفى المحيط وهو الاصح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ   فتویٰ نمبر: ۴۷۳

﴿نماز میں خشوع کی غرض سے آنکھیں بند کرنے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ نمازی کے آس پاس ایسی

کوئی چیز ہو کہ آنکھ بند کئے بغیر نماز میں خلل آرہا ہو تو کیا ایسی صورت میں آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: عبد الرحمٰن

﴿جواب﴾ عام حالات میں آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن کسی چیز کی وجہ سے نماز میں خلل آنے کا اندیشہ ہو تو آنکھیں بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لما في الدر المختار مع رد المحتار: (۴۱۳/۲ مطبع امدادیه)

(وتغميض عينيه) للنهي الالكمال الخشوع ..... وفي الشامية: أي في حديث (اذا قام أحدكم في الصلاة فلا يغمض عينيه) رواه ابن عدي الأأن في سنده من ضعف وعلل في البدائع بان السنة أن يرمي ببصره الى موضع سجوده وفي التغميض تركهاثم الظاهر أن الكراهة تنزيهية كذافي الحلية والبحر وكأنه لأن علة النهي مامرعن البدائع وهي الصارف له عن التحريم قوله: الالكمال الخشوع بأن فات فوت الخشوع بسبب رؤية مايفرق الخاطر فلايكره بل قال بعض العلماء انه الاولىٰ وليس ببعيد، حلية وبحر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۳

﴿رکوع کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مردوں کے لئے رکوع کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اور عورتوں کے لئے رکوع کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ مردوں کے لئے رکوع میں دائیں گھٹنے کو دائیں ہاتھ سے اور بائیں گھٹنے کو بائیں ہاتھ سے پکڑنا سنت ہے، اور عورتوں کے لئے رکوع میں صرف گھٹنوں پر ہاتھ رکھ لینا کافی ہے، مردوں کے لئے انگلیاں کشادہ کر کے گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے اور عورتوں کے لئے انگلیوں کو ملا کر گھٹنوں پر رکھنا کافی ہے۔ رکوع کی حالت میں پنڈلیوں کو سیدھا رکھنا چاہئے۔ مردوں کو رکوع کی حالت میں اس طرح جھکنا کہ پیٹھ، کمر اور سرین سب برابر ہو کر ایک سطح پر آجائیں اور عورتوں کے لئے صرف اس قدر جھکنا کافی ہے کہ ہاتھ گھٹنوں کو پہنچ جائیں۔

لما في تنوير الابصار مع الدر المختار: (۴۹۳/۱، ایچ ایم سعید)

(ويضع يديه) معتمدا بهما (على ركبتيه ويفرج اصابعه) للتمكن، و ليس لن يلصق كعبيه وينصب ساقيه (و يبسط ظهره) و يسوى ظهره بعجزه.

و لما في ردالمحتار :(١/ ٤٩٢،ايچ . ايم. سعيد)

و يضع يديه ليعلم ان الوضع و الاعتماد و التفريج والالصاق و النصب و البسط والتسوية كلها سنن في القهستاني.قال :و ينبغي ان يزاد مجافياً عضديه مستقبلا اصابعه فانهما سنة كما في الزاهدي .قال في المعراج و في المجتبي : و هذا كله في حق الرجل .واما المرأة فتنحني في الركوع يسيراًولا تفرج و لكن تضم وتضع يديها على ركبتيها وضعا و تحني ركبتيها و لاتجافي عضديها لان ذلك استرلها.و في شرح الوجيز:الخنثي كالمرأة.

ولما في حلبي كبيري:(ص،١٥٠ ،سهيل اكيڈمي)

(و يضع يديه)في الركوع (على ركبتيه)معتمداً بهما (و يفرج اصابعه)و لا يندب الى التفريج الا في هذه الحالة ليكون امكن من الاخذ بالركبة و الاعتماد.........(و يبسط ظهره)و يسوي رأسه بعجزه (و لا يرفع رأسه و لا ينكسه)......... و اخرج مسلم عن عائشة رضي الله عنها في حديث طويل اذا ركع لم يشخص رأسه و لم يصوبه والسنة ايضاًفي الركوع الصاق الكعبين واستقبال الاصابع القبلة و هذا كله في حق الرجل فاماالمرأة: فتنحني في الركوع قليلاًو تعتمدلا تفرج اصابعها بل تضمهاو تضع يديها على ركبتيها وضعاً و لا تحني ركبتيها ولا تجافي عضديها لان ذلك استرلها كذا ذكره الزاهدي في شرح القدوري.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۸۹

﴿رکوع میں کم از کم اتنا جھکنا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی رکوع اس طرح کرتا ہے کہ وہ اپنی کمر کو کم جھکاتا ہے اور گردن کو زیادہ جھکالیتا ہے ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ رکوع کے لئے کم از کم اتنا جھکنا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچے ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی اور اچھی طرح جھکنا کہ کمر سیدھی ہو اور گردن بھی اس طرح کہ سر نہ تو نیچے ہو نہ کمر سے اونچا بلکہ کمر کے برابر ہو، اور دونوں گھٹنوں کو ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑا رکھے تو یہ رکوع کا صحیح و مسنون طریقہ ہے اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے تو اس آدمی کو چاہئے کہ رکوع کے لئے صحیح طریقہ اپنائے ورنہ اس کی نماز مکروہ ہوگی۔

و لما في ردالمحتار:(١/ ٤٤٧،ايچ. ايم. سعيد)

(قوله بحيث لو مد يديه نال ركبتيه)كذا في السراج ،و في شرح المنية هوطأطأة الراس

ای خلضه لکن مع انحناء الظهر لانه هو مفهوم من موضوع اللغة فيصدق عليه قوله تعالى ﴿ اركعوا ﴾ و أما كماله فبانحناء الصلب حتى يستوى الرأس بالعجز و هو حدالاعتدال فيه لكن ضعفه فى شرح المختار حيث قال "الركوع "يتحقق بما يطلق عليه الاسم لانه عبارة عن الانحناء و قيل ان كان الى حال القيام اقرب لا يجوز و ان كان الى حال الركوع اقرب جاز.

و لما فى السعاية: (۱۳۲/۲ سہیل اکیڈمی)

و اختلفوا فى حد الركوع ففى المنية :الركوع طأطأة الرأس و فى البدائع القدر المفروض اصل الانحناء و الميل و الحاوى فرض الركوع انحناء الظهر و مقتضاه انه لو طأطأ رأسه و لم يحن ظهره مع القدرة لم يجز ركوعه و هو الحسن كما نقله صاحب البحر عن حلية المحلي.

ولما فى حلبى كبيرى:(ص ۲۸۰، سہیل اکیڈمی)

و ان كان الى القيام اقرب بان لم يحن ظهره بل طأطأ رأسه مع ميلان منكبيه لا يجوز ركوعه لانه لايعد راكعا بل قائما.

و لما فى تنوير الابصار مع درالمختار:(۴۹۴/۱،ایچ ایم سعید)

(ويضع يديه) معتمدا بهما (على ركبتيه و يفرج اصابعه) للتمكن ، و ليس ان يلصق كعبيه و ينصب ساقيه (و يبسط ظهره)و يسوى ظهره بعجزه.

ولما فى ردالمحتار:(۴۹۴/۱،ایچ ایم سعید)

و يضع يديه فيعلم ان الوضع والاعتماد والتفريج و الالصاق و النصب و البسط و التسوية كلها سنن كما فى القهستاني.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۸۴

﴿بیٹھ کر رکوع کرنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، اس صورت میں وہ رکوع کس طرح کرے گا؟ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کے لئے اتنا جھکنا چاہئے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہوجائے اس سے زیادہ جھکنا مناسب نہیں ہے۔

ولما فى ردالمحتار: (۴۴۷/۱، ایچ ایم سعید)

(قوله بحيث لو مد يديه)...... ولو كان يصلى قاعداً ينبغى ان يحاذى جبهته ليحصل

الركوع. قلت: ولعله محمول على تمام الركوع وإلا فقد لست حصوله بأصل طأطأة الرأس أي مع انحناء الظهر تأمل.

ولما في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:(ص ۲۲۹ قديمي)

فإن ركع جالساً ينبغي أن تحاذي جبهته ركبتيه ليحصل الركوع ولعل مراده انحناء الظهر عملاً بالحقيقة لا أنه يبالغ فيه حتى يكون قريباً من السجود.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب۔ محمد حامد یاسین سکھر

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۹۶

﴿رکوع کئے بغیر سجدہ معتبر نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کوئی معذور آدمی جو کرسی پر نماز پڑھتا ہو، فرض نماز کا قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت میں قیام اور قرأت پڑھ کر فوراً سجدہ میں چلا گیا لیکن رکوع بھول گیا، تو کیا اس آدمی کا فرض باطل ہو جائے گا یا نہیں؟ اور یہ صورت اکثر بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں کو پیش آتی ہے۔ مستفتی: ایک مسلم

﴿جواب﴾ مسئولہ صورت میں اس آدمی کا فرض باطل نہیں ہوا، کیونکہ اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ بغیر رکوع کے کیا ہے، اور رکوع کئے بغیر سجدے کا چونکہ کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اسلئے اس کو چاہیئے کہ قعدہ کی طرف لوٹ کر سجدہ سہو کر کے اپنی نماز پوری کرے۔

لما في الشامي:(۸۵/۲، طبع: سعيد)

(قوله مالم يقيدها) أي الركعة التي قام إليها واحترز به عما إذا سجدلها بلا ركوع فإنه يعود لعدم الاعتداد بهذا السجود كما في النهر.

ولما في حاشية الطحطاوي على الدر:(۳۱۲/۱ طبع: رشيديه)

(قوله ما لم يقيدها) أي الركعة بسجدة أفاد أنه أتى بركوع وسجود ولما إذا سجد من غير ركوع فإنه يعود وإذا ثبت الحكم في السهو ففي العمد أولى واستشكله في البحر بأن المفسد هو الخلط ولم يوجد لفساد الركعة بخلوها عن القراءة ويؤيده ما مرّ أن السجود الخالي عن الركوع لا يعتد به فكذا الخالي عن القراءة إلا أن يفرق بأنه قد عهد تمام الركعة بدون القراءة كما في المقتدي بخلاف الخالية عن الركوع.

ولما في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:(ص ۴۶۸ طبع: قديمي كتب خانه)

مصل ترك القعود الأخير وقيد الخامسة بسجدة ــــ وإن سجد الإمام بطلت صلاة

المؤتم أيضا سواء قعد قبل تقييد امامه بالسجود ولم يقعد، وسواء كان مدركا او مسبوقا والمراد بقوله ما لم يسجد اى بعد الركوع، واما اذا سجد بدون ركوع فانه يعود لعدم الاعتداد بهذا السجود لان ما دون الركعة محل الرفض.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۵ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۵۲۷

﴿عورتوں کے لئے رکوع کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورتوں کے لئے رکوع کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ عورت رکوع کرتے وقت کتنا جھکے گی؟ کیا عورت کا ہاتھ کی انگلیوں کو کھولنا اور گھٹنوں کو پکڑنا ضروری ہے؟　　مستفتی: عبدالرحیم

﴿جواب﴾ رکوع وسجود میں بلکہ پوری نماز میں عورت کو ایسی ہیئت اپنانے کا حکم ہے جس میں پردہ زیادہ ہو۔ لہذا عورت رکوع میں مرد کی طرح کمر سیدھی کر کے نہ جھکے صرف اتنا جھکنا چاہئے کہ ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچے، اس کے علاوہ دونوں ٹانگوں اور ہاتھ کی انگلیوں کو ملانے کا حکم ہے اور ٹانگوں میں خم دینے کا حکم ہے، مرد کی طرح ٹانگیں سیدھی رکھنا مناسب نہیں ہے اور دونوں بازوؤں کو پہلوؤں سے ملانے اور ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا حکم ہے، مرد کی طرح گھٹنے پکڑنے کا حکم نہیں ہے اس طرح ہیئت بنانے میں پردہ وحیاء چونکہ زیادہ ہے اس لئے عورت کو اس ہیئت کے ساتھ رکوع کرنا مسنون ہے۔

دراصل نماز ایک ایسا عمل ہے جس کا مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ پر بڑا گہرا اثر پڑنا مسلّم ہے اور شریعت مطہرہ کو عورت کا پردہ وحیاء بہت زیادہ عزیز ومطلوب ہے، اس لئے نماز میں بھی اس عزیز حکم کی تربیت دی گئی ہے تاکہ عام حالات میں اور بھی زیادہ اس حکم کا وہ خیال رکھے۔

لما فی رد المحتار: (۱/۴۹۲، طبع سعید)

(قوله و الصاق كعبيه) اى حيث لا عذر (قوله للرجل) اى سنة للرجل فقط و هذا قيد للاخذ و التفريج، لان المرأة تضع يديها على ركبتيه وضعا ولا تفرج اصابعها كما فى المعراج فافهم.

ولما فی تنویر الابصار مع الدر المختار: (۱/۴۷۷ طبع سعید)

(نظره الى موضع سجوده حال قيامه والى ظهر قدميه حال ركوعه ......

ولما فی ردالمحتار:(۱/۴۹۲،طبع سعید)

اما المرأۃ فتنحنی فی الرکوع یسیراً ولا تفرج ولکن تضم وتضع یدیہا علی رکبتیہا وضعاً وتحنی رکبتیہا ولا تجافی عضدیہا لان ذلک استر لہا فی شرح الوجیز .الخنثی کالمرأۃ.

ولما فی العالمگیریہ:(۱/۷۴،مکتبہ رشیدیہ)

والمرأۃ تنحنی فی الرکوع یسیراً ولا تعتمد ولا تفرج اصابعہا ولکن تضم یدیہا وضعاًوتحنی رکبتیہا ولا تجافی عضدیہا کذا فی الزاہدی۔

ولما فی حلبی الکبیر:(ص۳۱۵،۳۱۶،سہیل اکیڈمی)

فاما المرأۃ فتنحنی فی الرکوع قلیلاً و لا تعتمد ولا تفرج اصابعہا بل تضمہا وتضع یدیہا علی رکبتیہا وضعاً ولاتحنی ولا تجافی عضدیہا لان ذلک استر لہا کذا ذکرہ الزاہدی فی شرح القدوری.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۵۳

﴿رکوع، قومہ وغیرہ میں دوسرے اذکار کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا نمازی کو قومہ میں "ربنالک الحمد" کے بعد "حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ" اور جلسہ میں "اللھم اغفرلی، وارحمنی، واھدنی، وعافنی، وارزقنی" کے الفاظ بھی پڑھنے چاہیے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو اسکے لیے ان کلمات کا پڑھنا مستحب ہے اور اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے اور اسے اتنا وقت مل جائے کہ ان کلمات کے پڑھنے سے امام سے پیچھے رہنا لازم نہیں آتا تو پڑھ لینا چاہیئے اور اگر امام ہے تو اسے مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہیئے کہ ان کیلئے زحمت اور مشقت کا سبب نہ بنے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پاک ارشاد ہے "من ام قوما فلیخفف فان فیھم المریض والکبیر و ذا الحاجۃ" یعنی جو شخص امام بنے تو نماز ہلکی پڑھائے، اس لئے کہ مقتدیوں میں بیمار، بوڑھے اور حاجتمند بھی ہوتے ہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۲۱۲،طبع امدادیہ)

(ولیس بینھما ذکر مسنون وکذا)لیس (بعدرفعہ من الرکوع)دعاء،وکذالایاتی فی رکوعہ وسجودہ بغیرالتسبیح(علی المذھب)،وماوردمحمول علی النفل.

وفی الشامیة:قوله(ولیس بینهماذکر مسنون)قال أبی یوسف:سألت الامام:أیقول الرجل اذلورفع رأسه من الرکوع والسجود اللهم اغفرلی؟قال:یقول ربنالک الحمد، وسکت، ولقدأحسن فی الجواب اذالم ینه عن الاستغفار.نهروغیره أقول:بل فیه اشارة الی أنه غیرمکروه،اذلوکان مکروهالنهی عنه الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم:شاہداسحاق عفااللہ عنہ

۲۵ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر:۲۰۰

﴿سجدہ میں ناک کواچھی طرح ٹیک کررکھناضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماءکرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ میں ناک زمین پرنہیں رکھتے،بعض صرف ناک کی نوک لگاتے ہیں،ایسی نماز کا کیاحکم ہے؟

﴿جواب﴾ سجدہ میں زمین پر پیشانی کیساتھ ساتھ اچھی طرح ناک رکھنا بھی واجب ہے اور بلاوجہ صرف نوک لگانے پر اکتفا کرنا صحیح نہیں ہے،سجدہ نماز کا اہم ترین رکن ہے،آپ علیہ السلام نے احادیث میں سات اعضاء پر یعنی چہرہ،دونوں ہاتھ،دونوں گھٹنے،اوردونوں پیروں، کی انگلیوں کوزمین پراچھی طرح ٹیک کررکھنے کی تعلیم دی ہےاور چہرہ دوسرے اعضاء کی نسبت زیادہ محترم ومقدس ہے،اس لئے سجدہ میں پیشانی اورناک دونوں کوزمین پراچھی طرح ٹیک کررکھنے کاحکم ہے،لہٰذاجولوگ سجدہ میں ناک زمین پررکھتے نہیں ہیں یاصرف ناک کی نوک معمولی سالگاکرسجدہ کرتے ہیں توایسی نمازواجب رہنے کی وجہ سے واجب الاعادہ ہے، گویانمازہوئی نہیں اس لئے نمازیوں کواس کاخاص خیال رکھناچاہئے۔

لمافی البخاری:(۱/۱۱۲،طبع،قدیمی)

"عن ابن عباس رضی الله عنهماقال: قال النبی ﷺ: امرت ان اسجدعلی سبعة اعظم علی الجبهة واشاربیده علی انفه والیدین والرکبتین واطراف القدمین ولانکفت الثیاب والشعر".

ولمافی حاشیة الطحطاوی ص:(۲۲۹،طبع،قدیمی)

"ماصلب منه فلواقتصرعلی ارنبته لایکون آتیابالواجب قوله :ولاتجوزالصلاة بالاقتصارعلی الانف فی السجودمالم یکن بالجبهة عذر".

ولمافی حلبی کبیری،ص:(۲۸۳،طبع سہیل اکیڈمی)

وفی الزاهدی ذکرالانف وهواسم لماصلب دلیل علی انه لایجوزالسجودعلی الارنبة وان علیه ان یمکن ماصلب منه قال: وکفایة المجالس عن ابی حنیفة رضی الله عنه

ان وضع ارنبة انفه لایجوز وانمایجوز اذاوضع عظم انفه ".

لمافی الدرالمختار:(۴۹۸/۱،طبع، سعید)

وسجدبانفه علی ماصلب منه ......قال الامام ابن عابدین الشامی : امامالان منه لایجوزالاقتصار باجماعهم بحر".

ولمافی حاشیة الطحطاوی :(ص: ۲۳۱،طبع، قدیمی)

وسجدوجوبابماصلب من انفه لان ارنبته لیست محل السجودلان ارنبته لیست محل السجودفان اقتصر علیهالایجوزاجماعا".

لما فی السعایة:(۱۱۲/۲،طبع ،سہیل اکیڈمی)

ذکر الزاهدی فی شرح مختصرالقدوری برمزبط و شح ،ذکر الانف وهو اسم لما صلب دلیل علی انه لایکفیه السجود علی الارنبته وان علیه ان یمکن ما صلب منه و فی کفایة المجالس لو وضع ارنبته لایجوز اذاوضع عظم انفه

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :محمد حامد یاسین بھکر

یکم ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۳۵۶۴

﴿عورت سجدہ میں پاؤں کیسے رکھے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ عورت کے لیے سجدہ میں پاؤں رکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ مستفتی:تنویراحمد

﴿جواب﴾ عورت کو سجدہ میں پاؤں بچھا کر رکھنے چاہیں، مردوں کی طرح پاؤں کو کھڑا رکھنا عورتوں کے لیے مسنون نہیں ہے

(لما فی ردالمحتار ۵۰۴/۱ طبع سعید

وحاصل ما ذکره ان المخالفة فی ست وعشرین ،وذکر فی البحر انها لا تنصب اصابع القدمین کما ذکره فی المجتبی ،ثم هذا کله فیما یرجع الی الصلوة والا فالمرأة تخالف الرجل فی مسائل کثیرة مذکورة فی احکامات الاشباه فراجعها

(ولما فی البحر الرائق ۳۲۱/۱طبع سعید

(قوله والمرأة تنخفض وتلزق بطنها بفخذیها)لانه استر لها فانها عورة مستورة یدل علیه ما رواه ابوداود فی مراسیله انه ﷺ مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة لیست فی ذلک کالرجل ...... ویزاد علی العشر انها لا تنصب القدمین کما ذکره فی المجتبی.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :ضیاءالحق اٹکی

۱۱رجب المرجب ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:

﴿سجدہ کے دوران پاؤں رکھنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ سجدہ کے دوران دونوں پاؤں کو ملا کر رکھنا چاہیے یا ان میں فاصلہ ہونا ضروری ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ سجدہ کرتے وقت دونوں پاؤں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے۔

(لما فی ردالمحتار طبع سعید ۱/۵۰۲)

(قوله ويسن ان يلصق كعبيه) قال السيد ابوالسعود وكذا في السجود أيضاً وسبق في السنن ايضاً والذي سبق هو قوله والصاق كعبيه في السجود سنة درولا يخفى ان هذا سبق نظر فان شارحنا لم يذكروا ذلك لا في الدرالمختار ولا في الدرالمنتقى ولم أره لغيره ايضاً فافهم بلهم ذلك من انه اذا كان السنة في الركوع الصاق الكعبين ولم يذكروا تفريجهما بعده فالاصل بقائهما ملصقين في حالة السجود أيضاً تأمل (تنبيه) تقدم في الركوع انه يسن الصاق الكعبين، ولم يذكروا ذلك في السجود، وقدمنا انه ربما يفهم منه ان السجود كذلك اذا لم يذكروا تفريجهما بعد الركوع، فالاصل بقائهما هنا كذلك تأمل.

(ولما في السعاية ۲/۱۸۱) سهيل اكيڈمی

قلت لقد دارت هذه المسئلة في سنة اربع وثمانين بعد الالف والمئتين بين علماء عصرنا فاجاب أكثرهم بان الصاق الكعبين في الركوع والسجود ليس بمسنون ولا اثر له في الكتب المعتبرة والقول الفيصل ان يقال ان كان المراد بالصاق الكعبين ان يلزق المصلي احد كعبيه بالاخر ولا يفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدرالمختار والنهر وغيرهما وسبق اليه فهم المفتي ابوالسعود ايضاً فليس هو من السنن على الاصح وقد ذكر المحققون من الفقهاء الاولى للمصلي ان يجعل بين قدميه نحو اربعة اصابع ولم يذكروا انه يلزقهما في حالة الركوع والسجود وقال العيني في البناية نقلاً عن الواقعات: ينبغي ان يكون بين قدمي المصلي قدر اربع اصابع لانه اقرب الى الخشوع والمراد من قوله عليه السلام الصقوا الكعاب بالكعاب اجتماعهما. فهذا صريح في ان المسنون هو التفريج مطلقاً والا لقيده بحالة القيام وان المراد بالصاق الكعب الوارد في الخبر غير الزاقهما ......وان كان المراد به محاذاة احدى الكعبين بالاخر كما قال العلامه السندي فهو امر حق ولا بعد في حمل الالصاق على المحاذاة فانه جاء استعماله في القرب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۳۶۲

﴿سجدہ میں تسبیح کی مقدار اور متابعت امام کا حکم﴾

﴿سوال﴾ سجدے میں تسبیح کی واجب مقدار کیا ہے؟ اگر مقتدی کی تین تسبیح پوری ہونے سے پہلے امام صاحب کھڑے ہو جائیں تو مقتدی اپنی تین تسبیح مکمل کرے یا امام کی متابعت کرتے ہوئے کھڑا ہو جائے؟ مستفتی: اشفاق احمد

﴿جواب﴾ رکوع وسجود میں تسبیح پڑھنا سنت ہے، نیز تین تسبیح کی مقدار میں پڑھنا بھی سنت ہے اور اس سے زیادہ پڑھنا (مثلاً سات یا پانچ یا نو دفعہ) مستحب ہے یاد رہے کہ رکوع وسجود میں ایک تسبیح کی بقدر ٹھہرنا واجب ہے۔

اگر مقتدی کی تین بار تسبیح پوری ہونے سے پہلے امام رکوع یا سجدے سے اُٹھ جائیں تو مقتدی کو امام کی متابعت کرتے ہوئے کھڑے ہو جانا چاہیئے کیونکہ امام کی متابعت مقتدی پر واجب ہے جبکہ تسبیح سنت ہے اور جہاں بھی سنت کی وجہ سے واجب میں تاخیر ہو جانے یا اُس کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو وہاں واجب کو لیا جاتا ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۲/۱۹۹-۲۰۰،طبع امدادیہ)

لورفع الامام راسه من الركوع اوالسجود قبل ان يتمّ المأموم التسبيحات الثلث وجب متابعته.وفی الشامية:ويسبّح فيه ثلاثافانه سنة على المعتمدالمشهورفى المذهب لافرض ولاواجب كمامرفلايترك المتابعة الواجبة لاجلها...بخلاف مااذا عرضتهاسنة لان ترك السنة اولیٰ من تاخير الواجب الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترالی

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۶۵

﴿تشہد کا اشارہ صرف شہادت ہی کی انگلی سے کرنا چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کی شہادت کی انگلی نہ ہو یا شہادت کی انگلی میں تکلیف ہو جس کی وجہ سے وہ اس انگلی کو حرکت نہ دے سکتا ہو تو ایسا شخص تشہد پڑھتے وقت کس انگلی سے اشارہ کرے گا؟ مستفتی: عبدالحنان حیدرآباد

﴿جواب﴾ شہادت کی انگلی سے اگر تشہد میں اشارہ ممکن نہ ہو خواہ تکلیف کی وجہ سے یا کسی

اور وجہ سے تو ایسا شخص اشارہ کو ترک کردے کسی اور انگلی سے اشارہ نہ کرے۔

لمافی المراقی:(ص۹۹،طبع قدیمی)

(و)تسن(الاشارۃ فی الصحیح)لانہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع اصبعہ السبابہ......

وتکون(بالمسبحۃ)ای السبابۃ من الیمنی فقط یشیربھا.

ولمافی حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی:(ص۲۶۹،طبع قدیمی)

فرع:لایشیربغیرالمسبحۃ حتی لوکانت مقطوعۃ اوعلیلۃ لم یشربغیرھامن اصابع الیمنی ولاالیسری کمافی النووی علی مسلم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عدنان خدا بخش

ا رجب المرجب ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۷۴۹

﴿شہادت کی انگلی نہ ہو تو التحیات میں اشارہ کی ضرورت نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں گاؤں میں بیلنے پر کام کرتا تھا ایک دن میرا ہاتھ گنے کی مشین کے اندر چلا گیا جس سے میرا ہاتھ شدید زخمی ہو گیا اور میری دو انگلیاں (شہادت اور درمیان والی) کٹ گئیں، اب نماز پڑھتے ہوئے التحیات میں شہادت کے وقت میں کیا کروں کیا دوسری انگلی سے اشارہ کرسکتا ہوں یا نہیں؟ مستفتی:محمد سلیمان

﴿جواب﴾ جس آدمی کی شہادت کی انگلی نہ ہو پیدائشی طور پر یا کٹ گئی ہو تو اس سے اشارہ کرنا ساقط ہو جاتا ہے، کسی دوسری انگلی سے اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۶۹ فصل فی سننھا طبع قدیمی۔

لایشیر بغیر المسبحۃ حتی لو کانت مقطوعۃ او علیلۃ لم یشیر بغیرھا من اصابع الیمنی ولاالیسری.

ولما فی الصحیح المسلم(۲۱۶/۱،طبع قدیمی).

عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان اذا جلس فی الصلوۃ وضع یدیہ علی رکبتیہ ورفع اصبعہ الیمنی التی تلی الابھام فدعا بھا ویدہ الیسری علی رکبتیہ باسطھا علیھا ــــــــ عن عبداللہ بن الزبیر عن ابیہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قعد یدعو وضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ویدہ الیسری علی فخذہ الیسری واشار باصبعہ السبابہ ووضع ابھامہ علی اصبعہ الوسطی ویلقم کفہ الیسری رکبتہ.

ولما فی فتح الملھم تحت ھذا الحدیث(۲۱۴/۳).

ای یرفعھا عند۔" لاالہ" ویضعھا عند "الااللہ" لمناسبۃ الرفع للنفی وملائمۃ الوضع

للاثبات، ومطابقة بين القول والفعل حقيقة،قال ابن حجر:سميت بالسبابة لانه كان يشار بها عند المخاصمة والسب وسميت ايضاً لانه كان يشار بها الى التوحيد والتنزيه وهو التسبيح.

ولما في الحلبي الكبير ص ۳۲۸ سہیل اکیڈمی لاہور.

المروی عن محمد فی کیفیۃ الاشارۃ قال یقبض خنصرہ والتی تلیها ویحلق الوسطی والابهام ویقیم المسبحة —وصفة الاشارة عن الحلوانی انه یرفع الا صبع عند النفی ویضعها عند الاثبات اشارة الیهما، ویکره ان یشیر بکلتا مسبحتیه لما روی الترمذی والنسائی عن ابی هریرة ان رجلاً کان یدعو باصبعیه فقال رسول اللهﷺ احد احد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ فتویٰ نمبر: ۳۶۶۲

﴿نماز کے بعد صفوں کو توڑنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ سلام پھیر لینے کے بعد صفوں میں اپنی حالت پر بیٹھنا چاہئے یا صفوں کو توڑ کر بیٹھنا چاہئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلام کے بعد اپنی حالت بدلنی چاہئے وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: محمد ارشد ٹیکسلا

﴿جواب﴾ فقہاء کرامؒ نے فرمایا ہے کہ جب نماز پوری ہو جائے اور لوگ سلام پھیر لیں تو مقتدیوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ صفوں کو توڑ دیں اور آگے پیچھے ہو کر بیٹھ جائیں تا کہ نئے آنے والے نمازیوں کو نماز کے پورا ہونے کا پتہ چل جائے اور اشتباہ نہ رہے کہ شاید ابھی امام نے سلام نہیں پھیرا۔

(لما فی ردالمحتار ۵۳۱/۱ طبع سعید)

(وقيل يستحب كسر الصفوف)لیزول الاشتباہ عن الداخل المعاین للکل فی الصلوۃ البعید عن الامام وذکرہ فی البدائع والذخیرۃ عن محمدؒ ونص فی المحیط علی انه السنة کما فی الحلیة ،وهذا معنی قوله فی المنیة والاحسن ان یتطوعا فی مکان آخر.

(ولما فی بدائع الصنائع ۱۶۰/۱ طبع سعید)

وروی عن محمدؒ انه قال یستحب للقوم ایضا ان ینقضوا الصفوف ویتفرقوا لیزول الاشتباہ علی الداخل المعاین الکل فی الصلوۃ البعید عن الامام.

(ولما فی المحیط البرهانی ۱۳۲/۲ طبع ادارۃ القرآن)

وفی "شرح شیخ الاسلام "بعض مشایخنا قالوا: المؤتمرون ینقضون الصفوف ویتأخر

بعضهم ، ويتقدم البعض ، قال وهكذا روى عن محمد.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ.　　　فتوی نمبر:

﴿تکبیرات انتقال کب کہی جائیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ خصوصا ائمہ مساجد نماز کے اندر رکوع، سجود اور قیام کے لئے جو تکبیرات کہی جاتی ہیں ان کو اس وقت ادا کرتے ہیں جب وہ رکوع، سجود یا قیام میں پہنچ چکے ہوتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے سے پہلے ہی ان تکبیرات سے فارغ ہوجاتے ہیں، ان حضرات کا مذکورہ طرز عمل درست ہے یا نہیں؟ اور اگر درست نہیں ہے تو ان تکبیرات کا صحیح محل اور سنت طریقہ کیا ہے؟

﴿جواب﴾ ان تکبیرات کا سنت طریقہ یہ ہے کہ رکوع کے لیے جھکنے کے ساتھ تکبیر شروع کرے اور رکوع میں پہنچتے ہی ختم کرے، اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت تکبیر شروع کرے اور سجدہ میں پہنچتے ہی ختم کرے اور جب سجدے سے اٹھنے لگے تو تکبیر کی ابتداء کرے قیام یا تشہد کے لئے بیٹھتے ہی ختم کرے اس طور پر کہ تکبیرات اپنی اصل جگہ سے نہ پہلے ادا کی جائیں نہ بعد میں۔ تو ان تکبیرات کا اصلی محل یہ ہے کہ دو رکنوں کے درمیان کہی جائیں، رکوع، سجود، قیام یا تشہد میں پہنچ کر یا دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے سے پہلے تکبیر کہنا خلاف سنت ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔

لما في الحديث: (صحيح البخاري، ۲۵۹/۳)

عن ابى هريرة رضى الله عنه يقول: "كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ثم يقول سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركعة ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد قال عبد الله بن صالح عن الليث ولك الحمد ثم يكبر حين يهوى ثم يكبر حين يرفع رأسه ثم يكبر حين يسجد ثم يكبر حين يرفع رأسه ثم يفعل ذلك في الصلوة كلها حتى يقضيها ويكبر حين يقوم من الثنتين بعد الجلوس "

ولما في منية المصلي (۲۷۲:)

وينبغي ان يكون ابتداء تكبيره عند اول الخرور والفراغ منه عند الاستواء راكعا وبعضهم قالوا اذا أتم القرأة حالة الخرور لا بأس به بعد ان يكون مابقى من القرأة حرفا او

کلمة والقول الاول (وهو المقارنة) اصح الاقوال" وفی شرحه غنیة المستملی :۔بعد ان ذکر الحدیث المذکور فاضافة ظروف الاذکار الی الافعال تقتضی مقارنتها کمقارنة سائر مظروفات لظروفها ولان فی المقارنة عدم اخلاء شیء من اجزاء الصلوۃ عن ذکر فکانت اولی"

وفی فتاوی الهندیة(۷۴/۱)

وبکبر مع الانحطاط کذا فی الهدایة قال الطحاوی وهو الصحیح کذا فی معراج الدرایة فیکون ابتداء تکبیرہ عند اول الخرور والفراغ عند الاستواء للرکوع وقال بعد سطور ہوکذا کل ذکر یؤتی به فی حال الانتقال لا یؤتی به فی غیر محله کالتکبیر الذی یؤتی به عند الانحطاط من القیام الی الرکوع او من الرکوع الی السجود"

وفی المبسوط السرخسی ،(۱۳۶/۲)

"قال (وان سها عن التکبیرات سوی تکبیر الافتتاح فعلیه سجود السهو عند مالک رحمه الله اذا سها عن ثلاث تکبیرات فعلیه سجود بالقیاس علی تکبیرات العید) ولکنا نقول بتکبیرة الانتقال سنة لا تضاف الی جمیع الصلواة فبترکها لا یتمکن التغیر فی الصلوۃ"

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالباری پشینی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۳۰۹۵

﴿تکبیر اولیٰ کی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ تکبیر اولیٰ کس وقت تک معتبر ہے؟ اگر کوئی شخص دوران سورہ فاتحہ شامل ہوجائے تو کیا اس کو تکبیر اولیٰ پانے والا کہا جائے گا؟

﴿جواب﴾ تکبیر اولیٰ کے متعلق فقہاء کے اقوال مختلف ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیر اولیٰ کی فضیلت کو پانے والا وہ شخص کہلائے گا جو امام کی تکبیر سے متصل تکبیر کہے۔

صاحبین کے نزدیک اگر ثناء کے وقت تکبیر کہے تو فضیلت حاصل ہوگی بعض کے نزدیک تین آیات پڑھنے سے پہلے اگر شامل ہو تو فضیلت پالے گا، بعض کے نزدیک سات آیات سے قبل یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی بعض فقہاء کے نزدیک پہلی رکعت پانے والا تکبیر اولیٰ کی فضیلت کو پانے والا شمار کیا جائے گا یہی قول صحیح ہے اور زیادہ وسعت والا ہے۔

ولما فی الشامی:(۲۲۰/۲،طبع امدادیه)

وتظهر فائدة الخلاف فی وقت ادراک فضیلة تکبیرة الافتتاح ،فعنده بالمقارنة وعندهما اذا کبر فی وقت الثناء ،وقیل بالشروع قبل قراءة ثلاث آیات لو کان المقتدی حاضراً وقبل

سبع لوغانباً وقيل بادراك الركعة الاولىٰ وهذاأوسع وهوالصحيح اه وقيل بادراك الفاتحة وهوالمختار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۸

﴿جہاز میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے یا واجب الاعادہ ہے؟ کیونکہ بعض علماء کے متعلق سنا ہے کہ وہ عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں؟ مستفتی: حاجی محمد دین

﴿جواب﴾ زمین کی طرح ہوائی جہاز میں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، اس لئے غالباً شریعت نے نہ صرف خانہ کعبہ بلکہ اس کے مقابل آنے والی پوری فضاء کو قبلہ کا درجہ دیا ہے تا کہ اونچی سے اونچی اور بلند سے بلند جگہ سے نماز ادا کی جاسکے، شروع میں بعض علماء نے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کو ممنوع قرار دیا تھا۔

چونکہ ان بعض علماء کی نظر میں فقہا کرام کی تعریف کے مطابق سجدے کا تحقق نہیں ہوتا فقہاء نے سجدے کی تعریف "وضع الجبهة على الارض أو على مايستقر عليها" سے کی ہے یعنی زمین یا زمین پر ٹکی ہوئی چیز پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں، ہوائی جہاز نہ زمین ہے اور نہ اڑتے وقت زمین پر ٹکا ہوا ہوتا ہے۔

لہٰذا اس تعریف کی رو سے جہاز میں سجدے کا تحقق ممکن نہیں لیکن دیگر عام علماء کی تحقیق کے مطابق فقہاء نے "ارض" بول کر ایسی جگہ مراد لی ہے (اپنے زمانے کے اعتبار سے) جس میں بآسانی چلا پھرا جاسکے اور ہوائی جہاز کی مثال سامنے نہ تھی، لہٰذا جمہور علماء کے نزدیک جہاز میں نماز پڑھنا درست ہے اور واجب الاعادہ نہیں ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۵

﴿سورۃ فاتحہ سے پہلے تعوذ وتسمیہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھنا ضروری ہے؟ اسکی کیا حیثیت ہے اور کیا یہ فرض نماز سے متعلق ہے یا سنت اور نفل کا بھی یہی حکم ہے؟

﴿جواب﴾ منفرد اور امام کیلئے ہر نماز کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

لمافی البدائع:(۱/۲۰۲،طبع سعید)

فالتعوذ سنة فی الصلاة عند عامة العلماء.

ولمافی الهندية:(۱/۷۳،طبع رشيديه)

والتعوذ عند افتتاح الصلوٰة لاغير فلوافتتح الصلوٰة ونسی التعوذ حتی قرأ الفاتحة لا يتعوذ بعد ذالک کذا فی الخلاصة.

جبکہ تسمیہ ہر رکعت میں فاتحہ سے پہلے پڑھنا سنت ہے بعض حضرات نے وجوب کا قول کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ سنت ہے۔

لمافی حاشية الطحطاوی:(ص۱۴۱،طبع قديمی)

ويسن التعوذ للقراءة وتسن التسمية اول كل ركعة قبل الفاتحة لانه صلى الله عليه وسلم كان يفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحيم......

ولمافی حلبی کبيری:(ص۳۰۲،طبع سهيل اکيڈمی)

وذكر الزيلعی فی شرح الكنز أن الاصح انها واجبة لان اكثر العلماء قالوا بوجوبها وهذا هو الاحوط فان الاحاديث الصحيحة تدل على مواظبة عليه الصلوٰة والسلام عليها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی عفا اللہ عنہ

یکم محرم الحرام ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۰

﴿مقتدی کی نماز میں ثناء پڑھنے اور نہ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر مسبوق امام کے ساتھ مندرجہ ذیل حالتوں میں سے کسی حالت میں شریک ہوتو اس کے لئے ہاتھ باندھنے اور ثناء پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ (۱) رکوع میں شامل ہوتے ہی امام قومہ کرے (۲) امام حالت سجدہ میں

ہو (۳) حالت قعدہ خواہ اولیٰ یا آخیرہ میں ہو، نیز مسبوق کے تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد زمین پر بیٹھنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو اقتداء درست ہوگی یا نہیں؟ یعنی اقتداء کب سے معتبر ہوگی؟

﴿جواب﴾ مقتدی جس حالت میں امام کے ساتھ شریک نماز ہوا امام کی اتباع کرے ہاتھ باندھنا کوئی مستقل حکم نہیں ہے، صرف قیام چونکہ طویل ذکر کا موقع ہوتا ہے اور ہاتھوں کے باندھنے میں چونکہ سہولت ہوتی ہے، اس لئے شریعت نے مستحب قرار دیا ہے اور قعدہ کی حالت میں ملے تو ثناء نہ پڑھے، اسی طرح رکوع، سجدہ کی حالت میں امام ملے اب مقتدی اگر ثناء پڑھنے میں مشغول ہوگا تو ظاہر ہے اتنے میں رکوع یا سجدہ نکل جائیگا اس لئے ایسی صورت میں بھی ثناء چھوڑ دیا کریں، البتہ قیام کی حالت میں اگر جہرا قرات نہیں ہو رہی ہو تو ثناء پڑھ لیا کریں جہرا قراءت ہو رہی ہو تو اس صورت میں بھی ثناء نہ پڑھے قرات پر توجہ دے۔

اور امام صاحب نماز سے نکلنے کے لئے جب،، السلام،، کہے تو وہ نماز سے نکل جاتے ہیں، اب انکے ساتھ نماز میں شامل ہونے کا موقع نہیں رہا، اس سے پہلے خواہ ایک لحہ پہلے مقتدی کو تکبیر تحریمہ کہنے کا موقع ملے تو وہ شریک ہو جاتا ہے اور شامل ہوتے ہی امام صاحب نے اگر سلام پھیر دیا تو مقتدی اس تحریمہ کے ساتھ اپنی نماز پوری کرے امام کیساتھ نکلنے میں شریک ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، اقتداء صحیح ہوگئی ہے۔

لما فی الحلبی الکبیر:(ص ۳۰۵، طبع سہیل اکیڈمی)

(وان ادرک) الامام (فی الرکوع) فانہ (یتحری) فی الاتیان بالثناء (ان کان اکبر رایہ) بجوز ضبط اکبر بالباء الموحدۃ وبالثاء المثلثۃ ای غالب رایہ (انہ لواتی بہ) ای بالثناء (یدرک الامام فی شیء من الرکوع یاتی بہ قائما) ثم یرکع لامکان احراز الفضیلتین معا فلا یفوت احدہما ومحل الثناء ہو القیام فیفعلہ فیہ (والا) ای وان لم یکن غالب ظنہ انہ لواتی بالثناء یدرک الامام فی شیء من الرکوع بل غلب علی ظنہ انہ ان اشتغل بہ لا یدرک شیء من الرکوع مع الامام او شک فی ذلک (یرکع ویتابع الامام) ویترک الثناء لان احراز فضیلۃ الجماعۃ فی تلک الرکعۃ اولی من احراز فضیلۃ الثناء لان سنیۃ الجماعۃ آکد واقوی من سنیتہ حتی ذہب الی وجوبہا کثیر من العلماء۔

ولما فی رد المحتار:(۱۶۲/۲ طبع امدادیہ)

الامام اذا فرغ من صلاتہ فلما قال،، السلام،، جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول علیکم

لا یصیر دا خلا فی صلاتہ لان ھذا سلام.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی شکردرہ

۱۲ صفر ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۱۹۰۳

﴿کسی ناپاک چیز یا نسوار کو جیب میں بھول کر نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے ناپاک چیز مثلاً رومال وغیرہ جسکو خون لگا ہوا ہو جیب میں رکھ لیا ہو اور وہ بھول کر اسی سمیت نماز پڑھ لے تو کیا یاد آنے پر وہ نماز کا اعادہ کرے گا یا پہلی پڑھی ہوئی نماز صحیح ہو گئی ہے، نیز اگر کوئی شخص مسجد میں آ کر نسوار جیب میں بھول جائے تو ایسی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: اودین شاہ کوہاٹی

﴿جواب﴾ نمازی کا بدن، جگہ اور کپڑوں کا ظاہری نجاست سے پاک ہونا نماز کی شرائط میں سے ہے، البتہ بہت کم مقدار کی نجاست کیساتھ بے خبری میں نماز پڑھ لی تو اعادہ واجب نہیں ہے، کم، زیادہ کے لئے معیار یہ ہے کہ نجاست اگر پھیلنے والی ہے، مثلاً پیشاب، خون وغیرہ تو ہتھیلی کی گہرائی کے اندازے سے کم نجاست کم سمجھی جاتی ہے، اس سے زیادہ ہو تو اسکے ساتھ نماز نہیں ہوگی اور جرم رکھنے والی نجاست مثلاً پاخانہ، لید وغیرہ درھم کے وزن کے برابر یعنی تقریباً (۳ ماشہ ایک رتی ۵/ ا رتی) ہو تو یہ کم ہے، اس سے زیادہ ہو تو اسکے ساتھ نماز نہیں ہوتی، لہٰذا رومال کو مذکورہ مقدار سے کم خون لگا ہوا تھا تو نماز ہو گئی ہے، اس سے زیادہ لگا تھا تو نماز واجب الاعادہ ہے۔

نسوار نجس چیز نہیں ہے، جیب میں ہوتے ہوئے نماز ہو جاتی ہے لیکن اگر نسوار سے بدبو آتی ہو جو دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث ہو تو مسجد میں لانا منع ہے، البتہ اگر اسطرح تھیلی میں باندھ کر رکھا ہو جو دوسروں کے لئے بدبو اور اذیت کا باعث نہ بنے تو جیب میں رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۱/ ۳۱۶، طبع سعید)

(وعفا) الشارع (عن قدر درھم) ان کرہ تحریما...... (وھو مثقال) عشرون قیراطا (فی) نجس (کثیف) لہ جرم (وعرض مقعر الکف) وھو داخل مفاصل اصابع الید (فی رقیق من مغلظۃ کعذرۃ) آدمی.

ولما فی البحر الرائق: (۱/ ۲۶۷، طبع سعید)

واشار باشتراط طھارۃ الثوب الی انہ لو حمل نجاسۃ مانعۃ فان صلاتہ باطلۃ فکذا لو کانت

النجاسة في طرف عمامته او منديله المقصود ثوب هو لابسه فالقى ذلك الطرف على الارض وصلى فانه ان تحرك بحركته لايجوز لانه بتلك الحركة ينسب لحمل النجاسة.

ولما في ردالمحتار:(۱/۶۶۱،طبع سعيد)

(قوله وأكل نحوثوم) اى كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجدقال الامام العيني في شرحه على صحيح البخاري قلت علة النهي آذى الملائكةوآذى المسلمين ولايختص بمسجده ﷺ بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع الخ وكذلك الحق بعضهم بذلك من بفيه بخراو به جرح له رائحة الخ

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نثار محمود کوہائی

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۱۰۳

﴿رکوع بھول جائے تو رکعت کا سجدہ شمار نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ میں پہلی رکعت میں سجدہ میں گیا جب دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا تو یاد آیا کہ رکوع نہیں کیا ہے،اب مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا نماز توڑ کر از سرنو شروع کرنا یا اسی وقت رکوع کرنا اور آخر میں سجدہ سہو بھی کرتا؟جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی عبیداللہ چارسدوی

﴿جواب﴾ پہلی رکعت کا رکوع جب دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے بعد یاد آئے تو نہ نماز توڑنی چاہیئے اور نہ اسی وقت رکوع کرنا چاہیئے بلکہ قراءت جاری رکھیں اور جب آپ اس دوسری رکعت کا رکوع کریں گے تو آپ کی ایک رکعت پوری ہو جائیگی،یہ دوسری رکعت اور پہلی رکعت دونوں ایک شمار ہوں گی اگر نماز دو رکعت والی ہے تو ایک رکعت اور اگر چار رکعت والی ہے تو تین رکعت اور ملالیں اور آخر میں سجدہ سہو کریں۔

لما في بدائع الصنائع:(۱/۱۶۰،طبع سعيد)

واما اذاكان المتروك ركوعا فلايتصور فيه القضاء---اذاافتتح الصلوٰة فقرا وسجد قبل ان يركع ثم قام الى الثانية فقرء وركع وسجد فهذا قدصلى ركعةواحدة فلايكون هذاالركوع قضاء عن الاول لانه اذالم يركع لايعتدبذلك السجود لعدم مصادفته محله لان محله بعدالركوع فالتحق السجودبالعدم فكانه لم يسجدفكان اداء هذاالركوع في محله فاذا اتى بالسجودبعده صار مؤديا ركعةتامة......وعليه سجودالسهوفي هذه المواضع لادخاله الزيادة في الصلوٰة لأن ادخال الزيادة في الصلاة نقص فيها.هكذا في فتح القدير:(۱/۲۵۶،طبع رشيديه)وكذافي بحرالرائق:(۲/۹۸،طبع سعيد)

ولمافی الشامی:(۱/۴۶۱،طبع سعید)

الترتیب بین الرکوع والسجود مثلا فانه فرض حتی لوسجدقبل الرکوع لم یصح سجودهذه الرکعة لان اصل السجودترتبه علی الرکوع فی کل رکعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۲۱ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۹۱۳

﴿پہلی رکعت میں ایک سجدہ بھول گیا تو کب ادا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پہلی رکعت میں ایک سجدہ بھول گیا پھر وہ بقیہ نماز پڑھتا رہا اور نماز کے دوران اسکو یاد آیا تو اب اس سجدے کو کب ادا کرے اور اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نمازی ایک سجدہ بھول جائے اور وہ بقیہ نماز پڑھتا ہے تو جب اسکو یاد آجائے اس سجدے کو ادا کرے چاہے وہ قیام میں ہو یا رکوع میں ہو یا سجود میں ہو اور سجدے کی ادائیگی کے بعد اس رکن کا اعادہ اس شخص پر لازم نہیں کیونکہ ترتیب فرض نہیں ہے، البتہ سجدہ سہو لازم ہے۔

لمافی حاشیۃ الهدایۃ:(۱/۱۴۷،طبع رحمانیه)

فان ترک الثانية من الرکعة الاولی ساهیا ثم قام وصلی صلاته ثم تذکر فعلیه ان یسجد المتروکة ویسجد للسهو ولوتذکر فی رکوع الثانیة انه ترک سجدة من رکعة الاولی فانحط من رکوعه فسجدها لایلزم علیه اعادة الرکوع لان الترتیب لیس بفرض.

ولمافی الهندیۃ:(۱/۱۲۷،طبع رشیدیه)

فلوترک سجدة من رکعة فتذکر فی آخر الصلاة سجدها وسجد للسهو لترک الترتیب فیه ولیس اعادة ماقبلها.

ولمافی الشامی:(۱/۴۶۲،طبع سعید)

قال فی شرح المنية حتی لوترک سجدة من رکعة ثم تذکرها فیما بعدها من قیام اورکوع اوسجود فانه یقضیها ولایقضی مافعله قبل قضائها مما هو بعد رکعتها من قیام اورکوع اوسجود بل یلزمه سجود السهو فقط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۷۲۴

﴿تشہد میں صلوٰۃ تنجینا پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے اندر تشہد کے

بعد جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں اسمیں (صلاۃ تنجینا) پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ تشہد کے بعد مسنون دعاؤں میں سے کسی ایک یا زیادہ دعاؤں کو پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور ماثورہ دعاؤں کے علاوہ بھی ایسی کوئی دعا مانگنا جو کلام الناس سے مشابہ نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں دعا مانگنا یا عربی الفاظ کے ذریعے دعا مانگنا جن کا تعلق کلام الناس سے ہو مثلاً "اللھم البسنی ثوبا، اللھم زوجنی فلانۃ" تو ایسی دعا سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (صلاۃ تنجینا) کے الفاظ اگرچہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہیں لیکن ان الفاظ کا تعلق کلام الناس سے نہیں ہے صحیح معنی اور مفہوم کے حامل ہیں اور بزرگوں کا معمول بھی رہا ہے، لہٰذا ان الفاظ سے دعا مانگنا بلاشبہ جائز ہے۔

لمافی مرقاۃ المفاتیح:(۵۷۹/۲ طبع رشیدیہ)

(ثم لیتخیر) ای لیختر (من الدعاء اعجبہ الیہ) ای احب الدعاء وارضاہ من الدین والدنیا والآخرۃ (فیدعوہ) ای فیقرأ الدعاء الاعجب.

ولمافی المبسوط:(۱۹۸/۱ طبع دار المعرفۃ بیروت)

وحاصل المذہب عندنا اذا دعا فی صلاتہ بما فی القرآن اوبما یشبہ ما فی القرآن لم تفسد صلاتہ وان دعا بما یشبہ کلام الناس نحو قولھم اللھم البسنی ثوبا اللھم زوجنی فلانۃ تفسد صلاتہ.

ولمافی الشامی:(۲۳۵/۲ طبع امدادیہ)

وفی البحر: عن الحاوی القدسی: من سنن القعدۃ الاخیرۃ الدعاء بما شاء من صلاح الدین والدنیا لنفسہ ولوالدیہ واستاذہ وجمیع المومنین.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ | فتوی نمبر: ۶۸۴

﴿رکوع میں امام کے ساتھ ایک لمحہ کی بھی شرکت کافی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں امام صاحب کے ساتھ رکوع میں شریک ہوا تسبیح کہنے والا تھا کہ امام صاحب رکوع سے اٹھ گئے تو کیا یہ رکعت شمار ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ امام کے ساتھ اگرچہ تسبیحات نہ ملیں صرف ایک لمحہ رکوع میں شریک ہونے

سے رکعت پانے والا ہوگا اور اس رکعت کو شمار کیا جائے گا۔

لما فی حاشیۃ الطحطاوی:(ص۲۵۵،طبع قدیمی)

والحاصل أنه اذا وصل الی حد الرکوع قبل ان یخرج الامام من حد الرکوع فقد ادرک معه الرکعة والا فلا کما یفیده اثر ابن عمرؓ -- اذا ادرکت الامام راکعا فرکعت قبل ان یرفع راسه فقد ادرکت الرکعة وان رفع قبل ان ترکع فقد فاتتک الرکعة.

ولما فی الهندیة:(۱۲۰/۱،طبع رشیدیه)

واجمعوا انه لو انتهی الی الامام وهو قائم فکبر ولم یرکع مع الامام حتی رکع الامام ثم رکع انه یصیر مدرکا لتلک الرکعة واجمعوا انه لو اقتدی به فی قومة الرکوع لم یکن مدرکا لتلک الرکعة کذا فی البحر الرائق.

ولما فی الدر المختار:(۵۱۶/۲،طبع امدادیه)

(ولو اقتدی بامام راکع فوقف حتی رفع الامام راسه لم یدرک) المؤتم (الرکعة) لان المشارکة فی جزء من الرکن شرط ولم توجد فیکون مسبوقا فیاتی بها بعد فراغ الامام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۱۸ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۰۵۵

﴿نماز میں رفع یدین نہ کرنے کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں رفع یدین نہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔　　　　مستفتی: محمد طاہر

﴿جواب﴾ نماز میں رفع یدین نہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے افعال صلوۃ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے احکام حرکت سے سکون کی طرف آہستہ آہستہ منتقل ہوتے رہے ہیں مثلاً پہلے نماز میں کلام جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا، پہلے عمل کثیر مفسد صلوۃ نہ تھا پھر اسے مفسد قرار دے دیا گیا، پہلے التفات یعنی نماز کی حالت میں ادھر ادھر دیکھنا جائز تھا پھر اس کو منسوخ کر دیا گیا پہلے سلام اور اس کا جواب دینا جائز تھا پھر منع کر دیا گیا، شروع شروع میں رفع یدین بھی بکثرت ہوتا تھا بلکہ ہر انتقال کے وقت مشروع تھا پھر اس میں کمی کی گئی اور صرف پانچ مقامات پر مشروع رہ گیا پھر اور کمی کی گئی اور چار جگہ مشروع رہ گیا پھر اس میں بھی کمی ہوتی گئی یہاں تک کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت باقی رہ گیا، ذیل میں اس کے متعلق احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

لما فی جامع الترمذی:(۵۲/۱،طبع فاروقی)

عن زید بن ارقمؓ قال کنا نتکلم خلف رسول اللہ ﷺ فی الصلاۃ ویکلم الرجل منا صاحبہ الی جنبہ حتی نزلت وقوموا للہ قانتین۔فامرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام(رواہ الائمۃ الخمسۃ وغیرھم)

لما فی المظھری:(۳۳۷/۱،طبع رشیدیہ)

واخرج ابن جریر عن مجاھد قال.کانوا یتکلمون فی الصلاۃ وکان الرجل یامر اخاہ بالحاجۃ فانزل اللہ تعالی وقوموا للہ قانتین۔

ولما فی روح المعانی:(۱۵۷/۲،طبع رشیدیہ)

اخرج ابن جریر عن ابن مسعودؓ قال اتیت النبی ﷺ وھو یصلی فسلمت فلم یرد علی فلما قضی الصلاۃ قال .انہ لم یمنعنی ان ارد علیک السلام الا انا امرنا ان نقوم (قانتین)لانتکلم فی الصلاۃ۔

اسی طرح وہ احادیث جن میں رفع یدین ترک کرنے کی صراحت ہے،ذیل میں ملاحظہ ہوں:

لما فی الصحیح لمسلم:(۱۸۱/۱،طبع قدیمی)

عن جابر بن سمرۃؓ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس،اسکنوا فی الصلاۃ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آنحضرت ﷺ ہمارے پاس گھر سے باہر تشریف لائے تو فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں دم ہلانے والے شریر گھوڑوں کی طرح رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو، اس حدیث پاک کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں، اس کے علاوہ نماز میں سکون کا مفہوم قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

لما فی قولہ تعالی:(سورۃ المؤمنون،آیت۲)الذین ھم فی صلاتھم خاشعون—الآیۃ.

اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جو عمل قرآن کریم کے موافق ہو وہ راجح ہے۔

عن علقمۃ قال:قال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ:ترمذی :(۳۵/۱،طبع فاروقی)ونسائی: (۱۶۱/۱،طبع قدیمی)وسنن ابی داود:(۱۱۸/۱ طبع رحمانیہ)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی نماز کا عملی طور پر طریقہ دکھایا اور اس میں رفع یدین پہلی مرتبہ کے علاوہ نہیں کیا، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے

اور حافظ ابن حزم نے "محلی" (۴/۸۸، طبع الناشر دار الآفاق الجدیدۃ) میں اسے صحیح کہا ہے، علامہ احمد شاکرؒ شارح ترمذی فرماتے ہیں: (۲/۴۱، طبع دار احیاء التراث العربی)

هذا الحديث صحيح صححه ابن حزم وغيره من الحفاظ وما قالوا في تعليله ليس بعلة.

(۳) عن البراء ابن عازبؓ ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلاة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لا يعود وفي رواية مرة واحدة وفي رواية ثم لم يرفعهما حتى انصرف. وفي رواية ثم لا يرفعهما حتى يفرغ. (ابو داود: (۱/۱۱۸، طبع رحمانيه) والطحاوي: (۱/۱۵۴، طبع سعيد) ومصنف ابن ابي شيبه: (۱/۲۶۷، طبع امداديه)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ نماز سے فارغ ہونے تک رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

لما في البيهقي: (۲/۷۹، طبع مجلس دائرة المعارف النظامية ببلدة حيدر آباد)

(۴) عن علقمه عن ابن مسعودؓ صليت خلف النبي ﷺ وابي بكر وعمرؓ فلم يرفعوا ايديهم الا عند افتتاح الصلاة اخرجه البيهقي واسناده جيد.

اس حدیث کا مضمون متواتر روایات سے ثابت ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

بعض محدثین نے محمد بن جابر کی وجہ سے اس روایت کو کمزور کہا ہے کیونکہ وہ نابینا ہو گئے تھے اس لئے ان کی احادیث میں اختلاط ہو گیا تھا، مگر واضح رہے کہ یہ روایت محمد بن جابر کے نابینا ہونے سے پہلے کی ہے، اور وہ صدوق میں سے ہیں اس لئے اس روایت کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ میزان الاعتدال فی ترجمۃ محمد بن جابر: (۳/۴۴۳)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے جس طرح رفع یدین کرنے کی روایات منقول ہیں اسی طرح رفع یدین نہ کرنے والی روایات بھی منقول ہیں۔

لما في نصب الراية: (۱/۴۰۴، طبع بيروت)

عن عبدالله ابن عون الخراز عن مالك عن الزهري عن سالم عن عبدالله ابن عمرؓ ان

النبی ﷺ کان یرفع یدیہ اذاافتتح الصلاۃ ثم لا یعود اخرجہ البیہقی فی الخلافیات

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں شیخ عابد سندھی المدنی المواھب اللطیفہ میں فرماتے ہیں (ھذا الحدیث عندی صحیح لامحالة) جوحضرات رفع یدین کرتے ہیں ان کے عمل کا مدار زیادہ تر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات پر ہے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل رفع یدین نہ کرنے کا ہے۔

لمافی الطحاوی:(ص ۱۵۵ طبع سعید)

عن مجاھد قال: صلیت خلف ابن عمر رضی اللہ عنہما فلم یکن یرفع یدیہ الافی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ (رواہ الطحاوی وابوبکر بن ابی شیبہ والبیہقی فی المعرفۃ وسندہ صحیح، وکذافی اثار السنن:(۱۰۸/۱)

یعنی حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی آپ صرف نماز کی پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد ولی اللہ ڈیروی

۵ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۶۱۷

﴿تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں اور ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کر کے انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے یعنی انگلیاں نہ زیادہ کھلی رکھیں اور نہ زیادہ بند بلکہ عام حالات کی طرح چھوڑ دے، ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں اس بارے میں دو طرح کی روایات مروی ہیں دونوں روایات پر عمل کرنے کیلئے علماء کرام نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے بالائی حصے کے برابر ہوں اور پنجوں کا نچلا حصہ کلائی سمیت کندھوں کے برابر یا قریب ہو تو دونوں قسم کے روایات پر عمل ہو جائے گا اور یہ طریقہ اولیٰ ہے، تاہم ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے یا کانوں تک کسی بھی ایک طریقے پر عمل کرنے سے سنت ادا ہو جائیگی۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۱/۱۱۹،طبع رحمانیہ)

عن عبدالجبار بن وائل عن ابیہ قال رائیت رسول اللہ ﷺ یرفع ابہامیہ فی الصلاۃ الی شحمۃ اذنیہ.

ولمافی العالمگیریۃ:(۱/۸۰-۸۱،طبع قدیمی)

سننہا رفع الیدین للتحریمۃ ونشر اصابعہ اذا اراد الدخول فی الصلاۃ کبر ورفع یدیہ حذاء اذنیہ حتی یحاذی بابہامیہ شحمتی اذ نیہ وبرروس الاصابع فروع اذنیہ کذا فی التبیین. واذا رفع یدیہ لایضم اصابعہ کل الضم ولایفرج کل التفریج بل یترکہا علی ماکانت علیہ بین الضم والتفریج.

ولمافی التنویر مع الدر:(۲/۱۸۲،طبع امدادیہ)(ورفع یدیہ) (ماسابابہامیہ شحمتی اذنیہ)

ولمافی البحر الرائق:(۱/۳۰۲،طبع سعید)

وسننہا رفع الیدین للتحریمۃ ونشر اصابعہ وکیفیتہ ان لایضم کل الضم ولایفرج کل التفریج بل یترکہا علی حالہا منشورۃ بمعنی انہ یسن ان یرفعہما منصوبتین لامضمومتین حتی تکون الاصابع مع الکف مستقبلۃ للقبلۃ.

ولمافی اعلاء السنن:(۲/۱۷۰،طبع دارالکتب العلمیۃ)

قولہ عن وائل) دلالتہ علی رفع الیدین عند التکبیر حذاء الاذنین ظاہرۃ.قولہ عن مالکؓ بروایۃ مسلم)قال المولف معناہ ان یحاذی بابہامیہ شحمتی اذنیہ.وبرروس اصابعہ فروع اذنیہ.وبہ یتفق اللفظان وقدذہب الیہ صاحب فتح القدیر حیث قال تحت قول الہدایہ حتی یحاذی بابہامیہ شحمتی اذنیہ مانصہ،وبرروس اصابعہ فروع اذنیہ.

ولمافی فتح القدیر:(۲/۲۸۷،طبع رشیدیہ)

ولامعارضۃ فان محاذاۃ الشحمتین بالابہامین تسوغ حکایۃ محاذاۃ الیدین بالمنکبین والاذنین،لان طرف الکف مع الرسغ یحاذی المنکب اویقاربہ والکف نفسہ یحاذی الاذن والیدتقال علی الکف الی اعلاہا فالذی نصہ علی محاذاۃ الابہامتین بالشحمتین،وفق فی التحقیق بین الروایتین فوجب اعتبارہ.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:۶۵۸

﴿فصل فی اداب الصلوٰۃ﴾

﴿امام صاحب سے پہلے رکوع، سجدہ وغیرہ میں جانا سخت گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام

صاحب کافی بوڑھے اور کمزور ہو چکے ہیں، اور نماز پڑھانے میں یہ صورت ہوتی ہے کہ مقتدی امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں چلے جاتے ہیں اور امام صاحب کمزوری کی بناء پر بعد میں رکوع، سجدہ میں جاتے ہیں، تو اس صورت میں مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عطاء اللہ دیر

﴿جواب﴾ مقتدی پر امام کی متابعت واجب ہے، رکوع، سجدہ وغیرہ کے لیے امام سے پہلے جانا متابعت کے خلاف ہے، اور سخت گناہ ہے، جبکہ بعض صورتوں میں مقتدی کی نماز فاسد بھی ہو جاتی ہے مثلاً رکوع میں امام سے پہلے گیا اور امام ابھی تک رکوع میں پہنچا نہیں کہ مقتدی رکوع سے فارغ بھی ہوا تو ایسی صورت میں گناہ کے علاوہ نماز بھی نہیں ہوتی اس لیے اس کا بڑا خیال رکھیں۔

لما في الصحيح المسلم:(۱۸۱/۱ باب تحريم سبق الامام بركوع او سجود ونحوها قديمي)

عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ اما يخشى الذى يرفع رأسه قبل الامام ان يحول الله رأسه رأس حمار.

ولما في سنن الكبرى للبيهقي:(۲۰۷/۲ باب يركع بركوع الامام ويرفع برفعه ولا يسبقه)

عن أبى هريرةؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول:" ايها الناس انى قد بدنت فلا تسبقونى بالركوع والسجود ولكن اسبقكم انكم تدركون ما فاتكم .لم نضبط عن شيوخنا بدنت او بدنت واختار ابو عبيدة بدنت بالتشديد ونصب الدال يعني:كبرت ومن قال:بدنت برفع الدال فانه اراد كثرة اللحم.

ولما في الهنديه :(۱۱۹/۱ مطبع: قديمي)

ويكره للمأموم ان يسبق الاما م بالركوع والسجود وان يرفع راسه فيهما قبل لامام .

ولما في رد المحتار :(۴۷۱/۱ مطبع :سعيد).

فلو كانت المتابعة فرضا في الفرض مطلقا لبطلت صلاته مطلقا نعم تكون المتابعة فرضا بمعنى ان ياتي بالفرض مع امامه او بعده كما لو ركع امامه فركع مقارنا او معاقبا وشاركه فيه او بعده ما فرغ منه فلو لم يركع اصلا او ركع ورفع قبل ان يركع امامه ولم يعده معه او بعده بطلت صلاته .

والحاصل ان المتابعة في ذ اتها ثلاثة انواع :مقارنة لفعل الامام مثل ان يقارن احرامه لاحرام امامه وركوعه لركوعه وسلامه لسلامه ،ويدخل فيها ما لو ركع قبل امامه ودام حتى أدركه امامه فيه ،ومعاقبة لابتداء فعل امامه مع المشاركة في با قيه ،ومراخية عنه ،فمطلق المتابعة الشامل لهذا لانواع الثلاثة .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

واللہ اعلم بالصواب : محمد تنویر پشاوری
فتویٰ نمبر: ۳۶۸۷

﴿سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض ائمہ مساجد ایک ہی سانس میں پوری سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں کیا اس طرح پڑھنا مناسب ہے؟ مستفتی: ایک حلم

﴿جواب﴾ سورۃ فاتحہ نماز میں ترتیل اور ایک ایک آیت پر وقف کرتے ہوئے پڑھنی چاہئے، تا کہ اس حدیث قدسی کے لئے صحیح مصداق ہو جس میں ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم ہے، اور ہر آیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو جواب دیا جاتا ہے، اس لئے آپ ﷺ کا یہی معمول رہا کہ ہر ایک آیت پر وقف فرمایا کرتے تھے، امام کو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ میں مسنون طریقہ اپنانے کا اہتمام کریں، اس کے خلاف کرنا خصوصاً فرائض میں بلاشبہ خلاف سنت ہے، البتہ تراویح میں نمازیوں کا رجحان مختصر اور جلدی فارغ ہونے کا اگر ہے تو ہر آیت پر وقف کئے بغیر وصل کے ساتھ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ الفاظ واضح ہوں اور قرأت صحیح طور پر سمجھ آتی ہو۔

لما في قوله تعالى:سورة مزمل آيت ۴.

ورتل القرآن ترتيلا.

ولما في صحيح لمسلم: ۱/۱۶۹، ۱۷۰، طبع قديمي.

عن ابي هريرةؓ.......فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول قال الله تعالى قسمت الصلوة بيني وبين عبدي نصفين ولعبدي ماسأل فاذا قال العبد الحمد لله رب العالمين قال الله تعالى حمدني عبدي واذا قال الرحمن الرحيم قال الله تعالى اثنى على عبدي فاذا قال مالك يوم الدين قال مجدني عبدي وقال مرة فوض الى عبدي فاذا قال اياك نعبد واياك نستعين قال هذا بيني وبين عبدي ولعبدي ماسأل فاذا قال اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال هذا لعبدي ولعبدي ماسأل.

ولما في حجة الله البالغة: ۲/۱۶، طبع قديمي.

ثم يرتل سورة الفاتحة وسورة من القرآن ترتيلا يمد الحروف ويقف على رؤوس الآى.

ولما في الدر المختار مع الرد: ۱/۵۴۱، طبع سعيد.

وفي الحجة يقرأ في الفرض بالترسل حرفا حرفا وفي التراويح بين بين وفي النفل ليلا له ان يسرع بعد ان يقرأ كما يفهم.

ولما في الفتاوى التاتارخانية: ١/٣٢٣، طبع قديمي۔

في (فتاوى الحجة) ثم القراءة على ثلاثة أوجه في الفرائض: على التؤدة، والترسل، والتدبر حرفا حرفا، وفي التراويح يقرأ بقراءة الأئمة بين التؤدة، والسرعة، وفي النوافل بالليل له ان يسرع بعد ان يقرأ كما يفهم وذلك مباح۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۶۵۱

﴿ آئمہ مساجد عام حالات میں قرأت کی مستحب مقدار پوری کریں ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا امام پر یہ بات لازمی ہے، کہ وہ قرأت میں مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے مستحب قرأت (طوال مفصل، اوساط مفصل، قصار مفصل) سے بھی تخفیف کرے، جیسا کہ حدیث میں تخفیف کا حکم ہے، یا عموماً مستحب قرأت کا لحاظ کر کے نماز پڑھائے؟ مستفتی: ایک معلم

﴿جواب﴾ امام کے لئے بہتر یہ ہے، کہ عموماً مسنون اور مستحب قرأت کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھائے، اور جس حدیث میں تخفیف کا حکم ہے، اس سے مراد قطعاً یہ نہیں کہ مستحب قرأت سے بھی کم قرأت پر اکتفاء کرتا رہے، بلکہ مراد یہ ہے، کہ اتمام کے ساتھ تخفیف اختیار کرے، عام حالات میں مستحب مقدار سے بھی کوئی امام قرأت کم کرتا رہے، تو یہ تخفیف مع النقصان ہے نہ کہ تخفیف مع الاتمام۔ البتہ کبھی کبھار کسی خاص وجہ سے نماز فجر میں بھی قصار مفصل پڑھ لے، تو خلاف اولیٰ نہیں ہے، اور عام حالات میں مقتدیوں کے شوق وذوق کے لحاظ سے کبھی تخفیف اور کبھی تطویل اختیار کرے، لیکن بتائے گئے طوال، اوساط اور قصار مفصل کے دائروں میں رہتے ہوئے، اس لئے کہ طوال مفصل میں بعض زیادہ طویل اور بعض کم طویل سورتیں ہیں، اسی طرح قصار یا اوساط مفصل بھی سب برابر نہیں ہیں، ان میں بعض لمبی سورتیں ہیں، اور بعض نسبتاً چھوٹی ہیں۔ تو مستحب مقدار کا خیال رکھتے ہوئے بھی تخفیف کے حکم پر عمل ہوسکتا ہے۔

لما في التنوير مع الدر: (١/٥٣٩ تا ٥٤١، طبع: سعيد)

ويسن في الحضر لامام ومنفرد ذكره الحلبي والناس عنه غافلون، طوال المفصل من الحجرات الى آخر البروج في الفجر والظهر، ومنها الى آخر "لم يكن" اوساطه في

شروع میں اللہ جل جلالہ نے مختلف چیزوں کی قسم کھائی ہے، جیسے "والفجر ولیال عشر والشفع والوتر" تو میں ایک ہی رکعت میں صرف آیات قسم پڑھتا تھا، اور جواب قسم کے آیات کبھی رہ جاتے تھے، تو وہ ساتھی کہتا، کہ اس طرح پڑھنے سے قرأت نامکمل ہو کر نماز نہیں ہوتی، کہ ایک ہی رکعت میں صرف آیات قسم پڑھ کر جواب قسم کے آیات چھوڑ دیئے جائیں، اور اس بات کو ایک استاذ کی طرف منسوب کرتے تھے، تو کیا اس ساتھی کی بات صحیح ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں نوازش ہوگی۔ مستفتی: مولوی عبداللہ فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

﴿الجواب﴾ نماز میں تین چھوٹی آیات یا اس مقدار کے برابر ایک آیت یا اس کا حصہ پڑھنا ضروری ہے، اس سے نماز ہو جاتی ہے، یہ مشروط مقدار آیات قسم پر اگر پوری ہو تو جواب قسم کی آیات پڑھنے کو ضروری قرار دینا تو مشکل ہے، البتہ اتمام مضمون کیلئے بہتر ہے۔ جس استاذ کی طرف یہ بات منسوب ہوتی ہے، بہتر ہے ان کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کریں، ہوسکتا ہے نسبت غلط ہو یا سننے سمجھنے میں مغالطہ ہو گیا ہو۔

ولما فی التنویر مع الدر :(۱/۴۵۸،۴۵۹، طبع سعید)

وضم أقصر سورة كالكوثر أو ما قام مقامها وهو ثلاث آيات قصار نحو "ثم نظر ثم عبس وبسر، ثم أدبر واستكبر "وكذا لو كانت الأية أو الأيتان تعدل ثلاثا قصارا ذكره الحلبي وفي الشامية تحته ،قلت :قد صرح به في الدرر أيضا حيث قال :وثلاث آيات قصار تقوم مقام السورة وكذا الآية الطويلة ــــ وفي التاتارخانية لو قرأ اية طويلة كأية الكرسي أو المداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة اختلفوا فيه على قول ابي حنيفة ،قيل لا يجوز لانه ما قرأ آية تامة في كل ركعة ،وعامتهم على أنه يجوز لان بعض هذه الأيات يزيد على ثلاث قصار أو يعدلها ، فلا تكون قراء ته أقل من ثلاث آيات ،وهذا يفيد أن بعض الأية كاالأية في انه اذا بلغ قدر ثلاث آيات قصار يكفي.

ولما في الهندية :(۱/۸۲،طبع: قديمي كتب خانه)

ألأفضل أن يقرأ في كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة في المكتوبة.

ولما في التنويرمع الدر:(۲/۶۷،طبع: سعيد)

ألأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم وأقره المصنف وغيره ،وفي المجتبى عن الامام :لو قرأثلاثا قصارا أو أية طويلة في الفرض فقد أحسن ولم يسئ فما ظنك باالتراويح .

وفي الشامية تحتة ،وفي التجنيس ـــ :واختار بعضهم سورة الاخلاص في كل ركعة

،وبعضهم سورة الفيل :الهداء ة منها ثم يعيدها ،وهذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات ، قال في الحلية :وعلى هذا استقر عمل أئمة أكثر المساجد في ديارنا.

ولما في المحيط البرهاني :(۲/ ۷۴،طبع: ادارة القرآن كراچی)

اذا وقف في غير موضع الوقف ،أو ابتدأمن غير موضع الابتداء ،فانه على وجهين:الاول:أن لا يتغير به المعنى تغيرا فاحشا ،لكن الوقف والابتداء قبيح نحو ان ابتدأبالخبر ،فقال :"ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف ثم ابتدأبقوله :"أولئك هم خير البرية" ونحو ان فصل بين النعت والمنعوت ، والصلة والموصوف ،فقرأ:"انه كان عبدا "ووقف وابتدأ "شكور"لاتفسد صلاته اجماعاً.

الوجه الثاني :ان يتغير به المعنى تغيرا فاحشاً ،بان قرأ:"شهد الله أنه لااله" ووقف ثم قال :"الاهو"أو قرأ:"وقالت

النصارى "ووقف ثم قال :"المسيح ابن الله "وفي هذا الوجه لا تفسد الصلاة عند علمائنا رحمهم الله تعالى ،وعند بعض العلماء تفسد صلاته ،والفتوى على عدم الفساد على كل حال، لان في مراعاة الوقف والوصل والابتداء ايقاع الناس في الحرج، خصوصاً في حق العوام

ومثله في الهندية:۸۹/۱ وفي الشامية :۶۳۲/۱

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد زبیر مروت

۸ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر:۳۷۵۳

﴿دوران نماز اونگھ اور کھانسی کو روکنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں؛

(۱)اگر نماز کے اندر اونگھ یا کھانسی آئے تو اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر تو نہیں پڑتا؟

(۲)اگر تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں اور ہتھیلیاں آستینوں کے اندر چھپی رہیں تو کیا ایسا کرنے میں کوئی کراہت ہے؟ مستفتی:اسد اللہ ڈیرہ غازی خان

﴿جواب﴾(۱)دوران نماز اونگھ اور کھانسی جہاں تک ممکن ہو روکنا چاہیے،یہ نماز کے مستحبات میں سے ہے۔جمائی روکنے سے نہ رکے اور منہ کے بند رکھنے پر قابو نہ ہو سکے تو نچلے ہونٹ کو دانتوں میں دبانے سے جمائی رک جاتی ہے،نہ رکے تو قیام کی حالت میں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت منہ پر رکھیں اور اس کے علاوہ مواقع میں بائیں ہتھیلی،یا آستین سے بھی منہ بند کر سکتے ہیں۔

(۲) تکبیر تحریمہ کے وقت جب ہاتھ اٹھائے جائیں تو ہتھیلیاں آستینوں سے باہر نکالنا مستحب ہے۔ آستینوں کے اندر رکھنا تکبرانہ انداز ہے لہذا اس سے بچا جائے.

لمافی البحر (۲۰۲/۱ طبع: سعید)

(قوله وكظم فمه عند التثاؤب) اى امساك فمه والمراد به سده لقوله عليه الصلوة والسلام "التثاؤب في الصلوة من الشيطان فاذا تثاءب احدكم فليكظم مااستطاع" وفي الظهيرية فان لم يقدر غطاه بيده او كمه للحديث (قوله واخراج كفيه من كميه عند التكبير) لأنه أقرب الى التواضع وابعد من التشبه بالجبابرة وامكن من نشر الاصابع الالضرورة بردونحوه (قوله ودفع السعال مااستطاع) لأنه ليس من افعال الصلوة ولهذا لوكان بغير عذر تفسد صلوته فيجتنبه ما امكن.

ولمافی الهندية (۷۲/۱ مكتبه رشيديه)

وكظم فمه عند التثاؤب واخراج كفيه من كميه عند التكبير ودفع السعال مااستطاع.

ولمافی حاشية الطحطاوی (۲۷۷ طبع: قديمي)

(دفع السعال مااستطاع) تحرزا عن المفسد فانه اذا كان بغير عذر يفسد وكذا الجشاء (و) من الادب (كظم فمه عند التثاؤب) فان لم يقدر غطاه بيده أو كمه. قال الطحطاوی: قوله: (يفسد) اى اذا حصل به حروف ومثله الجشاء.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور
۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ	فتوی نمبر:

﴿فرض نماز میں قومہ اور جلسہ کی مأثور دعاؤں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قومہ میں " ربنا لک الحمد" کے ساتھ۔ " حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه " ملانا اور دونوں سجدوں کے درمیان دعا پڑھنے کا منفرد، مقتدی اور امام کے لیے کیا حکم ہے؟ مستفتی: حاجی نصیر احمد

﴿جواب﴾ منفرد کے لیے مذکورہ بالا تسبیحات کا پڑھنا مستحب ہے، اور فرض نمازوں میں مقتدی بھی پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ امام سے پیچھے رہنے کا اندیشہ نہ ہو، البتہ امام کے لیے نبی کریم ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ وہ ہلکی پھلکی نماز پڑھائیں کیونکہ جماعت کی نماز میں مریض اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں ان کا بھی خیال رکھنا چاہیے تاکہ مقتدی لوگ زحمت و مشقت میں مبتلا نہ ہوں۔

لما في الشامي (١/٥٠٢، طبع سعيد، كراچی)

(قوله محمول على النفل) أي تهجدا أو غيره خزائن. ثم الحمل المذكور صرح به المشايخ في الوارد في الركوع والسجود وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة

ولما فيه أيضا (١/٥٠٥، طبع سعيد)

(قوله وليس بينهما ذكر مسنون) قال أبو يوسف: سألت الإمام أيقول الرجل إذا رفع رأسه من الركوع والسجود اللهم اغفر لي؟ قال يقول ربنا لك الحمد وسكت، ولقد أحسن في الجواب إذ لم ينه عن الاستغفار نهر وغيره. أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه إذ لو كان مكروها لنهى عنه كما ينهى عن القراءة في الركوع والسجود، وعدم كونه مسنونا لا ينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجا من خلاف الإمام أحمد لإبطاله الصلاة بتركه عامدا ولم أر من صرح بذلك عندنا لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف والله أعلم.

ولما في الدر المختار (١/٥٦٤، طبع سعيد)

ويكره تحريما تطويل الصلوة على القوم زائدا على قدر السنة في قراءة وأذكار رضي القوم أو لا لإطلاق الأمر بالتخفيف نهر.

ولما في الشامي (١/٥٦٤، طبع سعيد)

(قوله لإطلاق الأمر بالتخفيف) وهو ما في الصحيحين " إذا صلى أحدكم للناس فليخفف فإن فيهم الضعيف والسقيم والكبير وإذا صلى لنفسه فليطول ما شاء ".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار بنوی

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۸۴

﴿دورانِ نماز ہر رکن کی ادائیگی کے وقت نظر کس جگہ رکھی جائے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا دورانِ نماز نظر کسی خاص جگہ رکھنے کا واقعی شرعی حکم ہے؟ اگر ہے تو نشاندہی فرمادیں، نوازش ہوگی۔

﴿جواب﴾ نماز میں بندہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اور رب کی بڑی شان کا تقاضا ہے کہ بندہ نظروں کو جھکا کر مناجات کرے اور ادھر ادھر نہ دیکھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم یوں فرمائی ہے: "اعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك فلا يشتغل بسواه" یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کیفیت سے کر گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، پس اگر تو نہیں دیکھ پاتا تو بے شک اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے

سوا دوسری کسی چیز کی طرف تو دھیان نہ کر۔

اس لئے فقہائے کرام بتاتے ہیں کہ قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ، رکوع میں قدموں پر، سجدوں میں ناک پر اور قعدہ میں جھولی پر نظریں ہونی چاہیے اس میں زیادہ ادب ہے اس لئے مستحب ہے۔

لما فی العالمگیریہ (۱/۷۲،۷۳ طبع: مکتبہ رشیدیہ)

(وآدابها) نظره الى موضع سجوده حال القيام والى ظهر قدميه حالة الركوع والى ارنبته حالة السجود والى حجره حالة القعود وعند التسليمة الاولى الى منكبه الأيمن وعند الثانية الى منكبه الأيسر.

ولما فی مراقی الفلاح (۱۰۲، طبع: قدیمی کتب خانہ)

(و) منها (نظر المصلي) سواء كان رجلا او امرأة (الى موضع سجوده قائما) حفظا له عن النظر الى مايشغله عن الخشوع (و) نظره (الى ظاهر القدم راكعا، والى ارنبة انفه ساجدا والى حجره جالسا) ملاحظا قوله صلى الله عليه وسلم اعبدالله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك فلايشتغل بسواه (و) منها نظره (الى المنكبين مسلما).

ولما فی بدائع الصنائع (۱/۲۱۵، طبع: سعید)

فقال يرمي ببصره الى موضع سجوده في حالة القيام وفي حالة الركوع الى رؤس اصابع رجليه وفي حالة السجود الى ارنبة انفه وفي حالة القعدة الى حجره لأن هذا كله تعظيم وخشوع وروى في بعض الأخبار ان الله تعالى حين امر الملائكة بالصلاة امرهم كذالك وزاد بعضهم عند التسليمة الاولى على كتفه الأيمن وعند التسليمة الثانية على كتفه الأيسر.

والله اعلم بالصواب: صدیق انور

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ

﴿نماز میں انگلیوں کو قبلہ کی سمت کرنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں ہاتھوں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیئے جبکہ تشہد میں شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا جاتا ہے تو اس وقت انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد عمیر کورنگی ۵

﴿جواب﴾ نماز میں ہاتھوں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا درست ہے لیکن حالت تشہد میں سیدھے ہاتھ کی آخری دو انگلیوں کو ہتھیلی کے ساتھ لگانا اور بیچ کی انگلی کو انگوٹھے سے ملا کر حلقہ

بتانااورشہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا احادیث سے ثابت ہے فقہاءکرام نے اس عمل کو مستحب قرار دیا ہے۔

لما فی الصحیح لمسلم:(۲۱۶/۱،طبع قدیمی)

عن ابن عمران رسول الله ﷺ كان اذاقعدفی التشهدوضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى وعقدثلاثاوخمسين واشاربالسبابة.

ولما فی مراقی الفلاح:مع حاشية الطحطاوی:(ص:۹۹،طبع قدیمی)

وتسن الاشارة فی الصحيح لانه عليه الصلاة والسلام رفع اصبعه السبابة وقداحنا ها شنا رمن قال انه لايشيراصلافهوخلاف الرواية والدراية.

ولما فی الشامی:(۲۱۷/۲،طبع امدادیہ ملتان)

والمفتى اى المفتى به عندناخلافه اى خلاف عدم الاشارة وهوالاشارة على كيفية عقدثلاثة وخمسين كماقال به الشافعیؒ واحمدؒ وفی المحيط انها سنة يرفعها عند النفى ويضعها عند الاثبات وهو قول ابى حنيفةؒ ومحمدؒ وكثرت به الآثار والاخبار فالعمل به اولى.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:بلال احمد غفرلہ

۲۷ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ　　　فتوی نمبر:۹۲۷

﴿دوران نماز جمائی روکنے کا حکم اور طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز اگر جمائی آجائے تو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟　　　مستفتی:فضل الدین

﴿جواب﴾ دوران نماز جمائی آنے کی صورت میں اول تو کسی طریقے سے روک لیا جائے لیکن اگر روکنا مشکل ہو جائے تو قیام کی حالت میں دائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھنا چاہیئے ، باقی حالات میں بائیں ہاتھ کی پشت سے جمائی کو روکنا چاہیئے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۶۷/۲ طبع امدادیہ)

وامساك فمه عندالتثاؤب فائدة لدفع التثاؤب مجربة:ولوبأخذشفتيه بسنه فان لم يقدر غطاه بظهريده اليسرى وقيل باليمنىٰ لوقائماوالافيسراه.

وفی الشامية:لأن التغطية ينبغی أن تكون باليسرىٰ كالامتخاط فان كان قاعداً يسهل ذٰلک عليه ولم يلزم منه حركة اليدين بخلاف ماإذاكان قائمافانه يلزم من التغطية باليسرىٰ حركة اليمين ايضالانهاتحتها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۱۵ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ　　　فتوی نمبر:۳۱۵

﴿نماز میں خشوع وخضوع کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے اندر خشوع و خضوع برقرار نہیں رہتا بار بار خیالات آتے رہتے ہیں، اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں اور نماز میں خشوع وخضوع کیسے قائم ہوگا؟

﴿جواب﴾ خشوع وخضوع یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں بعض نے خشوع کو دل کے ساتھ خاص کیا ہے اور خضوع کو ظاہری اعضاء کیساتھ اور بعض نے خضوع کو دل کے ساتھ خاص کیا ہے اور خشوع کو ظاہری اعضاء کے ساتھ خشوع کی مذکورہ حقیقت کے ساتھ پوری نماز بلاشبہ مشکل کام ہے اور بہت کم خوش قسمت لوگوں کو یہ صفت نصیب ہوتی ہے لیکن اس باطنی صفت کا اثر جو ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے یعنی نگاہ اور پورے جسم کو ادب وانکساری کیساتھ رکھنا یہ اختیار سے باہر نہیں، لہٰذا نماز میں ظاہری خشوع کا اہتمام کرنے سے بھی امید ہے اللہ تعالیٰ دلی توجہ پر بھی قابو نصیب فرما دے گا، اس لئے کہ ظاہر کا باطن پر اثر بلاشبہ مسلم ہے البتہ دل میں بار بار خیالات آنے سے نماز تو ہو جائے گی لیکن توجہ اور دھیان سے پڑھنے والے کی نسبت ثواب میں کمی ضرور ہوگی۔

لما فی المظہری:(۱۷-۱۸/ ۲۸۰-۲۸۱ طبع رشیدیہ)

الذین ہم فی صلاتہم خاشعون (مومنون آیت ۲) ——وفی البحر نقلا عن التحریر انہ اختلف فی الخشوع ہل ہو من فرائض الصلاۃ او من فضائلہا ومکملاتہا علی قولین والصحیح ہو الاول ومحلہ القلب والصحیح عندنا خلافہ نعم الحق انہ شرط القبول لا الاجزاء

ولما فی الفقہ الاسلامی وادلتہ:(۱/ ۷۲۶ طبع دار الفکر)

آداب الصلاۃ عند الحنفیۃ..... نظر المصلی الی موضع سجودہ قائما والی ظاہر قدمیہ راکعا والی ارنبۃ انفہ ساجدا والی حجرہ جالسا والی منکبیہ مسلما تحصیلا للخشوع فی الصلاۃ ملاحظا قولہ علیہ السلام اعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک.

ولما فی الشامی:(۲/ ۹۳ طبع امدادیہ ملتان)

وفی شرح المقدمۃ الکیدانیۃ للعلامۃ القہستانی یجب حضور القلب عند التحریمۃ فلو اشتغل قلبہ بتفکر مسألۃ مثلا فی اثناء الارکان فلا تستحب الاعادۃ وقال البقالی لم ینقص اجرہ الا اذا قصر وقیل یلزم فی کل رکن ولا یواخذ بالسہو لانہ معفو عنہ لکنہ لم یستحق ثوابا کما فی المنیۃ ولم یعتبر قول من قال لا قیمۃ لصلاۃ من لم یکن قلبہ فیہا معہ کما فی الملتقط والخزانۃ والسراجیۃ وغیرہا واعلم ان

حضور القلب فراغه من غير ماهو ملابس له وهو ههنا العلم بالعمل بالفعل والقول الصادرين عن المصلي وهو غير التفهم فان العلم بنفس اللفظ غير العلم بمعنى اللفظ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

٢٩ ربیع الثانی ١٤٢٨ھ　　فتویٰ نمبر: ٧١٩

﴿واجبات صلوٰۃ﴾

﴿سوال﴾ نماز کے مفتی بہ واجبات کتنے ہیں؟

﴿جواب﴾ نماز کے مفتی بہ واجبات کل تیرہ ہیں: (١) سورۃ الفاتحہ پڑھنا (٢) اس کے ساتھ کوئی سورۃ ملانا (٣) فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرنا (٤) سورۃ الفاتحہ کو سورۃ سے پہلے پڑھنا (٥) رکوع کر کے سیدھا کھڑا ہونا (٦) دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (٧) پہلا قعدہ کرنا (٨) التحیات پڑھنا (٩) لفظ سلام سے نماز ختم کرنا (١٠) ظہر اور عصر میں قراءت آہستہ آواز سے کرنا (١١) امام کیلئے مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں اور فجر وجمعہ وعیدین اور تراویح کی سب رکعتوں میں قراءت بلند آواز سے کرنا (١٢) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا (١٣) عیدین کی زائد تکبیرات ادا کرنا۔

لمافی حلبی کبیر: (ص ٢٩٥ طبع سہیل اکیڈمی)

من الواجبات جملة الاشياء منها تعيين قراءة الفاتحه ومنها تعيين القراءة المفروضة فى الصلوة فى الركعتين الاولين ومنها الاقتصار فيهما اى فى الركعتين الاوليين على مرة واحدة ومن الواجبات تقديم الفاتحه على السورة ومنها ضم السورة اليها ومن الواجبات الجهر بالقراءة فيما يجهر فيه ومنها المخافتة بالقراءة فيما يخافت منها قراءة القنوت فى الوتر ومنها قراءة التشهد فانها واجبة القعدتين ومن الواجبات القعدة الاولى.

وهكذا فى الشامى: (١/٢٥٨ طبع سعيد)

وهكذا فى البحر الرائق: (١/٢٩٥ طبع سعيد)

وهكذا فى البحر الرائق: (٢/٩٦ طبع سعيد)

وهكذا فى الشامى: (١/٢٦٨ طبع سعيد)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین عفا اللہ عنہ

٣ ربیع الثانی ١٤٢٨ھ　　فتویٰ نمبر: ٧٢٩

﴿سورت کی جگہ دوبارہ فاتحہ پڑھنے سے واجب ادا نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ یا بڑی آیت یا چھوٹی تین آیات کے بقدر قرأت کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص سورۃ کی جگہ سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو کیا اس سے واجب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ مستفتی: نصرت اللہ بنوں

﴿جواب﴾ سورۃ فاتحہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں پڑھنا مستقل واجب ہے، اور اس کے بعد بلا تأخیر کوئی سورت وغیرہ ملانا مستقل واجب ہے، سورت کی جگہ سورۃ فاتحہ پڑھنے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا، لھذا الاعلمی سے کوئی سورۃ فاتحہ مکرر یعنی سورت کی جگہ بھی پڑھ لے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی اور بھول سے کوئی پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

لما فی الدر مع الرد:۱/۴۶۰،طبع سعید۔

(وتقديم الفاتحة على كل (السورة) وكذاترك تكريرها قبل سورة الأولبين)(قوله وكذا ترك تكريرها الخ)فلو قرأ في ركعة من الأولبين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة كما في الذخيره وغيرها.

ولما فی حلبی کبیر:۴۶۰،طبع سہیل۔

(ولو كرر الفاتحة في) ركعة من(الأولبين)متوليا(او قرأ القرآن في ركوعه او في سجوده اوفي)موضع(التشهد يجب)عليه سجود السهو للزوم تأخير الواجب وهو السورة في الصورة الاولى وللقراءة فيما لم يشرع فيه فيما بعده والتحرز عن ذلك واجب ولو قرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لايلزمه السهو وقيل يلزمه.

ولما فی الدر مع الرد:۱/۵۳۸، طبع سعید

(وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجب على كل مسلم)(قوله وسورة) اى اقصر سورة او مايقوم مقامها من ثلاث آيات قصار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر:۳۶۸۲

﴿فرض نماز کی آخری دو رکعت میں سورۃ فاتحہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نماز کی آخری دو رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟ اور اگر کوئی شخص نہ پڑھے

تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: آصف صاحب

﴿جواب﴾ فرض نماز کی آخری دو رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے اور اگر کوئی شخص نہ پڑھے تو اسکی نماز ہو جائے گی، البتہ قصداً ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

لما فی الهداية:(۱/۱۵۳-۱۵۴،طبع رحمانیه)

والقراءة في الفرض واجبة في الركعتين وهو مخير في الاخرين معناه ان شاء سكت وان شاء قرأوان شاء سبح كذاروى عن ابى حنيفة وهو المأثور عن على وابن مسعود وعائشةؓ.

ولما في الشامی:(۱/۵۲۶،طبع سعید)

قلت لايخفى ان قراءة الفاتحه فى الشفع الثانى ليست بواجبة بل ذالك على وجه الدعاء فى ظاهر الرواية.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبد الستار

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر: ۷۱۱

﴿من نسى فى القعدة الاولىٰ وتجاوز عن قدر التشهد﴾

﴿قعدہ اولیٰ میں "عبده ورسوله" سے تجاوز کرنا﴾

﴿سوال﴾ اذا نسى المصلى فى القعدة الاولى من الفرائض وقعد زائدا من قدر التشهد فباى قدر من التأخير يجب عليه السهو؟ مستفتی: فیاض احمد

﴿جواب﴾ التاخير عن القيام بقدر الركن يوجب سجدة السهو شرع فى الصلاة على النبى ﷺ اولم يشرع ومقدار الركن على قول المفتى به هو ان يمكن قراءة سبعة عشر حرفا فمن نسى وتاخر عن القيام مقدار قوله "اللهم صلى على محمد" يجب عليه سجدة السهو والله اعلم.

لما فی التنوير مع الدر:(۲/۲۲۰،طبع امدادیه)

لا يُزيد فى الفرض على التشهد فى القعدة الاولى فان زاد عامداً كره فتجب الاعادة أو ساهيا وجب عليه سجود السهو اذا قال "اللهم صلى على محمد" فقط على المذهب.

ولما فى البزازية على هامش الهندية:(۴/۶۲،طبع رشيديه)

والمختار انه اذا قال "اللهم صلى على محمد" لزمه لانه ادى سنة وكيدة فلزم تأخير الركن.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد تاجکی

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر: ۱۹۸۲

﴿نیت میں غلطی کرنے سے نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسافر نے غلطی سے دو رکعت کی بجائے چار رکعت کی نیت کرلی تو کیا اس نماز میں کوئی خرابی آتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نیت کرتے ہوئے نماز کی تعیین ضروری ہے کہ ظہر کی نماز ادا کررہا ہوں رکعات کی تعداد میں نیت کرتے ہوئے غلطی ہوجائے تو اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی البحر الرائق:(۲/۲۷۹-۲۸۲ طبع سعید)

(قوله وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلاً......)وقيدبنية التعيين لان نية عددركعات ليست بشرط فى الفرض والواجب لان قصدالتعيين مغن عنه ولونوى الظهر ثلاثاوالفجر اربعاجاز.

ولمافی التنویر مع الدرالمختار:(۲/۹۵-۹۸،طبع امدادیه)

(ولابدمن التعين عند النية)الفرض ولوقضاء وواجب دون عددركعاته لحصولهاضمنا فلايضر الخطافى عددها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۷۶۳

﴿قومہ کی حالت میں امام، مقتدی اور منفرد کا تسمیع وتحمید پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام، مقتدی اور منفرد کیلئے نماز کے دوران قومہ میں تسمیع اور تحمید پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر امام نے دونوں کو جمع کرلیا تو اس سے نماز میں خرابی لازم آتی ہے یا نہیں؟　　　　مستفتی: ضیاء الرحمٰن چارسدوی

﴿جواب﴾ باجماعت نماز پڑھنے کی حالت میں امام کا وظیفہ تسمیع "سمع الله لمن حمده" اور مقتدی کا وظیفہ تحمید (ربنا لک الحمد) ہے اور منفرد دونوں کو جمع کرے گا امام تسمیع پر اکتفاء کرے تو زیادہ بہتر ہے اور اگر دونوں کو جمع کرے تو اسکی بھی گنجائش ہے اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۲۰۰-۲۰۲،طبع امدادیه)

(ثم يرفع راسه من ركوعه مسمعا)......قولان (ويكتفى به الامام)وقالا يضم التحميد (و)يكتفى (بالتحميدالمؤتم)وافضله اللهم ربناولك الحمد.....(ويجمع بينهمالو

منفردا)على المعتمد يسمع رافعا ويحمد مستويا.

ولما في الشامي:(۲/۲۰۱،طبع امداديه)

(وقال لا يضم التحميد)وهو رواية عن الامام ايضا،واليه مال الفضلي والطحاوي وجماعة من المتأخرين،معراج عن الظهيرية،واختاره في الحاوي القدسي ومشى عليه في نور الايضاح لكن المتون على قول الامام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲صفر المظفر ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۱۱۷۳

﴿باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت اتنے باریک کپڑوں میں نماز پڑھتی ہے جسمیں اسکی پنڈلیاں وغیرہ صاف نظر آتی ہیں،ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا شرعا درست ہے یا نہیں؟　　مستفتی:محمد ایاز صاحب چارسدوی

﴿جواب﴾ ایسے باریک کپڑوں میں جن سے عورت کے اعضاء نظر آتے ہوں نماز نہیں ہوتی ،نماز کے علاوہ بھی اسطرح کے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے:حدیث میں آیا ہے کہ ایسی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

لما في الهداية:(۱/۹۲،طبع رحمانيه)

(ويستر عورته)لقوله تعالى خذوا زينتكم عند كل مسجد اى مايوارى عورتكم عند كل صلاة.

ولما في العالمگيرية:(۱/۵۸،طبع رشيديه)

والثوب الرقيق الذى يصف ما تحته لا تجوز الصلاة فيه كذا في التبيين.هكذا في التجنيس:(۱/۲۰۵،ادارة القرآن والعلوم الاسلامية)والحلبي:(ص۲۱۴سهيل اكيڈمی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن چارسدوی

۸صفر الخیر ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۱۱۷۹

﴿حالت رکوع میں پنڈلیوں کو سیدھا رکھنے کی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ حالت رکوع میں نصب الساقین کا جو حکم ہے اس کا مقصد صرف پنڈلیوں کو سیدھا رکھنا ہے اگر چہ گھٹنوں میں خم ہی کیوں نہ

آئے یا پوری ٹانگ کو سیدھا کرنا ہے بایں طور کہ خم بالکل نہ آئے؟ مستفتی: حماد پشاوری

﴿الجواب﴾ نصب الساقین کا تذکرہ جو عبارتوں میں ملتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح قوت کے ساتھ رکھنا کہ دونوں ٹانگیں بالکل سیدھی رہیں اور گھٹنوں میں خم نہ رہے، نیز ہاتھوں کو بھی سیدھا رکھیں اور سر کو سرین کی سیدھ میں رکھ کر کمر پھیلا کر سیدھی رکھیں، اس موقع پر فقہ کی کتابوں میں جو لفظ ساق مذکور ہے اس سے مراد نفس پنڈلی نہیں ہے بلکہ پوری ٹانگ مراد ہے، لفظ ساق سے صرف پنڈلی مراد لینا فقہاء کرام کی اس عبارت "فجعلهما شبه القوس كما يفعله كثير من العوام مكروه" کے بالکل متضاد ہے، اس لئے کہ صرف پنڈلیوں میں قوس کی کوئی صورت نہیں بن سکتی۔

لما في التنوير مع الدر: (۱۹۶/۲-۱۹۷ طبع امدادیه)

(ويضع يديه) معتمدا بهما (على ركبتيه ويفرج اصابعه) للتمكن ويسن ان يلصق كعبيه وينصب ساقيه (ويبسط ظهره) ويسوى ظهره بعجزه (غير رافع ولا منكس رأسه ويسبح فيه قال صاحب ردالمحتار: هذا كله في حق الرجل اما المرأة فتنحني في الركوع يسيرا ولا تفرج ولكن تضم وتضع يديها على ركبتيها وضعا وتحني ركبتيها ولا تجافي عضديها لان ذلك استر لها...... قوله: (وينصب ساقيه) فجعلهما شبه القوس كما يفعله كثير من العوام مكروه. وفي سنن أبي داؤد: (۱۲۳/۱ طبع رحمانيه)

ولما في الهندية: (۷۴/۱ طبع رشيديه)

ويعتمد بيديه على ركبتيه — ويفرج بين اصابعه — ويبسط ظهره حتى لو وضع على ظهره قدح من ماء لاستقر ولا ينكس رأسه ولا يرفع يعني يسوى رأسه بعجزه — ويكره ان يحني ركبتيه شبه القوس والمرأة تنحني في الركوع يسيرا ولا تعتمد ولا تفرج أصابعها ولكن تضم يديها وتضع على ركبتيها وضعا وتحني ركبتيها ولا تجافي عضديها كذا في الزاهدي.

ولما في مراقي الفلاح: (ص۹۷-۹۸ طبع قديمي)

(و) يسن (اخذ ركبتيه بيديه) حال ركوعه (و) يسن (تفريج اصابعه) لقوله عليه السلام لانس اذا ركعت فضع كفيك على ركبتيك وفرج بين اصابعك وارفع يديك عن جنبيك ولا يطلب تفريج الاصابع الا هنا ليتمكن من بسط الظهر (والمرأة لا تفرجها) لان مبنى حالها على الستر (و) يسن (نصب ساقيه) لانه المتوارث واحناء هما شبه القوس مكروه (و) يسن (بسط ظهره) حال ركوعه لانه عليه السلام كان اذا ركع يسوى ظهره حتى لو صب عليه الماء استقر — (و) يسن (تسوية رأسه بعجزه)...... لان النبي

عليه السلام كان إذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه ولكن بين ذلك أي لم يرفع رأسه ولم يخفضه وفي الخلاصة ... (۱/۵۲، طبع رشیدیہ) آپ کے مسائل اور ان کا حل (۲/۱۹۵، طبع لدھیانوی)

واضح رہے کہ ساق پنڈلی کے علاوہ پوری ٹانگ پر بھی بولا جاتا ہے۔ دیکھئے: القاموس الوحید: (ص ۸۲۶)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفا اللہ عنہ

۱۴ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۰۰

﴿دعاء قنوت اور فرض سجدہ بھول جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) اگر وتر کی ادائیگی کے دوران دعاء قنوت پڑھنا بھول جائے اور تیسری رکعت کے رکوع یا سجدے میں یاد آجائے تو شرعاً ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

(۲) دوران نماز اگر ایک سجدہ ادا کرنا بھول جائے اور اسی نماز کی اگلی رکعتوں میں یاد آجائے تو ایسے شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد ابرار بلال کالونی کورنگی

﴿جواب﴾ (۱) دعاء قنوت وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھنا واجب ہے بھول جانے کی صورت میں فرض رکن چھوڑ کر واپس قنوت کی طرف عود کرنا جائز نہیں ہے، اس شخص کے لیے اب شرعاً حکم یہ ہے کہ وہ نماز جاری رکھے اور آخر میں سجدہ سہو کرلے، سجدہ سہو سے واجب کی تلافی ہوجاتی ہے۔

لما في الدر المختار مع الرد (۲/۹۰، طبع سعيد)

(ولو نسيه) أي القنوت (ثم تذكر في الركوع لا يقنت) فيه لفوات محله (ولا يعود إلى القيام) في الأصح لأن فيه رفض الفرض للواجب (فإن عاد إليه وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته)..... (وسجد للسهو) قنت أولا لزواله عن محله.

(۲) نماز کی ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں کوئی ایک بھی بھول جائے تو دوران نماز یاد آنے کی صورت میں فوراً ادا کیا جائے اور مستحب ہے کہ جس رکن میں سجدہ ادا کیا گیا اس کا بھی

اعادہ کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرلے لیکن اگر بھولے ہوئے سجدہ کو قعدہ اخیرہ تک مؤخر کیا اور قعدہ اخیرہ کے دوران یا اس کے بعد ادا کیا تو دونوں صورتوں میں قعدہ اخیرہ کا اعادہ واجب ہوگا اور سجدہ سہو تو ہر دونوں صورتوں میں واجب ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۱/۶۱۲-۶۱۳،طبع سعید)

(ولو تذكر)المصلي(في ركوعه اوسجوده)انه ترك(سجدة)صلبية اوتلاوية فانحط من ركوعه بلا رفع اورفع من سجوده (فسجدها)عقب التذكر(اعادهما)اى الركوع والسجود(ندباً)لسقوطه بنسيان وسجدلسهو ولواخرها الاخر صلاته قضاها فقط.وفي الشامية:يعني من غير اعادة ركوع ولاسجود لاافتراضاً ولا وجوباً ولا ندباً بل ان سجدها في اثناء القعدة الاخيرة اوبعدها اعادها افتراضاً وعليه سجود السهو لترك الترتيب فيما شرع مكرراً.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۹ صفر الخیر ۱۴۳۶ھ — فتوی نمبر:۲۴۳۹

﴿عذر کی بناء پر فجر اور ظہر کی نماز میں قصار مفصل کی تلاوت کرنا بھی درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھنا مسنون ہے مگر آجکل ظہر کی نماز میں اس پر عمل کرنا قدرے مشکل ہوگیا ہے۔ازراہ کرم شرعی تفصیلی حکم مطلوب ہے۔ مستفتی:محمد نعیم

﴿جواب﴾ بے شک فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل یعنی سورۃ الحجرات سے سورۃ البروج تک پڑھنا مسنون ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیئے ،تاہم اوقات وحالات کے اعتبار سے ظہر وغیرہ کی نماز میں قصار مفصل پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سن کر فجر کی نماز میں معوذتین پر اکتفاء فرمایا تاکہ اس کی ماں پر بار نہ ہو،لہٰذا عام حالات میں اصل مسنون طریقہ پر عمل کرنا چاہیئے ،البتہ اوقات وحالات کے اعتبار سے قصار مفصل پر بھی عمل کرسکتے ہیں۔

لمافی الدرالمختار:(۱/۵۳۹-۵۴۱،طبع سعید)

ويسن في الحضر لامام ومنفرد......(طوال المفصل)من الحجرات الى آخر البروج......واختار في البدائع عدم التقدير وانه يختلف بالوقت والقوم والامام

وفي الشامية:(واختاره في البدائع (الخ)وعمل الناس اليوم على ما اختاره في البدائع رملي، والظاهر أن المراد عدم التقدير بمقدار معين لكل أحد وفي كل وقت كما يفيده تمام العبارة بل تارة يقتصر على ادنى ما ورد كالقصر بسورة من طوال المفصل في الفجر أو القصر بسورة من قصاره عند ضيق وقت أو نحوه من الاعذار "لانه عليه الصلاة والسلام قرء في الفجر بالمعوذتين لما سمع بكاء صبي خشية أن يشق على أمه" وتارة يقرء اكثر ماورد اذا لم يمل القوم فليس المراد الغاء الوارد ولو بلا عذر ولذا قال في البحر عن البدائع: والجملة فيه أنه ينبغي لامام أن يقرء مقدار مايخف على القوم ولا يثقل عليهم بعد ان يكون على التمام وهكذا في الخلاصة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۷رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۱۶۸۶

﴿سورۃ ملائے بغیر رکوع میں جانے کے بعد یاد آنے پر کیا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ میں سورۃ الفاتحہ پڑھ کر رکوع میں چلا گیا مجھے یاد آیا کہ سورت نہیں ملائی فوراً کھڑے ہو کر سورت پڑھی لیکن دوبارہ رکوع نہیں کیا میری نماز ہو گئی؟ اگر نہیں ہوئی تو صحیح طریقہ کیا ہے؟

﴿جواب﴾ دوران رکوع یاد آیا کہ سورت نہیں ملائی تو کھڑے ہو کر سورت ملائی جائے، اس کے بعد رکوع کرنا ضروری ہے، پہلے رکوع کا اب کوئی اعتبار نہیں رہا اور آخر میں سجدہ سہو بھی کرے، البتہ رکوع اور قومہ کے فوراً بعد یاد نہ آئے کہ میں نے سورت نہیں ملائی تو ابھی آخر میں سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائیگی، آپ نے جو صورت اختیار کی ہے اس میں نماز کا اعادہ ضروری ہے، اس لئے کہ آپ نے دوبارہ رکوع نہیں کیا، جبکہ ضروری تھا۔

لما في الشامي:(۲/۵۲۲،طبع امدادیه)

والحاصل ان مايقرء يلتحق بما قبل الركوع ويلغو هذا الركوع فتلزم اعادته حتیٰ لو لم يعد بطلت صلوته......فتدظهر ان ايقاع الركوع قبل القرأة اصلا او قبل قراءة الواجب يلزم به سجود السهو.

ولما في حاشية الطحطاوي:(ص۲۵۰ مطبع قديمي)

ولو ترك السورة فتذكرها في الركوع او بعد الرفع منه قبل السجود فانه يعود ويقرء السورة ويعيد الركوع وعليه السهو لانه بقراءة السورة وقعت فرضا فيرتفض الركوع حتى لو لم يعده فسدت صلوته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ عابد دیروی

۲۷محرم الحرام ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر:۱۸۷۲

فصل فی الامامۃ والجماعۃ وتسویۃ الصفوف

امامت، جماعت اور صفوں کو سیدھا رکھنے کے مسائل

امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا امام کو اپنی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے؟

مستفتی: ایک معلم

جواب امام کو امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں صرف اپنی نماز کی نیت سے بھی امامت درست ہو جاتی ہے۔ البتہ امامت کی نیت کرنے سے امامت کا ثواب بھی مستقل ملیگا اور اپنی نماز پڑھتے ہوئے کسی نے اقتداء کی تو اپنی نماز کا ثواب ملیگا امامت کا ثواب نہیں ملیگا۔

لما فی الدر مع الرد:(۱۰۲،۱۰۳/۲ طبع:امدادیہ)

(والامام ینوی صلاته فقط)و(لا)یشترط لصحة الاقتداء نیة(امامة المقتدی)بل لنیل الثواب عند اقتداء احد به قبله.

وتصح الامامة بدون نیتها ،(بل لنیل الثواب)أی بل یشترط نیة امامة المقتدی لنیل الامام ثواب الجماعة.

ولما فی الحلبی کبیر:(ص ۲۵۱،طبع:سہیل

(ولا یحتاج الامام)فی صحة الاقتداء به (الی نیة الامامة)حتی لو شرع علی نیة الانفراد فاقتداء به یجوز.

ولما فی الهندیة:(۶۶/۱ طبع:رشیدیه)

والامام ینوی ما ینوی المنفرد ولا یحتاج الی نیة الامامة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
فتویٰ نمبر: ۳۵۷۳

مقتدی کو امام کی اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مقتدی کو امام کی اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

مستفتی: ایک معلم

جواب مقتدی کو امام کی اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے۔

لما في الشامي:(۱۰۳/۲،طبع :امداديه)

والحاصل ما قاله في الأشباه من أنه لا يصح الاقتداء الابنيته.

ولما في حلبي كبير:(ص ۲۲۰،طبع:نعمانية)

واما المقتدى فينوى الاقتداء ايضاً ولا يكفيه في صحة الاقتداء نية الفرض والتعيين أى تعيين الفرض بل يحتاج في صحة الى نيتين نية صلوة مطلقه ان تطوعاً ومعينة ان غيره ونية المتابعة للامام وذالک لانه يلزم من فساد الصلوة الامام بفساد صلوة المقتدى فلا بد من التزامة وهو با لنية.

ولما في السعاية:(۱۰۳/۲ ،طبع:سهيل،اكيڈمی)

قال نية صلاته أى صلوة الامام اذ لا بد في الاقتداء من الموافقة فلا يجوز اقتدء من يصلي فرضاً آخر ،قال واقتدائه لانه يلحق به الفساد والصحة من الامامه فلابد من نيت متابعة ،فللمقتدى يلزم ثلث نيات نية اصل صلوة ونية التعيين ونية المتابعة ونيةالاقتداء يغني عن نية التعيين حتى لو نوى صلوة الامام ولم يعينه لا يجوز عند البعض والاصح هو الجواز كما في التبيين.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:تنویرالرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر:۳۵۷۲

﴿عورتوں کی امامت کی نیت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام کو عورتوں کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی:ایک سائل

﴿جواب﴾ امام صاحب عورتوں کی امامت کی نیت کرے یا نہ کرے نماز عورتوں کی بھی ہو جاتی ہے،البتہ محاذات کی صورت میں عورت کی نماز نہیں ہوگی اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہ کی ہو۔اور اگر ان کی امامت کی نیت کی ہو تو محاذات کی صورت میں مرد کی نماز خراب ہوگی عورت کی نہیں۔تو عورتوں کی امامت کی نیت کرنے نہ کرنے کا اثر صرف محاذات کی صورت میں ظاہر ہوگا عام حالات میں نہیں۔

محاذات کا مطلب یہ ہیکہ فرض نماز کی جماعت میں عورت بھی اسی نیت کے ساتھ نماز میں امام کی اقتداء کرے اور کسی مرد کے برابر صف میں کھڑی ہو تو مذکورہ بالا حکم ہے۔

لما في الشامي:(۳۱۹/۲، ۳۲۰، طبع: امدادیه)

ظاهر اطلاقه أنه لا تصح صلاتها بلا نية الامام اما متها اما في الجمعة و العيدين ايضاً لما لنية شرط فيها ايضاً ،قال في النهر:وبه قال كثير ،الا أن الأكثر على عدمه فيها ،وهو الاصح كما في الخلاصة،......وأجمعوا على عدمه في الجنازة ،وظاهر عود الضمير في صلاتها على المرأة المحاذية:أي لامام أو لمقتد أنها لو اقتدت غير محاذية لأحد صح اقتدائها وان لم ينوها ،الا اذا نفى امامة النساء كما في القهستاني ،وحينئذ فلا يشترط لصحة اقتداء المرأة نية الامام امامتها الا اذا كانت محاذية.

ولما في الهداية:(۱۲۷/۱، طبع: رحمانية)

وان لم ينو امامتها لم تضره ولا تجوز صلاتها لان الاشتراك دونها لا يثبت عندنا خلافا لزفرؒ الا ترى انه يلزم الترتيب في المقام فيتوقف على التزامه كالاقتداء وانما يشترط نية الامامة اذا ائتمت محاذية وان لم يكن بجنبها رجل ففيه روايتان.

ولما في الفتح القدير:(۳۸۴/۱، ۳۸۵، طبع: رشيديه)

وقوله(وانما يشترط نية الامام اذا ائتمت محاذية)أي اذا اقتدت با لامام محاذية له يشترط نية الامام لفساد الصلوة ......فان كان فالصواب أن اقتدائها لا يصح الا بالنية من جهة الامام لأنه يلزم الفساد على من بجنبها،......قوله(وان لم يكن بجنبها رجل ففيه روايتان) ى روية لا يصح اقتدائها لاحتمال الفساد من جهتها با لمشي والمحاذاة فتحتاج الى الالتزام ،وفي روية يصح (و)على هذه الرواية يحتاج الى (الفرق)وهو (أما الفساد الاول)وهو ما اذا كانت خلفه وليس بجنبها رجل (محتمل) لاحتمال ان تمشي فتحاذي ،ولكن الظاهر عدم ذلك ،فلم تشترط النية الامام هذا في صلوة يشتركان فيها.

ولما في حلبي كبير:(ص ۵۲۲، طبع: سهيل اكيڈمی)

وفي رواية انما تشترط نية امامتها اذا اقتدت محاذية لرجل فان اقتدت غير محاذية له يصح اقتدائها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۸۵

﴿نماز باجماعت کیلئے امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب جماعت کے کھڑے ہونے کا وقت ہوجاتا ہے یا ابھی ایک دومنٹ رہتے ہوں تو بعض لوگ کھڑے ہوکر جماعت کے کھڑے ہونے کا انتظار کرتے ہیں حالانکہ ابھی تک امام مسجد میں آیا بھی نہیں

ہوتا اور اگر آیا بھی ہو تو ابھی تک اپنی جگہ سے اٹھا نہیں ہوتا، کیا ان بعض لوگوں کا ایسے وقت میں کھڑا ہونا صحیح ہے؟

مستفتی: عبدالغفار، کوہی

﴿جواب﴾ ان لوگوں کا ایسے وقت میں کھڑے ہو کر انتظار کرنا صحیح نہیں ہے لہٰذا اپنی جگہوں پر آرام سے بیٹھے رہیں اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ اگر امام صفوں کے پیچھے کی طرف سے آ رہا ہو تو جس صف پر سے گزرے، اس میں موجود لوگ کھڑے ہو جایا کریں، اور اگر امام آگے کی طرف سے مسجد میں داخل ہو جائے تو جیسے ہی لوگوں کی نظر امام پر پڑے فوراً کھڑے ہو جایا کریں، اور اگر امام مصلے کے قریب بیٹھا ہے اور اقامت شروع ہو گئی یہاں تک کہ "حی علی الفلاح" تک اقامت ہو گئی تو بلا تاخیر سب کو کھڑا ہونا چاہیے یعنی امام سمیت سب کو چونکہ نماز کی دعوت دی گئی تو بلا تاخیر سب کو قبول کرنی چاہیے، بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس وقت تک بیٹھے رہنے کا حکم ہے، یہ غلط سمجھ ہے، اس طرح صفوں کو سیدھا کرنے کا اہتمام نہ ہو سکے گا جبکہ صفوں کو سیدھا کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے، اس لئے اس سے پہلے کھڑا ہونا کوئی منع نہیں ہے اگر امام آگئے ہوں۔

لمافی البحر (۲۰۲/۱، طبع: سعید)

(قوله والقيام حين قيل حي على الفلاح) لانه امر به فيستحب المسارعة اليه اطلقه فشمل الامام والمأموم ان كان الامام بقرب المحراب والا فيقوم كل صف ينتهي اليه الامام وهو الاظهر وان دخل من قدام وقفوا حين يقع بصرهم عليه وهذا كله اذا كان المؤذن غير الامام فان كان واحدا واقام في المسجد فالقوم لا يقومون حتى يفرغ من اقامته.

ولمافی المحیط البرهانی (۱۰۶،۱۰۵/۲)

اما ان يكون المؤذن غير الامام، او يكون هو الامام.

فان كان غير الامام، وكان الامام مع القوم في المسجد، فانه يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن "حي على الفلاح"، عند علمائنا الثلاثة هذا اذا كان المؤذن غير الامام والامام حاضر في المسجد فاما اذا كان الامام خارجا المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف وقال بعضهم: كلما جاوز صفا قام اليه ذالك الصف، واليه مال شيخ الامام شمس الائمة الحلواني، وشيخ الاسلام المعروف ب "خواهرزاده" والشيخ الامام شمس الائمة السرخسي، وان كان الامام دخل قدامهم يقومون كلما رأوا الامام؛

وان كان الامام والمؤذن واحدا فان اقام في المسجد فالقوم لا يقومون مالم يفرغ من الاقامة.

ولما في مراقي الفلاح(۱۰۲، ۱۰۳ طبع قديمي)

(و)من الأدب(القيام)اى قيام القوم والامام ان كان حاضرا بقرب المحراب(حين قيل)اى وقت قول المقيم(حي على الفلاح)لأنه امر به فيجاب وان لم يكن حاضرا يقوم كل صف ينتهي اليه الامام في الأظهر.

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۷۸

﴿امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کا مستحب وقت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض ائمہ حضرات کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب مؤذن اقامت کے دوران قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچتا ہے تو وہ تکبیر تحریمہ کہہ دیتے ہیں، کیا اس طرح کرنا صحیح ہے یا اقامت کے پورا ہونے کا انتظار ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ بہتر یہ ہے کہ اقامت کہنے والا اقامت سے مکمل فارغ ہوا سکے بعد امام تکبیر تحریمہ کہے تا کہ اقامت کہنے والے کو بھی تکبیر تحریمہ میں شامل ہونے کا اعلیٰ درجہ ملے تاہم قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے بعد بھی نماز شروع کرنے کی گنجائش ہے۔

لما في التنوير مع الدر(۱/ ۴۷۹، طبع سعيد)

(وشروع الامام)في الصلاة(مذ قيل قد قامت الصلوة)ولو أخرحتى اتمها لا بأس به اجماعا،وهو قول الثاني والثلاثة،وهو اعدل المذاهب كما في شرح المجمع لمصنفه.وفي القهستاني معزيا للخلاصة أنه الأصح.

وفي الشامي تحت هذا:(قوله لا بأس به اجماعا)اى لأن الخلاف في الأفضلية فنفى البأس اى الشدة ثابت في كلا القولين وان كان الفعل اولى في احدهما(قوله وهو)اى التأخير المفهوم من قوله أخر(قوله انه الأصح)لأن فيه محافظة على فضيلة متابعة المؤذن واعانة له على الشروع مع الامام

ولما في البحر(۱/ ۳۰۲ طبع سعيد)

(قوله وشروع الامام مذ قيل قد قامت الصلوة)عند ابي حنيفة ومحمد وقال أبو يوسف يشرع اذا فرغ من الاقامة محافظة على فضيلة متابعة المؤذن واعانة للمؤذن على الشروع معه ولهما ان المؤذن أمين وقد أخبر بقيام الصلوة فيشرع عنده صونا لكلامه عن الكذب وفيه مسارعة الى المناجات وقد تابع المؤذن في الأكثر فيقوم مقام الكل على انهم قالوا المتابعة في الاذان دون الاقامة كذا ذكره الشارح وفيه نظر لما قدمناه في

باب الاذان ان اجابة الاقامة مستحبة وفي الظهيرية ولوأخرحتى يفرغ المؤذن من الاقامة لابأس به في قولهم جميعا والله اعلم.

ولما في مراقي الفلاح (۱۰۳، طبع قديمی)

(و) من الأدب (شروع الامام) الى احرامه (مذقيل) اى عندقول المقيم (قدقامت الصلاة) عندهما وقال ابو يوسف: يشرع اذافرغ من الاقامة فلو أخرحتى يفرغ من الاقامة لابأس به في قولهم جميعا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿امام کی قرأت حکماً مقتدی کی بھی قرأت ہوتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل حدیث کے بارے میں: عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: "من صلّى صلاة لم يقرأفيها بامّ القرآن فهی خداج ثلاثاً فقيل لابی هريرة انانكون وراء الامام قال: اقرأبهافی نفسک ...الخ" ۔ "اقرأبهافی نفسک" کی وضاحت فرمائیں، کیا ہم بھی امام کی اقتداء میں سورۃ فاتحہ پڑھتے رہیں؟　　　　مستفتی: حاجی نصیر احمد

﴿جواب﴾ احادیث صحیحہ سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ امام کی قراءت حکماً مقتدی کی بھی قراءت ہے بلکہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو باقاعدہ منع کیا گیا ہے، احادیث میں اس کو جدال (لڑائی) سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "انی اقول مالی انازع القرآن" (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب: القراءة فی الصلاة، ص: ۸۱، ایچ ایم سعید، رواه مالک واحمد وابوداود والترمذی والنسائی وابن ماجه) لہٰذا نماز جہری ہو یا سرّی مقتدی کے لئے امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت اور وضاحت سے بھی احناف کے مؤقف کی تائید ہو رہی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرۃؓ کے شاگرد کے سوال سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قراءت خلف الامام کا کوئی دستور نہیں تھا، تب ہی تو سوال کی ضرورت پڑی اور ابوہریرۃؓ دل دل میں پڑھنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور زبان ہلائے بغیر صرف دل دل میں پڑھنے کو احناف

بھی منع نہیں فرمارہے ہیں، لہٰذا اس روایت سے یہ سمجھنا کہ امام کی اقتداء میں مقتدی بھی سورہ فاتحہ زبان سے پڑھتا رہے، صحیح نہیں ہے بلکہ غلط فہمی ہے۔

لمافی مسند الامام احمد بن حنبل ،(رقم الحديث : ۱۴۶۴۳، ۱۲/۲۳، طبع: بیروت)

"عن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من كان له امام فقراءة الامام له قراءة"

كذافی سنن ابن ماجه ،کتاب الصلاة ،باب: اذاقرء الامام فانصتوا، ۱/۶۱،طبع: قدیمی)

كذافی شرح معانی الآثار للطحاوی ، ۱/۱۲۹،ایچ ایم سعید

ولمافی مشكاة،(کتاب الصلاة ،باب : القراءة فی الصلاة ، ۱/۸۱،طبع ایچ ایم سعید)

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فانصتوا"(رواه ابوداود والنسائی وابن ماجه)

ولمافی مشكاة المصابيح ، ۱/۸۱

"عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة فقال: هل قرء معی احد منكم آنفاً فقال رجل: نعم يارسول الله ! قال : انی اقول : مالی انازع القرآن ،قال: فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ الخ (رواه مالک واحمد وابوداود والترمذی والنسائی وابن ماجه)"

ولمافی فتح الملهم ، ۳/۲۷۱،طبع: مکتبه دارالعلوم

"وهذا السؤال منه يدل على انه مارای احداً من الصحابة والتابعين يقرأ خلف الامام ولم يعرفه منهم والافلا معنى لقوله :" انا نكون وراء الامام "لوكانت القراءة وراء الامام معروفة عنده"

ولمافی اوجز المسالک ، ۲/۲۷۹،طبع: دارالكتب العلمية ،بيروت

اعلم ان المشهور بينهم ان هذا الاثر حجة للقراءة خلف الامام فلو ثبت مذهب ابی هريرة رضی الله عنه القراءة خلف الامام مطلقاً بشئی من الروايات نصاً فيؤل هذا القول اليه ويقال معناه : اقرأ بها سراً والا فحقيقة القراءة فی النفس هی اجراء ها فی القلب المعبر بالتدبر فی المعانی الذی هو عين الخشوع فی الصلاة ،ويؤيد ماسيأتی من رواية ابی هريرة بنفسه انهم تركوا القراءة فيما جهر بها.

وقال عيسى وابن نافع: ليس العمل على قوله:" اقرأ بها فی نفسک "ولعله اراد اجراء ها على قلبه دون ان يقرأها بلسانه .

ولمافی حاشية صحيح مسلم ،(۱/۱۷۰،طبع: قديمی)

"قال الامام ابوالحسن الصغير السندهی :"اقرأ بها فی نفسک "فسره من لم يقرء القراءة

خلف الامام بالتدبر فی قراءة الامام"

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین کلکتی

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۲۶۰

﴿دورانِ نماز آگے صف میں خالی جگہ پُر کرنے کے لئے آگے بڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صف اول میں جگہ خالی ہو تو کیا دورانِ نماز دوسری صف میں کھڑا شخص اس خالی جگہ کو پُر کرسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، بینوا توجروا۔　　　مستفتی: عزیز اللہ کراچوی

﴿جواب﴾ احادیث مبارکہ میں صفوں کے اتصال اور سید حار کھنے سے متعلق بڑی تاکید آئی ہے اور اس کے خلاف کرنے پر بڑی وعید وارد ہوئی ہے، اس لئے بعد میں آنے والوں پر لازم ہے کہ اگلی صفوں میں خالی جگہ اگر ہو تو اسے پُر کریں، لہذا سامنے جگہ خالی ہو تو اس کو پُر کرنے کے لئے اگرچہ دورانِ نماز ہو آگے بڑھنا چاہیئے، البتہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر آگے بڑھنا چاہیئے۔

لمافی الشامی: (۵۷۰/۱، مطلب فی الکلام علی الصف الأول طبع سعید)

بقی مالو رأی فرجة بعدما أحرم، هل يمشي اليها؟ لم أره صريحا، وظاهر الاطلاق، نعم، ويفيده مسألة من جذب غيره من الصف كما قدمناه، فانه ينبغي له أن يجيبه لتنتفي الكراهة عن الجاذب فمشيه لنفي الكراهة عن نفسه أولى، فتأمل، ثم رأيت في مفسدات الصلاة من الحلية عن الذخيرة، ان كان في الصف الثاني فرأى فرجة في الأول فمشى اليها لم تفسد صلاته، لأنه مأمور بالمراصة، قال عليه الصلاة والسلام: تراصوا في الصفوف، ولو كان في الثالث تفسد، لأنه عمل كثير، وظاهر التعليل بالأمر أنه يطلب منه المشي اليها، فتأمل.

ولمافی فتح الملهم: (۵۱۰/۳، باب ـــ واتمام الصفوف الأول فالأول)

في قوله: يتمون الصفوف الأول الخ، معناه انهم لا يشرعون في الثاني حتى يتم الأول ولا في الرابع حتى يتم الثالث وهكذا، ويبدأ بيمين خلف الامام ثم بيمينه ثم بشماله.

ولمافی البدائع: (۲۱۸/۱، طبع سعید کراتشی)

قال بعض المشائخ ان مشى خطوة خطوة لا تفسد صلاته وان مشى خطوتين خطوتين تفسد وعند بعضهم لا تفسد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۹۹۱

﴿اعادہ والی جماعت میں نو وارد کی شمولیت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ حضرت مفتی صاحب بندہ اس وقت مسجد پہنچا کہ جماعت کھڑی تھی جس میں شریک ہو کر نماز پڑھی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ترک واجب کی وجہ سے اعادہ نماز تھی، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ آپ کی نماز ادا نہیں ہوئی، کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟　　مستفتی: ہارون رشید

﴿جواب﴾ صورت مسؤلہ میں ذکر کردہ اعادہ والی جماعت میں نو وارد شخص کا شریک ہو کر نماز پڑھنا درست ہے، اس لیے کہ یہ دوسری جماعت بعینہٖ فرض صفتِ کمال کی زیادتی کے ساتھ فرض کامل کا درجہ رکھتی ہے اور اب یہی اصلی فرض شمار ہوتی ہے۔

بے شک پہلی بار نماز پڑھنے سے فرض ساقط ہو گیا تھا لیکن نماز ناقص تھی اب اعادہ کی صورت میں وہ نفلی قرار پا گئی اور یہ دوسری نماز فرض شمار ہوتی ہے۔

لمافی الشامیہ: (۶۵/۲ طبع سعید)

(تنبیہ) یؤخذ من لفظ الاعادۃ ومن تعریفہا بما مر أنہ ینوی بالثانیۃ الفرض لأن ما فعل اولاً ہو الفرض فاعادتہ فعلہ ثانیاً، امّا علی القول بأن الفرض یسقط بالثانیۃ فظاہر وامّا علی القول الأخر فلأن المقصود من تکریرہا ثانیاً جبر نقصان الأولی فالأولی فرض ناقص والثانیۃ فرض کامل مثل الأولی ذاتاً مع زیادۃ وصف الکمال۔

ولمافی الشامیۃ: (۲۲۳/۲ طبع سعید)

فالأحسن الجواب عمّا قالہ المقدسی بأن اعادۃ الولی لیست نفلاً لأن صلاۃ غیرہ وان تأدّی الفرض وہو حق المیت لکنّہا ناقصۃ لبقاء حق الولی فاذا أعادہا وقعت فرضاً مکملا للفرض الاول نظیر اعادۃ الصلوٰۃ المؤداۃ بکراہۃ فانّ کلاً منہما فرض کما حقّقناہ فی محلہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم: کتبہ: تاج الدین چترالی

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۰۴۲

﴿بناء علی الفاسد کی صورت میں نماز جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کسی کے موجود نہ ہونے کی صورت میں جس سے قبلہ کے بارے میں دریافت کرے تحری سے غیر قبلہ کی

طرف نماز پڑھ رہا ہو اسی دوران کوئی دوسرا شخص آکر اسکو قبلہ کے بارے بتادے اور وہ دوران نماز قبلہ کی طرف پھر جائے پھر اسی نماز میں اس کی اقتدا کرے تو کیا ان کی یہ نماز درست ہوگی یا نہیں؟ جواب دیکر عنداللہ ماجور ہو۔

مستفتی: حمید اللہ ضلع مردان

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں مقتدی کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ اس نے ایسے امام کی اقتدا کی جسکی نماز شروع میں جہت قبلہ کے خلاف تھی اور یہ بناعلی الفاسد کے قبیل سے ہے البتہ امام کی نماز درست ہے اس لئے کہ تحری کے بعد وہی جہت اس کے حق میں شرعاً قبلہ معتبر ہے۔

لما فی الهندية(۱/۶۴، طبع قدیمی)

الاعمیٰ اذا صلی رکعة الی غیر القبلة فجاء رجل وحوله الی القبلة واقتدی به ان کان الاعمی حین افتتح الصلوة وجد من یسأله عن القبلة فلم یسأل فسدت صلوة الامام والمقتدی وان لم یجد من یسأله جازت صلوة الامام وفسدت صلوة المقتدی۔

وکذا فی فتاوی قاضی خان(۱/۷۰، طبع قدیمی)

ولما فی الدر مع الرد(۱/۴۳۲ طبع سعید)

ولو اعمی، فسواه رجل بنی ولم یقتد الرجل به ولا یعتبر تحری (قوله ولو اعمی الخ) قال فی شرح المنیة: ولو صلی الاعمی رکعة الی غیر القبلة فجاء رجل فسواه الی القبلة واقتدی به، ان وجد الاعمی وقت الشروع من یسأله فلم یسأله لم تجز صلوتهما والا جازت صلوة الاعمی دون المقتدی، لان عنده ان امامه بنی صلوته علی الفاسد وهو الرکعة الاولی۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۱۱ صفر ۱۴۲۵ھ — فتوی نمبر ۲۹۴۲

﴿بحالت مجبوری عام آدمی کی امامت اپنے ہم شکلوں کے لئے﴾

﴿سوال﴾ حضرت مفتی صاحب میں چترال سکاوٹ کا ملازم ہوں مختلف پہاڑی چیک پوسٹوں میں ہماری ڈیوٹی ہوتی ہے جہاں نماز کے لئے مساجد کا انتظام نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں ہمارے لیے انفرادی نماز پڑھنا بہتر ہے یا جماعت کیساتھ؟ جبکہ ہماری پوری ٹیم جاہلوں کی ہے۔

مستفتی: عبدالرحمٰن چترال

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں ٹیم میں سے کسی ایسے شخص کی اقتداء میں باجماعت نماز ادا کرنا

زیادہ بہتر ہے جو کم از کم نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہو اگر چہ باقاعدہ عالم نہ ہو، انفرادی نماز سے جماعت کیساتھ نماز پڑھنا بدرجہا بہتر ہے۔

لما فی ردالمحتار: (۵۷۹/۲، طبع سعید)

أما اقتداء أخرس بأخرس أو أمي بأمي فصحيح.

ولما فی الهندية: (۸۵/۱، طبع رشیدیه)

امامة الامي قوما اميين جائزة.

ولما فی السراجية: (۱۵/۱، طبع سعید)

امامة الامي لقوم امي جائز ولو كان خلفه قارى فصلوة الكل فاسدة.

ولما فی البحر: (۳۶۶/۱، طبع سعید)

والاخرس ام خرسا ناجازت صلاتهم بالاتفاق ــ فالحاصل أن امامة الانسان لمثله صحيحة الا امامة المستحاضة والخنثى المشكل لمثله غير صحيحة.

ولما فی حاشية الطحاوى: (ص ۲۸۸، طبع رشیدیه)

فلا يصح اقتداء القارى بأمي أو بأخرس ــ ولما اقتداء أمي بامي أو أخرس بأخرس فصحيح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: تاج الدین چترالی

یکم صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۰۳۹

﴿اگر امام نے سنتیں نہ پڑھی ہوں تو امامت کرا سکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک حافظ صاحب نے [illegible] ہے کہ جس امام نے سنتیں نہیں پڑھی ہوں مثلاً: فجر کی سنتیں یا ظہر کی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، پوچھنا یہ ہے کہ حافظ صاحب کی یہ بات کس حد تک درست ہے کیا واقعی نماز نہیں ہوتی یا مکروہ ہے یا کوئی حرج نہیں؟

﴿جواب﴾ جس امام صاحب نے سنن قبلیہ خواہ فجر میں ہو یا ظہر میں نہ پڑھ سکا ہو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح ہے اور نماز مکروہ بھی نہ ہوگی۔

لما فی التنوير مع شرحه: (۵۵۷/۱، طبع سعید)

عن عائشة رضى الله عنها ان النبى صلى الله عليه وسلم اذا لم يصل اربعا قبل الظهر صلاهن بعدها ،هكذا فى اعلاء السنن: (۱۴۸/۶ طبع: دار الكتب العلمیه)

ولما فی الشامی: (۲/۵۵۹، طبع سعید)

قولہ (مطلقا) أی وان کان غیرہ من الحاضرین من ھو اعلم واقرأ منہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف عفا اللہ عنہ

۲۵ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۶۳

﴿امام اگر قادیانی ہونے کا اقرار کرے تو نمازوں کا کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک امام مسجد نے اقرار کیا کہ وہ قادیانی ہے جبکہ لوگ عرصہ دراز سے اس کی اقتداء میں نماز اور نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں اور بہت سے لوگوں کے نکاح بھی اس امام نے پڑھائے تھے۔

غرض مسئلہ یہ ہیکہ اس کی اقتداء میں ادا کی جانے والی نمازوں اور جو جنازہ اور نکاح وغیرہ اس نے پڑھائیں ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ نمازوں کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ یہ شخص چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا تھا اس لئے نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے البتہ قادیانی ہونے کا جس وقت سے اس بدبخت نے اقرار کیا ہے اس وقت سے اس کو مرتد جاننا ضروری ہے اور ہر طرح کے تعلقات منقطع کرنا واجب ہے۔

لما فی التنویر مع الدر المختار: (۱/۵۹۲، طبع: سعید کراچی)

ولو زعم انہ کافر لم یقبل منہ لان الصلاۃ دلیل الاسلام واجبر علیہ بالقدر الممکن بلسانہ او بکتاب او رسول علی الاصح.

ولما فی الشامی: (۱/۵۹۲، طبع: سعید کراچی)

قولہ لان الصلاۃ دلیل الاسلام ای دلیل علی انہ کان مسلما وانہ کذب بقولہ انہ صلی بھم وھو کافر ،وکان ذلک الکلام منہ ردۃ فیجبر علی الاسلام ،ولا ینافی ذلک مامر اول کتاب الصلاۃ من انہ لا یحکم باسلامہ بالصلاۃ الا اذا صلاھا فی الوقت مقتدیا متمما بخلاف ماصلاھا اماما او منفرد الان ذاک فی الکافر الا صلی المعلوم کفرہ وما ھنا لیس کذلک فان من جھلنا حالہ نشھد لہ بالسلام اذا استقبل قبلتنا کما فی الحدیث بل بمجرد القاء السلام کمافی الایۃ ولذا قال لان الصلاۃ دلیل الاسلام ولم یقل لانہ صار بھا مسلما فافھم.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس غفر اللہ لہ ولوالدیہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۱۰

﴿دوران فرض یاد آیا کہ سنت نہیں پڑھی تھی۔۔۔؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے فجر کی نماز میں امام کیساتھ جماعت میں شرکت کی پھر نماز ہی میں اس کو خیال ہوا کے میں نے سنت فجر نہیں پڑھی ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ شخص فرض نماز توڑ کر سنت فجر ادا کرلے یا یہ کہ امام کیساتھ فرض نماز پوری کرے؟ مستفتی: مولوی نور محمد ڈی آئی خان

﴿جواب﴾ فرض نماز شروع کرنے کے بعد سنتوں کیلئے توڑنا جائز نہیں ہے اب فرض جاری رکھیں اور اشراق سے لیکر زوال تک کے درمیانی وقت میں سنتوں کی قضاء کریں سنتوں کی قضاء کا اگرچہ مستقل حکم نہیں ہے لیکن فجر کی سنتوں کی اہمیت نسبتاً زیادہ ہے اس لئے فجر کی سنتوں کی قضاء کرنی چاہئے۔ اور فرض سے فارغ ہونے کے بعد اشراق تک سنت یا نفل پڑھنے کی چونکہ ممانعت ہے اس لئے اس وقت میں نہ پڑھیں.

لما في البحر: (۲/۲۸، طبع سعید)

ولو تذكر في الفجر أنه لم يصل ركعتي الفجر لم يقطع اهـ وفي الخلاصة: الظاهر من الجواب أن السنة لاتقضى الا سنة الفجر،

ولما في البدائع :- (۱/۲۸۷، طبع سعید)

وأما اذا فاتت (سنة الفجر) وحدها لا تقضى عند أبي حنيفة وأبي يوسف وقال محمد تقضى اذاارتفعت الشمس قبل الزوال واحتج بحديث ليلة التعريس أنه صلى الله عليه وسلم قضاهما بعد طلوع الشمس قبل الزوال فصار ذلك وقت قضائهما،

ولما في الشامي: (۲/۶۰ باب ادراك الفريضة طبع سعيد)

قلت: ووجهه ظاهر، لان الجماعة واجبة عندنا أو في حكم الواجب، ولذا يترك لاجلها سنة الفجر التي قيل عندنا بوجوبها وبها يوم راعاة خلاف الامام مالك مستحبة، فلا ينبغي تفويت الواجب لاجل المستحب

ولما في البحر: (۲/۷۷، طبع سعید)

ولما في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها قالت لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم على شيئ من النوافل أشد تعاهدا منه على ركعتي الفجر وفي لفظ مسلم ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۱۲ صفر ۱۴۳۵ھ فتوی نمبر: ۳۹۰۸

﴿داڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض بیرون ممالک میں مساجد کے ائمہ حضرات داڑھی منڈوانے والے ہوتے ہیں توان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: کاشف صاحب فیز۲

﴿جواب﴾ داڑھی رکھنا واجب ہے اور داڑھی منڈوانے والا مرتکب حرام اور فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے تاہم نماز ہوجائے گی، اتفاق ہوجائے تو نماز پڑھ لینی چاہیے۔

لمافی حديث البخاری:(۲/۲۹۹،رحمانیه) خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب.

ولما فی الدر المختار:(۶/۴۰۷،طبع سعيد)يحرم على الرجل قطع لحيته.

ولمافی القدوری:(ص۴۲،طبع قديمی)

ويكره تقديم العبد والاعرابی والفاسق والأعمىٰ وولد الزنا فان تقدموا جاز.

ولمافی كنز الدقائق:(۱/۲۸،باب الامامة،طبع قديمی)

وكره امامة العبد والاعرابی والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا.

ولمافی الهداية:(۱/۱۲۲،باب الامامة،طبع رحمانيه)

ويكره تقديم — الفاسق لانه لا يهتم لامر دينه..... وان تقدموا جاز لقوله عليه السلام:صلّوا خلف كل بر وفاجر.

ولمافی فتاوى قاضی خان:(۱/۸۶،طبع قديمی)

واذا صلى الرجل خلف فاسق أو مبتدع يكون محرز ثواب الجماعة لكن لا ينال ثواب من يصلی خلف عالم تقی.

ولمافی التاتارخانية:(۱/۶۳۸)ويكره أن يكون الامام فاسقاً ويكره للرجال أن يصلوا خلفه.

ولمافی الدر مع الرد:(۱/۵۵۹،طبع سعيد)

ويكره امامة — الفاسق وفی المعراج قال اصحابنا:لا ينبغی أن يقتدی بالفاسق وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن فی تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عابد اللہ چترالی

۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۱۷۷۲

﴿جماعت میں شرارت کی وجہ سے بچوں کو بڑوں کیساتھ کھڑا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مسجد میں مؤذنی کے فرائض سرانجام دیتا ہوں، شروع میں بچوں کو آخری صف میں کھڑا کیا جاتا تھا لیکن ان کی شرارتوں کی وجہ سے بعد میں انہیں بڑوں کیساتھ کھڑا کیا جانے لگا اس پر محلہ کے ایک شخص نے اعتراض کیا کہ بچوں کو بڑوں کیساتھ کھڑا کرنا صحیح نہیں، پوچھنا یہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں بچوں کو بڑوں کیساتھ صف میں کھڑا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ دلائل کیساتھ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ بچوں کی صف کے بارے میں سنت طریقہ تو یہی ہے کہ انکی صف مردوں کی صفوں کے بعد ہو لیکن تربیت نہ ہونے کی وجہ سے آجکل کے بچے مساجد کا احترام نہیں کرتے، شور مچاتے ہیں، جس کی وجہ سے انکی اپنی نماز تو خراب ہوجاتی ہے ساتھ ساتھ مردوں کی نماز کو بھی خراب کردیتے ہیں، اس لئے اس اندیشہ کی وجہ سے بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہیئے، البتہ جہاں انتظام ہوسکے کہ بچے پیچھے شور نہ مچائیں تو اس سنت پر عمل کرنا چاہیئے۔

لمافی الشامی:(۱/۵٦۸-۵۷۱،طبع:سعید)

(ويصف الرجال)ظاهره يعم العبد(ثم الصبيان)ظاهره تعددهم فلوواحددخل الصف وفي تقريرات رافعي(ص٧٣)قال الرحمتي:ربمايتعين في زماننا ادخال الصبيان في صفوف الرجال لان المعهودمنهم اذااجتمع صبيان فاكثرتبطل صلاة بعضهم ببعض وربماتعدى ضررهم الى افسادصلاة الرجال.

ولمافی البحرالرائق:(۱/۳۵۳،طبع سعید)

(ويصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء)لقوله عليه الصلوة والسلام ليلني منكم أولوالأحلام والنهي...... وظاهرحديث انسؓ ..... يقتضي أيضاأن الصبي الواحدلايكون منفرداعن صف الرجال بل يدخل في صفهم.

ولمافی غنیۃ المستملی:(ص۴۲۹،طبع نعمانیه)

والسنة أن يصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء لمامرمن حديث انسؓ.....ثم الترتيب بين الرجال والصبيان سنة لافرض هوالصحيح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ذیشان احمد ملازئی

۱۰ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۰۵

﴿بالائی منزل والی جماعت کی اقتداء نچلی منزل میں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مسجد کی نچلی منزل میں تعمیراتی کام کی وجہ سے اوپر والی منزل میں باجماعت نماز ادا کی جائے اور جگہ پر ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ نچلی منزل میں کھڑے ہوں تو کیا نچلی منزل میں کھڑے ہونے والوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں ان کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ امام اور مقتدیوں کی جگہ متحد نہیں ہے؟ مستفتی: نعیم کراچی

﴿جواب﴾ پوری مسجد ایک ہی مکان ہے لہذا یہ کہنا کہ جگہ متحد نہیں ہے صحیح نہیں ہے، البتہ بلاوجہ صفوں سے دور یا ایسی جگہ جہاں امام کا حال مقتدیوں پر مخفی رہنے کا اندیشہ ہو خواہ مسجد کے اندر ہو منع ہے، اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے لیکن سوال میں جو وجہ بتائی گئی ہے یہ تو شرعی عذر ہے ایسی صورت میں بلا کراہت نماز صحیح ہے۔

لمافی التنویروشرحه الدر:(ج ۱ ص ۵۸۶ باب الامامة طبع سعید)

والحائل لایمنع الاقتداء(ان لم یشتبه حال امامه)بسماع أورؤیة ولومن باب مشبک یمنع الوصول فی الأصح(ولم یختلف المکان)حقیقة کمسجدوبیت فی الأصح ولاحکما عنداتصال الصفوف.قال ابن عابدین تحت هذه العبارة(قوله بسماع)أی من الامام أوالمکبر(قوله فی الأصح)بناء علی أن المعتبر الاشتباه وعدمه۔۔۔۔وحاصله أنه اشترط عدم الاشتباه وعدم اختلاف المکان ومفهومه انه لووجدکل من الاشتباه والاختلاف أوأحدهمافقط منع الاقتداء (قوله کمسجدوبیت)فان المسجدمکان واحد ولذالم یعتبرفیه الفصل بالخلاء الااذاکان المسجدکبیراجدا۔۔۔۔۔وعنداتحادالمکان یصح الاقتداء الااذااشتبه علیه حال الامام۔۔۔۔وسطح المسجد له حکم المسجدفهوکاقتدائه فی جوف المسجداذاکان لایشتبه علیه حال الامام۔۔۔۔۔وقدجزم صاحب الهدایةفی مختارات النوازل بأن العبرةللاشتباه الخ.

ولمافی التنویروشرحه الدر:(۲۵۶/۱،مایفسدالصلاةومایکره فیها،طبع سعید)

(و)کره تحریما(الوطء فوقه والبول والتغوط)لأنه مسجدالی عنان السماء.قال ابن عابدین تحت هذه العبارة(قوله لأنه مسجد)علةلکراهةماذکرفوقه قال الزیلعی:ولهذایصح اقتداء من علی سطح المسجدبمن فیه اذالم یتقدم علی الامام۔۔۔(قوله الی عنان السماء)وکذاالی تحت الثری کمافی البیری عن الاسبیجابی الخ.

ولما فی الھندیۃ:(۱/۱۰۹،الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ،طبع رشیدیہ)

وفناء المسجدله حکم المسجد حتی لوقام فی فناء المسجد واقتدی بالامام صح اقتداء ه وان لم تکن الصفوف متصلۃ ولا المسجد ملآن.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:محمد بلال شاہ وزیرستانی

۵ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۲۹۹۸

﴿امام کی متابعت میں فعلی انتقال کا اعتبار ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مقتدی امام کے ساتھ ساتھ رکوع سے کھڑا ہو جائے، یا سجدے سے اٹھ جائے اور ابھی تک امام نے "سمع اللہ لمن حمدہ" یا تکبیر نہ کہی ہو، تو کیا اس مقتدی کی نماز صحیح ہوگی؟ اسی طرح بعض دفعہ کوئی مقتدی امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیر لیتا ہے لیکن امام نے ابھی تک سلام نہ کہا ہو، تو کیا ایسے شخص کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مقتدی پر امام کی متابعت واجب ہے، امام سے پہلے کسی رکن کی طرف منتقل ہونا سخت گناہ ہے۔ متابعت یہ ہے کے ساتھ ساتھ منتقل ہو، اور امام کے منتقل ہونے کے بعد اگر منتقل ہو تو یہ بھی متابعت کے خلاف نہیں ہے، اور اصل اعتبار فعلی انتقال کو ہے، زبان سے انتقال کے لئے تکبیر و تسمیع کہنا بطور علامت وضع ہے۔ لھذا امام کو چاہئے کہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے ہوئے تکبیر وغیرہ رکن سے نکلنے کے موقع پر کہنا شروع کرے اور دوسرے رکن میں پہنچنے پر ختم کرے، پہلے رکن میں ہوتے ہوئے شروع کرنا یا دوسرے میں پہنچ کر کہنا یا جاری رکھنا خلاف وضع ہے۔

بعض ائمہ اس میں لاپرواہی کرتے ہیں، جسکی وجہ سے بعض نمازیوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، چنانچہ بعد میں شامل ہونے والے نمازی کو امام اگر رکوع کے آخری حصہ میں ملے جب وہ رکوع سے اٹھنے کے لئے تسمیع کہے، اس موقع پر امام اس حکم کا اگر خیال نہ رکھے تو شامل ہونے والے نمازی کو رکعت ملنے یا نہ ملنے میں اشتباہ ہو سکتا ہے، اس لئے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

لما فی الشامی:(۱/۴۹۳،طبع:سعید)

المفاد ان السنۃ کون ابتداء التکبیر عن الخرور وانتھاء ه عند استواء الظھر." وھکذا فی ورقۃ ۱/۴۹۷"

ولما فی حلبی کبیری:(ص:۲۶۰،طبع:نعمانیۃ)

والافضل کون الرفع مع التکبیر بان یکون ابتداء ہ عند ابتداء التکبیر وانتہاء ہ عند انتہاء ہ." وفی ورقۃ ۲۷۳" وینبغی ان یکون ابتداء تکبیرہ عند اول الخرور والفراغ منہ عند الاستواء راکعاً." وفی ورقۃ ۲۷۸" وھو ان المسنون فی ھذہ الاذکار ابتدائھا عند ابتداء الانتقال وانتہاء ھا عند انتہاء ہ ومقتضاہ انتہاء تسمیع الامام عند انتہاء الرفع وکذا انتہاء تحمید المقتدی،فلو حمد الامام بعد ذالک لوقع تحمیدہ بعد تحمید المقتدی وھو خلاف موضع الامامۃ لان مایشترک فیہ الامام والمقتدی اما ان یاتیا بہ معاًاو یاتی بہ الامام أوّلا فاما ان یاتی المقتدی اولا فلا.

ولما فی الشامی:(۱/۴۷۱،طبع:سعید)

فعلم من ھذا ان المتابعۃ لیست فرضاًبل تکون واجبۃ فی الفرائض والواجبات الفعلیۃ،وتکون سنۃ فی السنن____نعم تکون المتابعۃ فرضاًبمعنی أن یاتی بالفرض مع امامہ او بعدہ کما لو رکع امامہ فرکع معہ مقارناًاو معاقباًوشارکہ فیہ أو بعدما رفع منہ،فلو لم یرکع اصلاًاو رکع ورفع قبل ان یرکع امامہ ولم یعدہ معہ او بعدہ بطلت صلاتہ،والحاصل ان المتابعۃ فی ذاتھا ثلاثۃ انواع:مقارنۃ لفعل الامام مثل ان یقارن احرامہ لاحرام امامہ ورکوعہ لرکوعہ وسلامہ لسلامہ،ویدخل فیھا ما لو رکع قبل امامہ ودام حتی ادرکہ امامہ فیہ،ومعاقبتہ لابتداء فعل امامہ مع الشرکۃ فی باقیہ ومتراخیہ عنہ،فمطلق المتابعۃ الشامل لھذہ الانواع الثلاثۃ یکون فرضاً فی الفرض وواجبا فی الواجب وسنۃ فی السنۃ عند عدم المعارض او عدم لزوم المخالفۃ____ والمتابعۃ المقارنۃ بلا تعقیب ولا تراخ سنۃ عندہ لا عندھما____اذا علمت ذالک ظھر لک ان من قال ان المتابعۃ فرض او شرط کما فی الکافی وغیرہ أراد بہ مطلقھا بالمعنی الذی ذکرناہ،ومن قال انھا واجبۃ کما فی شرح المنیۃ وغیرہ أراد بہ المقیدۃ بعدم التاخیر،ومن قال انھا سنۃ أراد بہ المقارنۃ

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

واللہ اعلم بالصواب:محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ
فتویٰ نمبر:۳۶۱۵

﴿چار ایسے افعال جن میں امام کی اتباع نہ کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا امام کی اتباع نماز کے ہر فعل میں ضروری ہے،یا کچھ ایسے افعال بھی ہیں جسکو اگر امام ادا کرے تو مقتدیوں پر اسکا نہ کرنا ضروری ہوتا ہے؟

﴿جواب﴾ بلا شبہ نماز کے تمام اعمال میں مقتدی پر امام کی متابعت ضروری ہے،البتہ امام

کوئی ایسا عمل کرے جس کا نماز سے کوئی تعلق نہ ہو، یا وہ عمل شریعت کی نظر میں بدعت ہو یا بالاتفاق وہ عمل منسوخ ہو، تو ایسے اعمال میں امام کی متابعت نہ کرے۔ فقہاء کرام نے اسطرح کے کل چار اعمال کی نشاندہی فرمائی ہے۔ (۱) تیرہ سے زیادہ تکبیرات عید اگر کہے، چونکہ تیرہ تک کا ثبوت بعض صحابہ کرام سے ملتا ہے، اس لئے تیرہ تک تو متابعت ضروری ہے، اس سے زیادہ میں نہیں۔ (۲) زائد سجدے میں (۳) نماز جنازہ کے پانچویں تکبیر میں (۴) امام کا پانچویں رکعت کیلئے اٹھنے میں، لیکن اس میں تفصیل ہے کہ اگر امام چوتھی رکعت پر بقدر تشہد بیٹھا ہو، تو مقتدی قعدے میں اپنے امام کے لوٹنے کا انتظار کرے، اگر پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے، تو صحیح ہے، اور مقتدی اپنے امام کے ساتھ سلام پھیر دیں، اور اگر پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے امام نہیں لوٹ آئے، تو مقتدی خود سلام پھیر دے۔ اور اگر چھوتویں رکعت پر امام بقدر تشہد بیٹھا نہ ہو، تو مقتدی اپنے امام کی اتباع میں کھڑا ہو جائے، اگر امام سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آیا، تو سب کی نماز صحیح ہو جائیگی، ورنہ تو پھر سب کی فرض نماز باطل ہو جائے گی۔

لما فی الشامی: (۱/۴۷۰، طبع: سعید)

ثم ذکر ما حاصله انه تجب متابعته للامام فی الواجبات فعلاً وکذا ترکاًان لزم من فعله مخالفته الامام فی الفعل کترکه القنوت ــــ وأنه لیس له أن یتابعه فی البدعة والمنسوخ، وما لا تعلق له بالصلاۃ فلا یتابعه لو زاد سجدۃ أو زاد علی أقوال الصحابة فی تکبیرات العیدین أوعلی اربع فی تکبیر الجنازۃ أو قام الی الخامسة ساهیاً.

ولما فی حلبی کبیری: (ص، ۴۵۴، ۴۵۵، طبع نعمانیه)

وأربعة أشیاء اذا فعلها الامام لا یتابعه القوم لو زاد سجدۃ أو زاد علی أقوال الصحابة فی تکبیرات العیدین وکان المقتدی یسمع التکبیر منه بخلاف ما اذا کان یسمعه من المؤذن لاحتمال أن الغلط منه أو زاد علی الأربع فی تکبیر الجنازۃ أو قام الی الخامسة ساهیاًفانه لا یتابعه فی ذالک ثم فی القیام الی الخامسة ان کان قعد علی الرابعة ینتظره المقتدی قاعداًفان عاد سلم من غیر اعادۃ التشهد وسلم المقتدی معه وان قید الخامسة بالسجدۃ سلم المقتدی وحده، وان کان لم یقعد علی الرابعة فان عاد تابعه المقتدی وان قیدالخامسة فسدت صلاتهم جمیعاًولا یفید المقتدی تشهده وسلامه وحده ـــ وفی الثانی ان لیس له ان یتابعه فی البدعه والمنسوخ وما لاتعلق له بالصلوۃ.

ولما فی الدر المختار: (۲/۱۷۲، ۱۷۳، طبع: سعید)

"ولو زاد تابعه الی ستة عشر لأنه مأثور" وفی الشامی تحت (قوله الی ستة عشر) کذا

فی البحر عن المحیط، وفی الفتح قیل یتابعه الی ثلاث عشرہ وقیل الی ست عشرہ اھ
قلت: ولعل وجه القول الثانی حمل الثلاث عشرۃ المرویة عن ابن عباس علی الزوائد
کما مر عن الشافعی وهی مع الثلاث الأصلیة تصیر ست عشرۃ والا لم أر من قال بأن
الزوائد ست عشرۃ فلیراجع، وقد راجعت مجمع الأثار للامام الطحاوی فلم أر فیما
ذکرہ من الأحادیث والأثار عن الصحابة والتابعین أکثر مما مر عن ابن عباس فهذا
یؤید القول الأول ولذا قدمه فی الفتح ونسبه فی البدائع الی عامة المشائخ علی أن ضم
الثلاث الأصلیه الی الزوائد بعید جداً لأن القراءۃ فاصلة بینهما فتأمل۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۵۵

﴿پانچ وہ افعال کہ اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی بھی چھوڑ دیا کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ امام صاحب اگر قعدۂ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو مقتدی امام کی اطاعت کرنے یا قعدۂ اولیٰ سے فارغ ہو کر امام کے ساتھ شامل ہو؟ امام کی تابعداری واجب ہے لیکن قعدہ اولیٰ بھی تو واجب ہے، اور اس صورت میں دونوں واجب پر عمل ہوسکتا ہے۔ مستفتی: ایک مسلم

﴿جواب﴾ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے، کہ نماز میں پانچ واجب عمل ایسے ہیں کہ امام صاحب سے اگر چھوٹ گئے تو مقتدی پر بھی ان کا چھوڑنا لازم ہو جاتا ہے۔ (۱) قعدۂ اولیٰ (۲) تکبیرات عیدین (۳) سجدہ تلاوت (۴) سجدۂ سہو اور (۵) دعائے قنوت۔ البتہ دعائے قنوت سے متعلق یہ تفصیل ہے کہ اگر رکوع میں امام صاحب کے ساتھ شامل ہونے کی امید ہو تو دعائے قنوت مکمل یا اس کا کچھ حصہ پڑھ لینا چاہئے، اور فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو چھوڑ دینا چاہئے۔

لما فی الهندیه: (۱/۱۰۰، طبع: قدیمی کتب خانه)

خمسة اشیاء اذا لم یفعلها الامام ترك المقتدی ایضاً وتابع: تکبیرات العید والقعدۃ الاولی وسجدۃ التلاوۃ والسهو والقنوت اذا خاف فوت الرکوع هکذا فی الوجیزی للکردری، وان کان لا یخاف یقنت ثم یرکع کذا فی الخلاصه۔

ولما فی حلبی کبیری (ص: ۴۵۲، طبع: نعمانیة)

خمسة اشیاء اذا لم یفعلها الامام لا یفعلها القوم، القنوت وتکبیرات العیدین والقعدۃ

الاولیٰ وسجدۃ التلاوۃ وسجود السہو ـــــ والاصل فی النوع الاول وجوب متابعۃ الامام فی الواجبات فعلاً وکذا ترکاً ان کانت فعلیۃ او قولیۃ یلزم من فعلہا المخالفۃ فی الفعل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۶۱۱

﴿نوس اعمال میں امام کی اتباع نہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام اگر قعدہ اولیٰ بھول جائے، تو مقتدی کو بھی چھوڑنے کا حکم ہے، تو کیا یہ عام حکم ہے کہ امام نماز میں کسی بھی رکن وغیرہ کو چھوڑ دے، تو مقتدی بھی چھوڑ دیا کرے؟ مستفتی: ایک حصلم

﴿جواب﴾ امام نماز کے کسی بھی عمل کو چھوڑ دے، تو مقتدی بھی چھوڑ دیا کرے، یہ عام حکم نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے نماز میں کل نو اعمال ایسے بتائے ہیں، کہ امام سے اگر رہ جائیں، تو مقتدی کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔(۱) تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانا (۲) "ثنا" بشرطیکہ جہری نماز میں امام نے ابھی تک قرأت شروع نہیں کی ہو (۳،۴) رکوع وسجدہ کیلئے تکبیرات انتقال (۵) رکوع وسجدہ میں تسبیحات (۶) رکوع سے اٹھنے کیلئے تسمیع (۷) تشہد (۸) سلام (۹) تکبیرات تشریق۔ ان میں سے جو بھی عمل امام سے رہ جائے، تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ ادا کرلے۔

لما فی الشامی: (۴۷۰/۱، ۴۷۱، طبع: سعید)

ثم ذکر ما حاصلہ انہ تجب متابعتہ للامام فی الواجبات فعلاً وکذا ترکاً ان لزم من فعلہ مخالفتہ الامام فی الفعل کترک القنوت ـــــ وأنہ لیس لہ أن یتابعہ فی البدعۃ والمنسوخ وما لا تعلق لہ بالصلاۃ فلا یتابعہ لو زاد سجدۃ ـــــ وانہ لا تجب المتابعۃ فی السنن فعلاً وکذا ترکاً فلا یتابعہ فی ترک رفع الیدین فی التحریمۃ والثناء وتکبیر الرکوع والسجود والتسبیح فیہما والتسمیع وکذا لا یتابعہ فی ترک الواجب القولی الذی لا یلزم من فعلہ المخالفۃ فی واجب فعلی کالتشہد والسلام وتکبیر التشریق بخلاف القنوت وتکبیرات العیدین اذ یلزم من فعلہا المخالفۃ فی الفعل وہو القیام مع رکوع الامام" کذا فی الھندیۃ: (۱۰۰/۱، طبع: قدیمی کتب خانہ)

ولما فی حلبی کبیری: (ص، ۴۵۵، طبع: نعمانیہ)

وتسعۃ أشیاء اذا لم یفعلہا الامام لا یترکہا القوم رفع الیدین فی التحریمۃ وللثناء ما دام الامام فی الفاتحۃ فان شرع فی السورۃ لا یفعلہ المقتدی أیضاً عند محمد خلافاً لابی

یوسف وتکبیر الرکوع أو السجود والتسبیح فیهما والتسمیع وقراءة التشهد والسلام وتکبیر التشریق فلو ترك الامام شیئاً من هذه لا یترکه المقتدی۔

ولما فی حلبی کبیری أیضاً:(ص،۲۶۵،طبع: نعمانیه)

وروی عن الفقیه أبی جعفر الهندوانی انه قال اذا أدرك الامام فی الفاتحة یثنی بالاتفاق وان أدرکه فی السورة یثنی عند أبی یوسف لا عند محمد،ذکره فی الذخیرة وهو بعید اذلا فصل فی قوله تعالیٰ "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له" الأیة بین الفاتحة وغیرها بل الأصح هو القول الاولیٰ أنه لا یأتی به مطلقاً لاطلاق النص۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۶۲۵

﴿جماعت ثانیہ کے مختلف صورتوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا جماعت ثانیہ مطلقاً ہر مسجد میں مکروہ ہے یا مساجد کے اعتبار سے اس میں فرق واقع ہوتا ہے؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ یہ کراہت کونسی ہے تحریمی یا تنزیہی؟ مستفتی: عبد الحمید کوثری

﴿جواب﴾ جماعت ثانیہ اگر محلہ کی مسجد میں ہو اور ہیئت اولی پر ہی ہو تب تو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے اور اگر ہیئت اولی پر نہ ہو یعنی پہلی جماعت جس جگہ پڑھی گئی ہو اس سے ذرا ہٹ کر دوسری جگہ پڑھی جائے اور اذان واقامت بھی نہ کیا جائے تب بھی کراہت تنزیہیہ سے خالی نہیں ہے، البتہ چند صورتوں میں جماعت ثانیہ جائز ہے (۱) محلہ کی مسجد میں غیر اہل محلہ نے پہلی جماعت پڑھی ہو (۲) مسجد محلہ میں اہل محلہ ہی نے جماعت اولی پڑھی ہو لیکن بغیر اذان کے یا اذان کے ساتھ پڑھی ہو لیکن اذان کسی نے سنی نہ ہو (۳) ایسی مسجد ہو جس کے لئے امام اور مؤذن متعین نہ ہو ان سب صورتوں میں جماعت ثانیہ بالاتفاق جائز ہے (۴) مسجد طریق یعنی راستے یا عام گزرگاہ کی مسجد ہو جس میں لوگ پے در پے آتے رہتے ہوں تو ایسی مسجد میں بھی ہر گروہ کیلئے جماعت ثانیہ کرنا بالاتفاق جائز بلکہ افضل ہے۔

لما فی الدر المختار:(۱/۵۵۲،باب الامامة،طبع سعید)

ویکره تکرار الجماعة بأذان واقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق أو مسجد لا امام له ولا مؤذن:قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة (قوله ویکره) ای تحریماً لقول الکافی

لا یجوز والمجمع لا یباح وشرح الجامع الصغیر أنه بدعة (قوله بأذان وإقامة الخ) عبارته في الخزائن أجمع مشائخنا ونصها يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهما فيه أولا غير أهله أو أهله لكن بمخافتة الأذان ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعا كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن ويصلى الناس فيه فوجا فوجا فإن الأفضل أن يصلي كل فريق بأذان وإقامة على حدة الخ.

ولما قال العلامة الشامي في حاشيته على البحر: (۲۹۵/۱ طبع سعید)

أقول: ومفاد هذه النقول كراهة التكرار مطلقا أي ولو بدون أذان وإقامة وأن معنى قول قاضي خان المار "يصلي بغير أذان وإقامة أنه يصلي منفردا إلا بالجماعة — الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد بلال شاہ جنوبی وزیرستانی

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۲۹۵۵

﴿جب تک نچلی منزل میں جگہ ہو اوپر نماز پڑھنا منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ چار منزلہ مسجد میں نچلی منزل میں گنجائش کے باوجود کوئی شخص دوسری منزل میں نماز پڑھتا ہو تو کیا اس شخص کی نماز معتبر ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں جب تک زمینی منزل میں گنجائش ہو اوپر نماز پڑھنا اقامت صفوف وآداب جماعت کے منافی ہونے اور احادیث مبارکہ کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ ہے لیکن اگر کوئی پڑھ لے اور اس کو امام کے قیام، رکوع وسجود وغیرہ کی بھی خبر ہو رہی ہو تو نماز ہو جائیگی۔

لما في سنن أبي داؤد: (باب تسوية الصفوف رحمانية)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أتموا الصف المقدم ثم الذي يليه فما كان من نقص فليكن في الصف المؤخر.

ولما في الشامي: (۱/ ۵۶۹ ایچ ایم سعید)

فلو وقف في الصف الثاني داخلها قبل استكمال الصف الاول من خارجها يكون مكروها.

ولما في الهندية: (ج ۱ ص ۸۸ باب الامامة)

لو قام على سطح المسجد واقتدى بامام في المسجد ان كان للسطح باب في المسجد ولا يشتبه عليه حال الامام يصح الاقتداء.

ولما في الشامي: (۵۸۷/۱، ایچ ایم سعید)

ويؤيده ما في البدائع حيث قال: لو كان على سطح بجنب المسجد متصل به ليس

بينهما طريق فالمقتدى به صح اقتداءه عندنا، لأنه اذاكان متصلاً به صار تبعاً لسطح المسجد وسطح المسجد له حكم المسجد، فهو كاقتداءه في جوف المسجد اذاكان لايشتبه عليه حال الامام.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ

۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۲۹

﴿حکم اقتداء بریش تراش﴾

﴿داڑھی کتروانے والے کی اقتداء میں نماز پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ چہ حکم دارد اقتدی کردن کسے کہ ریش خود را می تراشد یا کوتاہ می کند آیا باین چنیں امام اقتدی کند بہتر است یا تنہا نماز گزارد:؟

﴿جواب﴾ این چنین کس را نہ باید امام اختیار کرد واگر بدون اختیار امام شود و دیگر مسجدی کہ جماعتش کامل است قریب نہ باشد پس اقتدی کردن بہ ریش تراش یا کوتاہ کنندہ بہتر است از تنہا گزاریدن، واللہ اعلم۔

لمافي حلبي كبير: (۵۱۴، طبع سهيل اكيڈمی)

ذكر في المحيط: انه لوصلى خلف فاسق اومبتدع احرزثواب الجماعة لكن لا يحرزثواب المصلي خلف تقي كيف وقدصلى الصحابة والتابعون خلف الحجاج وفسقه مالايخفى لكن قال اصحابنا لاينبغي ان يقتدى به الافي الجمعة للضرورة فيهابخلاف سائرالصلوات للتمكن من التحول الى مسجد آخر فيما سوى الجمعة (ثم قال) فينبغي ان تكره الجمعة اذاتعددالجوامع.

ولمافي الدرمع الرد: (۱/۵۶۲، طبع سعيد)

صلى خلف فاسق — نال فضل الجماعة قال الشاميؒ: افادان الصلوة خلفهما أولى من الانفرادولكن لاينال كماينال خلف تقي ورع.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کتبہ: محمد

ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۸۴

﴿مسجد کی جماعت فوت ہونے کے بعد جماعت سے نماز پڑھی جائے یا اکیلے؟﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی مسجد میں نماز کیلئے گیا تو وہاں جماعت ہو چکی تھی تو کیا یہ اب کسی

دوسری مسجد میں جماعت کی تلاش میں جاسکتا ہے یا وہیں اکیلے نماز پڑھے؟

﴿جواب﴾ اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ وہاں جماعت ہو چکی تھی تو اسکے لیے مستحب ہے کہ دوسری مسجد میں جماعت کی تلاش میں جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے گھر میں واپس آ کر گھر کے آدمیوں کو جمع کر کے جماعت کرائے اور اگر مسجد میں اکیلا ہی پڑھ لے تب بھی درست ہے۔

لمافی البحر الرائق:(۳۴۶/۱،طبع سعید)

وفی فتح القدیر واذا فاتته لایجب علیه الطلب فی المساجد بلا خلاف بین أصحابنا بل ان أتی مسجدا للجماعة آخر فحسن وان صلی فی مسجد حیه منفردا فحسن وذکر القدوری یجمع بأهله ویصلی بهم یعنی وینال ثواب الجماعة وقال شمس الأئمة الاولی فی زماننا تتبعها.

وسئل الحلوانی عمن یجمع بأهله أحیانا هل ینال ثواب الجماعة أولا قال لا ویکون بدعة ومکروها بلا عذر الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ ۔ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ ۔ فتویٰ نمبر: ۴۷۸

﴿عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی ہمارے علاقہ میں کرفیو لگ جاتی ہے، ایسے حالات میں گھروں سے باہر نکلنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا، پوچھنا یہ ہے کہ ایسے حالات میں گھروں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ یا بہر حال مسجد جانا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ کرفیو میں واقعی مسجد تک جانے کی بھی اجازت اگر نہ ہو، تو ایسی صورت حال میں مسجد جانا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے جو کہ جائز نہیں ہے، لہذا ایسی صورت ہو تو گھر ہی میں جماعت کا اہتمام کر کے نماز ادا کرے۔

لمافی قوله تعالی: "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" (البقرة ۱۹۵)

ولمافی الدر المختار (۵۵۶/۱) سعید

(قوله :أو ظالم) یخاف علی نفسه وماله.

ولما فی الهندیة (۱/۸۳) رشیدیه

وتسقط الجماعة بالأعذار حتی لاتجب علی المریض ــ وكذا الآخرج يخاف أن يحبسه غريمه في الدين ــ أو يخاف ضياع ماله .

ولما فی البحر (۱/۳۴۶) سعید

وذكر في السراج الوهاج أن منها المطر ــ و ــ أو يخاف الظلمة .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:

﴿بوقت ضرورت گھر میں جماعت کرنے سے تکبیر اولی کا ثواب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر اتفاقاً کبھی کبھار مسجد میں جماعت کی نماز نہ مل سکے اور کوئی شخص چند ساتھیوں کو جمع کر کے گھر یا کارخانے میں جماعت کروالے تو کیا اس کو جماعت اور تکبیر اولی کی فضیلت حاصل ہو جائیگی۔

﴿جواب﴾ کسی وجہ سے مسجد میں جماعت کی نماز اگر نہ مل سکے تو مستحب یہ ہے کہ علاقہ کی دیگر مساجد میں جماعت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گھر یا کارخانے میں کبھی کبھار جماعت سے نماز پڑھنے کی ضرورت اگر پیش آجاتی ہے تو جماعت اور تکبیر اولی کا ثواب مل جاتا ہے البتہ مسجد میں جماعت کے علاوہ مسجد کا بھی ثواب ہوتا ہے ایسی صورت میں وہ اضافی فضیلت حاصل نہ ہو سکے گی۔

لما فی حلبی کبیری: (ص: ۵۰۹، طبع: سہیل اکیڈمی لاهور)

وقال ان رسول الله ﷺ علمنا سنن الهدى وان من سنن الهدى الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه.

ولما فی الشامی: (۱/۵۵۵ طبع: سعید کراچی)

قوله ولوفاته ندب طلبها فلايجب عليه الطلب في المساجد بلاخلاف بين اصحابنا بل ان اتى مسجدا للجماعة آخر فحسن وان صلى في مسجد حيه منفردا فحسن وذكر القدوري: يجمع باهله ويصلي بهم ،يعني وينال ثواب الجماعة كذا في الفتح.

ولما فی الهندیه: (۱/۱۱٦، طبع: رشیدیه کوئٹه)

وان صلى بجماعة في البيت اختلف فيه المشايخ والصحيح ان للجماعة في البيت فضيلة وللجماعة في المسجد فضيلة أخرىٰ فاذا صلى في البيت بجماعة فقد حاز

فضیلة ادائها بالجماعة وترك الفضیلة الاخرى هكذا قاله القاضی الامام ابوعلی النسفی والصحیح ان اداء ها بالجماعة فی المسجد افضل وكذالك فی المكتوبات.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس عفی عنہ

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۷۶۹

﴿صف میں اپنے لئے جگہ خاص کرنا﴾

﴿سوال﴾ اگر کوئی شخص مسجد میں آ کر صف میں اپنا رومال یا تسبیح رکھ کر وضو کیلئے چلا جائے تو یہ شخص اس جگہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی دوسرا شخص اس کی جگہ بیٹھ جائے تو یہ اس دوسرے شخص کو اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں اپنے لئے کوئی جگہ مختص کرنا اور اس پر مصلی وغیرہ بچھانا درست ہے یا نہیں؟　　مستفتی حاجی نصیر صاحب

﴿جواب﴾ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اس میں جو بھی پہلے آئے اور آگے جگہ پالے اس کا حق ہے، اس میں اپنے لئے جگہ خاص کرنا یا کوئی چیز رکھ کر اپنا قبضہ تصور کرنا اور دوسروں کو وہاں سے ہٹانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لما فی حاشیة الطحطاوی: (ص ۱۹۹، قدیمی کتب خانہ)

یکره للانسان ان یخص نفسه بمکان فی المسجد یصلی فیه لانه ان فعل ذلک تصیر الصلاة فی ذلک المکان طبعا والعبادة متی صارت کذلک کان سبیلها الترک.

ولما فی البحر الرائق: (۲۵۰/۵ طبع سعید)

ویکره تخصیص مکان فی المسجد لنفسه لانه یخل بالخشوع.

ولما فی الدر المختار: (۶۶۲/۱ ایچ ایم سعید)

وتخصیص مکان لنفسه ولیس له ازعاج غیره منه وقال الشامی تحت هذه الجملة لان المسجد لیس ملکا لاحد بحر عن النهایة.

البتہ اگر کوئی شخص پہلے سے نماز کے انتظار میں صف میں بیٹھا تھا اور تجدید وضو کی حاجت ہوئی اور اپنی جگہ پر کوئی چیز مثلاً: کپڑا وغیرہ چھوڑ کر واپسی کی نیت سے چلا جائے تو دوسروں کو چاہیئے کہ اس کی رعایت کرے اور اس کے کپڑے وغیرہ کو نہ ہٹائیں۔

لما فی رد المحتار: (۶۶۲/۱، ایچ ایم سعید)

وینبغی تقییده بما اذا لم یقم علی نیة العود بلا مهلة کما لو قام للوضوء

مثلاً ولا سيما اذا وضع فيه ثوبا للتحلق سبق يده.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ ۔ واللہ اعلم بالصواب: کتبہ: محمد حسین

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ فتویٰ نمبر: ۷۱۶

﴿گھر میں جماعت کرانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے ہاں مہمان آیا ہو اور ایسے میں جماعت یعنی نماز کا وقت ہو جائے اور مہمان اور میزبان دونوں اس بات پر قادر ہوں کہ وہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں لیکن میزبان اس غرض سے کہ مہمان خانہ سے نکلتے ہوئے چونکہ صحن میں سے گزرنا پڑتا ہے اور بے پردگی کا خوف ہوتا ہے وہی مہمان خانہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد طیب

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں بیان کردہ عذر مسجد کی جماعت کو ترک کرنے کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے پردہ کا انتظام کروایا جا سکتا ہے، تاہم نماز ہو جائے گی۔

لما فی الشامی: (۱/ ۵۵۴، ایچ ایم سعید)

(قوله في مسجد او غيره) قال في القنية: واختلف العلماء في اقامتها في البيت والاصح انها كاقامتها في المسجد الا في الافضلية.

ولما فی مراقی الفلاح: (ص ۲۸۶ قدیمی)

(والصلاة بالجماعة سنة) في الاصح مؤكدة شبيهة بالواجب في القوة (للرجال) للمواظبة.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی:

والجماعة في اللغة الفرقة المجتمعة وشرعا الامام مع واحد سواء كان رجلا او امراة حرا او عبدا او صبيا يعقل او ملكا او جنيا في مسجد او غيره وفي القنية: الاصح ان اقامتها في البيت كاقامتها في المسجد وان تفاوتت الفضيلة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ۔ واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدا بخش

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۶۸۷

﴿مسجد کی چھت پر جماعت کرانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مسجد کی چھت کے اوپر

مستفتی: کلیم اللہ منگھو پیر کراچی

جماعت کرانا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عام حالات میں مسجد کی چھت کے اوپر چڑھنا مکروہ ہے چنانچہ محض گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت کے اوپر جماعت کو فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے، البتہ مسجد تنگ ہو تو ضرورت کی وجہ سے چھت پر بھی نمازیوں کا جانا جائز ہے۔

لما فی الهندية:(۵/۳۲۲،طبع رشيديه)

الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا اذا اشتد الحر يكره ان يصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة كذا في الغرائب.

ولما فی الشامية:(۱/۶۵۶،طبع سعيد)

ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصعود على سطح المسجد ويلزمه كراهة الصلاة ايضا فوقه فليتامل وكذا في القهستاني:(ص۱۹۹م،طبع سعيد)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۵۷

﴿مقتدی اپنی بیوی ہو تو کہاں کھڑی ہو؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی سے مسجد کی نماز فوت ہوگئی اور وہ گھر آکر بیوی کو دائیں جانب تھوڑا سا پیچھے جس طرح ایک امام اور مقتدی (مرد) کھڑے ہوتے ہیں کھڑا کرے اور جماعت سے نماز پڑھے تو کیا یہ نماز درست ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر مقتدی عورت ہو تو اس کو چاہئے کہ امام کے پیچھے کھڑی ہو امام کے قریب کھڑی نہ ہو خواہ ایک ہو یا ایک سے زائد، تاہم مذکورہ صورت میں نماز درست ہے۔

لما فی قاضی خان(۱/۹۰،طبع قدیمی)

وكذا المرأة اذا صلت مع زوجها في البيت ان كان قدماها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة وان كان قدماها خلف قدم الزوج الا انها طويلة تقع راس المرأة في السجود قبل راس الزوج جازت صلاتهما لان العبرة للقدم.

ولما فی العناية على هامش فتح القدير:(ج۱ص۳۷۱،رشيديه)

(وقوله وان حاذته امرأة) اعلم ان المحاذاة المفسدة هي انه يحاذي قدم المرأة

عضوا من الرجل فی الصلوۃ.

لمافی الدر مع الرد:(۱/ ۵۷۲ طبع سعید)

(واذا حاذته ولو بعضو واحد وخصه الزیلعی بالساق والکعب).

وانه لو اقتدت به متاخرة عنه بقدمها صحت صلاتها وان لزم منه محاذاة بعض اعضائها لقدمه او غیره فی حالة الرکوع والسجود لان المانع لیس محاذاة ای عضو منها لای عضو منه، ولا محاذاة قدمه لای عضو منها بل المانع محاذاة قدمها فقط لای عضو منه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عبد اللہ چارسدوی

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتوی نمبر: ۸۸۳

﴿جماعت کی صورت بن جائے تو قرأت میں جہر واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے فجر کی نماز میں جبکہ وہ اکیلا تھا امامت کی نیت کی، اس کی اقتداء کرنے والا کوئی شخص نہیں تھا، اب اس شخص نے ایک رکعت میں جہراً قراءت کی اور دوسری ایک میں سراً، سلام پھیرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی اہلیہ نے بھی اس کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے، بعد میں کوئی سجدہ سہو بھی نہیں کیا ہے؟ شریعت کی روشنی میں ان کی نماز کا کیا حکم ہے۔　　　　مستفتی: سید نوید نیئر، کراچی

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا صورت میں امامت کی نیت کرنے سے اور اہلیہ کے اقتداء کرنے کی وجہ سے جماعت کی صورت ہوگئی ہے، اب وہ شخص امام اور اس کی اہلیہ مقتدیہ ہے، جماعت کی نماز میں فجر کی دونوں رکعتوں میں امام پر جہراً قراءت کرنا واجب ہے، مذکورہ بالا صورت میں چونکہ امام نے ایک رکعت میں سراً قراءت کرکے ترک واجب کیا ہے اور ترک واجب اگر سہواً ہو تو سجدہ سہو سے تلافی ہو جاتی ہے، لاعلمی کی وجہ سے ہو تو اعادہ ضروری ہوتا ہے، لہٰذا دونوں اپنی نماز کا اعادہ کریں۔

ولمافی الشامی:(۲/ ۸۱ طبع سعید)

(والجهر فیما یخافت فیه) للامام (وعکسه) فی العبارة قلب وصوابها: والجهر فیما یخافت لکل مصل وعکسه للامام (یجب السهو بهما) ای بالجهر والمخافتة".

لمافی الشامی:(۱/۵۳۲، طبع: ایچ ایم سعید)

"(ویجهر الامام) وجوبا بحسب الجماعة" "ویجهر بالسورة ان قصد الامامة والافلا یلزمه الجهر" "(ان قصد الامامة)" عزاه فی القنیة الی فتاوی الکرمانی ووجهه ان الامام منفرد فی حق نفسه ولذا لا یحنث فی لا یؤم احدا مالم ینو الامامة ولا یحصل ثواب الجماعة الا بالنیة فاذا کان کذالک فکیف تلزمه احکام الامامة بدون التزام" ــــــ" (فی الفجر واولی العشاء اداء وقضاء)" "(ویجهر الامام)" ای جهرا واجبا علی انه مصدر بمعنی اسم الفاعل، وقوله: بحسب الجماعة صفة ثانیة للجهر".

ولمافی فتاوی رحیمیه ۴/۱۲۷، طبع: دارالاشاعت

''امام کو امامت کی نیت ضروری نہیں ہے، چنانچہ تنہا نماز پڑھنے والے کے پیچھے کوئی نیت باندھ لے تو اس کی امامت اور اس کی اقتداء صحیح ہے''۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین کلکتی

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۴۸۵

﴿باجماعت نماز میں اہلیہ کو ایک صف پیچھے کھڑا کیا جائے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ سے کبھی جماعت کی نماز رہ جاتی ہے تو کیا ایسی صورت میں اپنی اہلیہ اور ہمشیرہ وغیرہ کو گھر میں جماعت کروا سکتا ہوں تا کہ مجھے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے اور اگر صرف اہلیہ یا ہمشیرہ وغیرہ ہو یعنی ایک ہی خاتون ہو تو اسکو جماعت کراتے وقت کہاں کھڑا کروں اپنے دائیں طرف یا پیچھے؟

﴿جواب﴾ اتفاقاً جماعت سے کوئی رہ جائے تو گھر میں اہلیہ اور ہمشیرہ وغیرہ کیساتھ باجماعت نماز پڑھنا صحیح ہے اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا صرف ایک عورت کو نماز پڑھانے کی صورت میں عورت کو ایک صف پیچھے کھڑا کر لیا کریں مرد کی طرح دائیں جانب کھڑی نہ ہو۔

لمافی الطحطاوی علیٰ نور الایضاح:(ص۱۵٦، طبع قدیمی)

والاصح ان اقامتها فی البیت کاقامتها فی المسجد وان تفاوتت الفضیلة ـــ لو صلی فی بیته بزوجته وجاریته او ولده فقد اتی بفضیلة الجماعت کذا فی الشرح ولکن فضیلة المسجد اتم.

ولمافی الشامی:(۱/۵۲۶ طبع ایچ ایم سعید)

اما الواحد فیتاخر فلو کان معه رجل ایضا یقیمهما عن یمینه والمرأة خلفهما ولو رجلان یقیمهما خلفه والمرأة خلفهما بحر (وتاخر الواحد) محله اذا اقتدی برجل لا بامرأة مشتهاة

ولمافی بدائع الصنائع:(۱/۱۵۹ طبع سعید)

واذا کان مع الامام امرأة اقامها خلفه لان محاذاتها مفسدة وکذلک لو کان معه خنثی مشکل لاحتمال انه امرأة ولو کان معه رجل وامرأة او رجل وخنثی اقام الرجل عن یمینه والمرأة والخنثی خلفه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ سبحانہ اعلم: انجم راحم مفتی

۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۰۳۶

﴿ہاتھوں پر نشانات کھدوانے والے کی امامت جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس امام صاحب نے ہاتھوں پر سوئی کے ذریعے نشانات کھدوائے ہوئے ہوں ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ جی ہاں ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۳۳۰ طبع سعید)

وفی الفتاوی الخیریة من کتاب الصلاة سئل فی رجل علی یده وشم هل تصح صلاته وامامته معه أم لا أجاب نعم تصح صلاته وامامته بلا شبهة. وکذافی الخیریة:(۱/۳۰).

ولمافی الشامی:(۱/۳۳۰ طبع سعید)

حکم الوشم فی نحو الید وهو أنه کالاختضاب أو الصبغ بالمتنجس لأنه اذا غرزت الید أو الشفة مثلا بابرة ثم حشی محلها بکحل أو نیلة لیخضر تنجس الکحل بالدم فاذا جمد الدم والتأم الجرح بقی محله أخضر فاذا غسل طهر لأنه أثر یشق زواله لأنه لا یزول الا بسلخ الجلد أو جرحه، فاذا کان لا یکلف بازالة الأثر الذی یزول بماء حار أو صابون فعدم التکلیف هنا أولی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۲۷ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:۲۲۱۳

﴿بنیان شرٹ میں امامت کرانا پسندیدہ نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم کوچنگ میں پڑھتے

ہیں جسکی وجہ سے عشاء کی نماز باجماعت نہیں پڑھ پاتے، پیریڈ ختم ہونے کے بعد ہم کلاس کے لڑکے وہی جماعت کرالیتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ ہماراایک ساتھی جو کہ حافظ بھی ہے اور ڈاڑھی بھی مکمل ہے، وہ پینٹ شرٹ پہن کرآجاتا ہےتو کیااس موقع پراسکوامام بنانادرست ہے؟ جونمازیں ایسی حالت میں ادا کی ہیں انکا کیاحکم ہے؟ مستفتی: محمد شارق کراچی

﴿جواب﴾ پینٹ شرٹ کے عام رواج کی وجہ سےاگرچہ غیر مسلم اقوام سے تشبہ اس درجہ کا نہیں رہا مگر خواص اورعوام کی نظروں میں یہ صلحاء کالباس شمار نہیں ہوتا، لہذااب تک جونمازیں آپ نے انکی اقتداء میں ادا کی ہیں وہ تو ہوگئیں اور کبھی کبھاراسطرح کااتفاق ہوتا ہوتو آئندہ کیلئے بھی اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر یہی ہے کہ انکی اقتداء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کریں، البتہ ایسے شخص کومستقل امام بنانادرست نہیں ہے۔

لما فی کنزالعمال:(۲۲/٦ برقم الحدیث:۱۲۸۱۱ طبع رحمانیہ)

صلوا خلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر وجاھدوا مع کل بر وفاجر.

ولما فی امداد الفتاوی:(۲۲۸/۴ طبع دارالعلوم کراچی)

''میں اس باب میں یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ جس جگہ یہ لباس قومی ہے، جیسے ہندوستان میں وہاں اسکا پہننا''من تشبہ بقوم''میں داخل ہوتا ہےاور جہاں ملکی ہےجسکی علامت یہ ہے کہ وہاں سب قومیں اور سب مذاہب کے لوگ ایک ہی لباس پہنتے ہیں وہاں پہننا کچھ حرج نہیں''۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم: اقبال نعمان عفااللہ عنہ

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ　　　فتوی نمبر: ۲۵۳۰

﴿مسجد کے لئے امام رکھنے کااختیار کس کو ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے لئے امام رکھنے کااختیار متولی کو ہے یااہل محلہ کو؟ مستفتی: عبدالباسط

﴿جواب﴾ مسجد کے لئے امام رکھنے کااختیار متولی (مسجد کی کمیٹی) کوحاصل ہے اگراہل محلہ کے تجویز کردہ امام متولی کے تجویز کردہ امام سے نیکی اور تقویٰ میں زیادہ ہوں تو متولی مسجد کوچاہیے کہ اس کوامام رکھ لے البتہ بہتر یہ ہے کہ متولی اہل محلہ کی رائے کی رعایت رکھتے ہوئے امام منتخب کرے۔

لمافی حلبی کبیر:(ص ٦١٥،طبع سهیل اکیڈمی)

وان تنازع البانی فی نصب الامام والمؤذن مع اهل المحلة فان کان من اختاره اهل المحلة اولیٰ من الذی اختاره البانی فاختیار اهل المحلة اولی لان ضرره و نفعه عائد الیهم وان کاناسواء فاختیار البانی اولیٰ.

ولمافی البحر:(٥/٢٤٩،طبع سعید)

تنازع اهل المحلة والبانی فی عمارته او نصب المؤذن أو الامام فالأصح أن البانی اولیٰ به الاأن یرید القوم ماهوأصلح منه.

واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی
فتوی نمبر: ۳۲۸

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

﴿امامت کا حق دار کون ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے سنا ہے کہ امامت کا حقدار سب سے پہلے أعلم پھر أقرء وغیرہ ہے لیکن مساجد میں عام طور پر اس ترتیب کی رعایت نہیں رکھی جاتی اس کی کیا وجہ ہے؟

مستفتی: عطاء الحسن

﴿جواب﴾ مساجد میں جو امام مستقل مقرر ہوتا ہے تو امامت کے لئے بھی وہی امام اولیٰ ہے اگر چہ حاضرین میں سے اس مقرر امام کے علاوہ کوئی اور أعلم یا أقرء موجود ہو، البتہ تقرری کے وقت انتظامیہ کو چاہیے کہ امامت کی خدمات کو قبول کرنے والوں میں سے أعلم و أقرء کو ترجیح دیں۔

لمافی الدرالمختار:(١/٥٥٩،طبع سعید)

(و)اعلم ان(صاحب البیت)ومثله امام المسجد الراتب(اولیٰ بالامامة من غیره مطلقا.

ولمافی ردالمحتار:(١/٥٥٩،طبع سعید)

(مطلقا) وان کان غیره من الحاضرین من هو اعلم واقرأمنه.

واللہ اعلم بالصواب: محمد قذافی
فتوی نمبر ۱۴۶

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿متبع السنۃ کو امام بنانا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص قرآن مجید کمزور پڑھتا ہے تاہم لحن جلی نہیں کرتا باقی وہ پابند شریعت ہے۔ یعنی سنت لباس وحلیہ رکھتا ہے۔ دوسرا

داڑھی کترانے والا ہے پنٹ پتلون پہنتا ہے. البتہ تلفظ بہتر ہے قاریوں کی طرح پڑھتا ہے لیکن داڑھی اور دوسرا حلیہ سنت کے خلاف ہے تو نماز میں کس کو امام بنانا بہتر ہے؟

﴿جواب﴾ ہمارے معاشرہ میں تجوید کیمطابق عام لوگ اگرچہ قرآن مجید نہیں پڑھتے لیکن اتنا غلط بھی نہیں ہوتا جس سے نماز نہ ہوتی ہو، انکے مقابلہ دوسرا شخص جو غیروں کے وضع وقطع کو پسند کرتا ہے وہ اس مقام واحترام کالائق نہیں ہے. البتہ اتفاق ہو جائے تو اسکی اقتداء میں بھی نماز ہو جاتی ہے.

لمافی الهندیه: (۱/۲، طبع: قدیمی)

الاولیٰ بالامامة اعلمهم باحکام الصلوة هکذا فی المضمرات هذا اذا علم من القراءة قدر ماتقوم به السنة القراءة هکذا فی التبیین. ولم یطعن فی دینه کذا فی الکفایة ویجتنب الفواحش الظاهره وان کان غیره اورع منه.

ولمافی فتاوی قاضی خان: (۱/۸۶، طبع قدیمی)

اما من سواهم یجوز الاقتداء بهم ویکره' وکذا الاقتداء بمن کان معروفا باکل للربا، والفسق مروی ذلک عن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ.

ولما فی بدائع الصنائع: (۱/۱۵۷، طبع سعید)

وأما بیان من هو احق بالامامة واولی بها فالحر أولی بالامامة من العبد والتقی أولی من الفاسق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوھاٹی

۲۴ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۱۸

﴿تعلقات میں معمولی خرابی ترک جماعت کیلئے عذر نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ ہمارے گاؤں میں ایک خاندان کے آدمی گاؤں کی مسجد میں نہیں آتے اور گھروں میں نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں قبیلے سے ہمارے تعلقات اچھے نہیں ہیں حالانکہ دوسرے معاملات میں اور اٹھنے بیٹھنے میں تعلق رکھتے ہیں کیا یہ عذر ترک جماعت کیلئے کافی ہے؟

﴿جواب﴾ مسجد اللہ کا گھر ہے کسی کی ملکیت نہیں ہے محلے کے تمام افراد بلا تفریق اس میں نماز ادا کر سکتے ہیں فلاں قبیلے سے ہمارے تعلقات اچھے نہیں ہیں یہ شیطانی بہانہ ہے. جماعت کی نماز چھوڑنے کیلئے یہ عذر کافی نہیں ہے. جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، البتہ مذکورہ قبیلے نے اگر باقاعدہ منع کیا ہے تو ان لوگوں سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے، ایسی صورت میں گناہ ان لوگوں

پر ہوگا اوران خاندان والوں کو چاہیئے کہ الگ مسجد کا انتظام کریں یا کم از کم نماز کیلئے جماعت کا اہتمام کریں۔

لما فی الدر المختار:(۱/۵۵۲،طبع سعید)

(والجماعة سنة موكدة للرجال) قال الزاهدی ارادوا بتاكيد الوجوب.

ولما فی ردالمحتار:(۱/۵۵۲،طبع سعید)

(قوله قال الزاهدی) توفيق بين الاقوال بالسنية والقول بالوجوب الآتي وبيان ان المرادبهما واحد اخذا من استدلالهم بالاخبار الواردة وبالوعيد الشديد بترك الجماعة.

ولما فی شرح المنية:(۵۰۹،طبع سهيل اكيڈمی)(وفی أبی داؤد:۱/۹۲ رحمانيه)

وكذاالاحكام تدل على الوجوب من ان تاركهامن غير عذر يعزر وترد شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه وهذه كلها أحكام الواجب.عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من سمع المنادی فلم يمنعه من اتباعه عذر قالوا وما العذر قال خوف اومرض لم يقبل منه الصلاة التی صلی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ کھیئی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر ۲۱۰۸

﴿داڑھی منڈانے والے حافظ کی امامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض حفاظِ کرام سال بھر داڑھی منڈاتے ہیں صرف رمضان المبارک کے لیے داڑھی رکھ لیتے ہیں اسکے باوجود کہ انکی داڑھی ایک مشت سے کم ہوتی ہے تراویح بھی پڑھاتے ہیں اور بعض فرض نماز بھی پڑھاتے ہیں، کیاان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ مسئولہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف (حافظ) فاسق وفاجر ہے اور فقہاءِ کرام نے صاف طور پر ارشاد فرمادیا ہے کہ فاسق کی امامت مکروہِ تحریمی ہے، لہٰذا مذکورہ حافظ کی امامت مکروہِ تحریمی ہے خواہ تراویح میں ہو یا کسی اور نماز میں، ہاں اس نے اگر صحیح توبہ کرلی اور اسکے آثار بھی ظاہر ہوں تو کراہت نہ ہوگی۔

لمافی التنوير وشرحه:(۲/۴۱۷،طبع سعيد)

اوتطويل اللحية اذاكانت بقدر المسنون وهو القبضة ـــــــ اما الاخذ منها وهو دون ذلك ـــ فلم يبحه احد ـــ والسنة فيها القبضة وهوان يقبض الرجل لحيته فمازاد منها

علی لبعضہ للطمع کذا ذکرہ محمد فی کتاب الآثار عن الامام قال وبہ اخذ محیط (۱/ ۲۰۷، طبع سعید)

ولما فی شرح المنیۃ: (ص ۵۱۳، طبع سہیل اکیڈمی)

وفیہ اشارۃ الی انہم لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علیٰ ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلاۃ.

ولما فی الشامی: (۱/ ۵۶۰، طبع سعید)

واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یہتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا..... ولذا لم تجز الصلاۃ خلفہ عند مالکؒ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترالی

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتوی نمبر: ۳۹۶

﴿مسجد سے روکنے والے امام کی اقتداء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک حافظ صاحب نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ مسجد کیلئے وقف کردیا، مسجد تیار ہونے کے بعد بطور امام انکا تقرر ہوا، لیکن چند سال کا عرصہ بیت جانے بعد انہوں نے اہل محلّہ کو وہاں نماز پڑھنے سے منع کرنا شروع کردیا اور انکا کہنا ہے کہ اہل محلّہ مجھے تنخواہ نہیں دے رہے ہیں، لہذا آج کے بعد کسی کو یہاں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اہل محلّہ اسکی تنخواہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اب استفسار طلب مسئلہ یہ ہے کہ حافظ صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے؟ اگر اتفاقاً کبھی نماز پڑھنا پڑے تو کیا اسکا لوٹانا ضروری ہے؟ برائے مہربانی دلائل کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

مستفتی: عبد الصمد صاحب

﴿جواب﴾ حافظ صاحب نے اپنی جائیداد سے ایک حصہ مسجد کیلئے دیدیا ہے اور وہ شرعی مسجد قرار پاگئی، تو حافظ صاحب کی ملکیت سے یہ حصہ نکل گیا، لہذا نمازیوں کو مسجد سے روکنا تو غلط ہے اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے، البتہ امامت کی جو اجرت علاقہ میں عام رائج ہے اتنی تنخواہ دینا محلّہ والوں کی ذمہ داری ہے اور حافظ صاحب کو مطالبہ کا حق حاصل ہے، محلّہ والے حافظ صاحب کو اگر مناسب تنخواہ نہیں دے رہے ہیں تو یہ ان کی طرف سے زیادتی ہے، لیکن اس کے

باوجود نمازیوں کو مسجد سے منع کرنا جائز نہیں ہے، حافظ صاحب اور اہل محلہ آپس کے اس تنازع کو ختم کریں۔ باقی حافظ صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے نمازیوں کو روکنا اگرچہ گناہ ہے، لیکن اپنا حق وصول کرنے کی غرض سے ایسی غلطی ہوئی ہے اور حافظ صاحب اپنی ناقص سمجھ کے مطابق مسجد کو اب بھی اپنی جائیداد کا حصہ جانتے ہیں جو کہ لاعلمی کا نتیجہ ہے اس لئے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

لما في الشامي :(۱/۵۵۹،طبع:سعید کراچی)

(ولو ام قوماوهم له كارهون وان)الكراهة(لفساد فيه اولانهم احق بالامامة منه كره)له ذالك تحريما لحديث ابى داؤد "لايقبل الله صلاة من تقدم قوماوهم له كارهون۔" ثم قال :فيكره لهم التقدم ويكره الاقتداء بهم تنزيها فان امكن الصلاة خلف غيرهم فهو افضل والافالاقتداء اولى من الانفراد (ويكره امامة عبدواعرابى وفاسق واعمى)قوله وفاسق من الفسق:وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر.

ولما في كتاب التجنيس والمزيد :(۲/۸۰،طبع:ادارة القرآن)

رجل ام قوماوهم له كارهون فهذاعلى ثلاثة اوجه:اما اذاكانت الكراهة لفساد فيه أوكانوا احق بالامامة منه اوهواحق بالامامة منهم ولافساد فيه مع هذاكرهوفالاول والثانى مكروه هكذاروى الحسن البصرى رحمه الله عن اصحاب رسول الله ﷺ والثالث لا،لان الجاهل والفاسق يكره العالم والصحيح ،وهوالصحيح.

ولما في البحر:(۱/۳۶۸،طبع:سعيد)

وفى الخلاصة وغيرهارجل ام قوماوهم له كارهون ان كانت الكراهة لفساد فيه اولانهم احق بالامامة يكره له ذلك وان كان هو احق بالامامة لايكره له ذلك.

ولما في الهندية:(۱/۸۴،طبع:رشيديه،كوئٹه)

ولوصلى خلف مبتدع اوفاسق فهومحرز ثواب الجماعة لكن لاينال مثل ماينال خلف تقى كذافى الخلاصة.

ولما في كتاب التجنيس والمزيد:(۲/۳،طبع:ادارة القرآن)

اذاصلى رجل خلف رجل فاسق اومبتدع ينال فضل الجماعة لقوله عليه الصلوٰة والسلام "صلو خلف كل بروفاجر"لكن لاينال كماينال خلف تقى ورع لماروى عن النبى ﷺ انه قال من صلى خلف عالم تقى فكانه صلى خلف نبى من الانبياء۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۱۴/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر: ۲۰۰۹

﴿داڑھی منڈوانے والے کی امامت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ داڑھی کٹانے یا منڈوانے والے کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ضرورت کے وقت ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد اقبال خان کراچی

﴿جواب﴾ داڑھی کٹانے یا منڈوانے والا فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں ہے تاہم اگر مسجد کی انتظامیہ نے ایسے شخص کو امام بنایا ہے اور قریب میں کوئی نیک، صالح امام ملنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور انفرادی نماز پڑھنے سے افضل ہے لیکن مسجد کی منتظمہ کمیٹی پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو منصب امامت سے ہٹا کر کسی نیک اور باشرع امام کو مقرر کریں ورنہ ذمہ داران مسجد گنہگار ہونگے، اسی طرح اگر سب داڑھی منڈے یا کٹانے والے جمع ہوں تو کسی ایک کو امام بنا کر نماز پڑھنی چاہیے انفرادی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

لمافی الشامیة:(۱/۵۶۰،طبع سعید)

واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبان فی تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعا ولا يخفی انه اذا کان اعلم من غيره لاتزول العلة فانه لايؤمن ان يصلی بهم بغير طهارة فهو کالمبتدع تکره امامته بکل حال بل مشی فی شرح المنية علی ان کراهة تقديمه کراهة تحريم لماذکرنا قال ولذالم تجز الصلوة خلفه اصلا عند مالک وروايةعن احمد.

ولمافی الدرالمختار:(۲/۳۰۱طبع امدادیه)

صلی خلف فاسق اومبتدع نال فضل الجماعة وفی الشامية تحته افاد ان الصلوة خلفهما اولی من الانفراد لکن لاينال کماينال خلف تقی ورع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

فتویٰ نمبر: ۲۸۴

﴿مسافر کی امامت کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان دو مسئلوں کے بارے میں کہ (۱) اگر مسافر امام

ظہر کی نماز کو قصر کے بجائے پوری چار رکعت پڑھائے تو مقیم مقتدیوں کی نماز درست ہے یا مقتدی نماز کو دوبارہ لوٹائیں؟ (۲) مقیم مقتدی اگر مسافر امام کی اقتداء کرے تو امام کی فراغت کے بعد مقتدی باقی رکعات میں قراءت کرے گا یا نہیں؟ مستفتی: زین الدین

﴿جواب﴾ (۱) مسافر کے لئے دو رکعتیں ایسی ہیں جیسے فجر کی دو رکعتیں جس طرح فجر کی دو رکعتوں پر اضافہ جائز نہیں، اسی طرح مسافر کا ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعتیں پڑھنا بھی جائز نہیں، جو مقیم ایسے امام کی اقتدا کریں گے ان کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ وہ آخری دو رکعتوں میں نفل پڑھنے والے امام کی اقتدا کر رہے ہیں۔

اور خود امام اور اس کے مقتدی مسافروں کا حکم یہ ہے کہ اگر امام نے بھول کر چار رکعتیں پڑھی تھیں اور دوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا تھا اور آخر میں سجدہ سہو بھی کرلیا تو ان کی نماز ہوگئی اور اگر مسافر امام نے قصداً چار رکعتیں پڑھائیں اور دو رکعت پر قعدہ بھی کیا تھا تو فرض تو ادا ہوگیا لیکن یہ شخص گنہگار ہوگا اس پر توبہ لازم ہے اور نماز کا اعادہ بھی واجب ہے۔

لمافی البحر مع منحة الخالق :(۱۳۰/۲، طبع سعید)

وقال العلامة ابن نجيمؒ: وأما الثالث أعني حكم السفر فهو تغيير بعض الاحكام فذكر المصنفؒ منها قصر الصلاة والمراد وجوب قصرها حتى لو أتم فانه آثم عاص لان الفرض عندنا من ذوات الاربع ركعتان في حقه لاغير ومن مشايخنا من لقب المسئلة بان القصر عندنا عزيمة والاكمال رخصة قال في البدائع وهذا التلقيب على أصلنا خطأ لان الركعتين في حقه ليستا قصرا حقيقة عندنا بل هما تمام فرض المسافر والاكمال ليس رخصة في حقه بل اساءة و مخالفة للسنة ــ (قوله فلو أتم وقعد في الثانية صح والالا) أى وان لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لانه اذا قعد فقد تم فرضه وصارت الاخريان له نفلا كالفجر وصار آثما لتاخير السلام وان لم يقعد فقد خلط النفل بالفرض قبل اكماله ـــ الخ

لمافی الشامی:(۱۲۳/۲، طبع سعید کراچی)

(صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوبا لقول ابن عباس: ان الله فرض على لسان نبيكم صلاة المقيم اربعا والمسافر ركعتين ولذا عدل المصنف عن قولهم قصر لان الركعتين ليستا قصرا حقيقة عندنا بل هما تمام فرضه والاكمال ليس رخصة في حقه بل اساءة. قلت: وفي شروح البخاري ان الصلوات فرضت ليلة الاسرى ركعتين سفرا وحضرا الا المغرب فلما هاجر عليه الصلوة والسلام واطمأن بالمدينة زيدت

[illegible] والمغرب لانها وتر النهار [illegible] فرض الرباعية خلف

[illegible] قوله تعالى فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوة وكان

[illegible] السنة الرابعة من الهجرة وبهذا تجتمع الادلة اھ كلامهم ملخصا.

لما فی منحة الخالق :(۱۲۵/۲،طبع سعید کراچی)

[illegible] فلما صلى ركعتين نوى الاقامة لا لتحقيق الاقامة بل ليتم

[illegible] لا يصير مقيما ولا ينقلب فرضه اربعا اھ وفی منحة الخالق على

البحر الرائق (قوله لا يصير مقيما ولا ينقلب فرضه اربعا) قال فی الظهيرية تلوه حتى

لو أتم [illegible] ن صلاتهم معه فسدت صلاتهم لان هذا اقتداء المفترض بالمتنفل

ولا يصح اھ　قال الرملی يجب تقييده بما اذا لم ينووا مفارقته أما اذا نووا مفارقته

[illegible] وان وافقوه فی الاتمام صورة اذ لا مانع من صحة مفارقته بعد اتمام

فرضه واتصال النفل منه بصلاته لا يمنعها بلا شبهة

(۲) امام کی فراغت کے بعد مقیم مقتدی کے لئے اپنی بقیہ نماز کا پڑھنا ضروری ہے لیکن چونکہ یہ امام کے پیچھے شمار ہوتا ہے اس لئے مقتدی کے ذمے آخری رکعات میں قراءت ضروری نہیں ہے بلکہ فاتحہ کی مقدار خاموش کھڑے ہو کر رکوع کرے گا۔

لما فی العلائیۃ:(تنویر مع الدر:۶۱۰/۲)

(وصح اقتداء المقيم بالمسافر فی الوقت وبعده فاذا قام) المقيم (الى الاتمام لا يقرأ) ولا يسجد للسهو (فی الاصح).

ولما فی البحر الرائق:(۱۳۵/۲ طبع سعید) وکذا فی الهدایۃ:(۱۶۵/۱ طبع رحمانیہ)

واذا صلى المسافر بالمقيم ركعتين سلم وأتم المقيمون صلاتهم لان المقتدى التزم الموافقة فی الركعتين فينفرد فی الباقی كالمسبوق الا انه لا يقرأ فی الاصح لانه مقتد تحريمة لا فعلا والفرض صار مؤدى فيتركها احتياطا بخلاف المسبوق لأنه أدرك قرأة نافلة فلم يتادى الفرض فكان الاتيان أولى اھ وفی الخانية لا قرأة عليهم فيما يقضون ولا سهو عليهم اذا سهوا ولا يقتدى احدهم بالآخر اھ وكذا فی غنية المستملی:(ص۳۴۵).

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:صلاح الدین ڈیروی

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۱۲

﴿امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ امام کا محراب کے اندر

کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز بعض قدم کا اعتبار ہوگا یا پورے قدم کا؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ امام کا محراب کے اندر اس طرح کھڑا ہونا کہ اس کے قدم بھی محراب کے اندر ہوں مکروہ ہے اگر قدم کا کوئی حصہ محراب سے باہر ہو تو کراہت ختم ہو جائیگی، اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اعتبار بعض قدم کا ہے نہ کہ پورے قدم کا۔

لما فی الدر المختار: (۲/۴۴)

وقیام الامام فی المحراب لاسجوده فیه وقدماه خارجه لان العبرة للقدم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۹۲

﴿نمازی کے لئے سترہ کی کیفیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب آدمی کسی میدان وغیرہ میں نماز پڑھے اور اس کے پاس سترہ کے لئے کوئی لاٹھی وغیرہ موجود ہو لیکن اس لاٹھی وغیرہ کو زمین سخت ہونے کی وجہ سے گاڑنا ممکن نہ ہو تو کیا اس صورت میں وہ لاٹھی وغیرہ زمین پر لٹا دینے سے سترہ کے قائم مقام ہو جائے گی یا نہیں؟　　　　مستفتی: صفی اللہ شیخ

﴿جواب﴾ سترہ کے لئے ضروری ہے کہ زمین میں کوئی ایسی چیز گاڑ دی جائے کہ جس کی لمبائی ایک ہاتھ کے برابر ہو اور موٹائی ایک انگلی کے برابر ہو یا اس مقدار کی کوئی چیز سامنے رکھ دی جائے مثلاً کوئی تھیلہ وغیرہ۔ اگر سترہ گاڑنا ممکن نہ ہو تو زمین پر لاٹھی وغیرہ صرف لٹا دینے سے وہ سترہ کے قائم مقام نہ ہوگی اور نمازی کے آگے سے گزرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ صرف سترہ کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے یا اپنی دل جمعی کے خاطر نمازی اپنے سامنے لاٹھی وغیرہ لٹا دے یا خط کھینچ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ خط یا تو لمبائی میں قبلہ رخ کھینچے یا پھر عرضاً محراب کی شکل میں کھینچے۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

لما فی مراقی الفلاح: (ص ۱۲۵، طبع قدیمی)

(لذا ظن) ای مرید الصلاة (مروره) ای المار (یستحب له) ای مرید الصلاة (ان یغرز

سترة) لما روينا ولقوله ﷺ ليستتر احدكم ولوبسهم وان (تكون طول ذراع فصاعدا) لأنه سئل رسول الله ﷺ عن سترة المصلى فقال مثل مؤخرة الرحل بضم الميم وهمزة ساكنة وكسر الخاء المعجمة العود الذى فى آخر الرحل يحاذى رأ س الراكب على البعير وتشديد الخاء خطأ وفسرت بانها ذراع فما فوقه (فى غلظ الاصبع) لذلك ادناه لان مادونه لا يظهر للناظر فلا يحصل المقصود منها

ولما فى سنن ابى داود: (۱۰۹/۱، طبع رحمانيه)

عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا صلى احدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئا فان لم يجد فلينصب عصا فان لم يكن معه عصا فليخطط خطا ثم لا يضره ما مر امامه

ولما فى بذل المجهود: (۳۶۷/۱، طبع مكتبة الشيخ)

واما عند الحنفية فقال فى البدائع حكى ابو عصمة عن محمد انه قال لا يخط بين يديه فان الخط وتركه سواء لانه لا يبدو للناظر من بعيد فلا يمتنع فلا يحصل المقصود ومن الناس من قال يخط بين يديه خطا اما طولا شبه ظل السترة او عرضا شبه المحراب لقوله ﷺ اذا صلى احدكم فى الصحراء فليتخذ بين يديه سترة فان لم يجد فليخط بين يديه خطا لكن الحديث غريب ورد فيما تعم به البلوى فلا نأخذ به

ولما فى الحلبى الكبيرى: (ص ۳۲۰، طبع المكتبه النعمانيه كوئته)

ثم انما يجزى الغرز اما الالقاء والخط فاختلف فيه اذ لم يمكن الغرز فاختار فى الهداية العدم لانه لا فائدة فيه لعدم ظهوره للناظر ومن جوز استدل بحديث ابى داود المتقدم فان لم يكن معه عصا فليخط خطا وتقدم ما فيه لكن قد يقال انه يجوز العمل بمثله فى الفضائل كما مر آنفا ولذا قال ابن الهمام والسنة اولى بالاتباع مع انه يظهر فى الجملة اذ المقصود جمع الخاطر بربط الخيال به كيلا ينتشر انتهى وايضا ان سلم انه غير مفيد فلا ضرر فيه مع ما فيه العمل بالحديث الذى يجوز العمل به فى مثله وقال ابو داود قالوا الخط بالطول وقالوا بالعرض مثل الهلال انتهى واما الوضع ففى الكفاية يضع طولا لا عرضا ليكون على مثال الغرز

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ   واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ   فتویٰ نمبر ۲۰۲۳

﴿امام کی اقتداء میں رکن کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نابینا شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے لیکن کبھی تیسری رکعت میں وہ یہ محسوس کر لیتا ہے کہ یہ چوتھی رکعت ہے (کیونکہ امام صاحب تکبیر کو کھینچتے نہیں ہیں) قعدہ میں بیٹھ کر التحیات مکمل کر لیتا ہے جب امام

رکوع میں جانے کیلئے تکبیر کہتا ہے تب اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ امام رکوع میں گیا ہے یہ کھڑے ہو کر قیام کر لیتا ہے تو کیا اسکی نماز ہو گئی ہے؟

مستفتی: حنیف الرحمٰن

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جب یہ نابینا مقتدی قیام کر کے امام کیساتھ رکوع میں شریک ہو گیا تو اسکی نماز ہو گئی، متابعت امام میں تاخیر ہو گئی تاہم من جملہ متابعت پھر بھی پائی گئی۔

ولما فی رد المحتار: (۱/۴۷۱، طبع سعید)

فلو كانت المتابعة فرضا فى الفرض مطلقا لبطلت صلاته مطلقا نعم تكون المتابعة فرضا بمعنى ان يأتى بالفرض مع امامه اوبعده كما لو ركع امامه فركع معه مقارنا او معاقبا وشاركه فيه او بعدما فرغ منه فلولم يركع اصلا اوركع ورفع قبل ان يركع امامه ولم يعده معه اوبعده بطلت صلاته.

ولما فی رد المحتار: (۱/۵۹۵، طبع سعید)

فلونام فى الثالثة واستيقظ فى الرابعة فانه يأتى بالثالثة بلا قرأة فاذافرغ منها صلى مع الامام الرابعة وان فرغ منها الامام صلاها وحده بلا قرأة ايضا فلو تابع الامام ثم قضى الثالثة بعد السلام صح واثم.

ولما فی الکفایۃ بھامش فتح القدیر: (۱/۱۴۸، طبع رشیدیہ)

(وكذا قاله شيخنا رحمه الله ناقلا عن كتب المشائخ رحمهم الله قال الامام القاضى ظهير الدين ثمرة الخلاف تظهرفى ان هذا عنده لاحق فى هذه الركعة حتى يأتى بهاقبل فراغ الامام وعندنا هو مسبوق بها حتى يأتى بعد فراغ الامام واجمعوانه انتهى الى الامام وهو قائم فكبر ولم يركع حتى رفع الامام ثم ركع انه يصير مدركا لتلك الركعة واجمعوا انه لو اقتدى به فى قومة الركوع لا يصير مدركا لتلك الركعة.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ ۲۳ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد فتویٰ نمبر:

﴿امام جس حالت میں ملے بلا تاخیر اقتداء کرنی چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ مسجد میں آ کر فوراً امام کی اقتداء کر کے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں خواہ امام جس حالت میں بھی ہو اور بعض ایسا کرتے ہیں کہ امام قومہ یا سجدہ میں ہو تو امام کے اٹھنے کا انتظار کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ اقتداء فوراً ہی

کر لینی چاہیے یا امام کے اٹھنے کا انتظار کیا جائے؟ مستفتی: محمد حنیف کراچی

﴿جواب﴾ بعد میں شامل ہونے والے مقتدی کو چاہیے کہ امام کو جس حالت میں پائے تکبیر تحریمہ کہہ کر اسی حالت میں شامل ہو جائے امام صاحب کے اٹھنے کا انتظار کرنا غلط ہے۔

لمافی مشکوۃ (۱/۱۰۲ باب ما علی الماموم من المتابعة طبع سعید)

اذااتی احدکم الصلوۃ والامام علی حال فلیصنع کمایصنع الامام.

لما فی الدر المختار: (۲/۵۱۷ طبع امدادیه)

ومتی لم یدرك الرکوع معه تجب المتابعة فی السجدتین وان لم تحسباله.

ولمافی الشامی: (۲/۵۱۷ امدادیه)

وحاصله انه اذالم یدرك الرکعة لعدم متابعته له فی الرکوع اولرفع الامام رأسه منه قبل رکوعه لایجوز له القطع کمایفعله بعض الجهلة لصحة شروعه، ویجب علیه متابعته فی السجدتین وان لم تحسباله، کمالو اقتدی به بعد رفعه من الرکوع أو وهو ساجد کما فی البحر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمٰن

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۰۳۹

﴿متوضی کی اقتداء متیمم کے پیچھے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں دینی علوم کا طالبعلم ہوں، کچھ عرصہ پہلے میں ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا مغرب کی نماز کا وقت ہوا اور گاڑی مسلسل چل رہی تھی میرے آس پاس بیٹھے ہوئے ساتھیوں نے مجھے باشرع آدمی سمجھ کر نماز پڑھانے کو کہا لیکن اس وقت میرا وضو نہیں تھا اور گاڑی میں پانی بھی موجود نہیں تھا جبکہ میرے باقی سارے ساتھیوں نے عصر کیلئے پانی سے وضو کیا تھا، اب میں نے تیمم کر کے انکو مغرب کی نماز پڑھائی بعد میں مجھے شک ہوا کہ کیا متوضی کی نماز متیمم امام کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔

مستفتی: ثاقب محمد مردان

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں اگر واقعی پانی کی عدم موجودگی میں آپ نے تیمم کر کے انکو

نماز پڑھائی ہے تو نماز ادا ہوگئی ہے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۵۸۸،طبع:سعید)

(و صح اقتداء متوضیء)لا ماء معه (بمتیمم)قال العلامة الشامیؒ(قوله وصح اقتداء متوضیء متیمم)ای عندهما بناء علی ان الخلیفة عندهما بین الآلتین وهما الماء و التراب والطهارتان سواء

ولمافی الهندیة:(۱/۸۴، طبع:رشیدیة)

ویجوز أن یأم المتیمم المتوضئین عند أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله تعالی هکذا فی الهدایة

ولما فی البحر الرائق:(۱/۳۶۳، طبع:سعید)

(قوله لا اقتداء متوضیء بمتیمم) أی لا یفسد، أطلقه فشمل الاقتداء فی صلاة الجنازة أو غیرها ....و ترجح المذهب بفعل عمرو بن العاصؓ حین صلی بقومه بالتیمم لخوف البرد من غسل الجنابة وهم متوضئون و لم یأمرهم علیه السلام بالاعادة حین علم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ ۶ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی فتویٰ نمبر: ۳۳۳۰

﴿امام، مقتدی اور منفرد کی نماز میں فرق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام، مقتدی اور منفرد کی نماز میں کیا فرق ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ امام، مقتدی اور منفرد کی نماز میں مندرجہ ذیل امور میں فرق پایا جاتا ہے:

(۱) منفرد یعنی اکیلا نماز پڑھنے والے کیلئے صرف اپنی نماز کی نیت وارادہ ضروری ہے اور مقتدی یعنی جماعت کیساتھ نماز پڑھنے والے کیلئے اپنی نماز کی نیت وارادے کیساتھ ساتھ امام کی اقتداء کی نیت بھی ضروری ہے، جبکہ امام کیلئے اپنی نماز کے ساتھ امامت کی نیت کرنا باعث ثواب ہے، اگر امامت کی نیت نہیں کی تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لمافی تنویر الابصار مع الدر المختار: (۱/۴۲۰،طبع:سعید)

وینوی المقتدی (المتابعة)وفی الشامیة قوله (وینوی المقتدی)اما الامام فلایحتاج الی نیة الامامة.

وایضا:(۱/۳۲۲،طبع سعید)

والامام ینوی صلاته فقط ولا یشترط لصحة الاقتداء نیة امامة المقتدی بل لنیل الثواب عند اقتداء احد به.

(۲) پہلی رکعت کے شروع میں ثناء کے بعد امام اور منفرد کیلئے تعوذ یعنی "اعوذ باالله من الشیطٰن الرجیم" پڑھنا، جبکہ مقتدی امام کے پیچھے تعوذ نہ پڑھے

(۳) ہر رکعت کے شروع میں امام اور منفرد تسمیہ یعنی "بسم الله الرحمن الرحیم" پڑھے، جبکہ مقتدی امام کے اقتداء میں تسمیہ نہ پڑھے۔

لما فی تنویر الابصار مع الدر المختار:(۱/۴۸۹،طبع: سعید)

وکما استفتح تعوذ)بلفظ اعوذ سرا)......للقراءة .....(الا المقتدی)لعدمها ....وکما تعوذ سمی غیر بلفظ البسملة ....سرا .....فی اول کل رکعة

وفی الشامیة قوله غیر المؤتم)وهو الامام والمنفرد اذلادخل للمقتدی لانه لا یقرء

(۴) امام کیلئے جہری نمازوں میں (فجر، مغرب کی دو رکعات اور عشاء کی دو رکعات، تراویح، وتر اس طرح جمعہ اور عیدین میں آواز کیساتھ قراءت کرنا جبکہ مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے، اور منفرد کیلئے جہری نمازوں میں جہر اور اخفاء میں اختیار ہے جبکہ سری نمازوں میں امام اور منفرد دونوں سراً قراءت کریں۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۵۳۲،۵۳۳،طبع:سعید)

(یجهر الامام) وجوبا ....(فی الفجر اولی العشاء ین اداء وقضاء وجمعة وعیدین وتراویح ووتر بعدها)یسر فی غیرها (ویخیر المنفرد فی الجهر)وفی السریة یخافت

وایضا فی بحر الرائق:(۱/۳۴۲،طبع:سعید)

ولا یقرء المؤتم بل یسمع وینصت الخ

(۵) امام کیلئے تسمیع یعنی "سمع الله لمن حمده" کہنا اور مقتدی کیلئے تحمید یعنی "ربنا لک الحمد" کہنا، جبکہ منفرد کیلئے تسمیع اور تحمید دونوں کا کہنا سنت ہے

کذافی تنویر الابصار مع الدر المختار:(۱/۴۹۷،طبع:سعید)

(۶) امام تکبیر تحریمہ، تکبیرات انتقالات، تسمیع، اور اس طرح سلام بلند آواز سے کہے گا جبکہ

مقتدی تکبیر تحریمہ، تکبیرات انتقالات، تحمید اور سلام آہستہ پڑھے گا، اور منفرد بھی تکبیر تحریمہ، تسمیع، تحمید تکبیرات انتقالات اور سلام آہستہ پڑھے۔

لمافی تنویر الابصار مع الدر: (۱/۴۷۵، طبع سعید)

(وجهر الامام بالتكبير) بقدر حاجة للاعلام بالدخول والانتقال وكذا بالتسميع والسلام وأما المؤتم والمنفرد فيسمع نفسه

وایضا فی حاشیة الطحطاوی: (۲۶۲، طبع قدیمی)

ويسن (جهر الامام بالتكبير والتسميع) لحاجته الى الاعلام بالشروع والانتقال ولا حاجة للمنفرد كالمأموم مراقي الفلاح (قوله ويسن جهر الامام الخ) وكذا السلام والمراد بالتكبير ما يعم تكبير العيدين والجنازة

(۷) مقتدی امام کی اقتداء میں متابعت کا ایسا اہتمام کرنا کہ ہر رکن ساتھ ساتھ بلا تاخیر ادا کرے جبکہ منفرد اور امام کسی کا متابعت نہیں کرینگے۔

وایضا فی رد المحتار: (۱/۴۸۱، طبع سعید)

والمتابعة المقارنة بلا تعقيب ولا تراخ سنة عنده لا عندهم.

(۸) مقتدی کی نماز فاسد ہونے سے امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ البتہ امام کی نماز فاسد ہوجانے سے مقتدی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے

(۹) امام پر سجدہ سہوہ لازم ہونے سے مقتدی پر بھی سجدہ سہوہ لازم ہوتا ہے جبکہ مقتدی کا امام کی اقتداء میں موجب سہوہ کام کرنے سے مقتدی اور امام دونوں پر سجدہ لازم نہیں ہوتا۔

لمافی الشامی: (۱/۵۹۱، طبع سعید)

واذ ظهرت حدث امامه .... (بطلت فيلزم اعادتها) لتضمنها صلاة المؤتم صحة وفسادا

ولمافی بدائع الصنائع: (۱/۱۷۵، طبع سعید)

وسهو الامام يوجب السجود عليه وعلى المقتدى .... فاما المقتدى اذا سها في صلاته فلا سهو عليه لانه لايمكن السجود.

(۱۰) منفرد اگر کسی وجہ سے جمعہ اور عیدین کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ سکا، تو منفرد

ہونے کے صورت میں جمعہ اور عیدین کی نماز نہ پڑھے بلکہ جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز پڑھے اور عیدین کا کوئی متبادل نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار:(۱۵۷/۲،طبع سعید)

وکذا(اهل مصر فاتتهم الجمعة)فانهم يصلون الظهر بغير آذان ولا اقامة ولا جماعة

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب : سمیع الرحمٰن دیروی

﴿توبہ کرنے والے قاتل کی امامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک آدمی نے چالیس سال پہلے کسی کو قتل کیا اور ابھی اس نے تبلیغ میں چلہ لگایا کبھی کبھی امامت بھی کراتا ہے جبکہ ایک دومرتبہ بطور جرأت اس قتل کا تذکرہ بھی کیا تو کیا اس کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اسکی اقتداء میں پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر وہ یہ کہے کہ میں نے توبہ کرلی تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟   مستفتی: شیر علی کوئٹہ

تنقیح: پہلے یہ بات واضح ہو کہ اس شخص نے قتل کیوں کیا تھا؟ ہوسکتا ہے جائز قتل کیا ہو؟ تاکہ صحیح جواب دیا جاسکے۔

جواب تنقیح: ناجائز قتل کیا تھا۔

﴿جواب﴾ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا ان بڑے گناہوں میں سے ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے اور ناحق قتل کا معاملہ تو اور بھی سنگین ہے کہ اس میں صرف توبہ ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ مقتول کے ورثاء کو راضی کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، نیز کسی گناہ پر بجائے ندامت کے بطور فخر اس کا تذکرہ کرنا اور بھی زیادہ خطرناک ہے، چنانچہ صورت مذکورہ میں زبانی توبہ کرنے کے باوجود اس شخص کا فسق باقی ہے اسکی اقتداء بوجہ فسق مکروہ تحریمی ہے، البتہ کبھی اتفاق ہوجائے تو اسکی اقتداء میں بھی نماز ہوجاتی ہے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی الشامی:(۲۹۸/۲،باب الامامة،طبع امدادیه)

(وفاسق)من الفسق:وهو الخروج عن الاستقامة،ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانی وآكل الربا ونحو ذلك،كذا فی البرجندی اسماعيل۔

ولما فی الهندیة:(۱/۸۵)

وتجوز امامة الاعرابیّ والاعمی والعبد وولد الزنا والفاسق کذافی الخلاصة الا انهاتکره هکذ افی المتون.

ولما فی الشامی:(۶/۵۴۸،کتاب الجنایات)

(لاتصح توبة القاتل حتی یسلم نفسه للقود رهبانیة):ای لاتکفیه التوبة وحد ماقال فی تبیین المحارم:واعلم أن توبة القاتل لاتکون بالاستغفار والندامة فقط بل یتوقف علی ارضاء أولیاء المقتول فان کان القتل عمداالابدأن یمکنهم من القصاص منه فان شاؤواقتلوه وان شاؤواعفواعنه مجاناًفان عفواعنه کفته التوبة"ه ملخصاً.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عبدالرحمٰن

۲۰محرم الحرام ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر:۱۸۵۲

﴿ایک مقتدی ہونے کی صورت میں امامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک طالب علم سے سنا تھا کہ صرف ایک مقتدی کی صورت میں اقامت کی ضرورت نہیں ہوتی اسکی کیا حیثیت ہے؟ نیز اس ایک مقتدی کا اگر وضوء ٹوٹ جائے نماز کے درمیان میں یا وضوء شروع ہی سے نہ ہو،تو اس صورت میں امام کی نماز میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صرف ایک مقتدی کی صورت میں بھی اقامت کہنا سنت ہے اور اس کا ترک کرنا مکروہ ہے نیز مسؤلہ صورت میں مقتدی اگر بے وضوء ہو جائے تو امام کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور امام کو جماعت کا ثواب بھی مل جائیگا۔

ولما فی الدر المختار:(۲/۶۳ طبع امدادیه)

(وکره ترکهما)معاً(لمسافر)ولو منفرداً(وکذا ترکها)لاترکه لحضور الرفقة.

لمافی مراقی الفلاح:(ص ۱۹۵،طبع قدیمی)

أخرج عبدالرزاق عن سلمان رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذاکان الرجل بارض فخافت الصلوٰة فلیتوضاء فان لم یجدماء فلیتیمم فان أقام صلی معه ملکان وان اذن وأقام صلی معه من جنودالله مالایری طرفاه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر:۹۳

﴿امام کا دورانِ نماز کھانسنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز اگر امام قراءت کرتے ہوئے آواز صحیح کرنے کی غرض سے کھانسے تو نماز میں کوئی فرق پڑے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بغیر کسی عذر کے کھانسنے سے اگر حروف پیدا ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن آواز صحیح کرنے کی غرض سے یا تحسین صوت کی غرض سے کھانسنے پر نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا نماز درست ہو جاتی ہے۔

لمافی الهندية:(۱۰۱/۱،طبع رشيديه)

ويفسد الصلاة التنحنح بلا عذر بان لم يكن مدفوعاً اليه وحصل منه الحروف هكذا في التبيين وفيها أيضا بعد أسطر: ولو تنحنح لاصلاح صوته وتحسينه لاتفسد على الصحيح.

ولمافي التنوير و شرحه: (۳۷۷/۲،طبع امداديه)

(والتنحنح) بحرفين (بلا عذر) أما به بان نشأ من طبعه فلا (أو) بلا (غرض صحيح) فلو لتحسين صوته أو ليهتدى امامه أو للاعلام أنه في الصلاة فلا فساد على الصحيح قال العلامة الشامي تحت هذا القول لانه يفعله لا صلاح القرأة فيكون من القرأة معنى كا المشي للبناء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی
فتوی نمبر: ۳۱۲

﴿جماعت کا وقت پورا ہونے سے پہلے کھڑے ہو کر امام کا انتظار کرنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ مسجد میں کھڑے کھڑے امام کے اٹھنے کا انتظار کرتے ہیں جبکہ نماز کے لئے ابھی کچھ وقت باقی ہوتا ہے تو اس وقت میں ان کا بیٹھنے کے بجائے کھڑا رہنا کیسا ہے؟

مستفتی: عطاء الرحمٰن

﴿جواب﴾ مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں وقار اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا اور ہر طرح سے اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا سب نمازیوں کی ذمہ داری ہے، وقت پورا ہونے سے پہلے کھڑے ہو کر امام کا انتظار کرنا مکروہ ہے اور مسجد کے آداب کے بھی خلاف ہے، اس لئے ایسے امور سے بچنا چاہیئے بلکہ وقت پورا بھی ہو جائے تب بھی امام سے پہلے کھڑے ہونا مناسب نہیں ہے۔

لما فی الهندیة:(۱/۵۷،طبع رشیدیه)

اذا دخل الرجل عند الاقامة یکره له الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذا فی المضمرات.

ولما فی الدر المختار:(۲/۷۱،طبع امدادیه)

دخل المسجد والمؤذن یقیم قعد الی قیام الامام فی مصلاه.

ولما فی البحر الرائق:(۱/۲۵۷،طبع سعید)

ولو اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل فی المسجد فانه یقعد الی أن یقوم الامام فی مصلاه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۲

﴿فرض نماز کے بعد امام کیلئے بلا تاخیر جگہ تبدیل کرنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ امام جب فرض نماز سے فارغ ہو جائے تو اس کیلئے سنتوں کیلئے جگہ تبدیل کرنا سنت مؤکدہ ہے یا مستحب ہے؟ بینوا توجروا

مستفتی: مولوی گل محمد

﴿جواب﴾ نماز سے فارغ ہو کر فقہا کرام نے امام کیلئے جگہ بدلنے کو مستحب لکھا ہے اور اسی جگہ سنت ونوافل پڑھنے کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مستحب حکم ہے سنت مؤکدہ نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار مع ردالمحتار ۱/۵۳۱ طبع سعید

وفی الخانیة یستحب للامام التحول لیمین القبلة یعنی یسار المصلی لتنفل او ورد وخیره فی المنیة بین تحویله یمینا وشمالا واماما وخلفا (قوله وخیره) لکن التخییر الذی فی المنیة ان کان صلاة لا تطوع بعدها فان شاء انحرف۔۔۔وان کان بعدها التطوع وقام یصلیه یتقدم او یتاخر اوینحرف یمینا او شمالا او یذهب الی بیته فیتطوع ثمه وهذا التخییر لا یخالف ما مر فی الخانیة لانه بیان الجواز وذاك لبیان الافضل وعلی هذه الصفحة ایضا (قوله یکره للامام التنفل فی مکانه) بل یتحول مخیرا کما یاتی عن المنیة والکراهة تنزیهیة کما دلت علیه عبارة الخانیه

ولما فی المراقی الفلاح ص ۱۱۶ طبع قدیمی

ویستحب للامام بعد سلامه ان یتحول الی یساره لیتطوع بعد الفرض

ولما فی العالمگیریة ۱/۸۵ طبع قدیمی

واذا سلم الامام من الظهر والمغرب والعشاء کره له المکث قاعدا لکنه یقوم الی التطوع

فی مکان الفریضة ولکن ینحرف یمنة و یسرة او یتاخر وان شاء رجع الی بیته یتطوع فیه

ولما فی البدائع ۱/۱۸۵ طبع بیروت

عن ابن عمرؓ انه یکره للامام ان یتنفل فی المکان الذی ام فیه

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شفقت اللہ

۲۱ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۳۹۰۶

﴿اگلی صف میں خالی جگہ ہو تو کس طرح آگے جانا چاہیے؟﴾

﴿سوال﴾ پہلی صف میں خلا کو پر کرنا دوران نماز کیسا ہے؟ اگر ضروری ہے تو جانے کا کیا طریقہ ہے قدموں کو گھسیٹ کر یا قدم اٹھا کر جائے نیز شروع نماز میں خلا باقی رہے یا نماز کے درمیان میں خلا واقع ہو جائے ان دونوں کے حکم میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اور اگر دو صفوں کے درمیان کوئی سترہ ہو تو اس پر سے جا سکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ دوران نماز اگر کوئی جگہ سامنے سے خالی ہو جائے یا شروع ہی سے کوئی جگہ خالی تھی لیکن نیت باندھنے کے بعد اس پر نظر پڑ گئی تو پچھلی صف میں کھڑے شخص کے لئے ضروری ہے کہ آگے بڑھ کر خلا کو پر کر دے اگر وہ ایسا نہ کرے تو کسی اور کے لئے اس جگہ کو پر کرنا جائز ہے، چاہے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا پڑے یا صف چیر کر جانا پڑے اور اگر نیت باندھنے سے پہلے اگلی صف میں خالی جگہ ہے تو پچھلی صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے دوران نماز، نماز کی اصلاح کے لئے قدم اٹھا کر چلنے سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی تاہم چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر جانا چاہیئے۔

لما فی الدر المختار: (۲/۳۱۲-۳۱۳، طبع امدادیه)

ولو وجد فرجة فی الاول لا الثانی له خرق الثانی لتقصیرهم.

وفی الشامية: وفی القنية قام فی آخر صف وبین الصفوف مواضع خالية فللداخل أن یمر بین یدیه لیصل الصفوف لانه أسقط حرمته فلا یأثم المار بین یدیه.

ولما فی البدائع: (۱/۲۱۸، طبع سعید)

قال بعض المشائخ ان مشی خطوة خطوة لاتفسد صلاته وان مشی خطوتین خطوتین تفسد وعند بعضهم لاتفسد کیفما کان لان المسجد فی حکم مکان واحد لکن لاتقل من الکراهة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۱۱۸

﴿صفوف کے اتصال وانفصال کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ نماز میں صفوف کے متصل ہونے کی کیا حیثیت ہے؟ کتنا فاصلہ انفصال کہلائے گا؟ کیا دو تین فٹ کی دیوار کے حائل ہو جانے سے انفصال متحقق ہو جائے گا؟

﴿جواب﴾ جماعت کی نماز کے لئے اتصالِ صفوف ضروری ہے صفوں کے اتصال کے بغیر اقتداء صحیح نہیں ہوگی، انفصال کی حد یعنی صفوں کے درمیان فاصلے کی صورتیں مختلف ہیں مثلاً: مسجد کے اندر اگرچہ زیادہ فاصلہ ہو تب بھی اقتداء درست ہے، اسی طرح چھوٹے گھر میں نماز باجماعت ہو رہی ہو تو زیادہ فاصلے سے بھی اقتداء درست ہوگی کیونکہ مکان ایک ہے اور اگر مکان امام اور مقتدی کا الگ الگ ہو تب تو بلا اتصالِ صفوف اقتداء درست نہیں ہوگی، صحراء اور بیاباں میں اگر صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ ہو تو اقتداء درست نہیں ہے یعنی جسمیں دو صفیں سما سکیں وہ فاصلہ مانعِ اقتداء ہے، اسی طرح بڑا گھر جسکی وسعت چالیس ہاتھ ہو، کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر دو صفوں کے درمیان کوئی عام راستہ ہو یا نہر جاری ہو یا تالاب ہو جسکی لمبائی، چوڑائی دس دس ہاتھ ہو تو مانعِ اقتداء ہے، دو صفوں کے درمیان اگر کوئی دیوار حائل ہو تو اگر انتقالاتِ امام سے مقتدی باخبر ہوں تو دیوار کے ورے انکی اقتداء درست ہے اور اگر انتقالاتِ امام رکوع وسجود کے بارے میں اشتباہ ہو تو ان کی اقتداء درست نہیں ہے۔

لما فی تنویر الابصار: (۲/۳۳۰ طبع مدادیه)

(ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیه العجلة اونهر تجری فیه السفن لوخلاء فی الصحراء یسع صفین والحائل لایمنع)الاقتداء ان لم یشتبه حال امامه ولم یختلف المکان حقیقة کمسجدوبیت..... ولواقتدیٰ من سطح داره المتصلة بالمسجدلم یجزلاختلاف المکان.

ولما فی الشامی:(۲/۳۳۲ طبع امدادیه)

حاصل کلام الدرران اختلاف المکان مانع مطلقا اما اذااتحد، فان حصل اشتباه منع والافلا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۹

﴿حکم تکرار الجماعة﴾

﴿سوال﴾ هل يجوز تكرار الجماعة ولنا مسجد قريب من السوق له امام وقوم معين يأتى الناس من السوق بعد جماعة المحلة ويصلون بالجماعة هل يجوز هذا؟

﴿جواب﴾ يكره تكرار الجماعة لصلوة واحدة فى مسجد محلة له امام وقوم معين واما مسجد الطريق او السوق فيجوز تكرار الجماعة فيهما لعدم اختصاصهما بقوم واحد واما المسجد المذكور فلا بأس بتكرار الجماعة فيه لانه فى حكم مسجد السوق لقربه منه والله اعلم.

لما فى الدر المختار:(۲/۲۸۸،طبع امدادیه)

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة فى مسجد محلة لا فى مسجد طريق او مسجد لا امام له ولا مؤذن.

ولما فى الولوالجية(۱/۷۲،طبع فاروقیه پشاور)

واذا صلى اهل المسجد بالجماعة باذان كره الاذان والجماعة لغيرهم الا اذا كان المسجد على الطريق لانا لو جوزنا ذلك يؤدى الى تقليل الجماعة... بخلاف ما اذا كان المسجد على الطريق

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ ولوالدیہ

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۱۳

﴿بچے کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میرا ایک بچہ جس کی عمر ۵ سال ہے میرے ساتھ مسجد جانے پر اصرار کرتا ہے اسلئے میں اسے اپنے ساتھ مسجد نماز کیلئے لے جاتا ہوں اور بڑوں کی صف میں اسے بھی اپنی ایک جانب میں کھڑا کرتا ہوں اور وہ اچھے انداز سے نماز کے ارکان بڑوں کو دیکھ کر ادا کرتا ہے بعض نمازیوں کا کہنا ہے کہ وہ بہت چھوٹا ہے اس لیے اس کو لیکر اگلی صف میں کھڑا نہیں ہونا چاہیے بلکہ پیچھے بچوں کی صف میں ہی اسے کھڑا کرنا ضروری ہے، عرض یہ ہے کہ کیا میرا مذکورہ بچے کو لے کر مسجد آنا اور اگلی صف میں اپنے ساتھ اسے کھڑا کرنا شریعت کی رو سے درست ہے؟

﴿جواب﴾ بچہ اگر اتنا چھوٹا ہو کہ اس کے سبب سے مسجد کے ناپاک ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو جیسے پیشاب وغیرہ کرنے کا خطرہ ہو تو اسے مسجد میں لانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کم سنی کے

باوجود مسجد کے آداب کو محفوظ رکھنا جانتا ہو، نیز نماز وضو سے بھی واقف ہو تو ایسے بچے کو مسجد لانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ اسے بچوں کی صف میں کھڑا کیا جائے، تاہم اگر بچے زیادہ ہونے کی وجہ سے گڑبڑ کرتے ہوں یا مجمع بڑا ہونے کی وجہ سے ان کے گم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بچوں کو بڑوں کے بیچ میں کھڑا کرنا بھی درست ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کا اپنے بچے کو مسجد لانا اگر مذکورہ بالا شرائط کے موافق ہے تو جائز ہے، نیز اگر گڑبڑ کرنے کا اور گم ہو جانے وغیرہ کا اندیشہ ہے یا اور اس قسم کی بات ہو تو اپنے ساتھ کسی بھی صف میں اُسے کھڑا کر سکتے ہیں۔

لمافی الشامی:(۳۱۴/۲،طبع امدادیه)

ثم الصبیان ظاهره تعددهم فلو واحدا دخل الصف۔۔۔۔ وکذا لو کان المقتدی رجلا وصبیا یصفهما خلفه لحدیث انسؓ فصففت انا والیتیم ورآنه والعجوز من ورآئنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۲

﴿مسجد کی پانچویں منزل سے زمینی منزل پر کھڑے امام کی اقتداء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک پانچ منزلہ مسجد جس کے ابتدائی دو منزلیں پنجگانہ نماز میں عام طور پر نمازیوں سے بھر جاتی ہیں جبکہ باقی منزلیں نماز جمعہ وعیدین کیلئے استعمال ہوتی ہیں، نماز پنجگانہ میں سے کسی نماز میں اگر کوئی پانچویں منزل میں کھڑے ہو کر زمینی منزل پر کھڑے امام کی اقتداء کرے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بوجہ عذر کرے تو کیا حکم ہے؟ بلا عذر کرے تو کیا حکم ہے؟ مستفتی: فیاض احمد ایبٹ آبادی

﴿جواب﴾ نماز تو بہر حال ہو جاتی ہے، البتہ بلا عذر شرعی ایسا کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے اس سے اجتناب ضروری ہے، یہ سب اس وقت ہے جبکہ امام کے انتقالات میں اشتباہ نہ ہوتا ہو ورنہ نماز کسی حال میں بھی درست نہ ہوگی۔

لمافی التنویر:(۳۳۳/۲،طبع امدادیه)

والحائل لا یمنع ان لم یشتبه حال امامه ولم یختلف المکان۔

ولمافی الرد:(۳۳۵/۲،طبع امدادیه)

فقد تحرر بما تقرر ان اختلاف المکان مانع من صحة الاقتدا ولو بلا اشتباه وانه عند

الاشتباه لا يصح الاقتداء وان اتحد المكان.

ولمافی الهندية:(۱/ ۱۰۷،طبع رشيديه)

ويكره للمقتدى ان يقوم خلف الصفوف وحده اذا وجد فرجة.

ولمافی البزازية بهامش هندية:(۲/ ۵۵-۵۷،طبع رشيديه)

والمسجد وان كبر الفاصل لا يمنع - الخ--- صلى خلف الصفوف منفردا مختارا بلا ضرورة كره الخ.

ولمافی الطحطاوی(ص۱۹۹،طبع قديمی)

نقلا عن الخلاصةان صلى خلف الصف منفردامختارامن غير ضرورة يجوز و تكره.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ ۸ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ عابد یروی فتویٰ نمبر ۱۸۳۱

﴿اگلی صف پُر کرنے کیلئے سنتیں پڑھنے والوں کے سامنے سے گزرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور پیچھے صفوں میں لوگ سنتیں وغیرہ پڑھ رہے ہوں مثلاً: تین چار آدمی ساتھ کھڑے ہیں اور سنتیں پڑھ رہے ہیں اور انکے سامنے کافی جگہ خالی ہیں تو صف بندی کی خاطر انکے سامنے سے گزرنا جائز ہے یا نا جائز؟ یا انکے سلام پھیرنے تک وہ جگہ خالی رہے؟ مستفتی: حاجی مظہر یعقوب ابوبکر مسجد ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ عام حالت میں کسی نمازی کے سامنے سے گزرنا سخت گناہ ہے احادیث مبارکہ میں اس پر سخت وعید آئی ہے، البتہ اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور اگلی صف میں خالی جگہ ہو جس کو پُر کرنے کیلئے کسی نمازی کے سامنے سے بھی گزرنا پڑے تو شریعت میں اسکی گنجائش ہے مذکورہ صورت میں چار افراد ایک ساتھ متصل کھڑے ہو کر سنتیں وغیرہ پڑھ رہے ہیں یہ انکی غلطی ہے انکے سامنے گزرنے سے گناہ بھی انہی کو ہوگا جماعت کھڑی ہونے کا وقت قریب ہو تو سنت پڑھنا منع ہے یا کم از کم صفوں سے ہٹ کر پڑھے، اسی طرح ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں انکے سامنے سے گزرنے پر لوگ مجبور ہوں تو گناہ نمازی کو ہوگا۔

لمافی اعلاء السنن:(۵/ ۸۱،طبع دار الكتب بيروت)]

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم "لو يعلم احدكم ماله في ان يمر بين يدى اخيه معترضا في الصلوة كأن لأن يقيم مائة

عام خير من الخطوة التى خطاها".

ولمافی رد المحتار:(۱/۶۳۵،طبع سعید)

وقد أفاد بعض الفقهاء ان هنا صورا اربعا الاولیٰ ان يكون للمار مندوحة عن المرور بين يدى المصلى ولم يتعرض المصلى لذالك فيختص المار بالاثم ان مر الثانية مقابلتهاوهى ان يكون المصلى تعرض للمرور والمار ليس له مندوحة عن المرور فيختص المصلى بالاثم دون المار. الثالثة ان يتعرض المصلى للمرور ويكون للمار مندوحة فيأثمان أما المصلى فلتعرضه واماالمار فلمروره مع امكان ان لا يفعل. الرابعة ان لا يتعرض المصلى ولايكون للمار مندوحة فلا يأثم واحد منهما كذا نقله الشيخ تقى الدين بن دقيق العيد رحمة الله تعالى..... والظاهر ان من الصورة الثانيةما لو صلى عند باب المسجدوقت اقامة الجماعة ، لان للمار ان يمر على رقبته.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۹۹

﴿ایک مقتدی ہوتو قعدہ اخیرہ میں تیسرا شخص کس طرح شامل ہو؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ امام کی اقتداء میں ایک ہی مقتدی دائیں جانب کھڑا ہو تیسرا آدمی ایسے وقت آیا کہ امام قعدہ اخیرہ میں تھا تو یہ تیسرا آدمی کس طرح جماعت میں شامل ہو۔

﴿جواب﴾ امام کی اقتداء میں ایک ہی مقتدی اگر نماز پڑھ رہا ہو اور تیسرا آدمی قعدہ اخیرہ میں اقتداء کیلئے آیا تو امام صاحب کی بائیں جانب کھڑا ہو، پہلے والے مقتدی کو پیچھے ہٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لمافی رد المحتار:(۱/۵۶۸،طبع سعید)

والذى يظهرانه ينبغى للمقتدى التأخراذاجاء ثالث فان تأخروالاجذبه الثالث ان لم يخش افساد صلوته فان اقتدى عن يسارالامام يشيراليهمابالتأخروهواولىٰ من تقدمه لانه متبوع ولان الاصطفاف خلف الامام من فعل المقتدين لاالامام،فالاولىٰ ثباته فى مكانه وتأخرالمقتدى ويؤيده مافى الفتح عن صحيح مسلم قال جابر "سرت مع النبى صلى الله عليه وسلم فى غزوة فقام يصلى فجئت حتى قمت عن يساره فاخذبيدى فادارنى عن يمينه فجاء ابن صخرحتى قام عن يساره فاخذبيديه جميعافدفعناحتى اقامناخلفه" وهذاكله عندالامكان والاتعين الممكن والظاهر أيضااذالم يمكن فى القعدة الاخيرة والاقتدى الثالث عن يسارالامام ولاتقدم ولاتأخر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۱۷ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۶۹

﴿صف میں نمازی کا اپنے لئے جگہ خاص کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ مسجد میں صف میں اپنے لئے جگہ خاص کر لیتے ہیں جب بھی مسجد میں آتے ہیں اس ایک جگہ پر بیٹھتے ہیں اس ایک جگہ پر نماز پڑھتے ہیں، کیا اس طرح مسجد میں جگہ خاص کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مسجد میں اپنے لئے جگہ خاص کرنے کو فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے، لہٰذا اس کی عادت بنانے سے بچنا چاہیے۔

لمافی مراقی الفلاح:(۱۹۹/۱،طبع قدیمی)

یکرہ للانسان ان یخص نفسہ بمکان فی المسجد یصلی فیه لأنه ان فعل ذالک تصیر الصلاۃ فی ذالک المکان طبعا والعبادۃ متی صارت کذلک کان سبیلها الترک ولهذا کرہ صوم لأبد

ولمافی الدرالمختار:(۴۳۹/۲،طبع امدادیه)

وتخصیص مکان لنفسه قال الشامی تحت هذہ المسئلة (وتخصیص مکان لنفسه) لانه یخل بالخشوع کذا فی القنیة: أی لأنه اذا اعتادہ ثم صلی فی غیرہ یبقی باله مشغولاً بالأول بخلاف اذا لم یألف مکانا معینا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۳

﴿محاذاۃ المرأۃ کی حقیقت﴾

﴿سوال﴾ محاذاۃ المرأۃ سے کیا مراد ہے؟ کیا اس میں محرم خواتین، ماں، بہن، بیوی، بیٹی وغیرہ بھی داخل ہیں؟ اور کیا اس سے عورت کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے یا صرف مرد کی نماز فاسد ہوتی ہے؟ جواب تفصیل کیساتھ عنایت فرمائیں۔ مستفتی: امیر حمزہ

﴿جواب﴾ محاذاۃ المرأۃ کا مطلب یہ ہے کہ عورت باجماعت نماز میں مرد کے برابر کھڑی ہو جائے اور دونوں کی ایک ہی نماز ہو محاذاۃ میں پنڈلی اور ٹخنوں کا اعتبار ہے، محرمہ اور غیر محرمہ کا کوئی فرق نہیں دونوں برابر ہیں، اگر کوئی بالغہ عورت کسی مرد کے محاذاۃ میں کھڑی ہو جائے تو چند شرائط کے ساتھ مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے (۱) مثلاً بغیر کسی حائل ورکاوٹ کے مکان ایک ہو

(۲) عورت عاقلہ بالغہ ہو مجنونہ نہ ہو (۳) تحریمہ اور اداء کے لحاظ سے مرد اور عورت میں اشتراک ہو (۴) امام نے عورت کی اقتداء کی نیت کی ہو (۵) محاذاۃ رکن کامل میں ہو (۶) ان دونوں کی جہت متحد ہو (اسکی وضاحت حوالہ میں موجود ہے) (۷) رکوع اور سجدہ والی نماز ہو (۸) مرد کا کوئی عضو عورت کے قدموں کا محاذی ہو جائے (۹) مرد نے اسے ہٹنے کیلئے اشارہ نہ کیا ہو وغیر ذلک۔

مذکورہ بالا شرائط میں سے کسی ایک شرط کے مفقود ہونیکی صورت میں مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ بعض صورتوں میں عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، جیسے مرد (امام) نے عورتوں کی اقتداء کی نیت نہ کی ہو یا مرد نے عورت کو ہٹنے کا اشارہ کیا ہو اور وہ نہ ہٹی ہو تو ان صورتوں میں صرف عورت کی نماز فاسد ہوگی۔

لما في الهندية:(۱/۸۹،باب الامامة ،الفصل الخامس،طبع رشيديه)

(ومنها)ان يكونا في مكان واحد حتى لو كان الرجل على الدكان والمرأة على الارض والدكان مثل قامة الرجل لاتفسد صلاته(ومنها)ان يكونابلاحائل حتى لو كان في مكان متحد بان كاناعلى الارض أو على الدكان الا ان بينهما اسطوانة لاتفسد صلاته هكذا في الكافي-----(ومنها) ان ينوى الامام امامتها أو امامة النساء وقت الشروع لابعده ولايشترط حضور النساء لصحة نيتهن(ومنها) ان تكون المحاذاة في ركن كامل حتى لو كبرت في صف وركعت في آخر وسجدت في ثالث فسدت صلاة من عن يمينها ويسارها وخلفها من كل صف.(ومنها) ان تكون جهتهما متحدة حتى لو اختلفت لاتفسد ولا يتصورا ختلاف الجهة الافي جوف الكعبة-----

لما في الدرعلى الرد:(۲/۳۱۴تا۳۲۰، باب الامامة،طبع امداديه)

(واذا حاذته) ولو بعضو واحد وخصه الزيلعي بالساق والكعب(امرأة) ولوامة (مشتهاة)حالاً كبنت تسع مطلقا وثمان وسبع لو ضخمة أو ماضيا كعجوز (ولا حائل بينهما)أقله قدر ذراع في غلظ اصبع أو فرجة تسع رجلاً(في صلاة)وان لم تتحد كنيتها ظهرابمصلي عصر على الصحيح، سراج ،فانه يصح نفلا على المذهب بحر. وسيجئ (مطلقة)خرج الجنازة(مشتركة)فمحاذاة المصلية لمصل ليس في صلاتها مكروهة لامفسدةتح(تحريمة)وان سبقت ببعضها (وأداء)ولو حكماكلاحقين بعد فراغ الامام بخلاف المسبوقين والمحاذاة في الطريق(واتحدت الجهة)فلو اختلف كمافي جوف الكعبة و ليلة مظلمة فلا فساد(فسدت صلاته)لو مكلفا والا لا(ان نوى)الامام وقت شروعه لابعده.....

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۴۹

﴿محاذات کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کی امامت کرر ہا تھا، کوئی اور شریک نہیں تھا وہ آ کر اس طرح کھڑی ہوئی جیسا کہ ایک امام اور ایک مقتدی کھڑے ہوں، تو کیا بیوی کا ان کیساتھ اس طرح کھڑے ہونے سے محاذات کا حکم ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ محاذات اس کو کہا جاتا ہے کہ عورت کا ٹخنہ اور پنڈلی مرد کے کسی عضو کے برابر ہو، البتہ بعض فقہاء نے پورے قدم کی محاذات کا اعتبار کیا ہے، صورت مذکورہ میں اگر عورت کا قدم مرد کے کسی عضو کے برابر میں ہو تو محاذات کہلائیگی اور نماز نہیں ہوگی لیکن تھوڑی مؤخر ہونے کی صورت میں نماز ہوجائیگی۔

لمافی الشامی:(۱/۵۷۲،طبع:سعید)

قال :المرأة اذاصلت مع زوجها فی البیت ان کا ن قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة ،وان کان قدما ها خلف قدم الزوج الا انها طویلة تقع رأس المرأة فی السجود قبل رأس الزوج جازت صلاتهما لان العبرة للقدم الاتری أن صید الحرم اذا کان رجلا ه خارج الحرم یحل أخذه ..... المحاذت أن تساوی قدم المرأة شیأمن اعضاء الرجل ،فالقدم ما خوذ فی مفهوم علی ما نقل عن المطرزی .....فمساواة غیر قدمها لعضوه غیر مفسدة ،وأنه لو اقتدت به متأخر ه عنه بقدمها صحت صلا تها وان لزم منه محاذاة بعض أعضا نها لقد مه أو غیره فی حالة الرکوع أو السجود ،لأن المانع لیس محاذاة ای عضو منها لأی عضومنه ،ولا محاذاة قدمه لأی عضومنها بل المانع محاذاة قدمها فقط لأی عضو منه

ولما فی الهندیة: (۱/۸۹،طبع:رشیدیه)

والمعتبر فی المحاذاة الساق والکعب علی الصحیح هکذا فی التبین ولمرأة تتناول الا جنبیة والمحرمة والحلیة ولصغیرة المشتهاة ولکبیرة التی ینفر عنها الرجال هکذا فی الکفایة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
۲۵ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ
فتوی نمبر: ۳۲۳۶

﴿ابرص آدمی کو امام بنانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو برص کی

بیماری ہے برص پورے جسم میں پھیلا ہوا ہے اور لوگ اس سے نفرت بھی کرتے ہیں کیا ایسے آدمی کو امام بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا
مستفتی محمد عادل پشاور

﴿جواب﴾ ایسا آدمی جس کو مذکورہ بالا بیماری ہو اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، لہٰذا ایسے آدمی کو امام نہیں بنانا چاہیئے۔

لمافی الهندية:(۸۷/۱،طبع رشيديه)

رجل ام قوما وهم له كارهون ان كانت الكراهة لفساد فيه او لانهم احق بالامامة يكره له ذلك. هكذا في كنز الدقائق.(ص۲۸ حاشية۸،طبع قديمى)

ولمافی الدر المختار: وكذا تكره خلف امرد وسفيه، ومفلوج وابرص شاع برصه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
فتویٰ نمبر: ۷۸۷

﴿دو آدمیوں کی جماعت کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ دو آدمی ایک ساتھ جماعت ادا کر رہے ہیں تو قیام کا طریقہ کیا ہوگا؟ اسی دوران اگر تیسرا آجائے تو وہ کہاں کھڑا ہوگا؟
مستفتی: عتیق الرحمٰن بھکر

﴿جواب﴾ دو آدمیوں کی جماعت کی صورت میں ایک امام بن جائے اور دوسرا مقتدی بن جائے اور مقتدی امام کے دائیں جانب تھوڑا سا پیچھے کھڑا ہو جائے اگر اسی دوران تیسرا شخص آجائے تو پہلے والے مقتدی کو چاہیے کہ وہ پیچھے ہو جائے، اگر وہ پیچھے نہ ہو تو نیا مقتدی آرام سے اس کو پیچھے کھینچے اگر اس کے فساد صلوٰۃ کا اندیشہ نہ ہو یا امام صاحب ہاتھ کے ذریعہ پیچھے کی طرف کر دیں اور اگر ساتھ کھڑا ہو گیا تب بھی نماز درست ہے، امام صاحب کو آگے نہیں ہونا چاہیئے۔

لمافی الصحيح للبخاری:(۹۷/۱،طبع قديمى)

عن ابن عباسؓ بت عند خالتی ميمونةؓ فقام النبی ﷺ يصلی من الليل فقمت أصلی معه فقمت عن يساره فأخذ برأسی وأقامنی عن يمينه.

لمافی رد المحتار:(۵۶۸/۱،طبع سعيد)

والذی يظهر انه ينبغی للمقتدی التأخر اذا جاء ثالث فان تأخر والا جذبه الثالث ان لم يخش افساد صلوته فان اقتدى عن يسار الامام يشير اليهما بالتأخر وهو اولى من تقدمه لانه متبوع ولان الاصطفاف خلف الامام من فعل المقتدين لا الامام، فالاولى ثباته فی

مكانه وتاخر المقتدى وبازائه ما فى الفتح عن صحيح مسلم قال جابر "سرت مع النبى صلى الله عليه وسلم فى غزوة فقام يصلى فجئت حتى قمت عن يساره فاخذبيدى فادارنى عن يمينه فجاء ابن صخر حتى قام عن يساره فاخذبيديه جميعافدفعنا حتى اقامنا خلفه" وهذا كله عندالامكان والاتعين الممكن والظاهر أيضا اذالم يمكن فى القعدة الاخيرة والااقتدى الثالث عن يسار الامام ولاتقدم ولاتأخر.

ولمافى فتح القدير:(۲۰۹/۱،طبع رشيديه)

ولو اقتدى واحد بآخر فجاء ثالث يجذب المقتدى بعد التكبير ولو جذبه قبل التكبير لايضره وقيل يتقدم الامام ويكره ان يصلى منفردا خلف الصف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:

﴿عذر کیوجہ سے جماعت چھوڑنے کی گنجائش﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک ڈاکٹر ہوں بعض دفعہ مریض کا معائنہ کرتے ہوئے کچھ کام باقی ہوتا ہے کہ جماعت کا وقت ہو جاتا ہے اب اگر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کیلئے جاتا ہوں تو مریض کو تکلیف ہوگی مزید برآں ساری محنت پر پانی پھیر جاتا ہے تو کیا اس صورت میں میرے لئے گنجائش ہے کہ میں جماعت سے تاخیر کروں یا جماعت میں حاضر ہونا ضروری ہے؟

مستفتی: ڈاکٹر حازم حسین

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا صورت میں آپ کیلئے جماعت چھوڑنے کی گنجائش ہے۔

لمافى مراقى الفلاح:(ص ۱۱۱،طبع قديمى)

ويسقط الجماعةبواحدمن ثمانية عشر شيا ومنها قيامه بمريض يستضر بغيبته

لمافى الهندية:(۸۳/۱،طبع رشيديه كوئته)

وتسقط الجماعةبالاعذار ـــ اوكان قيما لمريض.

ولما فى الشامية:(۲۹۲/۲،طبع امداديه ملتان)

وقيامه لمريض اى يحصل بغيبته المشقة والوحشة كذافى الامداد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۰۵

﴿دفتر میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص اپنے دفتر ہی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرے۔ اور مسجد جانے کا اہتمام نہ کرے اور مسجد نہ جانے کا یہ عذر بتلائے کہ اگر ہم یہاں دفتر میں جماعت کا اہتمام نہ کریں تو دفتر کے دوسرے لوگ بالکل ہی نماز نہ پڑھیں گے تو اسکا کیا حکم ہے؟ نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ جماعت کا ثواب ملیگا یا نہیں؟ اور ایسی سوچ رکھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں نماز ہو جائیگی، جماعت کا ثواب بھی ملیگا لیکن مسجد کی اپنی ایک فضیلت ہے وہ اس صورت میں اگر چہ حاصل نہ ہوگی لیکن اگر اس شخص کا یہ عمل واقعی دعوت ہی کی غرض سے ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی نماز پڑھ لیں سستی کی وجہ سے نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کو جو اجر و ثواب ملیگا، بلاشبہ وہ مسجد کے اجر و ثواب سے بھی زیادہ ہوگا، البتہ خیال رہے کہیں یہ دائمی عمل نہ بن جائے بلکہ دوسروں کی بھی ایسی تربیت کریں کہ وہ بھی مستقل مسجد میں جماعت کیساتھ نماز کا اہتمام کرنے والے بن جائیں، وماذالک علی اللہ بعزیز۔

لمافی روح المعانی:(۱۰/۲۶۲،طبع رشیدیه)

انما یعمر مساجد الله من امن بالله والیوم الاخر---الایة والمراد بالعمارة مایعم مرمة--- وأدامة العبادة والذکر ودراسة العلوم الشرعیة فیها ونحو ذلک---وفیه ایضا تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر---الایة.

ولمافیالبزاروالطبرانی:کذافی فضائل اعمال)

عن قباث ابن اشیم اللیثی قال:قال رسول الله ﷺ صلوة الرجلین یؤم احدهما صاحبه ازکی عندالله من صلوة اربعة تتری وصلوة اربعة ازکی عندالله من صلوة ثمانیة تتری وصلوة ثمانیة یؤمهم احدهم ازکی عندالله من صلوة مائة تتری.

ولمافی التنویر مع الدر:(۲/۵۵۲،طبع سعید)

الجماعة سنة مؤکدة للرجال واقلها اثنان واحد مع الامام ولو ممیزا أو ملکا أو جنیا فی مسجد أو غیره---الخ.

ولمافی الشامیة:(۲/۵۵۲،طبع سعید)

(قوله فی مسجد أو غیره) قال فی القنیه:واختلف العلماء فی اقامتها فی البیت والاصح

انها كالامتهالى المسجدالافى الأفضلية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: انیس کان اللہ لہ

۱۰ صفر ۱۴۳۶ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۱۹

﴿دوران نماز اگلی صف میں خالی جگہ پُر کر لینی چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر دوران نماز نمازی کے سامنے والی صف میں جگہ خالی ہو تو نمازی چل کر اگلی صف میں جا سکتا ہے؟ مستفتی: محمد آصف

﴿جواب﴾ دوران نماز اگر نمازی کے سامنے والی اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو آگے چل کر اس جگہ کو پُر کرنا چاہیے اگر اس کے علاوہ دائیں بائیں یا پچھلی صف میں نماز پڑھنے والوں میں سے بھی کوئی اس جگہ کو پُر کر سکتا ہے چاہے دوسرے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا پڑے اس کو کوئی گناہ نہ ہوگا، البتہ قدم اُٹھائے بغیر ٹھہر ٹھہر کر اگلی صف میں جائے۔

لمافى الدرمع الرد:(۱/۶۳۲ مطبع سعيد)

ولوكان فرجةفللداخل أن يمر على رقبةمن لم يسدهالأنه أسقط حرمتنفسه فتنبه (قوله ولو كان فرجةالخ)كان تامة وفرجة فاعلها.قال فى القنية:قام فى اخر الصف فى المسجد بينه وبين الصفوف مواضع خالية فللداخل أن يمر بين يديه ليصل الصفوف لأنه أسقط حرمة نفسه فلا يأثم المار بين يديه .دل عليه ما ذكر فى الفردوس برواية ابن عباسؓ عن النبى ﷺ أنه قال "من نظر الى فرجة فى صف فليسدها بنفسه .فان لم يفعل فمر مار فليتخط على رقبته فانه لا حرمة له "،أى فليتخط المار على رقبة من لم يسد الفرجة قلت:وليس المراد بالتخطى الوطء على رقبته لأنه قد يؤدى الى قتله ولا يجوز بل المراد أن يخطو من فوق رقبته واذاكان له ذالك فله أن يمر من بين يديه بالأولى فافهم.

ولمافى رد المحتار أيضا:

ولو وجد فرجة فى الأول لا الثانى .له خرق الثانى لتقصيرهم .وفى الحديث "من سد فرجة غفر له "وصح خياركم ألينكم مناكب فى الصلوة.بقى ما اذا راى الفرجة بعد ما أحرم هل يمشى اليها؟لم أره صريحا وظاهر الاطلاق نعم.قال ..... ثم رأيت فى مفسدات الصلوة من الحلية عن الذخيرة ان كان فى الصف الثانى فراى فرجة فى الأول فمشى اليها لم تفسد صلاته لأنه مأمور بالمراصة قال عليه الصلوة تراصوا فى الصفوف ولوكان فى الصف الثالث تفسد لأنه عمل كثير.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: مزمل شاہ

۲۱ رجب ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۹۱

﴿خاص عذر کی وجہ سے صف سے الگ نماز پڑھنے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایسی بیماری میں مبتلا ہوں اگر نماز پڑھنے مسجد جاؤں تو میری وجہ سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور اگر گھر میں پڑھوں تو تسلی نہیں ہوتی بعد میں پتہ چلا کہ میرے لیے گھر میں نماز پڑھنا اولیٰ ہے جب تک شفایاب نہ ہو جاؤں، پوچھنا یہ ہے کہ اس دوران میں نے مسجد میں بہت سی نمازیں ایسی پڑھی تھیں کہ جماعت کے ساتھ تو شامل تھا لیکن صفوں سے دور مسجد کے کونے میں اکیلے کھڑے ہو کر ادا کی تھیں حالانکہ صفوں میں اتصال اور تسویہ ضروری ہے، لہٰذا میری یہ نمازیں درست ہیں یا لوٹانی پڑیں گی؟

﴿جواب﴾ بلا عذر صفوں میں خالی جگہ چھوڑنا اور صفوں کے درمیان اتصال قائم کئے بغیر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے، اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے، البتہ عذر کی وجہ سے ہو تو کراہت نہیں رہتی، لہٰذا عذر کی وجہ سے آپ نے جو نمازیں مسجد کے کونے میں ادا کی ہیں وہ بلا کراہت درست ہیں اس وقت آپ کے لئے افضل یہی تھا کیونکہ کامل مسلمان وہ ہے جو دوسروں کو ایذا نہ پہنچائے۔

لمافی الهندية:(۱/۱۲۱،كتاب الصلاة،باب فيما يفسد الصلاة،طبع قديمی)

وفناء المسجد له حكم المسجد حتى لو قام فی فناء المسجد واقتدى بالامام صح اقتداؤه وان لم تكن الصفوف متصلة ولا المسجد ملآن.

ولما فی ردالمحتار:(۲/۵۷،باب ادراك الفريضة،ايچ ـ ايم ـ سعيد)

والحاصل أن السنة فی سنة الفجر أن يأتی بها فی بيته..... لكن فيما اذا كان للمسجد موضعان والامام فی أحدهما ذكر فی المحيط أنه قيل لا يكره لعدم مخالفة القوم وقيل يكره لأنهما كمكان واحد.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حفیظ اللہ بیگ چترالی

۲۸ صفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۲۹

﴿صفوف کے درمیان خالی جگہ کیسے پُر کریں؟﴾

﴿سوال﴾ مسجد میں صف کے درمیان خالی جگہ دیکھ کر گھسنا کیسا ہے؟ جبکہ چند رکعتیں بھی ہو چکی ہوں ایسی صورت میں اگر نمازی کے سامنے سے گزرنا پڑ جائے تو نمازی کے سامنے سے

گذرنا الگ گناہ نہیں؟ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ مسجد میں اگر صف کے درمیان جگہ خالی ہو تو اس کو پر کرنا نہ صرف درست ہے بلکہ ضروری ہے چاہے ایک رکعت ہوئی ہو یا چند رکعتیں ہوگئی ہوں نمازی کے سامنے سے گذرنا اس وقت منع ہے جب نمازی انفرادی نماز پڑھ رہا ہو، جماعت میں شریک نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت نہیں خصوصاً صف کے خلاء کو پر کرنے کیلئے۔

لمافی سنن ابی داؤد :(۱۰۹/۱، باب سترة الامام سترة لمن خلفه،طبع رحمانيه)

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال هبطنا مع رسول الله ﷺ من ثنية اذخر فحضرت الصلاة يعني فصلى الى جدر فاتخذه قبلة ونحن خلفه فجاءت بُهمة تمر بين يديه فمازال يدارئها حتى لصق بطنه بالجدر ومرت من ورائه.

ولمافی الشامية:(۵۷۰/۱)

(قوله لتقصيرهم) يفيد ان الكلام فيما اذا شرعوا وفي القنية قام في آخر صف وبينه وبين الصفوف مواضع خالية فللداخل ان يمر بين يديه ليصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا يأثم المار بين يديه دل عليه ما في الفردوس عن ابن عباس ؓ عنه ﷺ من نظر الى فرجة في صف فليسدها بنفسه.

اور اسی طرح شامی میں حدیث نقل کی گئی ہے: توسطوا الامام وسدوا الخلل.

ولمافی تنویر الابصار:(۶۳۸/۱)

(وكفت سترة الامام) للكل اى للمقتدين به كلهم وعليه فلو مر مار في قبلة الصف في المسجد الصغير لم يكره اذا كان للامام سترة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کتبہ عبدالستار

۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:

﴿حج فرض ہونے کے باوجود حج ادا نہ کرنے والے کی امامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی پر حج فرض تھا اس نے ادا نہیں کیا اور اس رقم سے زمین خرید لی، یہ آدمی کبھی کبھی امامت کرتا ہے، کیا اس شخص کی اقتداء میں نماز ہو جاتی ہے؟ سائل: عبدالرحیم

﴿جواب﴾ زمین کے بغیر اگر اس آدمی کے گھر کا گزارا ممکن ہے تو زمین کو فروخت کر کے حج ادا کرنا ضروری ہے یا کسی سے قرض لیکر حج ادا کرے بشرطیکہ بعد میں واپسی کی بھی قدرت ہو

یہ سب کچھ ممکن نہ ہوتو گناہ پر توبہ واستغفار کرتا رہے اور اس کی اقتداء میں نماز ہو جاتی ہے۔

لما فی الدر:(۲/۴۵۵،طبع امدادیہ)

لو لم یحج حتیٰ اتلف ماله وسعه ان یستقرض ویحج ولو غیر قادر علی وفائه.

ولما فی الرد نقلا عن الظهيرية:

ان لم یکن عنده مال واراد ان یستقرض فان استقرض وادیٰ ولم یقدر علی قضائه حتی مات یرجی ان یقضی الله تبارك وتعالی دینه فی الآخرة، وان کان اکبر رأیه انه لو استقرض لایقدر علی قضائه کان الافضل له عدمه واذا کان هذا فی الزکوٰة المتعلق بهاحق الفقراء ففی الحج اولی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبیداللہ عابد دیروی

۲۷محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۸۷۶

﴿امام کا علماء پرافتراء کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام ہے جو دوسرے علماء پرافتراء برا بھلا اور غیبت کرتا رہتا ہے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ ایک امام صاحب دیگر علماء کرام پرافتراء کرتا ہے برا بھلا کہتا ہے یہ یکطرفہ بات ہے پوری طرح اس کی صداقت پر اطمینان نہیں ہو رہا آخر امام صاحب خود بھی تو عالم دین ہوگا۔

افتراء برا بھلا علماء کرام کے علاوہ کسی عام آدمی پر کرنا گناہ کبیرہ ہے جبکہ علماء کرام پر افتراء برا بھلا کہنا نہ صرف گناہ کبیرہ ہے بلکہ بعض صورتوں میں کفر کا بھی اندیشہ ہے تو کسی امام صاحب کی شان سے یہ بات بہت دور ہے، امام صاحب کی طرف اس گناہ کی نسبت اگر نمازیوں کے علم میں بھی ہے تو امام کو چاہئے کہ اس بارے میں اپنی صفائی پیش کریں تاکہ نمازیوں کا ذہن صاف ہو، اس سے امام صاحب کی عزت مجروح نہ رہیگی بلکہ عزت میں اضافہ ہوگا۔

امامت بڑا نازک شعبہ ہے، امام کو بڑا وسیع ظرف اور اخلاق کا بلند معیار رکھنا چاہئے، ان کی ہر بات کا عام لوگوں پر اچھا یا برا اثر پڑتا ہے۔

لما فی قوله تعالی :(سورة الحجرات آیة ۱۲)

و لا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتاً فکرهتموه.

و قال صاحب روح المعانی فی تفسیر ہذہ الآیۃ:(۳۲/۲۶ طبع: رشیدیہ)

و منہا ما لا ینبغی ان یشک فی انہ من أکبر الکبائر کغیبۃ الاولیاء و العلماء بالفاظ الفسق والفجور و نحوہا من الالفاظ الشدیدۃ الایذاء۔

وقال صاحب کشاف اصطلا حات الفنون:(۱۱۳۲/۲ طبع سہیل اکیڈمی لاہور)

الفسق فی اللغۃ :عدم اطاعۃ امراللہ تعلی۔

وفی الشرع :(ارتکاب المسلم کبیرۃ اوصغیرۃ مع الاصرار علیہا)فالمسلم المرتکب للکبیرۃ أو المصر علی الصغیرۃ یسمی فاسقا۔

ولما فی المشکوۃ:(۴۱۱ طبع سعید)

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر(متفق علیہ)

ولما فی المشکوۃ :(۴۱۲طبع سعید)

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اتدرون ما الغیبۃ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذکرک اخاک بما یکرہ قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ماتقول فقد بہتہ(رواہ مسلم)

ولما فی الحدیث کنزالعمال:(۲۲/۶رقم ۱۴۱۱رحمانیہ)

صلو اخلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر وجاھدو مع کل بر وفاجر (ھق ابی ہریرۃ)

ولما فی قاضی خان :(۸۷/۱ طبع قدیمی)

واذاصلی الرجل خلف فاسق او مبتدع یکون محرزا ثواب الجماعۃ لماروینامن الحدیث

ولما فی الشامی :(۵۶۰/۱طبع سعید)

واما الفاسق فقد عللوا کراہۃ تقدیمہ بأ نہ لا یہتم لامر دینہ، وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعاً ولا یخفی أنہ اذ أکان اعلم من غیرہ لا تزول العلۃ ،فانہ لا یؤمن ان یصلی بہم بغیر طہارۃ فہو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال۔

ولما فی الھدایۃ اولین :(۱۲۴طبع رحمانیہ)

(ویکرہ تقدیم العبد) لانہ لایتفرغ للتعلم (ولا عرابی) لأن الغالب فیہم الجہل (والفاسق) لانہ لا یہتم لا مر دینہ۔

ولما فی الھندیہ :(۲۷۰/۲)

یخاف علیہ الکفر اذا شتم عالما اوفقیہا من غیر سبب۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :نصرت اللہ بنوی غفرلہ ولوالدیہ

۸صفرالخیر۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:۳۵۳۷

﴿ولد الزنا کی امامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ ایک آدمی نے ولد الزنا کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ قرآن کریم کا حافظ بن گیا اور آئندہ کیلئے علم دین حاصل کرنے کا عزم کیا ہے اسکے جملہ اخراجات پرورش کرنے والا برداشت کرتا ہے، کیا ایسا لڑکا بلوغت کے بعد مستقل امام بن سکتا ہے؟ اور عالم بننے کے بعد درس قرآن وکتب دے سکتا ہے؟ پرورش کرنے والے کو اسکے اخراجات برداشت کرنے کا ثواب ملے گا؟ اور یہ لڑکا بھی علم دین اور حفظ قرآن کے ثواب کا مستحق ہوگا؟ سائل: محمد زید

﴿جواب﴾ زنا سے کوئی بچہ پیدا ہو تو اس میں اس بچے کا کوئی قصور نہیں ہے یہ بیچارہ تو مظلوم ہے، دوسروں کے برُے عمل سے اس کی عزت نفس مجروح ہوئی ہے، حفظ وعلم کا اجر وثواب اس کو ملے گا اور پرورش کرنے والے کو بھی ملے گا اس کو چاہیے کہ ایسے علاقے میں امامت یا دین کے دوسرے شعبے میں خدمات انجام دے جہاں لوگوں میں اس کا ولد الزنا ہونا معروف نہ ہو، ایسے علاقے میں امامت وغیرہ میں کوئی کراہت نہیں ہے، البتہ جہاں عام لوگ جانتے ہوں کہ یہ ولد الزنا ہے تو وہاں اس کو امام نہیں بنانا چاہیے اور مسجد کے انتظامیہ کیلئے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے آدمی کو مستقل امام مقرر کریں۔

لما فی البحر الرائق (۱/۳۴۸-۳۴۹، طبع سعید)

وکره امامة العبد والاعرابی والفاسق والمبتدع والاعمی وولد الزنی اما الکراهة فمبنية على قلة رغبة الناس فی الاقتداء بهؤلاء...... وينبغى ان يكون كذلك فی العبد وولد الزنا اذا كانا افضل القوم فلا كراهة اذا لم يكونا محتقرين بين الناس لعدم العلة للكراهة.

ولما فی التنویر: (۱/۵۲۲،) (وولد الزنا)

وفی الشامية: انه ليس له اب يربيه ويؤدبه ويعلمه فيغلب عليه الجهل بحر. اولنفرة الناس عنه.

ولما فی كتاب الاختيار لتعليل المختار: (۱/۸۰)

لان امامتهم تقلل الجماعات.....وولد الزنا يستخف به عادة وليس له من يعلمه فيغلب عليه الجهل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عبید اللہ عابد دیردی

۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر: ۱۹۷۵

﴿اعادہ والی نماز میں نو وارد لوگوں کی شرکت صحیح ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں امام پر سجدہ سہو واجب ہوگیا تھا امام بھول کر اسے ادا نہ کرسکا مقتدیوں کے یاددلانے پر دوبارہ جماعت پڑھتے وقت نو وارد حضرات جماعت ثانی میں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ کئی فتاویٰ دیکھ لئے ہیں، بعض نے جواز اور بعض نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ مستفتی: فرمان اللہ گلشن آباد

﴿جواب﴾ اس مسئلہ میں اختلاف کی اصل وجہ فقہاء کرام کا یہ مسئلہ ہے کہ نماز میں صرف واجب اگر چھوٹ جائے تو نمازی فرض سے بری الذمہ ہو جاتا ہے، البتہ نماز کا اعادہ واجب رہتا ہے لوٹانے کیصورت میں پہلی نماز فرض دوسری واجب یا پہلی نماز نفل دوسری فرض یا دونوں فرض کا حکم رکھتی ہیں؟ دونوں کو فرض کا حکم دینے سے تکرار فرض لازم آئیگا، پہلی نماز کو نفل کہنا بھی مشکل ہے، ورنہ فرض سے بری الذمہ کیسے قرار دے سکتے ہیں، اس لئے بعض نے پہلی نماز کو فرض اور دوسری کو واجب کا درجہ دیا جب کہ بعض نے دونوں کو فرض اور بعض نے دوسری نماز کو فرض، اور پہلی کو نفل کا حکم دیا۔

لمافی الدر المختار (۱/۴۵۷، طبع سعید)

وکذاکل صلاۃ ادیت مع کراهۃ التحریم تجب اعادتها.

ولمافی الشامية: (۱/۴۵۸، طبع سعید)

(والمختار انه) ای الفعل الثانی جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح، كذافی شرح الأكمل على اصول البزدوی ومقابله مانقلوه عن ابی اليسر من ان الفرض هو الثانی، واختار ابن الهمام الاول قال لان الفرض لايتكرر وجعله الثانی يقتضی عدم سقوطه بالاول انه لازم ترك الركن لا الواجب، الاان يقال المراد ان ذلك امتنان من الله تعالى، اذيحتسب الكامل وان تاخر عن الفرض لماعلم سبحانه انه سيوقعه اه يعنی ان القول بكون الفرض هو الثانی يلزم عليه تكرار الفرض لان كون الفرض هو الثانی دون الاول يلزم منه عدم سقوطه بالاول وليس كذلك، لان عدم سقوطه بالاول انمايكون بترك فرض لابترك واجب وحيث استكمل الاول فرائضه لاشك فی كونه مجزنافی الحكم وسقوط الفرض به وان كان ناقصابترك الواجب، فاذاكان الثانی فرضايلزم منه تكرار الفرض، الا ان يقال اه فافهم.

جنہوں نے پہلی نماز کو فرض اور دوسری کو واجب جان لیا تو اس کے نتیجے میں جماعت ثانی میں نووارد کی اقتداء کو ناجائز قرار دینا پڑتا کہ قوی عمل (فرض) کی اقتداء کمزور (واجب) کے پیچھے لازم نہ آئے جیسا کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے، بعض اردو فتاوی میں اسی قول پر فتوی دیا گیا ہے (امداد الاحکام ۱/۵۶۳، خیر الفتاوی ۲/۳۹۵، فتاوی دار العلوم دیوبند)

لیکن علامہ ابن عابدینؒ نے فتاوی شامیہ میں اس کے خلاف قول کو ترجیح دی ہے یعنی وقت کے اندر اعادہ کی صورت میں دوسری نماز کو فرض علی وجہ الکمال اور پہلی نماز کو نفل کا درجہ دیا ہے اور تمام اشکالات کے معقول جوابات دینے کے بعد سلف کے اس نزاع کو نزاع لفظی قرار دیکر بہترین تطبیق دی ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر اس مسئلہ میں تفصیلی بحث فرماتے ہیں: (۲/۶۵، سعید)

(تنبیہ) یؤخذ من لفظ الاعادة ومن تعریفها بما مر انه ینوی بالثانیة الفرض، لان ما فعل اولاً هو الفرض، فاعادته فعله ثانیاً اما علی القول بان الفرض یسقط بالثانیة فظاهر، واما علی القول الآخر فلان المقصود من تکریرها ثانیاً جبر نقصان الاولی فالاولی فرض ناقص، والثانیة فرض کامل مثل الاولی ذاتاً مع زیادة وصف الکمال.

یعنی لفظ اعادہ اور اس کی تعریف سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ یہ دوسری نماز فرض ہی کی نیت سے ادا کر رہا ہے، اس لئے کہ جو عمل پہلے کیا وہ فرض تھا تو اعادہ بھی اسی عمل کا کہلائے گا، سو جو لوگ دوسری نماز کو مسقط فرض قرار دے رہے ہیں ان کے نزدیک تو دوسری نماز کو فرض کہنا کوئی مشکل نہیں ہے اور جو لوگ پہلی نماز کو مسقط فرض قرار دے رہے ہیں تو انکے قول کی بناء پر بھی تطبیق ہوسکتی ہے اور وہ اس طرح کہ اعادہ سے مقصود پہلی نماز میں ہونے والے نقصان کی تلافی ہے، لہذا پہلی نماز فرض ناقص اور دوسری وصف کمال کی زیادتی کیساتھ فرض کامل کہلائے گی، پھر فرمایا: ۲/۶۵

ولو کانت الثانیة نفلاً لزم ان تجب القراءة فی رکعاتها الاربع وان لا تشرع الجماعة فیها ولم یذکروه

یعنی دوسری نماز اگر نفل ہوتی تو تمام رکعتوں میں قراءت بھی لازم ہوتی اور با جماعت ادا کرنا بھی جائز نہ ہوتا چونکہ اس موقف پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ دوسری نماز کو اگر فرض مان لیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلی نماز سے فرضیت ساقط نہیں ہوئی جبکہ اس پر تو اتفاق ہے کہ فرضیت تو پہلی مرتبہ نماز پڑھنے سے ذمہ سے ساقط ہوگئی ہے اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں:

ولا یلزم من کونها فرضاً عدم سقوط الفرض بالاولی، لان المراد انها تکون

فرضا بعد الوقوع، اما قبله فالفرض هو الاولى (۶۵/۲، طبع سعید).

یعنی دوسری نماز کو فرض مان لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی نماز سے فرضیت ساقط نہیں ہوئی یا تکرار فرض لازم آرہا ہے، اس لئے کہ دوسری کو فرض قرار دینا دوسری کی ادائیگی کے بعد ہی ہے اور جب تک یہ دوسری ادا نہیں ہوئی تب تک پہلی ہی فرض کے حکم میں تھی: (۶۵/۲، طبع سعید)

وحاصله توقف الحكم بفرضية الاولى على عدم الاعادة وله نظائر كسلام من عليه سجود السهو يخرجه خروجا موقوفا.

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلی نماز کو فرض کا حکم ملنا عدم اعادہ پر موقوف ہے اعادہ کیا جائے تو پہلی کی فرضیت نہیں رہے گی اور اس موقف کیلئے نظائر بھی ہیں مثلاً: کسی کو سجدہ سہو یاد نہ رہے اور سلام پھیر دے تو اس سلام سے خروج مصلی جو کہ فرض ہے متحقق تو ہو جائیگا لیکن یہ خروج موقوف رہیگا، سجدہ سہو یاد آنے کیصورت میں خروج کالعدم شمار ہوگا بشرطیکہ سلام کے بعد کوئی دوسرا عمل منافی صلاۃ نہ کرے: (۶۵/۲، طبع سعید) وكفساد الوقتية مع تذكر الفائتة كما سياتي.

دوسری نظیر: صاحب ترتیب کو دوران نماز فوت شدہ نماز یاد آجائے تو اسکی یہ جاری نماز فاسد ہو جائیگی لیکن یاد آنے کے باوجود اگر فوت شدہ نماز کا اعادہ نہیں کیا یہاں تک کہ صاحب ترتیب نہ رہے تو وہ فساد ختم ہو جائیگا اور وہ نماز صحیح قرار پائیگی۔

تیسری نظیر: عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں مغرب کی نماز اگر کوئی پڑھ لے تو مزدلفہ میں اس کا اعادہ ضروری ہے اور وہی فرض کہلائیگی لیکن طلوع فجر تک اگر اس کا اعادہ نہیں کیا تو راستے میں مغرب کے وقت جو نماز پڑھی تھی اسی کو فرض صحیح کا حکم مل جائیگا، اس کے بعد علامہ شامیؒ نے دونوں قولوں میں تطبیق فرمائی اور اس نزاع کو صرف لفظی نزاع قرار دیا، چنانچہ فرماتے ہیں: (۶۵/۲، طبع سعید)

وبهذا ظهر التوفيق بين القولين وان الخلاف بينهما لفظي، لان القائل ايضا بان الفرض هو الثانية اراد به بعد الوقوع.

اور اس موقف کو اختیار کرنے کی وجہ بیان فرمائی: (۶۵/۲، طبع سعید)

والا لزم الحكم ببطلان الاولى بترك ما ليس بركن ولا شرط كما مر عن الفتح. ولزم ايضا انه

يلزمه الترتيب في الثانية لو تذكر فائتة والغالب على الظن انه لا يقول بذلك احد ونظير ذلك القراءة في الصلاة فان الفرض منها آية والثلاث واجبة والزائد سنة وماذاك الا بالنظر الى ما قبل الوقوع بدليل انه لو قرأ القرآن كله في ركعة يقع الكل فرضا وكذا لو اطال القيام والركوع والسجود.

آخر میں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس مسئلہ کی حقیقت مجھ پر واضح فرمائی اسکو غنیمت سمجھو اور یہ وضاحت آپکو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملی گی۔

هذا نهاية ما تحرر لي من فتح الملك الوهاب، فاغتنمه فانه من مفردات هذا الكتاب (۲/۶۵).

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد عفا اللہ عنہ

۱۴۲۸ھ　　فتوی نمبر:

﴿امام کا صفوں کو سیدھا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مساجد میں خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد امام بلند آواز سے صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ جماعت کی نماز میں صفوں کا سیدھا ہونا بڑا اہم ہے جس کیلئے امام اگر بلند آواز سے مقتدیوں کو اس کی ہدایت کرتا ہے تو یہ نہ صرف صحیح بلکہ مستحب عمل ہے۔

لما في البحر الرائق: (۱/۳۵۲، طبع سعید)

وينبغي للقوم اذا قاموا الى الصلاة ان يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا بين مناكبهم في الصفوف ولا باس ان يامرهم الامام بذلك. وهكذا في الهندية: (۱/۸۹).

ولما في التنوير مع الدر: (۱/۵۶۸، طبع سعید)

(ويصف): اي يصف الامام بان يامرهم بذلك قال الشمني: وينبغي ان يامرهم بان يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم ويقف وسطا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　فتوی نمبر: ۷۹۷

﴿امام کا محراب میں کھڑے ہونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد میں جگہ اتنی تنگ

ہے کہ اس میں دو صفیں بن سکتی ہیں اور اگر امام محراب سے باہر نکل کر کھڑا ہو تو ایک صف بنتی ہے تو کیا ایسی صورت میں امام کا مکمل طور پر محراب میں کھڑا ہونا جائز ہے؟　　مستفتی: محمد اسلم کمالیہ

﴿جواب﴾ امام کا بغیر عذر محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر کوئی عذر ہو یعنی جگہ تنگ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔

لمافی الهندية:(۱/۱۰۸، طبع رشيديه)

ويكره قيام الامام وحده في الطاق وهو المحراب ولايكره سجوده فيه اذاكان قائما خارج المحراب هكذافي التبيين اذاضاق المسجدبمن خلف الامام فلاباس بان يقوم في الطاق كذافي الفتاوى البرهانية.

ولمافي الشامية:(۲/۴۱۴-۴۱۵، طبع امداديه)

(وقيام الامام في المحراب لاسجوده فيه)وقدماه خارجه لان العبرة للقدم (مطلقا)وان لم يتشبه حال الامام ان علل بالتشبه وان بالاشتباه ولااشتباه فلااشتباه في نفي الكراهة ـــ وهذا كله(عند عدم العذر)كجمعة وعيد فلوقامواعلى الرفوف والامام على الارض او في المحراب لضيق المكان.

(قوله:ان علل بالتشبه ـــ)قيد للكرهة ـــ الى ان قال وفي حاشية البحرللرملي: الذى يظهرمن كلامهم انها كراهة تنزيه(قوله:فلوقاموا ـــ)تفريع على عدم الكراهة عند العذرفي جمعة وعيد قال في المعراج:وذكرشيخ الاسلام انما يكره هذااذلم يكن من عذر: اما اذا كان فلايكره كمافي الجمعة اذا كان القوم على الرف وبعضهم على الارض لضيق المكان وحكى الحلواني عن ابى الليث: لايكره قيام الامام في الطاق عندالضرورة بان ضاق المسجدعلى القوم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر: ۸۱۴

﴿غیر مقلدین کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ غیر مقلدین کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ اگر غیر مقلد امام کے بارے میں یہ یقین ہے کہ دوسرے مذہب کی رعایت کر کے نماز پڑھاتا ہے بایں طور کہ نماز میں کسی ایسے امر کا ارتکاب نہیں کرتا جس کی وجہ سے حسب

مذہب امام نماز فاسد ہوتی ہے تو ایسے غیر مقلد کے اقتداء میں نماز بلاشبہ صحیح ہے۔

لمافی الهندية:(۱/ ۸۴،طبع رشیدیه)

والاقتداء بشافعی المذهب انما يصح اذا كان الامام يتحامی مواضع الخلاف.

اور اگر اس امام کے بارے میں یہ یقین ہو کہ رعایت کر کے نماز نہیں پڑھاتا تو ایسے امام کی اقتداء صحیح نہیں۔

لمافی الدر:(۲/ ۳۰۲،طبع امدادیه)ان تيقن المراعاة لم يكره او عدمها لم يصح.

عموماً غیر مقلدین بدوں رعایت کے نماز پڑھادیتے ہیں بلکہ بے شمار مسائل تو ایسے بھی ہیں جن میں جمہور احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ان کے نزدیک وضو پر کوئی اثر ہی نہیں پڑتا مثلاً: زخم سے خون نکل کر بہہ جانا، ریح کا نکلنا جب کہ بو محسوس نہ ہو تو ان حضرات کے نزدیک وضو برقرار رہتا ہے، اسی طرح کپڑے پر منی کا درہم کی مقدار سے زیادہ ہونا جرابوں پر مسح کا درست ہونا وغیرہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ کرامؒ پر سب وشتم بھی کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ فاسق قرار پاتے ہیں، لہٰذا ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے حتی الامکان بچنا چاہئے لیکن اگر فتنہ وفساد پھیلنے کا اندیشہ ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ ان کے پیچھے پڑھ لے بعد میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اعادہ کرلے۔

لمافی امداد الفتاوی :(۱/ ۲۵۳،طبع دار العلوم کراچی)

ان غير المقلدين هم اصناف فمنهم من يختلف مع المقلدين في الفروع الاجتهادية -----ومنهم من يختلف معهم في الاجماعيات عند اهل السنة ----وتجويز سب اهل السلف وامثال ذلك.....فالاولى ان يقتدى بهم دفعاللفتنة ثم يعيد اخذابالاحتياط.

ولمافی الشامی:(۲/ ۳۰۳،طبع امدادیه)

فتحصل ان الاقتداء بالمخالف المراعي في الفرائض افضل من الانفراد اذالم يجد غيره والا فالاقتداء بالموافق افضل.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: راحت اللہ عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۹۳

﴿کیا صحت اقتداء کے لئے امام کا حال معلوم ہونا ضروری ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رائے ونڈ مرکز میں تقریباً

ایک ہزار طالب علم اور تقریباً تین ہزار تبلیغی حضرات مقیم تھے اس کے علاوہ اوسطاً دو ہزار یا چار پانچ ہزار کا مجمع مسافر رہتا ہے، عرض یہ ہے کہ اگر کسی مسافر سے امام کے ساتھ پہلی جماعت فوت ہو گئی اور دوسری جماعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھے اور امام صاحب کے بارے میں علم نہ ہو کہ مسافر ہیں یا مقیم تو کیا لاعلمی کے اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر اقتداء صحیح ہے تو یہ مسافر مقتدی جس کو امام کے ساتھ ایک رکعت ملی ہو پوری نماز پڑھے یا قصر کرے؟

﴿الجواب﴾ اقتداء صحیح ہونے کے لئے امام کا حال معلوم ہونا ضروری ہے کہ امام مسافر ہے یا مقیم، تاہم نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اگر معلوم ہو جائے کہ امام مسافر ہے یا مقیم اور مقتدی مسبوق نے اس کے مطابق نماز پوری کی ہو تو اس سے بھی نماز صحیح ہو جائیگی، امام مسافر ہو تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد اعلان کرنا چاہئے کہ ہم مسافر لوگ ہیں اگر کوئی مقیم ہے تو وہ اپنی نماز پوری کرے۔

تبلیغی مرکز میں مسافروں کا مجمع غالب رہتا ہے زیادہ تر دوسری جماعت ایسے ہی لوگ ادا کرتے ہیں وہاں کے مقیم لوگ پہلی جماعت میں حاضری کا اہتمام کرتے ہیں اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ بعد میں جماعت ادا کرنے والا مسافر ہی ہوگا اس ظاہری حال سے استدلال کرتے ہوئے مسافر نمازی کو چاہیے کہ وہ بھی سفر کی نماز پوری کرے، البتہ بعد میں اگر اس کے خلاف معلوم ہوا تو نماز لوٹانا واجب ہوگا۔

لما فی البحر: (۲/ ۱۴۶) باب صلاۃ المسافر، طبع سعید)

ویستحب ان یقول ذلک (اتموا صلاتکم فانا قوم سفر) بعد السلام کل مسافر صلی بمقیم لاحتمال ان خلفه من لا یعرف حاله ولا یتیسر له الاجتماع قبل ذهابه فیحکم بفساد صلاۃ نفسه بناء علی ظن اقامة الامام ثم افساده بسلامه علی راس الرکعتین وهذا محمل ما فی الفتاوی اذا اقتدی بالامام لا یدری امسافر هو ام مقیم لا یصح لان العلم بحال الامام شرط الاداء بجماعة اه لا انه شرط فی الابتداء.

لما فی المبسوط: (۲/ ۱۴۵) طبع دار المعرفة بیروت)

لان الظاهر من حال من فی موضع الاقامة انه مقیم والبناء علی الظاهر واجب حتی یتبین خلافه فان سافروا فاخبرهم انه مسافر جازت صلاتهم۔ وفی القنیة وان کان خارج المصر لا تفسد ویجوز الاخذ بالظاهر فی مثله.

ولما فی العنایة علی هامش فتح القدیر:(۲/۱۴ طبع رشیدیه)

واما اذا علموا بعد الصلوة بحال الامام جازت صلاتهم وان لم یعلموا بحاله وقت الاقتداء و بهذا یعلم حاله فی الآخرة بقوله.

ولما فی الدر المختار:(۲/۱۱ طبع امدادیه)

(وندب للامام)هذا یخالف الخانیة وغیرها ان العلم بحال الامام شرط لکن فی حاشیة الهدایة للهندی:الشرط العلم بحال الامام فی الجملة لا فی حال الابتداء وفی الشامیة:وحاصله تسلیم اشتراط العلم بحال الامام ولکن لا یلزم کونه فی الابتداء ...... والبناء علی الظاهر واجب حتی یتبین خلافه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر:۸۷۹

﴿تعلیماً نابالغ حافظ کی اقتداء کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نابالغ حافظ قرآن کریم پختہ کرنے کیلئے نوافل میں سنائے اور بالغ حافظ اسکی اقتداء کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ نابالغ حافظ کی اقتداء نوافل میں بھی درست نہیں ہے، البتہ اگر وہ اپنا قرآن پختہ کرنے اور تراویح کی عادت ڈالنے کیلئے نوافل میں قرآن مجید سنائے تو لقمہ دینے کیلئے ایک حافظ ہو اور اگر ایک کافی نہ ہو تو دو حافظ تعلیماً اقتداء کر سکتے ہیں البتہ فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے اقتداء جائز نہ ہوگی۔(فتاویٰ رحیمیہ ۴/۱۸۷)

لما فی المبسوط:(۱/۱۸۰،طبع دار المعرفة بیروت)

واما الاقتداء بالصبی فی التطوع فقد جوز محمد بن مقاتل الرازی للحاجة الیه والاصح عندنا لا یجوز لان نفل الصبی لا یلزمه للقضاء بالافساد وبناء القوی علی الضعیف لا یجوز کیف وقد قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والصبی لا یصلح ضامنا للنفس فکیف یصح منه الضمان لصلاة المقتدی

وکذا فی الهندیة:(۱/۸۵ رشیدیه)وکذا فی کبیری:(۵۱۶ سهیل اکیڈمی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:ریاض الرحمٰن

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۱۶۰۷

﴿امام کے پیچھے اقتداء کب تک جائز ہے؟﴾

﴿سوال﴾ الی متی یصح الاقتداء فاذا سلم الامام بالتسلیمۃ واحدۃ فاقتدی بہ احد فھل یصح اقتداءہ ام لا؟

﴿جواب﴾ لا یصح الاقتداء بعد التسلیمۃ الاولی لان بھا یحصل التحلیل الا اذا سلم من علیہ السھو فاقتدی بہ احد فان سجد للسھو یصح اقتداءہ بہ والا فلا.

لما فی حلبی کبیری:(ص۴۷۵،طبع سہیل اکیڈمی)

ویبتنی علی ھذا مسائل منھا انہ لو اقتدی بہ احد بعد السلام یصح اقتداءہ مطلقا عند محمدؒ وعندھما ان سجد للسھو صح والا فلا.

ولما فی الھندیۃ:(۱/۱۲۹،طبع رشیدیہ)

ان سلم بنیۃ القطع من وجب علیہ السھو فھو فی الصلاۃ ان سجد للسھو والا لا عندھما وھو الاصح عند محمدؒ وزفرؒ ھو فیھا وان لم یسجد فبعد السلام ان اقتدی بہ رجل صح عند محمدؒ مطلقا وعندھما صح ان سجد للسھو.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: معراج الدین لطرلہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۳۴۴

﴿جو شخص امام کو رکوع میں پائے اس کے لئے دو تکبیریں کہنا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص امام کو رکوع میں پائے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر سیدھا رکوع میں چلا جائے یا تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع کیلئے دوسری تکبیر کہنا بھی ضروری ہے؟ بینوا توجروا　　　　مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ جو شخص امام کو رکوع میں پائے اس کے لئے رکوع میں جانے کے لئے الگ تکبیر کہنا ضروری نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ ہی کافی ہے البتہ تکبیر تحریمہ کا کھڑے ہو کر کہنا ضروری ہے۔

لما فی حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی:(ص:۲۵۶، طبع قدیمی)

(ولا یشترط تکبیرتان للاحرام والرکوع) الذی فی الفتح ومدرک الامام فی الرکوع لا یحتاج الی تکبیرتین خلافاً لبعضھم اھ وھی اولی من عبارۃ المصنف، وابن امیر حاج عن التتمۃ والخانیۃ والمحیط ھذا بخلاف مدرکہ فی السجود او القعود فانہ

یکبر للافتتاح، والاخری للانحطاط ولعل وجهه قربة فی الاول من الرکوع لما غنت تکبیرة الافتتاح التی فی القیام عن تکبیرة ما قرب منه ولا کذالک التکبیرة مالانحطاط المذکور.

لما فی البحر الرائق:(۲/۷۶،۷۷ طبع سعید)

وفی فتح القدیر ومدرک الامام فی الرکوع تکبیرتین خلافاً لبعضهم ولونویٰ بتلک التکبیرة الواحدة الرکوع لاالافتتاح جاز ولغت نیته .

ولما فی الخانیة :(۸۳/۱ طبع : قدیمی)

وکذالک لوأدرک الامام فی الرکوع فقال الله اکبرالاان قوله الله کان فی قیامه وقوله اکبرفی رکوعه لایکون شارعاً فی الصلاة .

ولما فی حاشیة الطحطاوی:(ص:۲۱۸،طبع :قدیمی)

والثانی من شروط صحة التحریمة الاتیان بالتحریمة قائماً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفرلہ ولوالدیہ

٦ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷٦۷

﴿امام کا آنے والے کیلئے قراءت یا رکوع کو لمبا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام نے نماز میں قراءت یا رکوع کو لمبا کیا تا کہ آنے والا شخص رکعت کو پالے تو اس نماز کا کیا حکم ہیں؟ مستفتی: محمد عظیم

﴿جواب﴾ بعد میں آنے والے نمازی کیلئے قراءت یا رکوع کو لمبا کرنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ ہیکہ اگر امام آنے والے کو پہچانتا ہو اور اس کی رعایت کرتے ہوئے قراءت یا رکوع کو لمبا کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس میں رضائے الٰہی نہیں ہے بلکہ آنے والے کی رضا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ امام آنے والے کو پہچانتا نہیں تو اس صورت میں گنجائش ہے لیکن اس قدر لمبا نہ کرے کہ باقی مقتدیوں پر دشوار گزرے مثلا: معتاد تسبیح پر ایک یا دو تسبیح زیادہ کرلے لیکن ترک طوالت بہر صورت بہتر ہے۔

لما فی الدر مع الرد:(۱/۴۹۴-۴۹۵،طبع سعید)

وکره تحریما اطالة رکوع اوقراءة لادراک الجائی وفی شرحه :ای ان عرفه والافلا باس به ولواراد التقرب الی الله تعالی لم یکره اتفاقالکنه نادروتسمی مسئلة الریاءفینبغی

التحرز عنها(قوله والافلاباس) اى وان لم يعرفه فلاباس به لانه اعانة على الطاعة لكن يطول مقدار مالايثقل على القوم بان يزيد تسبيحه او تسبيحتين على المعتاد ولفظة لاباس تفيد فى الغالب ان تركه افضل وينبغى ان يكون هنا كذلك فان فعل العبادة للأمر فيه شبهة عدم اخلاصها لله تعالى لاشك ان تركه افضل لقوله عليه السلام دع ما يريبك الى ما لا يريبك ولانه وان كان اعانة على ادراك الركعة ففيه اعانة على التكاسل.

ولما فى حلبى كبير:(ص۲۱۷مطبع سهيل اكيڈمی)

ولو أطال الامام الركوع لا دراك الجائى الركوع لا تقربا اى لم يطل الركوع لاجل التقرب به لله تعالىٰ فهو اى ذلك مكروه كراهة تحريم واكثر العلماء حملوا الكراهة وكذا المروى علىٰ ما اذا كان الامام يعرف الجائى بعينه اما اذا كان لايعرفه فقد قالوا لابأس به لانه اعانة على الطاعة لكن يطول مقدار مالايثقل على القوم بان يزيد تسبيحة او تسبيحتين على المعتاد لان الزيادة علىٰ ذلك سبب للتنفير وعلىٰ هذا لو طول القرأة فى الركعة الاولىٰ ليدرك الناس تلك الركعة لابأس به اذا كان مقدارما لايثقل الىٰ أخره.

ولما فى الهندية:(۱/۱۰۸ مطبع رشيديه)

اذا سمع الامام حس جاء وهو فى الركوع فطول ليدرك الجائى فان عرف الذى يجيئ يكره وان كان لايعرفه لابأس بذلك مقدار تسبيحة او تسبيحتين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۳ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۵۳

﴿شیعہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شیعہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: خلیل اللہ دیروی

﴿جواب﴾ جو آدمی حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا منکر ہو یا قرآن مجید کے بارے میں کمی کا عقیدہ رکھتا ہو یا حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگاتا ہو تو ایسا شخص خواہ جس فرقہ سے تعلق رکھتا ہو دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس لیے کہ ان تمام باتوں سے قرآن کریم کا انکار لازم آتا ہے، نیز یہ تمام باتیں دین اسلام کی بنیادی اصول سے انحراف کو مستلزم ہیں، لہٰذا ایسے شخص کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی، البتہ جس کا عقیدہ صرف حضرت علیؓ کی افضلیت کا ہو یعنی حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت دے رہا ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ

تحریمی ہے، اگر کوئی اور امام نہ ہو تو تفضیلی کی اقتداء میں نماز جائز ہوگی کراہت کے ساتھ۔

لمافی الشامیة:(۲/۲۲۷،طبع سعید)

ولا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن ونقل فی البزازیة عن الخلاصة ان الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما فهو کافر وان کان یفضل علیا علیهما فهو مبتدع.

ولمافی التنویر مع الدر:(۱/۵۶۰،طبع سعید)

او مبتدع:ای ...... وخلف صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ لا بمعاندة بل بنوع شبهة وکل من کان من قبلتنا لا یکفر بها.

لمافی الهندیة:(۱/۸۴،طبع رشیدیه)

تجوز الصلاة خلف صاحب هوی وبدعة ولا تجوز خلف الرافضی والجهمی والقدری والمشبهة ومن یقول بخلق القرآن وحاصله ان کان هوی لا یکفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع الکراهة والا فلا ...... وهو الصحیح ...... ولو صلی خلف مبتدع فاسق فهو محرز ثواب الجماعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۱۴۲۹ھ　　　فتوی نمبر:

﴿حکم الصلاة خلف من یتعلق بالفرقة البریلویة﴾

﴿سوال﴾ ماذا یقول علماء الحق ومتبعی السنة فی من یصلی خلف امام یتعلق بالفرقة البریلویة ؟بینوا بیانا شافیا وتوجروا اجرا وافیا.

﴿جواب﴾ الصلاة خلف اهل الهوی افضل من ادائها فرادا مالم یبلغوا فی هواهم الی حد الشرک لان صحة الصلاة مبنیة علی وجود الاهلیة مع اداء الشرائط والارکان ولحدیث(صلوا خلف کل بر وفاجر) فمن بلغ منهم فی هواه الی حد الشرک ولم یکن لتاویل کلامه مجال فلا تجوز الصلاة خلفه لکفره لا لهواه نعم هذه الفرقة وان لم یحکم بکفرهم لکن لاشک فی کونهم من اهل البدعة والصلاة خلف المبتدع مکروه ذکره العلماء فمن کان له بد فلیصلی خلف عالم تقی لینال ثواب الجماعة مع ثواب الصلاة خلف الامام التقی وفی الحدیث (ان سرکم ان یقبل الله صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم).

لمافی البحر الرائق:(۳۲۹/۱،طبع سعید)

فالحاصل انه يكره لهؤلاء التقدم ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزهية فان امكن الصلاة خلف غيرهم فهو الافضل والا فالاقتداء اولى من الانفراد.

ولمافی حاشیة البحر للشامی:(۳۲۹/۱ طبع سعید)

(قوله: فالحاصل انه يكره)قال الرملي:ذكر الحلبي في شرح المنية ان كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة تحريم واما العبد والاعرابي وولد الزنا والاعمى فالكراهة فيهم دون الكراهة عنهما ولا يخفى ان ماهنا ارجح لما تقدم من الدليل تأمل.

ولمافی الدر مع الرد:(۵۵۹/۱-۵۶۰،طبع سعید)

(ويكره)تنزيها(امامة عبد وفاسق ومبتدع وقال الشامي تحت هذه العبارة:فيكره لهم التقدم ويكره الاقتداء بهم تنزيها فان امكن الصلاة خلف غيرهم فهو افضل والا فالاقتداء اولى من الانفراد(وقال بعد الصفحة عند تشريح الفاسق)فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال بل مشى في شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لماذكرنا ولذا لم تجز الصلاة خلفه اصلا عند مالك ورواية عن احمد.

ولمافی شرح المنية:(۵۱۲-۵۱۳،طبع سهيل اكيڈمی)

وفيها اشارة الى انهم لو قدموا فاسقا يأثمون بناءا على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور الدينية(وقال بعد الصفحة)ويكره تقديم المبتدع ايضا لانه فاسق من حيث الاعتقاد وهو اشد من الفاسق من حيث العمل.

ولمافی البحر الرائق:(۳۲۹/۱،طبع سعید)

لقوله عليه السلام(من صلى خلف عالم تقي فكانما صلى خلف نبي)قال ابن امير الحاج ولم يجده المخرجون نعم اخرج الحاكم في مستدركه مرفوعا(ان سركم ان يقبل الله صلاتكم فليؤمكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم).

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:معراج الدین غفرلہ

۱۲محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۱۰۱

﴿تراویح میں قریب البلوغ لڑکے کی امامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس لڑکے کی عمر چودہ (۱۴) سال ہے ابھی تک بالغ نہیں لیکن قریب البلوغ ہے تو اسکو تراویح میں امام بنانا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ لڑکے کے بلوغ کیلئے علامات بلوغ کا ظاہر ہونا ضروری ہے یا یہ کہ عمر پندرہ

(۱۵) سال تک پہنچ جائے تو پھر اگرچہ علامات بلوغ موجود نہ ہوں لیکن یہ بالغ شمار ہوگا اور اس پر بالغوں کے احکامات جاری ہونگے اس لڑکے کی عمر پندرہ سال نہیں ہے اور بلوغ کی علامات بھی ظاہر نہیں ہیں تو اسکی امامت تراویح اور دوسرے نوافل میں بھی درست نہیں ہے، اسلئے کہ ان کے اور بالغین کے نوافل میں فرق ہے نابالغ کے اوپر نفل نماز کو فاسد کرنے سے قضاء لازم نہیں ہوتی بخلاف بالغ کے کہ اس پر نفل نماز کو فاسد کرنے سے قضاء لازم ہوگی۔

لمافی الدر المختار:(۱۵۳/۶،طبع سعید)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال)والاصل هوالانزال.....(فان لم يوجد فيهما)شيئ (فحتىٰ يتم منهما خمس عشرة سنة به يفتىٰ) اھ.

ولما فی الهندية:(۸۵/۱،طبع رشيديه)

وامامة الصبي المراهق لصبيان مثله يجوز كذافي الخلاصة وعلىٰ قول ائمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان في التراويح والسنن المطلقة كذافي فتاوىٰ قاضيخان المختار انه لايجوزفي الصلوٰة كلهاكذافي الهداية وهوالاصح هكذافي المحيط وهوقول العامة وهوظاهرالرواية.

ولما فی الدر المختار:(۳۲۱/۲-۳۲۲،طبع امداديه)

(ولايصح اقتداء رجل بامرأة)وخنثى(وصبي مطلقا)ولو في جنازة ونفل على الاصح قال صاحب رد المحتار:قوله:(ونفل على الاصح)قال في الهداية وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ ولم يجوزه مشائخنا.....والمختارانه لايجوزفي الصلوة كلها.

ولما فی حلبی کبیر:(ص ۵۱٦،طبع سهيل اكيڈمی)

ولا يصح اقتداء البالغ غير البالغ في الفروض وغيره وهو الصحيح لان صلوٰة البالغ اقوىٰ للزومها ولا يجوز بناء القوى على الضعيف وهو اصلٌ يخرج عليه كثير من المسائل.

واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی — الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۱۱۱۳ — ۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

﴿داڑھی کٹانے یا منڈانے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی داڑھی کٹانے یا

منڈانے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ نیز نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ مدلل جواب مطلوب ہے بینوا توجروا۔
مستفتی: محمد ساجد ابوبکر مسجد ڈیفنس

﴿جواب﴾ ایک مشت داڑھی رکھنا ضروری ہے، اس سے کم رکھنا یا منڈانا ناجائز وحرام ہے ایسا کرنے والا گنہگار اور فاسق ہے اور ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے اگر اتفاقاً ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تو نماز درست ہوجائے گی اور اس کا اعادہ ضروری نہیں اور انفرادی نماز پڑھنے سے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے۔

لما جاء في الحديث:

قال النبي صلى الله عليه وسلم: صلوا خلف كل برّ و فاجر.

ولما في الدر المختار: (۲/۲۹۷-۲۹۸، طبع امداديه)

لا يكره دهن شارب...... أو تطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة۔

واما الاخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد و أخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم.

ولما في رد المحتار: (۲/۲۹۹، طبع امداديه)

واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه با نه لا يهتم لامر دينه و بان في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعا.

ولما في الدر مع الرد: (۲/۳۰۱، طبع امداديه)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة.

وفي الشامية: (نال فضل الجماعة) افاد ان الصلاة خلفهما اولى من الانفراد لكن لا ينال خلف تقي ورع.

الجواب صحيح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
فتویٰ نمبر: ۱۳۳۰

﴿نماز سفر کے متعلق ایک سوال﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم اس نو محرم الحرام کو سہ روزہ کی جماعت میں ٹھٹھہ کیطرف ایک گاؤں میں کراچی کورنگی سے جارہے تھے کہ قائد آباد کراچی میں ہوتے ہوئے ظہر کی اذان ہوگئی لیکن ہم نے نماز کراچی کے حدود سے باہر تقریباً ایک گھنٹہ سفر

کرنے کے بعد جماعت کیساتھ پوری پڑھ لی امام ہمارا ہی ساتھی بنا تھا، پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں پوری نماز پڑھنا واجب تھا یا قصر کر کے؟
مستفتی: محمد علی صاحب کورنگی

﴿جواب﴾ ٹھٹھہ کراچی سے چونکہ ۴۸ میل سے زیادہ مسافت پر ہے اس لئے آپ لوگوں پر فرض کی دو رکعت پڑھنا واجب تھی کیونکہ نماز کے آخر وقت میں آدمی جس حال پر ہوتا ہے اسی حالت کا اعتبار کر کے وہی نماز اداء کرنی ضروری ہوتی ہے، لہذا آپ لوگ جب نماز کے آخری وقت میں مسافر تھے تو سفر کی نماز پڑھنی واجب تھی۔

لمافی الدر المختار:(۱۳۱/۲،طبع سعید)

(والمعتبر فی تغیر الفرض اخر الوقت)وهو قدر مایسع التحریمة (فان كان)المكلف (فی اخره مسافرا وجب رکعتان والا فاربع)لانه المعتبر فی السببية عندعدم الاداء قبله.

ولمافی فتاوی قاضیخان:(۱۵۰/۱،طبع قدیمی)

اذاکان الرجل مقیما فی اول الوقت فلم یصل حتی سافر فی اخرالوقت کان علیه صلوة السفر وان لم يبق من الوقت الا قدر مایسع فیه بعض الصلوة الایری انه لو مات او اغمی علیه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۱صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　فتوی نمبر: ۲۸۴۳

﴿مسافر امام بجائے دو کے چار رکعت پڑھائے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسافر امام نے مقیمین کو چار رکعت پڑھائی، ایسی صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں امام نے قصداً اگر چار رکعتیں پڑھائی ہیں جبکہ مسافر ہونے کی وجہ سے اس پر قصر لازم تھا تو ایسی صورت میں امام کی نماز واجب الاعادہ ہے۔

لما فی الهداية:(۱۶۶/۱،طبع رحمانیه)

وفرض المسا فر فی الربا عیة رکعتان لا یزید علیهما وان صلی ار بعاوقعد فی الثانیة قدر التشهد اجزأته الاولیا ن عن الفرض والاخر یان نافلة اعتبارًا بالفجر ویصیر مسیئا لتاخیر السلام......الخ.

اقتداء کرنے والوں کو اس کے مسافر ہونیکا علم تھا اس لئے آخری دو رکعتوں میں اس کی اقتداء نہیں کی خواہ صورۃً اقتداء نظر آ رہی تھی تو ایسی صورت میں مقتدیوں کی نماز درست ہوگئی ہے واجب الاعادہ نہیں ہے۔

لما في الدر المختار مع رد المحتار: (۲/۶۱۱-۶۱۲، طبع امدادیه)

ولو نوى الاقامة لا لتحقيقها بل ليتم صلاة المقيمين لم يصر مقيما (قوله ولم يصر مقيما) فلو اتم المقيمون صلاتهم معه فسدت لانه اقتداء المفترض خلف المتنفل "ظهيرية" أي اذا قصدوا متابعته لما لو نووا مفارقته ووافقوه صورة فلا فساد، أفاده الخير الرملي.

اور اگر امام کے مسافر ہونے کا علم نہیں تھا یا ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا بہر حال آخری دو رکعت بھی باقاعدہ امام کی متابعت میں اداء کی ہیں تو ان کی نماز فاسد ہے اور واجب الاعادہ ہے۔

لما في التاتارخانية: (۲/۲۲ طبع قدیمی)

رجل صلى بقوم الظهر ركعتين في مدينة و في "السغناقي" أو في قرية ولا يدرون أمسافر أو مقيم فصلاتهم فاسد سواء كانوا مقيمين أو مسافرين.

اور اگر امام نے بھولے سے چار پڑھائی ہیں تو سجدہ سہو سے ان کی نماز درست ہو سکتی تھی البتہ مقتدیوں کی نماز ہر دو صورتوں میں واجب الاعادہ ہوگی۔

لما في الفقه الاسلامي: (۲/۳۲۱ طبع رشیدیه)

ويستحب للمسافر الامام ان يقول عقب التسلمتين أتموا صلاتكم فاني مسافر لدفع توهم انه سها ولئلا يشتبه على الجاهل عدد ركعات الصلاة فيظن ان الرباعية ركعتان---- اذ اقام الامام للاتمام سهوا أو جهلا بعد نية القصر سبح له المأموم بان يقول: "سبحان الله" فان رجع سجد للسهو وان لم يرجع فلا يتبعه بل يجلس حتى يسلم امامه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۰۷

﴿ایسی کرسی موجود ہو جس سے صف سیدھی رہتی ہے تو بڑی کرسی کا استعمال منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل مسجد کی صفوں میں کرسیاں رکھ کر نماز پڑھی جاتی ہے ان میں نمازی صفوں سے قدرے آگے نکل جاتے ہیں لیکن

ایسی کرسیاں بھی بازار میں موجود ہیں جو ان موجودہ کرسیوں کی بنسبت جگہ بھی کم لیتی ہیں ان میں آدمی بآسانی تسویۃ الصفوف ''صفوں کی برابری'' کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھ سکتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں ان کرسیوں پر نماز پڑھنا چاہیے یا موجودہ کرسیوں پر ہی نماز پڑھی جائے گی؟ جس میں تسویۃ الصفوف پر خاطر خواہ عمل نہیں ہوسکتا، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت صرف عذر کی بناء پر دی گئی ہے اور کرسیوں پر بیٹھنے کی صورت میں صفوں سے قدرے آگے نکل جانا بھی مجبوری وعذر کی بناء پر ہوتا ہے اسلئے تسویۃ الصفوف ''صفوں کی برابری'' کے منافی ہوتے ہوئے بھی گنجائش ہے لیکن اب اگر ایسی کرسیاں آگئی ہیں جن میں تسویۃ الصفوف کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز بآسانی پڑھی جاسکتی ہے اور اس قسم کی کرسیاں موقع پر مسجد میں موجود بھی ہوں تو انہی کرسیوں کو استعمال کرنا ضروری ہوگا بلا وجہ خلاف کرنے کی صورت میں نماز مکروہ ہوگی، موقع پر موجود نہ ہوں لیکن مہیا کرنا کوئی مشکل بھی نہ ہو تو نمازیوں کو چاہیے کہ ایسی ہی کرسیوں کا انتظام کرلیں تاکہ ان کی ضرورت پوری ہو اور صفیں بھی سیدھی رہیں۔

لمافی الاشباہ والنظائر:(ص ۱۴ طبع قدیمی)

ما ابیح للضرورۃ یتقدر بقدرھا و یقرب منھا ما جاز بعذر بطل بزوالہ.

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۳/ ۱۵۷، طبع رشیدیہ)

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رصّوا صفوفکم وقاربوا بینھما وحاذوا بالاعناق فو الذی نفسی بیدہ انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانھا الخذف قال العلامۃ الملاعلی القاریؒ تحت ھذا الحدیث وقاربوا بینھما:ای بین الصفوف......والظاھران محلہ حیث لاعذر کحرأوبرد شدید.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی

۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۳۸

﴿مسجد کی صف میں کرسی رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) آجکل مساجد میں کرسیوں پر نماز پڑھنے کا رجحان کچھ زیادہ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، کیا بغیر عذر کے کرسی پر نماز پڑھنا

جائز ہے یا جائز نہیں ہے؟ عذر کے لئے معیار ہے یا نہیں؟ (۲) کرسی پر نماز جائز ہونے کی صورت میں ٹیبل پر سجدہ ضروری ہے یا اشارہ سے نماز ہوجائے گی؟ (۳) ایک شخص ٹیبل پر سجدہ کرسکتا ہے لیکن مسجد میں تنگی کی وجہ سے ناممکن ہے، کیا یہ شخص جماعت چھوڑ کر گھر ہی میں ٹیبل پر سجدہ کا اہتمام کرلے یا مسجد میں اشارہ پر اکتفاء کرتا رہے؟ (۴) کرسی پر نماز پڑھنے کی صورت میں آدمی صف سے کچھ آگے نکل جاتا ہے اور کرسی کو پیچھے کرنے کی وجہ سے پیچھے کی صف میں نمازی لوگوں کے لئے سجدہ کی جگہ نہیں رہتی ایسا شخص کیا طریقہ اختیار کرے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) قیام، رکوع، سجود نماز کے ارکان میں سے ہیں ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور انکی اصلی ہیئت وصورت کا لحاظ رکھنا بھی فرائض میں سے ہے۔

لما فی حلبی کبیر: (ص۲۵۶، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اما فرائض الصلاۃ: ای ارکانها التی توجد ماهیتها بمجموعها فثمان، فرائض منها ست علی الوفاق...... وهی الفرائض المتفق علیها تکبیرۃ الافتتاح...... والقیام و القراءۃ والرکوع والسجود والقعدۃ الاخیرۃ.

ولما فی الشامیۃ فی بحث السجود والرکوع: (۱۳۲/۲ طبع امدادیہ)

وفی شرح المنیۃ: هو طأطأۃ الراس ای خفضه لکن مع انحناء الظهر...... واما کماله فبانحناء الصلب حتی یستوی الراس بالعجز وهو حد الاعتدال فیه...... ومنها السجود هو لغۃ الخضوع...... وفی البحر حقیقۃ السجود وضع بعض الوجه علی الارض مما لا سخریۃ فیه.

بغیر کسی عذر کے رکوع یا سجدہ اشارہ سے ادا کیا تو نماز نہیں ہوگی، ہاں عذر کی وجہ سے ہو تو جائز ہے، عذر کے لئے معیار یہ ہے کہ نمازی اصلی ہیئت وصورت کیساتھ سجدہ ورکوع کرنے پر قادر نہ ہو یا اس ہیئت پر ادا کرنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو ایسی صورت میں رکوع، سجدہ اشارہ سے ادا کرنا جائز ہے سامنے ٹیبل وغیرہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔

لما فی حلبی کبیر ایضا: (ص ۲۶۱-۲۶۲، طبع سہیل اکیڈمی)

وان عجز المریض عن القیام عجز حقیقیا او حکما کما اذا قدر حقیقۃ لکن یخاف بسببه زیادۃ مرض او بطوء برء، أو یجد الما شدیدا یصلی قاعدا أو یسجد...... فان لم یستطع الرکوع والسجود قاعدا ایضا أومی ایماء براسه لهما ایماء وجعل السجود أخفض من الرکوع ولا یرفع الی وجهه شیأ یسجد علیه عن وسادۃ أو غیرها.

یہ بھی واضح رہے کہ جو شخص سجدہ اصلی ہیئت کے ساتھ زمین پر نہ کرسکتا ہو تو اس کے ذمہ قیام بھی باقی نہیں رہتا اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا خواہ وہ قیام پر قادر ہو جائز ہے۔

لمافی حلبی کبیر ایضا:(ص۲۶۶،طبع سهيل اكيڈمى)

وذكر في الذخيرة انه اذا قدر على القيام والركوع دون السجود يعني يقدر أن يقوم واذا قام يقدر ان يركع ولكن لا يقدر أن يسجد لم يلزمه القيام وعليه أن يصلي قاعدا بالايماء.

(۲) ایسا شخص جماعت کے ساتھ رکوع، سجدہ اشارہ سے ادا کرتا ہے ٹیبل سامنے رکھ کر اس پر سجدہ کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اسکو نماز کی حالت میں تکیہ پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے تکیہ اٹھا کر پھینک دیا اس آدمی نے لکڑی اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے لکڑی کو بھی پھینک دیا اور فرمایا: آپ اصلی ہیئت کے ساتھ زمین پر سجدہ کرسکتے ہیں تو ایسا ہی کریں نہیں کرسکتے تو اشارہ سے نماز پڑھتے رہیں اور سجدہ کے لئے نسبتا رکوع سے کچھ زیادہ جھکا کریں۔

لمافی حاشية الطحطاوى:(ص۲۳۵،طبع قديمى)

وكذالو عجز عن السجود و قدر على الركوع يومى بهما لان النبى ﷺ عاد مريضا فراه يصلى على وسادة فأخذ ها فرمى بها فاخذ عودا ليصلى عليه فرمى به وقال صل على الارض ان استطعت والا فاوم ايماء واجعل سجودك اخفض من ركوعك.

ولمافی اعلاء السنن:(۷/ ۱۹۸،مطبوعه دارالكتب العلميه بيروت)

عن جابر بن عبد اللهؓ قال، عاد رسول الله ﷺ مريضا وانا معه فراه يصلى ويسجد على وسادة فنهاه وقال ان استطعت ان تسجد على الارض فاسجد والا فاوم ايماء و اجعل السجود اخفض من الركوع.

ولمافی سنن ابی داود:(۱/۱۳۶،مطبوعه امداديه ملتان)

عن ابن عباسؓ عن النبى ﷺ قال امرت وربما قال حماد امرنبيكم ان يسجد على سبعة آراب،......عن ابن عباسؓ بن عبد المطلب انه سمع رسول الله ﷺ يقول اذ اسجد العبد وسجد معه سبعة آراب وجهه وكفاه وركبتاه وقد ماه.

(۳) اگر قیام پر قادر نہ ہو یا سجدہ اصلی ہیئت کے ساتھ زمین پر نہ کرسکتا ہو تو ایسے شخص کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا اہتمام کرے اگر چہ کرسی پر بیٹھ کر پڑھنے کی بھی گنجائش ہے، مجبوری کی وجہ سے کرسی پر نماز پڑھنے کی صورت میں صف میں سے آگے نکلنے کی وجہ

سے نماز بلا کراہت جائز ہو جائے گی، کرسی پیچھے کی صف میں رکھنے کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کو پریشانی کا اندیشہ ہو تو ایسا نہ کرے، پہلی صورت اختیار کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے چونکہ اس نمازی کا صفوں سے تھوڑا سا آگے نکل جانا عذر کی بناء پر ہے، اس لئے اس کی نماز بلا کراہت جائز ہو جائے گی۔

لمافي مرقاة المفاتيح:(۳/ ۱۵۷ مطبوعه رشيديه كوئٹه)

عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رصوا صفوفكم وقاربوا بينهما وحاذوا بالاعناق فو الذي نفسي بيده انى لارى الشيطان يدخل من خلل الصف كانها الحذف۔ قال الملا على القارى تحت هذا الحديث وقاربوا بينهما أى بين الصفوف...... والظاهر أن محله حيث لا عذر كحر أو برد شديد.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۱ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۸۷

﴿حافظات کیلئے تراویح کی جماعت کرانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی حافظہ ہے قرآن پختہ کرنے کی غرض سے اگر نوافل میں سنا کروں تو کیا حکم ہے؟ اور اگر صرف عورتوں کو سنائے تو کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ عورت کی اقتداء میں مرد کی نماز درست نہیں یعنی مرد کی نماز عورت کے پیچھے نہیں ہوتی

لمافي شرح الوقاية:(ص۱۷۶ طبع امداديه)

لا صلاة رجل بامرءة او صبى أن الواجب تاخيرهن بالنص عن ابن مسعود انه قال اخروهن من حيث اخرهن الله.

حافظہ کو اگر قرآن بھولنے کا اندیشہ ہو اور قرآن پختہ کرنے کی غرض سے کسی حافظہ کو سناتی ہو تو اس کی گنجائش فقہاء کرام نے دی ہے کہ تداعی کے بغیر اپنے گھر کی عورتوں کو باقاعدہ تراویح کو بھی مستحسن قرار دیا گیا ہے، چنانچہ خیر الفتاوی میں ہے: پہلے زمانہ میں عورتیں مساجد میں آتی تھیں اس کا شریعت نے انسداد یعنی بند کیا بعض مواضع میں مکروہ تنزیہی کا خلاف اولی ہوتا ہے، رمضان المبارک کا مہینہ تلاوت کا مہینہ ہے بالخصوص حافظوں کے لئے ضروری ہے، اسی مصلحت کے لئے اس کو مستحب قرار دیا جائے گا، چنانچہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا امامت کرانا ثابت ہے۔ (خیر الفتاوی:۲/ ۵۲۳، طبع امدادیہ)

مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے مجموعۃ الفتاوی میں لکھا ہے: کہ اکثر حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے مگر کوئی معتد بہ دلیل کراہت پر پائی نہیں جاتی اور جو دلیلیں فقہاء نے کراہت پر قائم کی ہیں وہ مخدوش ہیں، چنانچہ فتح القدیر اور بنایہ شرح ہدایہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے اور اخبار و آثار سے اس جماعت کی مشروعیت ثابت ہے جس میں عورتیں ہی عورتیں ہوں سنن ابوداود کی طویل حدیث میں ہے:

وکانت ای ام ورقة قد قرأت القرأن فاستاذنت النبی ﷺ ان تتخذ فی دارها مؤذنا فاذن لها وامرها ان تؤم اهل دارها. مجموعة الفتاوی:(۱/۲۱۲،طبع سعید).

اور محمد بن حسن نے کتاب الآثار (۱/۲۱۶-۲۱۷) میں لکھا ہے:

اخبرنا ابو حنیفه نا حماد عن ابرهیم عن عائشة انها کانت تؤم النساء فی شهر رمضان فتقوم وسطهن: عن ام سلمة انها امت النساء فتقوم وسطهن.

واضح رہے کہ حضرت اقدس مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے اس فتوی پر دیگر علماء کرام کا اتفاق نہیں البتہ حافظہ خاتون کو مذکورہ ضرورت کے پیش نظر رمضان المبارک میں تراویح کی مشروط اجازت ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۱۲۶

﴿تنہا عورتوں کا با جماعت نماز پڑھنے کا حکم؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تنہا عورتوں کا با جماعت نماز پڑھنا کیسا ہے. اگر درست نہیں تو کیا وجہ ہے بعض لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور باقاعدہ عورتوں کو با جماعت نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں تو اس کا کیا جواب ہے. نیز یہ جو کہا گیا ہے؟ کہ جب تنہا عورتیں با جماعت نماز پڑھیں تو جو عورت امامت کر رہی ہے وہ صف کے بیچ میں کھڑی ہو آگے منفرد اور نمایاں ہو کر کھڑی نہ ہو تو اس کی کیا حقیقت ہے؟ مستفتی: عارف رشید بٹ صاحب

﴿جواب﴾ تنہا عورتوں کا با جماعت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے احادیث میں عورت کے لیے گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب آئی ہے اور مسجد کے مقابلہ میں گھر کی نماز زیادہ فضیلت والی

بتائی ہے بلکہ آپ ﷺ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ عورتوں کی با جماعت نماز میں کوئی خیر نہیں؛ اور ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ وہ قوم ہرگز بامراد نہیں ہوگی جس نے عورت کو ذمہ داری سونپی۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تمہارے اہم کام عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لیے زندگی سے موت بہتر ہے۔ مان لیا ان دونوں احادیث میں اصالۃً امامت کبری مراد ہے لیکن الفاظ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے امامت صغری کو بھی شامل ہیں۔ بعض لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک آدھ بار ثابت عمل کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتوں کو پیچھے رکھو جیسا کہ اللہ تعالی نے ان کو پیچھے رکھا ہے یعنی مردوں کی طرح عورتوں کو ذمہ داری نہ دو یہ قولی حدیث ہے اور امامت کے جواز پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عملی اثر ہے اس لیے علماء کرام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل کو تعلیم پر محمول کیا ہے چونکہ دین اسلام کا نیا دور تھا مسائل کا علم خواتین کو کم تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک آدھ بار عورتوں کو نماز پڑھانا تعلیم وتعلم پر محمول کیا جا سکتا ہے اس لیے مشروط ومقید جواز ثابت ہوسکتا ہے غیر مشروط وغیر مقید جواز ثابت نہیں ہوسکتا ورنہ دیگر احادیث سے صرف نظر لازم آتا ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے لہذا حق بات یہی ہے کہ تنہا عورتوں کا با جماعت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ کوئی حافظہ قرآن خاتون گھر کی دیگر خواتین کو ختم قرآن کی غرض سے تراویح پڑھائے تاکہ قرآن مجید یاد رہے تو علماء حق عورت کی امامت کی اس طرح محدود اجازت دیتے ہیں اور ایسی صورت میں تراویح پڑھانے والی حافظہ قرآن کو صف کے درمیان میں اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ اس کے پاؤں کی ایڑھیاں مقتدی عورتوں کی ایڑھیوں سے آگے ہوں مرد امام کی طرح بالکل سامنے کھڑا ہونا منع ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔

لما في الترمذي:(۲/۵۱ فاروقي كتب خانه)

عن الحسن عن ابي بكرة قال عصمني الله بشيء سمعته من رسول الله ﷺ لما هلك كسرى قال من استخلفوا قالو ابنته فقال ﷺ لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة فلما قدمت عائشه يعني البصرة ذكرت قول رسول الله ﷺ فعصمني الله به.

وعن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا كانت أمرائكم خياركم

وأغنيائكم سمحائكم واموركم شورى بينكم فظهر الارض خير لكم من بطنها .واذا كانت أمرائكم شراركم واغنيائكم بخلائكم واموركم الى نسائكم فبطن الارض خير لكم من ظهرها .

ولما فى سنن ابى داؤد:(۱/ ۹۴طبع: رحمانيه)

عن عبدالله عن النبى ﷺقال :صلوة المرأة فى بيتها افضل من صلوتها فى حجرتها وصلوتها فى مخدعها افضل من صلوتها فى بيتها.

ولما فى اعلاء السنن:(۳/ ۲۲۶طبع:بيروت)

عن عائشة رضى الله عنها ان رسول الله ﷺ قال :لا خير فى جماعة النساء الا فى المسجد أو فى جنازة قتيل رواه احمد

ولما فى بذل المجهود:(۱/ ۳۳۱ مكتبة الشيخ)

قوله عليه السلام أخروهن من حيث أخرهن الله

ولما فى تنوير الابصاروالدر:(۱/ ۵۶۵ طبع: سعيد)

(و)يكره تحريما (جماعة النساء)ولو فى التراويح فى غير صلوة جنازة (لانها لم تشرع مكررة فلو انفردن تفوتهن بفراغ احداهن).

ولما فى الرد المحتار:(۱/ ۵۶۵ طبع: سعيد)

(قوله ويكره تحريما)صرح به فى الفتح والبحر (ولو فى التراويح)افاد ان الكراهة فى كل ما تشرع مكررة الخ قال فى الفتح واعلم ان جماعتهن لاتكره فى صلوة جنازة لانها فريضة وترك التقدم مكروه فدار الامر بين فعل المكروه لفعل الفرض او ترك الفرض لتركه فوجب الاول بخلاف جماعتهن فى غيرها .

ولما فى الهندية:(۱/ ۹۴ قديمى كتب خانه)

وتكره امامة المرأة للنساء فى الصلوات كلها من الفرائض والنوافل الا فى صلوة الجنازة وان فعلن وقفت الامام وسطهن وبقيامها وسطهن لا تزول الكراهة وان تقدمت عليهن امامهن لم تفسد صلوتهن وصلوتهن فرادى افضل.

ولمافى حاشية الطحطاوى: ص۳۰۴ قديمى كتب خانه)

(و)كره جماعة(النساء)بواحدة منهن ولا يحضرن الجماعات لما فيه من الفتنة (فان فعلن)يجب ان (يقف الامام وسطهن)مع تقدم عقبها فلو تقدمن كا لرجال أثمت وصحت الصلوة .

واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی
فتویٰ نمبر: ۳۲۰۵

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ

﴿اگلی صف پُر ہونے کی صورت میں پیچھے اکیلے کھڑا ہونا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جماعت میں ایسے وقت آیا کہ اگلی صفیں ساری مکمل تھیں، پوچھنا یہ ہے کہ وہ اکیلا کھڑا ہو جائے یا کسی کو اگلی صف سے کھینچ کر اپنے ساتھ صف میں کھڑا کرے یعنی مذکورہ صورت کے مطابق آخری صف میں اکیلا کھڑا ہونے سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: محمد حسن شاہ حسن خیل ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ اگلی صف میں سے کسی کو آہستہ سے کھینچ کر ساتھ کھڑا کر دیا جائے لیکن اس وقت عام لوگ مسائل سے ناواقف ہیں اندیشہ ہے نمازی لڑائی پر آمادہ ہو جائے گا یا حیران ہو کر نماز توڑ دیگا، اس لئے اکیلے کھڑا ہونا ہی مناسب ہے ہاں کہیں ایسا ماحول ہو جہاں کے نمازی ایسے مسائل سے واقف ہوں تو وہاں پر مذکورہ صحیح طریقہ پر عمل کرنا چاہیے اور اکیلے کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔

لمافی الشامیۃ: (۲/۳۱۲، طبع امدادیہ)

ولو صلی علی رفوف المسجدان وجد فی صحنہ مکانا کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ.

ولمافی الخلاصۃ: (۱/۱۵۷ طبع رشیدیہ)

فان صلی خلف الصفوف منفردا مختارا من غیر ضرورۃ یجوز و یکرہ وینبغی ان یجذب احدا من الصف فی المسجد أو فی الصحراء...... قال الفقیہ ابو جعفر ھذا اذا کان فی الصف فرجۃ فان لم یکن لا یکرہ ولا یجر احدا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۷۰۲

﴿مسجد کی جماعت کی فضیلت گھر میں با جماعت نماز ادا کرنے سے بہت زیادہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آصف کو کہیں سفر میں جانا ہے اور اسکو جماعت کی نماز فوت ہونے کا یقین ہے پس اس نے اپنے ساتھی عامر سے کہا کہ تم میرے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ لو، سوال یہ ہے کہ کیا عامر اس کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے جبکہ انکو کوئی عذر لاحق نہیں اور اس کیلئے مذکورہ نماز پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: محمد عظیم ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آصف کو عذر لاحق ہے، اس لئے گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی گنجائش ہے جسکی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اپنی مستورات کو نماز پڑھائے یا عامر نوافل کی نیت سے آصف کی اقتداء کرے بشرطیکہ ممنوع وقت نہ ہو اور بعد میں مسجد کی جماعت کے ساتھ اپنی فرض نماز ادا کرلیں اور اگر آصف کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی تو بھی نماز ہوجائیگی لیکن مسجد میں جماعت کے ثواب سے محروم رہیگا۔

لما فی الشامیة: (۲/۲۹۰، طبع امدادیه)

قال فی القنیة واختلف العلماء فی اقامتها فی البیت والاصح انها کاقامتها فی المسجد الا فی الافضلیة.

ولما فی حاشیة الطحطاوی: (ص۱۵۶، طبع قدیمی)

والاصح ان اقامتها فی البیت کاقامتها فی المسجد وان تفاوتت الفضیلة،.....لو صلیٰ فی بیته بزوجته اوجاریته اوولده فقد أتیٰ بفضیلة الجماعة کذا فی الشرح ولکن فضیلة المسجد أتم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالرزاق عفااللہ عنہ

۱۴ اربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۲۱۰۹

﴿دوران نماز آگے بڑھ کر اگلی صف میں خلا پر کرنے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں بعض اوقات امام صاحب کے تکبیر اولیٰ کہتے ہی نماز میں شامل ہوجاتا ہوں تو اس کے بعد میرے سامنے والی صف میں جگہ اور خلا رہ جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس خلا کو پر کرنے کیلئے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا دوران نماز آگے بڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: ارسلان خان کراچی

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں کوئی دوسرا خلا کو پر کرنے والا نہ ہو تو صرف ایک صف تک آگے بڑھنے کی گنجائش ہے آہستہ آہستہ قدم اٹھائے بغیر سیدھی سمت میں بڑھ کر خلا پر کرنا چاہیئے۔

لما فی الشامیة: (۲/۳۸۹، طبع امدادیه)

وقیل تاویله اذا مشیٰ مقدار مابین الصفین کما قالوا فی من رایٰ فرجة فی الصف الاول فمشیٰ الیها فسدها فان کان فی الصف الثانی لم تفسد صلوته وان کان فی الصف الثالث فسدت ونص فی الظهیریة علیٰ ان المختار انه اذا کثر تفسد.

ولما فی الهندیة:(۱/۱۰۳،رشیدیه)ولو مشیٰ فی صلوته مقدار صف واحد لم تفسد صلوته.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالرزاق عفااللہ عنہ

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۲۷۴

﴿بدفعلی کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک امام لواطت کے عمل میں پکڑا گیااور مقتدیوں میں یہ بات اب مشہور ہوگئی ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یانہیں؟بینواتوجروا

مستفتی:ضیاءالرحمٰن چارسدوی

﴿جواب﴾ پیش امام واقعی اس قسم کے گناہ میں اگر پکڑا گیا ہے اور مقتدیوں کے علم میں بھی یہ بات آگئی ہے تو ایسی صورت میں اسے چاہیے کہ خود استعفیٰ دیدے اور اس علاقہ میں امامت نہ کرے خواہ اب توبہ کرچکے ہوں اور متقی وپرہیزگار ہوگئے ہوں،اس لئے کہ ایسی صورت میں یہ شخص چونکہ مجرم ثابت ہوا ہے اور اسی نظر سے مقتدی لوگ اسکو دیکھیں گے،وہ خود استعفیٰ نہ دے تو انتظامیہ کو چاہیے کہ اس سے معذرت کرلے(بشرطیکہ حقیقت ہو تہمت نہ ہو)اسلئے کہ وہ امام لوگوں کی نظر میں باوقار نہیں رہا،لہٰذا اس علاقہ میں اس کی امامت مکروہ ہے۔

لمافی الدر:(۲/۲۹۷-۲۹۸،طبع امدادیه)

(ولو ام قوما وهم له کارهون ان) الکراهة(لفساد فیه أو لانهم احق بالامامة منه کره له ذلک تحریما لحدیث ابی داؤد لا یقبل الله صلوة من تقدم قوما وهم له کارهون(وان احق لا) والکراهة علیهم......(وفاسق و اعمیٰ).

وفی الشامیة:(قوله وفاسق)من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربوا ونحو ذلک کذا فی البرجندی اسمعیل......اما الفاسق فقد عللو کراهة تقدیمه لانه لا یتهم لامر دینه وبان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا ولایخفی انه اذا کان اعلم من غیره لاتزول العلة فانه لایومن ان یصلی بهم بغیر طهارة فهو کالمبتدع تکره امامته بکل حال بل مشیٰ فی شرح المنیة علیٰ ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم لما ذکرنا ولذا لم تجز الصلوة خلفه عند مالک.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عزیزالرحمٰن چارسدوی

۲۶رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۷۰۷

﴿غلط پڑھنے والے کی امامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام صاحب جو سورۃ فاتحہ میں ایاک نعبد کی جگہ ایاہ نعبد پڑھتا ہے اور ایاک نستعین کی جگہ ایاہ نستعین پڑھتا ہے اسطرح اور بھی بڑی غلطی کرتے ہیں ایسے شخص کے پیچھے قراء اور صحیح پڑھنے والوں کی موجودگی میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

مستفتی: محمد صدیق ڈیروی

﴿جواب﴾ صحیح پڑھنے والوں کی موجودگی میں ایسے شخص کی امامت جائز نہیں ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، البتہ یہ آدمی صحیح پڑھنے کی کوشش میں اگر لگا رہتا ہے تو عذر کی وجہ سے اسکی اپنی نماز صحیح ہوگی، کوشش نہ کرنے کی صورت میں اسکی اپنی نماز بھی درست نہیں ہوگی۔

لما في الدر المختار: (۱/۵۸۲، طبع سعيد)

ولا تصح صلاته اذا امكنه الاقتداء بمن يحسنه او ترك جهده او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه هذا هو المختار في حكم اللثغ،...... فما دام في التصحيح والتعلم لم يقدر عليه فصلاته جائزة وان ترك جهده فصلاته فاسدة كما في المحيط.

ولما في الحلبي الكبير: (ص۲۱۶، طبع نعمانيه)

فالحاصل ان اللثغ يجب عليهم الجدد ائما وصلاتهم جائزة ماداموا على الجهد،..... انه ان كان يجتهد آناء الليل واطراف النهار في التصحيح ولا يقدر عليه فصلاته جائزة وان ترك جهده فصلاته فاسدة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ | فتویٰ نمبر: ۲۵۱۴

﴿نوافل کی جماعت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شریعت مطہرہ میں نوافل کی جماعت کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد حارث

﴿جواب﴾ نوافل کی جماعت امام کے علاوہ صرف دو، تین مقتدیوں پر مشتمل ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اس سے زیادہ افراد کی جماعت ہو تو جائز نہیں ہے، بعض لوگ بڑے اہتمام کیساتھ صلوۃ التسبیح پڑھاتے ہیں یہ طریقہ سنت کے خلاف اور بدعت ہے۔

لما فی التنویر وشرحه:(۴۸/۲،بحث صلوة التراويح،طبع سعيد)

(ولا يصلي الوتر)لا(التطوع بجماعة خارج رمضان)أي يكره ذلك على سبيل التداعي بأن يقتدى أربعة بواحد.

وفي الشامية:(قوله:يكره ذلك)......ويمكن أن يقال:الظاهرأن الجماعة فيه غير مستحبة ،ثم ان كان ذلك احيانا كما فعل عمرؓ كان مباحا غير مكروه وان كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة لأنه خلاف المتوارث.

ولمافي التاتارخانية:(۴۸۷/۱،نوع آخرمن المتفرقات،طبع قديمي)

ولا يصلي تطوعا بجماعة الأقيام رمضان وحكى عن شمس الائمة السرخسيؒ:أن التطوع بالجماعة على سبيل التداعي مكروه ،أما لو اقتدى راحد بواحدأواثنان بواحد لا يكره ، واذا اقتدى ثلاثة بواحدذكر هو رحمه الله تعالى أن فيه اختلاف المشايخ قال بعضهم يكره،وقال بعضهم لا يكره ، واذااقتدى أربع بواحد كره بلا خلاف.

ولمافي خلاصة الفتاوى:(۶۳/۱،الفصل الثالث في التراويح،طبع رشيديه)

ولوزادعلى العشرين بالجماعة يكره عندنا بناء على أن صلوة التطوع بالجماعة مكروه.وهكذا في بدائع الصنائع:(۲۹۰/۱،طبع سعيد)والتطوع المطلق بجماعة مكروه.وهكذا في الغانية على هامش الهندية:(۲۲۳/۱،طبع رشيديه).

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی خان

۱۸ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۴۶۰

﴿اگلی صف میں جگہ نہ ہو تو پیچھے اکیلے کھڑا ہونا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں کبھی کبھی نماز میں تھوڑا سا لیٹ ہو جاتا ہوں، آگے والی صف میں بالکل جگہ نہیں ہوتی اور پیچھے والی صف میں میں اکیلا ہوتا ہوں میں نے سنا ہے کہ اکیلا کھڑا ہونا مکروہ ہے اگلی صف سے کسی کو ساتھ ملانا چاہیے لیکن آجکل لوگوں کو مسئلہ کا علم تو ہے نہیں اگر کسی کو کھینچا جائے تو بجائے اسکے کہ وہ پیچھے آجائے لڑنے لگے گا تو ایسی صورت میں اگلی صف سے کسی کو پیچھے کھینچا جائے یا اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی جائے؟ مستفتی: زاہد محمود

﴿جواب﴾ اگر اگلی صف میں بالکل جگہ نہ ہو تو اصل مسئلہ یہی ہے کہ اگلی صف میں سے کسی کو آہستہ سے کھینچ کر ساتھ کھڑا کر لیا جائے لیکن آجکل لوگ مسائل سے ناواقف ہیں اور تحمل بھی نہیں رہا، اس لئے لڑنے کا خطرہ رہتا ہے یا سامنے والے کی نماز خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ

رہتا ہے، اس لئے اکیلے کھڑا ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لمافی حلبی کبیر:(ص ۳۱۲،طبع نعمانیه)

(ویکره للمقتدی ان یقوم خلف الصف وحده الا اذا لم یجد فی الصف فرجة) ..... والاصح ما روی هشام عن محمد انه ینتظر الی الرکوع فان جاء رجلا والاجذب الیه رجل ،قال رضی الله عنه یعنی نفسه والقیام وحده اولی فی زماننا لغلبة الجهل علی العوام فاذا جره یفسدصلاته.

لمافی التاتارخانیة:(۲۱۵/۱،طبع قدیمی)

ویکره للمقتدی ان یقوم خلف الصفوف وحده اذا وجد فرجة فی الصفوف وان لم یجد فرجة فی الصفوف روی محمد بن شجاع والحسن بن زیاد عن ابی حنیفة انه لا یکره وان جر احدا من الصف الی نفسه وقام معه فذلک اولی.

ولمافی البحر الرائق:(۳۳/۲)ومنهاان یقوم خلف الصف وحده مقتدیاباالامام الا اذا لم یجد فرجة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:شاہد محمود عفااللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۵۶۰

﴿امام سے پہلے سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں ظہر کی نماز امام کی اقتدا میں پڑھ رہا تھا التحیات پوری کرنے کے بعد اس خیال سے کہ شاید ظہر کی سنت پڑھ رہا ہوں سلام پھیر دیا پھر خیال آیا کہ میں تو امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہوں تو امام کے سلام پھیرنے سے پہلے میں نے سلام پھیر دیا میری نماز کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ امام سے پہلے آخری تشہد پوری کر کے مقتدی نے عذر یا کسی وجہ سے سلام پھیر دیا مثلاً: حدث لاحق ہونے کا خطرہ ہو یا جمعہ کے دن جمعہ کا وقت نکل جانے کا خطرہ ہو یا یہ خطرہ ہو کہ لوگ آگے سے گزریں گے تو اس صورت میں نماز بلا کراہت ہو جائیگی اور اگر بلا وجہ ایسا کیا تو نماز اس صورت میں بھی ہو جائے گی لیکن مکروہ ہوگی، مذکورہ صورت میں چونکہ بے خیالی میں ایسا کیا لہٰذا نماز بلا کراہت ہوگئی ہے۔

لما فی الشامیة:(۲۴۰/۲،طبع امدادیه)

ولو أتمه قبل امامه فتکلم جاز وکره :قال ابن عابدینؒ لو أتم المؤتم التشهد بأن أسرع

فيه وفرغ منه قبل اتمام امامه فاتى بما يخرجه من الصلوة كسلام أو كلام أو قيام جاز:أى صحت صلوته لحصوله بعد تمام الاركان.لأن الامام وان لم يكن أتم التشهد لكنه قعد قدره .لأن المفروض من القعدة قدر أسرع ما يكون من قراء ة التشهد وقد حصل. و انما كره للمؤتم ذالك لتركه متابعة الامام بلاعذر فلوبه كخوف حدث أوخروج وقت جمعة أومرور مار بين يديه فلاكراهة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفااللہ عنہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۴۰

﴿نماز میں بوقت ضرورت ایک صف تک چلنے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کو نماز میں چلنے کی ضرورت پڑھے تو وہ کتنی مقدار تک چل سکتا ہے، اور کیا اس چلنے سے اسکی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نمازی شخص کو نماز میں اگر چلنے کی ضرورت پیش آئے ،تو بقدر ضرورت ایک صف تک چلنے کی گنجائش ہے، تاہم اسکا چلنا وقفہ، وقفہ کیساتھ ہو تواتر کے ساتھ نہیں چلنا چاہیئے، اس لئے کہ دو صفوں تک بغیر وقفہ یعنی تواتر کے ساتھ چلنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

لما فی العالمگیریه :(۱۰۲/۱ طبع بقدیمی)

ولو مشى فى صلاته مقدار صف واحد لم تفسد صلاته ولو كان مقدار صفين ان مشى دفعة واحدة فسدت صلاته وان مشى الى صف ووقف ثم الى صف لاتفسد، وكذا فى فتاوى قاضيخان.

ولما فی خلاصة الفتاوی :(۱۲۱/۱ طبع رشیدیه)

ولو مشى فى صلاته ان كان قدر صف واحدلاتفسد وان مشى قدر صفين بدفعة واحدة تفسد ،ولومشى الى صف ووقف ثم مشى الى صف آخر ووقف ثم وثم لاتفسد صلوته.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریحان اللہ روغانی

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۷۸

﴿صف کے خلا کو پُر کرنا ضروری ہے اگر چہ رکعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بسا اوقات ہم جماعت میں اس وقت پہنچتے ہیں کہ جب امام رکوع میں ہوتا ہے، اور اگلی صف میں جگہ خالی ہوتی ہے لیکن

اگر ہم اگلی صف میں جاتے ہیں تو رکعت سے رہ جاتے ہیں کیا اس صورت میں پیچھے والی صف میں اکیلے کھڑا ہونا درست ہے؟ مستفتی: بنیامین بنوں

﴿جواب﴾ صف میں خالی جگہ کو پُر نہ کرنا اور پیچھے اکیلے کھڑا ہونا دونوں مستقل مکروہ ہے، سامنے خالی جگہ ہو تو پُر کئے بغیر نماز شروع کرنا مکروہ ہے، اور اکیلے کھڑا ہونا یہ الگ ممنوع ہے لھذا رکوع نکلنے کا اگر چہ اندیشہ ہو خالی جگہ کو پُر کرنا اور صف میں شامل ہونا ضروری ہے، البتہ پیچھے کی صف میں اگر شامل ہو سکے تو رکوع ملنے کو ترجیح دیں، اور سامنے کی صف میں دوران نماز آہستہ آہستہ قدم اٹھائے بغیر بڑھے، اور اس کو بھی پُر کریں بشرطیکہ بہت زیادہ فاصلہ نہ ہو۔

لما فی الشامی: (۱/۵۷۰، طبع سعید)

قال فی الاشباہ: اذا ادرک الامام راکعاً فشروعه لتحصیل الرکعة فی الصف الاخیر افضل من وصل الصف اھ اما لو لم یدرک الصف الاخیر فلا یقف وحده، بل یمشی الیه ان کان فیه فرجة وان فاتته الرکعة کما فی آخر شرحه المنیة معللا بان ترک المکروه اولی من ادراک الفضیلة تامل، ویشهد له ان ابابکرة رضی الله عنه رکع دون الصف ثم دبّ الیه فقال له ﷺ: زادک الله حرصاً ولا تَعُدْ.

ولما فی البدائع: (۱/۲۱۸ طبع سعید)

قال بعض المشائخ ان مشی خطوة خطوة لاتفسد صلوته وان مشی خطوتین خطوتین تفسد وعندبعضهم لاتفسد کیفما کان لان المسجد فی حکم مکان واحدلکن لاتخل من الکراهة

وفی لتقریرات الرافعی علی هذاالقول: (۱/۷۳)

(قوله معللاًبان ترک المکروه أولی الخ) فیه ان هذه العلة متحققة فی مسئلة الاشباه اذ ترک وصل الصف مکروه، نعم صلاته فی المسئلة الثانیة وحده یلزمه ارتکاب مکروهین وهو عدم سدالفرجة وانفراده عن الصف، بخلاف الاولی فان صلوته فی الصف الاخیر یلزمه ارتکاب مکروه واحد.

ولما فی الحلبی الکبیر: (ص: ۶۱۹، طبع: سهیل اکیڈیمی لاهور)

انتهی الی الامام وهو فی الرکوع ان قام فی الصف الاخیر یدرک الرکعة وان مشی الی الصف الاول لایدرکها لایمشی، وان کان بحیث لو مشی الی الصف فاتته الرکعة وان قام وحده لاتفوت یمشی ولا یقوم وحده.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار بنوی عفی عنہ

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ | فتوی نمبر: ۳۸۲۰

﴿صف سے آگے بڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام مسئلہ ھذا کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں درمیان صف میں ایک ستون ہے اگر اس ستون کے آگے کھڑا ہو کر آدمی نماز پڑھے تو یہ نمازی اور نمازیوں سے آگے بڑھا ہوا ہوتا ہے یعنی صف سے متجاوز ہوتا تو اس کی نماز میں کراہت آئے گی یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: اختر حسین

﴿جواب﴾ ستون کے سامنے کھڑے ہو کر صف اگر سیدھی نہیں رہتی تو یہاں کھڑا نہیں ہونا چاہئے نماز مکروہ ہوگی۔ ستون کی وجہ سے صف میں اگر چہ خلا رہتا ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ صف کو سیدھا رکھنے کی چونکہ زیادہ تاکید آئی ہے، اس لئے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ ستون کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنے کی صورت میں رکوع میں بھی دشواری ہوتی ہے۔

لما فی المبسوط السرخسی: (۳۵/۲، بیروت)

و الاصطفاف بین الاسطوانتین غیر مکروہ لانہ صف فی کل فریق و ان لم یکن طویلاً و تخلل الاسطوانۃ بین الصف کتخلل متاع موضوع او کفرجۃ بین رجلین و ذلک لا یمنع صحۃ الاقتداء و لا یوجب الکراھۃ.

ولما فی البخاری: (۱۰۰/۱، قدیمی)

عن نعمان بن بشیر یقول قال النبی ﷺ "لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم".

و لما فی الترمذی: (۳۱/۱، فاروقی کتب خانہ)

وقد کرہ قوم من اھل العلم ان یصف بین السواری و بہ یقول احمد و اسحق و قد رخص من اھل العلم فی ذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۲۴ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۲۹

﴿درمیان میں صفوں کو خالی چھوڑ کر پیچھے نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جماعت سے نماز ہو رہی تھی کہ دو یا ایک صف چھوڑ کر کچھ آدمی پیچھے کھڑے ہو گئے تو ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز بڑی مسجد اور چھوٹی مسجد کے حکم میں فرق ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اتصال صفوف کی بڑی اہمیت ہے اس کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے نماز مکروہ

تحریمی ہے تاہم مسجد کی حدود کے اندر اندر نماز ہو جاتی ہے اگرچہ مکروہ تحریمی ہے اور گناہ ہے لیکن مسجد کے علاوہ صحرا میں اتصال صفوف کے بغیر نماز ہوتی نہیں، اسی طرح بہت بڑی مسجد مثلاً: بیت المقدس یا اس جیسی کوئی اور بڑی مسجد ہو اور صفوں سے دور کسی کونے میں کوئی امام کی اقتداء کرتا ہے تو ایسی صورت میں بھی نماز نہیں ہوتی، عام مساجد میں نماز ہو جاتی ہے اگرچہ مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

لمافی التنویر وشرحہ:(۲/۲۱۲،طبع امدادیہ)

لوصلیٰ علیٰ رفوف المسجدان وجدفی صحنه مکاناکرہ کقیامه فی صف خلف صف فیه فرجة وفی الشامیة الکراهة تنزیهیة اوتحریمیة ویرشدالی الثانی قوله علیه السلام ومن قطعه قطعه الله.

ولمافی الهندیة:(۱/۱۰۷،طبع رشیدیه)

ویکرہ للمنفرد ان یقوم فی خلال صفوف الجماعة فیخالفهم فی القیام والقعود وکذا للمقتدی ان یقوم خلف الصفوف وحده اذا وجد فرجة فی الصفوف.

ولمافی الحلبی الکبیر:(ص۵۶۴،طبع سهیل اکیڈمی)

ولقد قالوا ان المسجد اذا کان کبیرا جداً کمسجد بیت المقدس المشتمل علیٰ المساجد الثلٰثة وقام المقتدی فی اقصاہ من غیر اتصال الصفوف لا یجوز.

ولمافی التاتارخانیة:(۱/۴۵۳،طبع قدیمی)

ولوصلی خلف الصف ولم یلحق بالصف..... ذکرمحمدبن شجاع ان علی قول أبی حنیفةٌیکرہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۳ صفرالخیر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۵۷

﴿خلیفہ بنانے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک امام صاحب کو نماز کے دوران عذر پیش آنے کی وجہ سے خلیفہ بنانے کی ضرورت پڑی جبکہ امام نے پہلی دو رکعتوں میں بھول سے قراءت بھی نہیں کی تھی چنانچہ اس نے ایک ایسے آدمی کو خلیفہ بنایا جو اسی وقت نماز میں شامل ہوا تھا اور دو رکعتیں اس سے نکل چکی تھیں تو شرعاً اس خلیفہ کو کتنی رکعتوں میں قراءت کرنا ضروری ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: احمد سعید

﴿جواب﴾ خلیفہ بننے والے مسبوق کو نماز کے ایسے مسائل معلوم ہوں تو خلیفہ بنے

بصورت دیگر امام کے اشارہ سے مصلیٰ کی طرف نہ بڑھے تاکہ سب کی نماز خراب نہ ہو مذکورہ صورت میں امام نے پہلی دو رکعتوں میں بھول سے اگر فرض مقدار کے برابر قراءت نہیں کی تھی اور خلیفہ بنانے کی ضرورت پیش آئی تو اشارہ سے خلیفہ کو سمجھادے کہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت نہیں ہوئی اور سجدہ سہو بھی واجب ہے. خلیفہ اپنی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرے تاکہ لوگوں کی نماز درست ہو پھر سلام پھیرے بغیر کسی مدرک کو خلیفہ بنادے، خلیفہ ثانی سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے اور خلیفہ اوّل بھی بحیثیت مقتدی سجدہ سہو میں شامل ہو، جب خلیفہ ثانی نماز مکمل کرے تو خلیفہ اوّل بقیہ دو رکعتوں میں بھی قراءت کرے اس لیے کہ اس کی اپنی پہلی دو رکعتیں قرأت کی وجہ سے امام اوّل کی دو رکعتیں شمار ہوئیں جن میں یہ شریک بھی نہیں تھا اب آخری دو رکعتوں میں اگر یہ قرأت نہیں کرے گا تو اس کی اپنی نماز فرض قرأت سے خالی رہے گی اس لیے ضروری ہے کہ یہ آخری دو رکعتوں میں بھی قرأت کرے.

لما فی التنویر:(۱/۶۱۰طبع: سعید)

(ولو استخلف الامام لو مسبوقا) أو لاحقا أو مقيما وهو مسافر (صح) والمدرك اولى ولو جهل الكمية قعد فی كل ركعة احتياطاً ولو مسبوقا بركعتين فرضنا القعدتين ولو أشار له انه لم يقرأ فی الاوليين فرضت القراءة فی الاربع (فلو أتم) المسبوق (صلوة قدم مدركا للسلام.

ولما فی الرد المحتار:(۱/۶۱۰طبع: سعید)

(قوله فرضنا القعدتين) لان القعدة الاولى فرض على امامه وهو قائم مقامه والثانية فرض عليه (قوله فرض القراءة فی الاربع) لانه لما قرأ فی الركعتين نيابة عن الامام التحقت بالاوليين فخلت الاخريان عن القراءة فصار كان الخليفة لم يقرأ فی الاخريين فاذا قام الى قضاء ما سبقه لزمه القراءة فيما سبق به ايضاً كما حكم المسبوق من انه منفرد فيما يقضيه.

ولما فی البحر الرائق:۱/۳۷۷طبع: سعید)

فلو استخلف فی الرباعية مسبوقا بركعتين فصلى الخليفة ركعتين ولم يقعد فسدت صلوته ولو اشار اليه الامام انه لم يقرأ فی الاوليين لزمه ان يقرأ فی الاخريين بقيامه مقام الامام واذا قرأ التحقت بالاوليين فخلت الاخريان عن القراءة فصار كان الخليفة لم يقرأ فی الاخريين فاذا قام الى قضاء ما سبقه لزمه القراءة فيما سبق به من الركعتين فقد لزمه القراءة فی جميع الفرض الرباعی.

ولما فی المحیط البرھانی:(۲/۲۰۱،طبع:دارة القرآن)

وفی 'النوادر' الامام اذا نسی القراءة فی الاولیین من الظهر ثم سبقه الحدث واستخلف رجلا جاء ساعتئذ فعلی الثانی ان یقرأ فی الاخریین قضاء عن الاولیین فاذا انتهی الی موضع سلام الامام استخلف من یسلم بهم وقام بقضاء الاولیین وقرأ فیهما ولو ترك القراءة فیهما فسدت صلوته وان قرأ مرة فی رکعتین ،لان تلك القراءة التحقت بالاولیین فبقیت الاخریان بغیر قراءة ،فاذا قضی الاولیین فلا بد له من القراءة فیهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۱۰

﴿نماز میں خلیفہ بنانے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک امام صاحب کو دوران نماز کوئی عذر پیش آ گیا اور اسے خلیفہ بنانے کی ضرورت پڑی چنانچہ اس نے ایک آدمی کو خلیفہ بنایا لیکن اس کو معلوم ہی نہیں کہ امام کس رکن میں تھا اور اب مجھے کیا پڑھانا ہے تو امام اس کو کیسے بتلائے؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: محمد طاسین

﴿جواب﴾ خلیفہ کو سمجھانے کی ضرورت ہو تو صرف معمولی اشارے سے سمجھانے کی گنجائش ہے مثلاً ایک رکعت باقی ہو تو ایک انگلی سے اشارہ کرے دو رکعتیں باقی ہوں تو دو انگلیوں سے اشارہ کرے رکوع کا بتانا ہو تو ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے سجدہ باقی ہو تو پیشانی پر ہاتھ رکھے قرأت باقی ہو تو منہ پر ہاتھ رکھے سجدہ تلاوت کرنا ہو تو پیشانی اور زبان پر ہاتھ رکھے اگر سجدہ سہو واجب ہوا ہے تو سینے اور دل پر ہاتھ رکھے۔زبان سے بتا دیا یا عمل کثیر کر کے سمجھانے کی کوشش کی تو تمام کی نماز فاسد ہو جائیگی۔

لما فی الدر المختار:(۱/۶۰۱طبع: سعید)

ویشیر باصبع لبقاء رکعة وباصبعین لرکعتین ویضع یده علی رکبته لترك رکوع وعلی جبهته لسجود ـ وعلی فمه لقراءة وعلی جبهته ولسانه لسجود تلاوة أو صدره لسهو

ولما فی التاتارخانیة:(۱/۵۰۵ قدیمی کتب خانه)

(وفی الفتاوی العتابیه والاستخلاف یکون بالاشارة لرکعة واحدة باصبع واحد ولسجدة یضع اصبعه علی الجبهة ان کانت واحدة وان کانت اثنتین باصبعین ولسجدة التلاوة یضع اصبعه علی الجبهة واللسان وللسهو یشیر بذلك بعد السلام بتحول رأسه

يمينا وشمالا وقيل يضع اصبعه على قلبه وفي الظهيرية هذا اذا لم يعلم الخليفة بذلك أما اذا علم فلا حاجة الى ذلك

ولما في الهندية:(۱/۱۰۶ قديمي كتب خانه)

ولو ترك ركوعا يشير بوضع يده على ركبتيه أو سجودا يشير بوضعها على جبهته أو قراءة يشير........بوضعها على فمه كذا في البحر وان بقي عليه ركعة واحدة يشير باصبع واحد وان كان اثنتين فباصبعين ولسجدة التلاوة يضع اصبعه على الجبهة واللسان وللسهو على قلبه هكذا في الظهيرية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی

۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۲۲۲

﴿مسافر امام کا مسافر اور مقیم مقتدیوں میں مقیم کو خلیفہ بنانے پر نماز کی ترتیب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسافر امام کی اقتداء میں مسافر اور مقیم نمازی لوگ نماز اگر پڑھیں، اور امام کو حدث لاحق ہو جائے، اور مقیم مقتدی کو وہ خلیفہ بنا لے تو یہ لوگ اب کس ترتیب سے نماز پوری کریں گے، اور خلیفہ اگر مسافر مقتدی کو بنالیا تو کیا حکم ہو گا؟ اسی طرح امام اگر مقیم ہے، اور مسافر مقتدی کو خلیفہ بنالیا، تو نماز کی ترتیب میں فرق ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مسافر امام کو خلیفہ بنانے کی اگر ضرورت پیش آئی، تو بہتر یہ ہے کہ مسافر مقتدی کو خلیفہ بنالے تا کہ اصل امام کی ترتیب سے دو رکعت نماز پوری کر کے سلام پھیر دے، مسافر مقتدی بھی سلام پھیر لیں گے، اور مقیمین باقی ماندہ اپنی نماز پوری کر لیں گے۔ اور اگر مقیم مقتدی کو خلیفہ بنالیا، تب بھی بلا کراہت نماز جائز ہے، لیکن اس صورت میں اصل امام پر دو رکعتوں کے بعد والا قعدہ فرض تھا، خلیفہ مقیم پر بھی اسی درجہ میں ضروری ہوگا، خدانخواستہ بھول سے اگر رہ گیا یا واجب سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا، تو سب کی نماز باطل ہوگی، اور مسافر مقتدی لوگوں کی نماز دو رکعتوں پر پوری ہوگی، اس لئے سلام پھیرنے کیلئے مقیم خلیفہ کو مسافر مقتدی کو خلیفہ بنانا ضروری ہوگا، اور باقی مقیم مقتدی لوگ خلیفہ اول سمیت لاحق کی طرح اپنی اپنی نمازیں پوری کریں گے۔ لہذا مقیم مقتدی کو خلیفہ بنانے میں باریکیاں ہیں، جن کی وجہ سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسافر مقتدی کو خلیفہ بنالے۔

اور امام اگر مقیم ہے، تو تمام مسافر لوگوں پر بھی اتمام لازم ہو جاتا ہے، اس لئے وہ اپنا خلیفہ مسافر کو بنالے یا مقیم کو، نماز کی ترتیب میں کوئی فرق نہیں آتا۔

لما في المبسوط لسرخسي:(۱/۱۷۸،۱۷۹،طبع: دار المعرفة بيروت)

(امام أحدث وهو مسافر وخلفه مقيمون ومسافرون فقدم مقيماً صح ذالک)لأن المقيم شريكه في هذه الصلوة ولا يتغير به فرض المسافرين ....ثم على الثاني أن يتم بهم صلاة المسافرين لأنه خليفة الأول فيأتي بما كان على الأول فاذا قعد قدر التشهد قدم مسافراًليسلم بهم لأنه عاجز عن التسليم بنفسه لبقاء البناء عليه،ثم يقوم هو مع المقيمين فيتمون صلاتهم وحداناًهكذا"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين صلى بعرفات أتموا يا أهل مكة صلاتكم فانا قوم سفر "فان اقتدوا فيما يقضون فسدت صلاتهم،لأن الاقتداء في موضع يحق فيه الانفراد كالانفراد في موضع يحق فيه الاقتداء لما بينهما من المخالفة في الحكم،وان مضى الامام الثاني في صلاته حتى أتمها صلاة الاقامة والقوم معه فان قعد في الثانية قدر التشهدفصلاته وصلاة المسافرين تامة ــــ فأما صلاة المقيمين فاسدة، لأن عليهم الانفراد في الأخريين.

ومثله في الفتح القدير:(۱/۲۹۸،۲۹۹،طبع: رشيدية)

ولما في حلبي كبيري:(ص،۴۶۷، طبع:نعمانية)

اذا عرفت هذا فنقول اذا اقتدى المسافر بالمقيم في الوقت صح ولزمه الاتمام لم قلنا.

ولما في التنوير مع الدر:(۱/۵۹۴، طبع: سعيد)

ومقيم ائتم بمسافر ـــــ وحكمه كمؤتم فلا يأتي بقراءة ولا سهو.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ
۸ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ	فتویٰ نمبر: ۳۷۲۷

﴿مقتدی کو جب خلیفہ بنایا جائے تو اس کیلئے نیت کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام کو کوئی عذر پیش آجائے اور وہ کسی مقتدی کو خلیفہ بنائے تو کیا اس خلیفہ کو امامت کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ امام جس مقتدی کو خلیفہ بنائے اس کو امامت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ ورنہ مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

لما في الشامي:(۲/۱۰۳،طبع امدادیه)

من كانت امامته بطريق الاستخلاف فانه لا يصير اماماً مالم ينو الامامة بالاتفاق كما

نص علیه فی المعراج فی باب الاستخلاف.

ولما فی الفقه الاسلامی:(۱/۷۷۷،طبع رشیدیه)

ولو ترکها فی صلوٰۃ لاستخلاف ،صحت له،وبطلت علی المأمومین.

ولما فی الهندیة:(۱/۱۰۷،طبع:قدیمی)

والامام المحدث علی امامته ما لم یخرج من المسجد ،أو یستخلف رجلاً ویقوم الخلیفة فی مقامه ینوی أن یئوم الناس.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:تنویرالرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ — فتوی نمبر:۳۵۷۱

﴿فصل فی اللاحق والمسبوق﴾

﴿لاحق نماز کس طرح پڑھے؟﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص تکبیر اولیٰ کیساتھ جماعت میں شریک ہوا اب امام صاحب نے پہلی رکعت کا رکوع اور سجدہ کیا لیکن اس کو خبر نہ ہوئی دوسری، تیسری، چوتھی رکعت امام کیساتھ پڑھی اب یہ آدمی اپنی پہلی رکعت کس طرح قضاء کرے گا؟ جواب حوالے کیساتھ مطلوب ہے۔

﴿جواب﴾ یہ شخص پہلے اپنی اسی رکعت کی قضاء کرے بغیر قراءت کے اور اسکے بعد امام کی متابعت کرے لیکن اگر امام فارغ ہو چکا ہو تو بقیہ نماز کی بھی بغیر قراءت کے قضاء کرے تاہم اگر اس ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور امام کیساتھ نماز مکمل کر کے آخر میں قضاء کی یعنی مسبوق کی طرح تو بھی نماز درست ہو جائیگی لیکن گنہگار ہوگا۔

لما فی الشامیة:(۲/۳۲۵،طبع امدادیه)

وحکمه أنه یبدأ بقضاء مافاته بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وهذا واجب لاشرط حتی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثة واستیقظ فی الرابعة فانه یأتی بالثالثة بلاقراءة فاذا فرغ منها صلی مع الامام الرابعة وان فرغ منها الامام صلاها وحده بلاقراءة ایضا فلو تابع الامام ثم قضی الثالثة بعد سلام الامام صح وأثم.

هکذافی حلبی کبیر:(ص۴۷۰).

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:

﴿سجدے کی حالت میں امام کی اقتداء کی اور شریکِ سجدہ نہ ہوا﴾

﴿سوال﴾ میں امام کے ساتھ اس حال میں شریک ہوا کہ امام صاحب پہلے سجدے میں تھے لیکن میں امام صاحب کے ساتھ دونوں سجدوں میں شریک نہ ہوا باقی نماز میں امام کے ساتھ برابر کا شریک رہا اور آخر میں صرف ایک رکعت پڑھ لی ان سجدوں کی قضاء تو میرے ذمے نہیں؟

﴿جواب﴾ امام صاحب سجدے میں ہیں تو مسبوق کو بھی اس سجدے میں شامل ہونا ضروری ہے، البتہ کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تو ان سجدوں کی الگ قضاء نہیں ہے، اس لئے کہ فوت شدہ رکعت کے اداء کرتے وقت دونوں سجدے بھی مستقل اداء ہو جاتے ہیں، البتہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔

لمافی التجنیس:(۲/۲۳،طبع ادارۃ القرآن)

رجل انتهى الى الامام وقد سجد سجدة فكبر ونوى الاقتداء به ومكث قائما حتى قام الامام ولم يتابعه فى السجدة ثم تابعه فى بقية الصلوة ، فلما فرغ الامام قام وقضى ما سبق تجوز صلوته لانه يصلى تلك الركعة الفائتة بسجدتيها بعد فراغ الامام وان كانت المتابعة حين شرع الامام واجبةفى تلك السجدة.

ولمافی الرد:(۲/۱۲۱،مکتبہ امدادیہ)

بعموم هذه القاعدةعلى هذاالوجه لم ارمن ذكره نعم وجوب فعل هاتين السجدتين مع الامام مسلم لوجوب المتابعةوان لم تحسبا له من الركعةالتى يقضيهاواماالزوم قضائهمافان اراد به انه ياتى بهمافى الركعةالتى يقضيهافمسلم ايضاواماان ارادانه ياتى بهمازيادةعلى الركعة المذكورةكماهوالمتبادرمن كلامه فيحتاج الى نقل والمنقول وجوب المتابع وانه يقضى ركعة تامةفقط

ولمافی مراقی الفلاح:(ص۱۷۶،طبع قدیمی)

(واذا وجد الامام ساجدا تجب مشاركته فيه)وفى الطحطاوى وان لم يتابعه ووقف حتى قام ثم تابعه فى بقية الصلوة وقضى ما فاته من الركعات بعد الفراغ تجوز صلوته لانه يصلى تلك الركعة الفائتة بسجدتيها.

ولمافی البحر:(۲/۷۷،طبع سعید)

صرح قاضيخان فى فتاواه بان عليه المتابعة فى السجدتين وان لم يحتسبا له وصرح به فى العمدة وصرح فى الذخيرة بان المتابعة فيهما واجبة ومقتضاه ان لو تركهما لم تفسد صلوته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ عابد دیروی

۲ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۷۶

﴿امام کے ساتھ سجدہ سہو میں مسبوق کا عمداً یا ساہیاً سلام پھیرنے سے نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسبوق سجدہ سہو میں جان بوجھ کر یا بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ مستفتی: سہیل

﴿جواب﴾ مسبوق جان بوجھ کر سجدہ سہو کے سلام میں امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس پر نماز کا اعادہ کرنا لازم ہوگا اور اگر بھول کر سلام پھیر دے گا تو اس کی نماز درست ہوگی، اس پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا خواہ اس کا سلام امام کے سلام کے بعد کیوں نہ ہو۔

لمافی بدائع الصنائع:(۱/۱۷۲، طبع سعید)

ثم المسبوق انما یتابع الامام فی السہو دون السلام بل ینتظر الامام حتی یسلم فیسجد فیتابعہ فی سجود السہو لافی سلامہ وان سلّم فان کان عامداً تفسد صلوتہ وان کان ساہیا لا تفسد ولا سہو علیہ لأنہ مقتد وسہو المقتدی باطل.

ولمافی مراقی الفلاح حاشیۃ الطحطاوی:(۱/۲۵۳، طبع قدیمی)

وان سلّم بعدہ أی بعد سلام الامام من سجود السہو فقط اما سلامہ بعد سلام الامام الاول من الصلوٰۃ فلا یلزم بہ السہو لأنہ لما سجد للسہو معہ عاد الی الاقتداء ولا سہو علی المقتدی فتامل فیہ کلہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿مسافر امام کی اقتدا کرنے والے مقیم مسبوق کی نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چار رکعات والی نماز میں ایک مقیم آدمی نے مسافر امام کی اقتداء اس وقت کی جب ایک رکعت ہو چکی تھی اب امام کی فراغت کے بعد یہ آدمی بقیہ رکعات کس طریقے سے پڑھے گا؟ مستفتی: شاکر اللہ

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص امام کے سلام کے بعد کھڑے ہو کر پہلی دونوں رکعات بغیر قراءت کے ادا کرے گا یعنی الحمد اور سورۃ نہیں پڑھے گا، اس لئے کہ یہ لاحق ہے اور حکماً امام کے پیچھے ہے، لہٰذا قراءت کرنے کی ضرورت نہیں اور آخری رکعت (جو امام کے پیچھے پڑھنی تھی) میں یہ

مسبوق ہے، لہٰذا اس میں قراءت کرے گا یعنی الحمد اور سورۃ پڑھے گا۔

لمافی التنویر و شرحه:(۲/۳۲۳-۳۲۴ طبع امدادیه)

واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها لكن بعد اقتداء ه بعذر كغفلة الى ان قال ومقيم ائتم بمسافر..... ويبدا بقضاء مافاته عكس المسبوق قال العلامة ابن عابدين الشامیؒ تحت هذه المسئلة (و مقيم الخ) فهو لاحق بالنظر للأخيرتين وقد يكون مسبوقا ايضا كما اذا فاتته اول صلاة امامه المسافر.هكذا فی فتاوی دار العلوم ديوبند:(۲۵۸/۳)وكذافی فتاوی مفتی محمودؒ(۵۰۵/۲)وكذافی كفاية المفتی(۳۸۷/۳)وفتاوی محمودیه(۲۶۷/۲).

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۳

﴿باقی ماندہ نماز پوری کرتے ہوئے مسبوق ثناء پڑھ لیا کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام درجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں، اگر کسی مقتدی سے پہلی رکعت نکل گئی، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ مقتدی اپنی ایک فوت شدہ رکعت میں ثناء، تعوذ، تسمیہ، الحمد شریف اور سورت تمام کو پڑھے گا، یا صرف تسمیہ، الحمد شریف اور سورت پڑھے گا؟ مسئلہ ہذا کا تسلی بخش جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: محمد اختر حسین قصور

﴿جواب﴾ یہ شخص مسبوق کہلاتا ہے، مسبوق جب اپنی فوت شدہ رکعت کیلئے کھڑا ہو، تو سب سے پہلے ثناء پھر تعوذ اور بسم اللہ پڑھے، اور یہ سنت عمل ہے، اگر چہ نماز میں شامل ہونے کے موقع پر بھی اس نے ثناء پڑھ لیا ہو، تب بھی پڑھ لینا چاہیئے۔

لما فی تنوير الابصار مع الدرّ :(۵۹۶/۱ طبع: سعيد)

والمسبوق من سبقه الامام بها أو ببعضها وهو منفرد حتى يثنى ويتعوّذ ويقرأ.

ولما فی الشامی :(۳۸۸/۱، ۳۸۹ طبع: سعيد)

واقول ما ذكره المصنف جزم به فی الدرر.وقال فی المنح:وصححه فی الذخيرة وفی المضمرات وعليه الفتوى ومشى عليه فی منية المصلی والشارح فی الخزائن وشرح الملتقى واختاره قاضی خان حيث قال :ولو ادرك الامام ما اشتغل بالقراءة قال ابن الفضل لا يثنى ،وقال غيره يثنى ،وينبغی التفصيل،ان كان الامام يجهر لا يثنى ،وان كان يسر يثنى وهو مختار شيخ الاسلام خواهر زاده،وعلّله فی الذخيرة بما حاصله بأن

الاستماع في غير حالة الجهر ليس بفرض بل يسن تعظيما للقراءة فكان سنة غير مقصودة لذاتها وعدم قراءة المؤتم في غير حالة الجهر لا لوجوب الانصات بل لأن قراءة الامام له قراءة ،واما الثناء فهو سنة مقصوودة لذاتها ،وليس ثناء الامام ثناء للمؤتم ،فاذاتركه يلزم ترك سنة مقصودة لزاتها للانصات الذى هو سنة تبعا بخلاف تركه حالة الجهر فكان المعتمد ما مشى عليه المصنف فا فهم.

ولما في الهندية :(۹۰/۱،۹۱، طبع: شيدية)

منها أنه اذا ادرك الامام في القراءة في الركعة التى يجهر فيها لا يأتي بالثناء ـــسواء كان قريبا أو بعيدا أو لا يسمع لصممه هكذا في الخلاصةفاذا قام الى قضاء ما سبق يأتي بالثناء ويتعوّذ للقراءة كذا في فتاوى قاضيخان والخلاصة والظهيرة وفي صلاة المخافتة يأتي به هكذا في الخلاصةويسكت المؤتم عن الثناء اذا جهر الامام هو الصحيح الخ.

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :محمد زبیر لکی مروت

۲۷ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۴۸۳

﴿مسبوق پر باقی ماندہ رکعت میں قرأت کی ترتیب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مقتدی امام کے ساتھ مغرب،عشاء یا فجر کی نماز کی دوسری رکعت میں ملے،اور امام اس رکعت میں ’’قل أعوذ برب الناس‘‘ پڑھے،تو یہ مسبوق مقتدی اپنی باقی ماندہ رکعت میں کیا پڑھے؟اسی طرح اگر امام دوسری رکعت میں ’’لایلاف قریش‘‘ پڑھے،تو کیا مسبوق مقتدی پر ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے بعد والی سورت پڑھنا لازمی ہے؟　　　　مستفتی:ایک حلم

﴿جواب﴾باقی ماندہ نماز پوری کرتے ہوئے مسبوق کی حیثیت منفرد کی طرح ہوتی ہے،اس پر لازم نہیں ہے،کہ امام کی قرأت کا لحاظ کرتے ہوئے ترتیب سے قرأت کرے،وہ کہیں سے بھی پڑھ سکتا ہے۔

لما في التنوير مع الدر:(۵۹۶/۱، طبع: سعيد)

والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وهو منفرد فيما يقضيه بعد متابعته لامامه ـــويقضي اوّل صلاته في حق قراءته وآخرها في حق تشهد.

ولما في العالمكيرية:(۹۱/۱، طبع: رشيدية)

ومنها انه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق التشهد حتى لو ادرك ركعة من

المغرب قضى ركعتين وفصل بقعدة فيكون بثلاث قعدات وقرأ في كل فاتحة وسورة.

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۶۲۴

﴿مسبوق کیلئے فوت شدہ رکعتوں میں قراءت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے چار رکعتوں والی نماز میں امام کی اقتداء دوسری، تیسری یا چوتھی رکعت میں کی تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد رہی ہوئی رکعتوں میں قراءت کی کیا ترتیب ہوگی؟　　مستفتی: عبداللہ پورٹ قاسم

﴿جواب﴾ جو شخص نماز میں امام کی اقتداء دوسری، تیسری یا چوتھی رکعت میں کرے اسے مسبوق کہتے ہیں مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعات حسب ذیل تفصیل کے مطابق مکمل کرے گا:

مثلاً: اگر مسبوق چار رکعتوں والی نماز کی چوتھی رکعت میں امام کی اقتداء کرے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ وتسمیہ، سورۃ فاتحہ اور سورت کی قراءت کے بعد رکوع کرے گا دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورت کی قراءت کرے گا جبکہ تیسری رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد رکوع کرے گا۔

اسی طرح اگر تیسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ، تسمیہ، سورۃ فاتحہ اور سورۃ کی قراءت کرے گا جبکہ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ کی قراءت کے بعد رکوع کرے گا، اسی طرح اگر دوسری رکعت میں امام کی اقتداء کی تو ثناء، تعوذ، تسمیہ، سورۃ فاتحہ اور سورت کی قراءت کے بعد اپنی نماز مکمل کرے گا۔

لما في التنوير و شرحه: (۵۹۶/۱، احکام المسبوق والمدرک، طبع سعید)

والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وهو منفرد فيما يقضيه حتى يثني ويتعوذ ويقرأ (وبعد سطر) ويقضي اول صلاته في حق قرأة و آخرها في حق تشهد فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما وبرابعة الرباعي بفاتحة فقط.

ولما في البزازية: (۵۵/۱، نوع في المسبوق، طبع قديمي)

ولو ادرك ركعة من ذوات الاربع صلى ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم صلى

اخری بفاتحة وسورة ولا يتشهد.

ولما فی قاضی خان:(۸۲/۱،قبیل فصل فیمن یصح الاقتداء،طبع قدیمی)

ان المسبوق لم ياتي بالثناء في اول الصلاة فقام الى قضاء ما سبق ذكر في الكيسانيات انه ياتي بالثناء عند محمدؒولم يذكر فيه خلافا(وبعد سطر)والمسبوق اذاقام الى قضاء ماسبق قالوا ان تعوذكان حسنا.

ولمافی الکبیری:(ص۲۶۵،طبع نعمانیه)

والمسبوق ياتي بالثناء اذاادرك الامام حالة المخافتة ثم اذا قام الى قضاء ما سبق به ياتي به ايضاكذاذكره في الملتقط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ناجد محمود کھوٹ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۸۷

﴿مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد کب کھڑا ہو؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسبوق اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کب کھڑا ہو؟ امام کا ایک طرف یا دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد یا جیسے ہی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے فوراً کھڑا ہو؟

مستفتی: حاجی عباس ڈیفنس فیز ۲ کراچی

﴿جواب﴾ مسبوق کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اتنی دیر تک انتظار کرنا چاہیے کہ اس کو یہ یقین ہو جائے کہ امام کی نماز پوری ہوگئی ان پر مزید کوئی سجدۂ سہو وغیرہ لازم نہیں ہے اس کے بعد باقی ماندہ نماز کے لئے کھڑا ہو۔

لمافی الدر:(۵۹۷/۱،طبع سعید)وينبغي ان يصبر حتى يفهم أنه لاسهوعلى الامام.

وفي الشامية:(قوله وينبغي أن يصبر الخ):اى ليقوم بعدالتسليمة أوالتسليمتين بل ينتظرفراغ الامام بعدهماكمافي الفيض والفتح والبحر،قال الزندويستي:في النظم يمكث حتى يقوم الامام الى تطوعه أويستندالى المحراب ان كان لاتطوع بعدها اه، قال في الحلية:وليس هذابلازم بل المقصودمايفهم أن لاسهوعلى الامام أويوجدله مايقطع حرمة الصلاة اه.

ولمافی الهندیة:(۹۱/۱،الفصل السابع في المسبوق واللاحق،طبع رشیدیه)

(ومنها)أنه لايقوم الى القضاء بعدالتسليمتين بل ينتظرفراغ الامام كذافي البحر الرائق.ويمكث حتى يقوم الامام الى تطوعه ان كان صلاة بعدهماتطوع أويستدبر المحراب ان لم يكن أوينتقل عن موضعه أويمضي من الوقت مقدارمالوكان عليه

سهو السجد كذا في التمرتاشي في باب العيد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۹۳۸

﴿لاحق اور مسبوق کی نماز میں فرق ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے چار رکعت والی نماز میں امام کی اقتدا کی جبکہ شروع تحریمہ سے امام کے ساتھ شریک تھا پہلی رکعت مکمل کرنے کے بعد اسکو حدث پیش آنے کیوجہ سے وہ وضو کرنے کے لیے چلا گیا تو اس سے دوسری رکعت فوت ہوگئی، پھر وضو کرنے کے بعد تیسری رکعت میں بناء کی نیت سے امام کے ساتھ شریک ہونا چاہتا ہے جبکہ اس دوران اس سے کوئی بھی ایسا عمل جو منافی صلاۃ ہو سرزد نہیں ہوا، پوچھنا یہ ہے کہ زید مسبوق کی طرح نماز ادا کرے گا یا فرق ہے؟ اگر فرق ہے تو اسکی وجہ کیا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں زید مسبوق کی طرح امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی فوت شدہ رکعت کو ادا نہیں کریگا بلکہ زید پہلے اپنی فوت شدہ رکعت کو بغیر قراءت کے پوری کرے پھر امام کے ساتھ شریک ہوجائے۔

اور وجہ فرق یہ ہے: کہ یہ شخص لاحق ہے گویا امام کی متابعت میں نماز پڑھ رہا ہے جبکہ مسبوق فوت شدہ رکعتوں کو اصالۃً پڑھ رہا ہوتا ہے۔

لما في الهندية: (۹۲/۱ مكتبه رشيديه)

اللاحق وهو الذي ادرك اولها وفاته الباقي لنوم أو حدث أو بقي قائم للزحام أو الطائفة الأولى في صلاة الخوف كأنه خلف الامام لايقرأ ولا يسجد للسهو كذا في الوجير للكردري ولو سجد للسهو لا يتابع اللاحق قبل قضاء ما عليه بخلاف المسبوق كذا في الخلاصة. اللاحق اذا عاد بعد الوضوء ينبغي له أن يشتغل أولاً بقضاء ما سبقه الامام بغير قرآءة يقوم مقدار قيام الامام ركوعه وسجوده ولو زاد أو نقص فلا يضره. هكذا في شرح الطحطاوي.

ولما في البحر: (۳۶۷/۱ باب الحدث في الصلاة طبع سعيد كراچی)

قوله ومن سبقه حدث توضأ وبنى والقياس فسادها لأن الحدث ينافيها والمشي والانحراف يفسدانها فأشبه الحدث العمد ولنا قوله عليه الصلاة والسلام من قاء أو رعف أو أمذى فلينصرف وليتوضأ وليبن على صلاته مالم يتكلم، ولا نزاع في

صحته مرسلاً، وهو حجة عندنا وعند أكثر أهل العلم ومذهبنا ثابت عن جماعة الصحابة.

ولما في البحر:(۹۹/۱ مطبع سعید کراچی) الاترى انه لا يقرأ ولا يسجد للسهو.

ولما في التاتارخانية:(۲۹۹/۱، الحدث في الصلاة، قديمی كتب خانه)

وان كان مقتدياً يذهب ويتوضأ وان كان فرغ من الوضوء من قبل أن يفرغ الامام من الصلاة، فعليه أن يعود الى مكانه لا محالة، لأنه بقي مقتدياً. (وفي التفريد) ويقضي مافاته أولاً بغير قرآءة ثم يتابع الامام ولو سها فيه لا يسجد بخلاف المسبوق.

ولما في الهندية:(۹۲/۱ مكتبه رشيديه كوئٹه)

ألمسبوق يخالف اللاحق في القضاء في ستة أشياء: في محاذاة المرأة والقرأة والسهو والقعدة الأولى اذا تركها الامام وفي ضحك الامام في موضع السلام وفي نية الامام الاقامة اذا قيد المسبوق الركعة بالسجدة كذا في الظهيرية.

ولما في الهندية:(۹۱/۱ مكتبه رشيديه كوئٹه)

ولو أدرك (المسبوق) ركعتين من الرباعية فعليه أن يقضي ركعتين يقرأ فيهما الفاتحة والسورة ويتشهد ويقضي ركعة أخرى كذالك ولا يتشهد.

لما في البحر:(۱۳۵/۲ مطبع سعید)

بخلاف المسبوق لأنه أدرك قرآءة نافلة فلم يتادى الفرض فكان الاتيان أولى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۲۷۷۷

﴿مسبوق مسافر قراءت مقیم کی طرح پوری کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسافر مقتدی نے مقیم امام کی اقتداء کی جبکہ وہ تیسری رکعت پڑھا رہا تھا، اب امام کی نماز ختم ہو جانے کے بعد مسافر جو دو رکعتوں کو پورا کرے گا تو خاموش کھڑا ہو گا یا سورۃ فاتحہ مع السورۃ پڑھے گا؟

﴿جواب﴾ یاد رہے کہ جب مسافر مقیم امام کی اقتداء کرے تو اس پر مقیم کی طرح نماز پڑھنا لازم ہے، لہذا مذکورہ صورت میں مسافر پر چار رکعات لازم ہیں، اور چونکہ اس نے امام کیساتھ آخری دو رکعات پڑھی ہے وہ چونکہ قراءت سے خالی تھیں، لہذا بقیہ دو رکعات سورۃ فاتحہ کیساتھ کوئی سورۃ ملا کر پڑھیگا۔

لمافی النھر الفائق:(۱/۳۴۷، طبع:قدیمی)

(وان اقتدی مسافر بمقیم فی الوقت)سواء اقتدی بہ فی جزء من صلاتہ اوکلھا(صح)اقتدائہ (واتم)صلاۃ المقیمین بقی الوقت او خرج قبل اتمامھا لتغیر فرضیتہ بالتبعیۃ.

ولمافی القھستانی:(۱/۲۵۶،طبع:سعید)وبانہ لواقتدی بالمقیم فی الشفع الثانی یتم اربعا.

ولمافی الشامی:(۱/۵۹۵،طبع سعید)

فانہ اذاقضی مافاتہ یقرء ویسجد للسھو اذاسھا فیہ ویتغیر فرضہ لوکان مسافر أو نوی الاقامۃ ویتابع امامہ قبل قضاء مافاتہ.

ولمافی الدرالمختار:(۱/۵۹۶،طبع سعید)

(والمسبوق من سبقہ الامام بھا او ببعضھا وھو منفرد)حتی یثنی ویتعوذ ویقرء ......(فیما یقضیہ)......ویقضی اول صلاتہ فی حق قرءۃ وآخرھا فی حق تشھد.

ولمافی الھدایۃ:(۱/۱۷۵،طبع رحمانیہ)

(وان اقتدی المسافر بالمقیم فی الوقت اتم اربعا)لانہ یتغیر فرضہ الی اربع للتبعیۃ کما یتغیر بنیۃ الاقامۃ لاتصال المغیر بالسبب وھوالوقت.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب : ذیشان احمد ملازئی

۱۰صفرالخیر۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۸۳۱

﴿دعائے قنوت اور تشہد پوری کی جائے یا امام کی اتباع؟﴾

﴿سوال﴾ صلوٰۃ وتر جماعت سے پڑھی جارہی تھی تو امام مقتدی کی دعائے قنوت مکمل کرنے سے پہلے رکوع میں چلا گیا تو کیا مقتدی دعائے قنوت پوری کرے یا امام کی تابعداری بجالاتے ہوئے فوراً رکوع میں چلا جائے؟ نیز چار رکعت والی نماز میں تشہد کی تکمیل سے پہلے امام صاحب کھڑے ہوئے (تیسری رکعت کی طرف) کیا مقتدی کو تشہد پوری کرنی ضروری ہے یا امام کی تابعداری میں فوراً کھڑا ہو؟

﴿جواب﴾ مقتدی کی تشہد کی تکمیل سے پہلے امام کھڑا ہو جائے تو مقتدی امام کی متابعت نہ کرے بلکہ تشہد مکمل کر کے کھڑا ہو جائے کیونکہ اتمام تشہد واجب ہے۔

لمافی الشامی:(۲/۳۴۷،طبع امدادیہ)

فان الامام لو سلم او قام للثالثۃ قبل اتمام الموتم التشھد فانک لا یتابعہ بل یتمہ

لوجوبه كما قدمه في الشروع في الصلوة.

امام جب مقتدی کے قنوت مکمل کرنے سے پہلے رکوع میں چلا جائے تو مقتدی کیلئے ضروری ہے کہ قنوت چھوڑے اور متابعت امام کرے کیونکہ قنوت کا مقصود دعا ہے اور دعا قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہے، قنوت کو مکمل کرنا مستحب ہے اور متابعت امام واجب ہے پس واجب کے پیش نظر مندوب کو چھوڑا جائے گا۔

لما في التنوير وشرحه:(۲/۴۴۷،طبع امدادیه)

ركع الامام قبل فراغ المقتدى من القنوت قطعه و تابعه ولو لم يقرء منه شيئا،قال ابن عابدين الشامي تحت هذا القول (قطعه وتابعه) لان المراد بالقنوت هنا الدعاء الصادق على القليل والكثير وما اتى به منه كاف في سقوط الواجب وتكميله مندوب والمتابعه واجبة فيترك المندوب للواجب.

اگر مقتدی نے قنوت بالکل نہ پڑھی ہو اور امام رکوع کرے تو اگر رکوع چھوٹنے کا خوف ہو تو رکوع کرے ورنہ قنوت پڑھ کے رکوع میں جائے۔

لما في الرد:(۲/۴۴۷،طبع امدادیه)

لو ركع الامام ولم يقرأ المقتدى شيئا من القنوت ان خاف فوت الركوع يركع والا يقنت ثم يركع خانيه و غيرها.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۰

﴿امام رکوع میں ملے تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے اور فوراً شامل ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں بعض دفعہ کچھ لوگ جب امام کو رکوع میں پالیتے ہیں تو جلدی سے تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً رکوع میں جاکر امام صاحب سے جا ملتے ہیں، اور رکوع کے لئے جو تکبیر کہی جاتی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بعض حضرات سے سنا ہے کہ اس سے نماز خراب ہو جاتی ہے، کیا ان لوگوں کی بات صحیح ہے؟

مستفتی: خضر حیات مروت

﴿جواب﴾ بعد میں آنے والے مقتدی کو امام جس حال میں ملے فوراً شامل ہونے کا حکم

ہے۔آپ کے گاؤں کے لوگ تکبیر تحریمہ اگر قیام کی حالت میں کہہ کر رکوع میں جاتے ہیں تو یہی طریقہ اپنانا شرعاً مطلوب ہے۔رکوع کے لئے مستقل تکبیر کہنا سنت ہے،بلا وجہ چھوڑنا نہیں چاہئے،تاہم جلدی میں رہ جائے تو اس سے فرق نہیں پڑتا،البتہ تکبیر تحریمہ کھڑے کھڑے کہنا ضروری ہے،لہٰذا رکوع ملنے کے لئے اتنی جلدی کرنا کہ جھکتے جھکتے تکبیر تحریمہ کہے،تو ایسی صورت میں نماز نہیں ہوگی،قیام کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۴۸۰،۴۸۱، طبع: سعید)

ویشرط کونہ قائماًفلو وجدالامام راکعا فکبر منحنیاً،ان الی القیام اقرب صح ولغت نیۃ تکبیرۃالرکوع.

ولما فی العالمگیریۃ:(۱/۶۹ ،طبع: قدیمی کتب خانہ)

وکذا لو ادرک الامام فی الرکوع فقال:اللہ اکبر الا ان قولہ اللہ کان فی قیامہ وقولہ:اکبر وقع فی رکوعہ لا یکون شارعا فی الصلوۃ.

ولما فی حلبی کبیری:(ص،۲۲۸، طبع: نعمانیۃ)

وکذا لو ادرک الامام راکعاً فقال اللہ فی حال القیام ولم یفرغ من قولہ اکبر الا وھو فی الرکوع لا یصح شروعہ لان الشرط وقوع التحریمۃ فی محض القیام.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی:(ص،۲۱۸،طبع: قدیمی کتب خانہ)

ولو ادرک الامام راکعاً فحنی ظھرہ ثم کبر ان کان الی القیام اقرب صح الشروع ولو اراد بہ تکبیر الرکوع وتلغو نیتہ لان مدرک الامام فی الرکوع لا یحتاج الی تکبیر مرّتین خلافا لبعضھم وان کان الی الرکوع اقرب لا یصح الشروع.

ولما فی فتاوی قاضیخان:(۱/۸۴،طبع: قدیمی کتب خانہ)

ولو ادرک المقتدی الامام فی الرکوع فانہ یکبر للافتتاح قائماً ویترک الثناء ویکبر ویرکع.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

یکم ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر:۳۵۶۸

﴿آیت سجدہ سننے کے بعد اگر امام کیساتھ شامل ہوتو۔۔۔﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنی سنت یا نفل پڑھتے ہوئے کوئی شخص امام صاحب سے سجدۂ تلاوت اگر سن لے اور پھر امام صاحب کی اقتداء کرلے

جبکہ امام صاحب نے سجدۂ تلاوت اداء کرلیا ہو، تو کیا اس مقتدی پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں امام کیساتھ سجدۂ تلاوت میں اگر چہ شامل نہ ہو سکے لیکن وہی رکعت اگر مل گئی جس میں سجدۂ تلاوت امام نے اداء کردیا ہے تب بھی کافی ہے۔ البتہ وہی رکعت بھی اگر نہ ملے تو نماز کے بعد اپنے طور پر سجدۂ تلاوت اداء کرنا ضروری ہوگا۔

ولما فی الهندية: (۱/۱۴۷، طبع: قدیمی کتب خانه)

"سمع من امام فدخل معه قبل ان يسجد سجد معه وان دخل فی صلاة الامام بعد ما سجدها الامام لا يسجدها وهذا اذا ادركه فی آخر تلك الركعة امّا لو ادركه فی الركعة الاخرى يسجدها بعدالفراغ كذا فی الكافی".

ولما فی التنوير مع الدر: (۲/۱۱۰، طبع: سعید)

ومن سمعها من امام ولو باقتداء ه به فأتم به قبل ان يسجد الامام لها سجد معه ولو اتم بعده لا يسجد اصلاً كذا اطلق فی الكنز تبعا للاصل وان لم يقتد به اصلا سجدها وكذا لو اقتدى به فی ركعة اخرى على ما اختاره البزدوی وغيره وهو ظاهر الرواية. وفی الشامية تحت (قوله وكذا الخ) ای يسجدها ولكن بعد الفراغ من الصلاة وهذا مقابل قوله كذا اطلق فی الكنز وبه جزم فی النقاية واصلاحها والفتح وشرح المنية وكذا فی فلمواهب ووقال انه الاظهر وتبعه فی نورالايضاح وقد علمت ان اطلاق الكنز والاصل محمول عليه وقد صرح صاحب الكنز بحمله اطلاقه عليه فی كتابه الكافی وصاحب الدار أدرى.

ولما فی حلبی كبيری: (ص، ۴۲۲، طبع: نعمانية)

وان اقتدى بعد ما سجد لها فان كان اقتداء ه فی الركعة التی تلاها فيها سقطت عنه ان ادرك معه الركوع لانها اثر القراء ة التی قد تحملها الامام عنه فی تلك الركعة ولو لم يدرك معه تلك الركعة او لم يقتد لا تسقط فلا بد من سجوده لها لعدم المسقط." وكذا فی مراقی الفلاح (ص: ۱۸۶) طبع قدیمی کتب خانه".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۱۴

﴿اقتداء کی ایسی صورت کہ مسبوق ہے تو لاحق بھی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مقیم ہے اور اس کو عصر

کی نماز میں مسافر امام کے پیچھے صرف قعدہ اخیرہ مل گیا۔تو یہ آدمی بقایا نماز کیسے پوری کرے گا؟براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔　　　　مستفتی: رضوان اللہ بونیر

﴿جواب﴾ مقیم آدمی چار رکعت والی نماز میں مسافر امام کی اقتداء میں قعدہ میں اگر شریک ہوا تو وہ ایسی صورت میں ایک لحاظ سے مسبوق ہے اور دوسرے لحاظ سے لاحق بھی،اب اس کو چار رکعتیں اس طرح پڑھنی ہیں کہ پہلے دو رکعتیں پڑھے اور ان میں یہ لاحق کی طرح نہ فاتحہ پڑھے نہ سورت کیونکہ ان رکعتوں میں وہ حکماً امام کی اقتداء میں ہے،پھر باقی دو رکعتیں پڑھے جو امام کے ساتھ وہ نہ پڑھ سکا۔اس لئے ان میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھنا ضروری ہے۔اس ترتیب سے پڑھنا اولیٰ اور مستحب ہے یعنی خلاف کرنے کی صورت میں بھی نماز ہو جائیگی اگرچہ بہتر یہی صورت ہے جو بتادی گئی۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۵۹۴، طبع: سعید)

واللاحق من فاتتہ الرکعات کلہا أو بعضہا لکن بعد اقتداء ہ بعذر کغفلۃ وزحمۃ وسبق حدث وصلاۃ خوف ومقیم ائتم بمسافر ...وحکمہ کمؤتم فلا یأتی بقراءۃ ولا سہو.

ولما فی الشامی:(۱/۵۹۴، طبع: سعید)

وان کان اقتداء ہ فی الرکعۃ الثانیۃ مثلاً فاتہ بعضہا ویکون لاحقاً مسبوقاً...(قولہ ومقیم الخ)فہو لاحق بالنظر للأخیرتین وقد یکون مسبوقا أیضا کما اذا فاتہ أول صلاۃ امامہ المسافر.کذافی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر:(۱/۲۵۴،طبع: رشیدیہ)

ولمافی حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی:(ص،۲۲۸، طبع: قدیمی کتب خانہ)

قولہ:(لانہ أدرک الخ)بیانہ انہ لما کان لاحقا کان خلف الامام حکما فکان مقتدیا بہ من ہذا الوجہ وہو منفرد حقیقۃ فبالنظر الی انہ مقتد تکرہ لہ القراءۃ تحریما وبالنظر الی انہ منفرد تستحب لہ القراءۃ اذ فرض القراءۃ قد تأدی فی الشفع الاول واذا دار الأمر بین الحرمۃ وندب فالاحتیاط ہو الترک فکان جعلہ مقتدیا اولی من جعلہ منفردا، بخلاف المسبوق فانہ أدرک قراءۃ نافلۃ فلم یسقط فرض القراءۃ عنہ ، فدارت قراءتہ بین ان تکون مکروہۃ تحریماً ، او رکناً تفسد الصلوۃ بترکہ ،فکان الاحتیاط فی حقہ القراءۃ فصار جعلہ منفردا اولی من جعلہ مقتدیاً فکانت قراءتہ فیما یقضی فرضاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۱۸ صفر الحرام ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۵۲۴

﴿مقتدی دوسری رکعت میں تشہد پورا کر کے کھڑا ہو یا امام کی متابعت کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ مقتدی اگر دوسری رکعت میں تشہد پڑھنا بھول جائے جبکہ امام تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور پھر مقتدی کو یاد آئے تو کیا تشہد پورا کر کے اٹھے یا امام کی متابعت کرتے ہوئے بغیر تشہد کے اٹھ جائے؟ نیز آخری قعدہ میں اگر مقتدی نے تشہد کے بعد درود اور دعا نہ پڑھی ہو اور امام صاحب سلام پھیر دیں تو مقتدی کیا کرے؟ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: شکیل احمد صوابی

﴿جواب﴾ چونکہ دوسری رکعت میں تشہد کا پڑھنا واجب ہے اس لئے مقتدی کو چاہیے کہ تشہد پورا کر کے تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو اور اگر تشہد کو چھوڑ دیا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ایسی نماز کا اعادہ کرنا چاہیے، البتہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود اور ادعیہ وغیرہ مسنون ہیں اس لئے اگر یہ چھوٹ جائیں اور امام سلام پھیر دے تو امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہیے۔

لما فی التنویر وشرحہ:(۱/۴۹۶،طبع سعید)

وجب متابعته بخلاف سلامه اوقيامه لثالثة قبل تمام الموتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولولم يتم جاز ولوسلم والموتم فى ادعية التشهد تابعه لانها سنة والناس عنه غافلون.

ولمافی الشامية:(۱/۴۹۶،طبع سعيد)

ولولم يتم جاز اى صح مع كراهة التحريم كما افاده والحاصل ان متابعة الامام فى الفرائض والواجبات من غير تاخير واجبة فان عارضها واجب لاينبغى ان يفوته بل ياتى به ثم يتابعه لان الاتيان به الخ.

ولمافى الهندية:(۱/۹۰،طبع رشيديه)

الامام اذاتشهد وقام من القعدة الاولىٰ الى الثالثة فنسى بعض من خلفه التشهد حتى قاموا جميعا فعلىٰ من لم يتشهد ان يعود ويتشهد ثم يتبع امامه الخ.

ولمافى الاشباه والنظائر:(ص۱۶۶)

كل صلاة اديت مع ترك واجب..... تعاد وجوبا فى الوقت.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۵ صفر الخیر ۱۴۱۳ھ　　　فتوی نمبر: ۲۳۲۸

﴿مسبوق اگر بھول کر سلام پھیرے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ اگر مسبوق نے بھول کر سلام پھیرا تو کیا اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ باحوالہ تحریر فرمائیں۔

﴿جواب﴾ مسبوق نے بھول کر اگر امام سے قبل یا امام کے بالکل متصل سلام پھیرا ہو تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں لیکن اگر امام کے بعد پھیرا ہو تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے لیکن چونکہ عموماً امام کی معیت میں سلام نہیں پھیرا جاتا اور اسمیں غفلت اور کوتاہی برتی جاتی ہے اسلئے فقہاء نے سجدہ سہو کا حکم فرمایا ہے۔

لمافی الدر المختار:(۱/۵۹۹مطبع سعید)

(ولو سلم ساهيا) (لزم السهو) لانه منفرد فى هذه الحالة (والا لا) اى وان سلم معه او قبله لايلزمه لانه مقتد فى هاتين الحالتين...... وبعد يقول العلامة: قلت يشير الى ان الغالب لزوم السجود لان الاغلب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی
فتویٰ نمبر: ۶۲

﴿پانچویں رکعت میں مسبوق کی اقتداء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ چار رکعت والی نماز میں اگر امام قعدہ اخیرہ کر کے غلطی سے پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے اور دو رکعتیں اور ملا لے تو ان دو رکعتوں میں مسبوق امام کی اقتدا کر سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: قمرالدین کورنگی نمبر ۱

﴿جواب﴾ قعدۂ اخیرہ کے بعد اگر امام سہواً کھڑا ہو جائے تو مسبوق کو اس زائد نماز میں امام کی اقتدا جائز نہیں، اگر اقتدا کرے گا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

لمافی الخانية:(۱/۱۰۲مطبع رشیدیہ)

اذاقام الامام الى الخامسة وتابعه المسبوق ان كان الامام قعد على الرابعة فسدت صلاة المسبوق وان لم يكن قعد لاتفسد صلاة المسبوق حتى يقيد الخامسة بالسجدة فاذاقيدها بالسجدة فسدت صلاته فى حق المسبوق

فلایجوز للمسبوق متابعته. ومثله فی الهندیة:(۱/ ۹۲،طبع رشیدیه)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۷۲

﴿مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں کیا پڑھے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں کیا پڑھے؟ ''التحیات،، کے ساتھ درود اور دعا بھی پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مسبوق بقیہ رکعات کی ادائیگی کیلئے کب کھڑا ہو؟ پہلے سلام کے ساتھ یا دوسرے سلام کے بعد؟

﴿جواب﴾ مسبوق کیلئے بہتر یہ ہے کہ وہ تشہد کو اس قدر آہستہ پڑھے کہ وہ امام کے سلام کے قریب ختم ہو جائے۔

لمافی الهندیة:(۱/ ۹۱،طبع رشیدیه)

والصحیح ان المسبوق یترسل فی التشهد حتی یفرغ عند سلام الامام کذا فی الوجیز للکردری وفتاویٰ قاضیخان وهکذا فی الخلاصة وفتح القدیر.

(۲) بقیہ رکعات کی ادائیگی کیلئے مسبوق اس وقت کھڑا ہو جب اس کو یقین ہو جائے کہ امام پر سجدہ سہو نہیں ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۲/ ۳۴۸،طبع امدادیه) وینبغی ان یصبر حتیٰ یفهم انه لاسهو علی الامام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۶۱

﴿مسبوق تشہد پورا کر کے اُٹھے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نماز میں اس وقت شامل ہوا کہ امام سلام پھیرنے کے قریب تھا اس آدمی نے التحیات للہ والصلوات تک پڑھا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا اب یہ آدمی تشہد پورا کر کے اٹھے یا امام کے سلام کے بعد فوراً کھڑا ہو جائے اکثر لوگ سلام کے بعد فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں دونوں کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ بہتر یہی ہے کہ تشہد پورا کر کے اٹھنا چاہیے اور اگر فوراً امام کے سلام کے بعد

اٹھے تب بھی نماز ہو جائے گی۔

لمافی الھندیة:(۱/۹۰ طبع رشیدیه)

اذا أدرك الامام فی التشهد وقام الامام قبل أن یتم المقتدی أو سلم الامام فی لخر الصلوٰة قبل أن یتم المقتدی التشهد فالمختار أن یتم التشهد كذا فی الغیاثیه. وان لم یتم أجزاه

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۲/۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۱۷۵

﴿مسبوق آدمی مابقیہ نماز کو کس طرح ادا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو آدمی امام کے ساتھ دوسری دو رکعتوں میں شریک ہوا ہو، امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی دو رکعتوں کو کس طرح ادا کرے؟ اس میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے یا پہلی رکعت میں ثناء، سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے؟ مستفتی: عبدالحق پشاور

﴿جواب﴾ مسبوق کو نماز کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے باقی ماندہ نماز ادا کرنی چاہیے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مسبوق کو چاہیے کہ جب امام صاحب نماز سے فارغ ہوں تو پہلی رکعت میں ثناء اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی بھی سورت ملائیں اور دوسری رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے، البتہ ثناء نہ پڑھے۔

لمافی الھندیة:(۱/۹۱، طبع رشیدیه)

المسبوق من لم یدرك الركعة الاولی مع الامام وله احكام كثیرة ......فاذا قام الی قضاء ما سبق یاتی بالثناء ویتعوذ للقراءة......ومنها انه یقضی اول صلاته فی حق القراءة وآخرها فی حق التشهد.

ولما فی رد المحتار:(۱/۵۹۶ طبع سعید)

(والمسبوق من سبقه الامام بها) ای بكل الركعات بان اقتدی به بعد ركوع الاخیرة وقوله او ببعضها ای بعض الركعات (قوله حتی یثنی) تفریع علی قوله منفرد فیما یقضیه بعد فراغ امامه فیاتی بالثناء والتعوذ لانه للقراءة ویقرا لانه یقضی اول صلاته فی حق القراءة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۶۵

﴿عید کی نماز مسبوق کسطرح پڑھے؟﴾

﴿سوال﴾ اگر عید کی نماز میں کوئی آدمی دوسری رکعت میں شامل ہو جائے تو وہ پہلی رکعت کی زائد تکبیرات کب ادا کرے؟

﴿جواب﴾ امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ آدمی جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو پہلے قراءت کرے بعد میں پہلی رکعت کی زائد تکبیرات کہے پھر رکوع کرے۔

لما فی الفتاوی التاتارخانیة:(۲/۷۳،طبع قدیمی)

ولو ان رجلا فاتته رکعة من صلاة العید مع الامام.....وقد قام الرجل یقضی مافاته،فانه یبدا بالقراءة ثم بالتکبیر.

ولمافی البحر:(۲/۱۶۱،طبع سعید)

ثم المسبوق برکعة اذا قام الی القضاء یقرأ ثم یکبر لانه لو بدأ با لتکبیر یصیر موالیا بین التکبیرات ولم یقل به احد من الصحابة.

ولما فی الدر المختار:(۲/۵۶،طبع سعید)ولوسبق برکعة یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:عبداللہ عفا اللہ عنہ

۵رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۳۰

﴿امام پر سجدہ سہو واجب نہ ہو تو مسبوق سجدہ سہو اور تشہد میں متابعت نہ کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) اگر امام نے اس خیال سے سجدہ سہو کرلیا کہ اس پر سجدۂ سہو واجب ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ سجدہ سہو واجب نہ تھا، اب اس صورت میں اگر مسبوق نے یہ خیال کیا ہو کہ میرے ذمہ بھی سجدہ سہو ہے، اس لئے امام کے ساتھ سلام اور دونوں سجدوں میں شرکت کی ہو تو مسبوق کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ (۲) اور اگر مسبوق نے صرف سجدوں میں اقتداء کی ہو تو پھر نماز درست ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ (۱) امام پر جب سجدہ سہو واجب ہو تو مسبوق سلام پھیرنے میں امام کی اقتداء نہیں کرے گا صرف سجدوں اور تشہد میں اقتداء کرے گا اور اگر امام پر سجدہ سہو واجب نہ ہو تو مسبوق امام کا سجدوں اور تشہد میں بھی اقتداء نہیں کرے گا، تاہم اگر مسبوق نے عمداً سلام پھیرا ہو

تو نماز کا لوٹانا واجب ہوگا اور مذکورہ صورت میں مسبوق کا اس خیال سے سلام پھیرنا کہ میرے ذمہ بھی سجدہ سہو ہے یہ عمداً سلام کے حکم میں ہے، اسلئے نماز کا لوٹانا واجب ہے۔

لمافی الشامی:(۸۲/۲،طبع سعید)

(والمسبوق يسجد مع امامه) قيد بالسجودلانه لايتابعه في السلام ،بل يسجد معه ويتشهد فاذا سلم الامام قام الى القضاء فان سلم فان كان عامدا فسدت (الى ان قال)ولو سلم على ظن ان عليه ان يسلم فهو سلام عمد يمنع البناء.

ولما في بدائع الصنائع:(۱۷۶/۱،طبع سعيد)

ولا يسلم اذا سلم الامام لان هذالسلام للخروج عن الصلوٰة وقد بقى عليه اركان الصلوٰة فاذا سلم مع الامام فان كان ذاكرا لما عليه من القضاء فسدت صلوٰته لانه سلام عمد.

(۲) اگر مسبوق نے صرف سجدوں میں اقتداء کی ہو جبکہ امام پر سجدہ سہو واجب نہ ہو تو اس صورت میں اصل قاعدہ کیمطابق نماز فاسد ہو جاتی ہے (لاقتدائه في موضع الانفراد) اس لئے کہ جب امام سجدۂ سہو کیلئے ایک طرف سلام پھیرے گا تو نماز سے خارج ہو جائیگا اور مسبوق کا اس دوران سجدوں اور تشہد میں شریک ہونا حالت انفراد میں لازم آئیگا جس پر مابقیہ نماز کی بناء درست نہیں، البتہ متاخرین فقہاء نے غلبہ جہل کیوجہ سے عدم فساد کا فتویٰ دیا ہے، اس بناء پر مذکورہ صورت میں مسبوق کی نماز درست ہو گی، ہاں اگر بعد میں امام کے اس بے محل سجدہ سہو کا علم ہو جائے تو نماز کا لوٹانا بہتر ہے۔

لما في التاتار خانية:(۵۳۸/۱،طبع قديمی)

(الحاوی)ظن الامام ان عليه سجدتا السهو فسجد الامام وتابعه المسبوق فيها ثم تبين انه لم يكن عليه قيل لاتفسد صلوٰة المسبوق وقيل : تفسد والاحواط أن يعيد صلوٰته وفي الغياثية صلوٰته جائزة عند المتاخرين وعليه الفتوٰى.

ولما في الخلاصة الفتاوى:(۱۶۳/۱-۱۶۴،طبع رشيديه)

اذا ظن الامام ان عليه سهوا فسجد للسهو وتابعه المسبوق في ذٰلك ثم علم ان الامام لم يكن عليه سهو فيه روايتان واختلف المشائخ لاختلاف الروايتين واشهرهما ان صلوٰة المسبوق يفسد وقال الامام ابو حفص الكبيرؒ لايفسد والصدر الشهيدؒ لخذ به في واقعاته وان لم يعلم الامام ان ليس عليه سهو لم يفسد صلوٰة المسبوق عندهم جميعا.

ولمافي الدر المختار:(۵۰/۲،طبع امداديه)

ولو ظن الامام السهو فسجد له فتابعه فبان ان لاسهو فالاشبه الفساد

لاقتدائه في موضع الفساد وقال العلامة الشامي (فالاشبه الفساد) وفي الفيض: وقيل لاتفسد وبه يفتىٰ، وفي البحر عن الظهيرية: قال ابوالليث: في زماننا لاتفسد لان الجهل في القرآء غالب اھ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم بالصواب: رشید عالم مروتی

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۸۷۸

﴿مسبوق کا سجدہ سہو میں امام کے ساتھ سلام پھیرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی مسبوق تھا امام پر سجدہ سہو لازم ہو گیا، امام نے سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرا تو اس مسبوق نے بھی ساتھ سلام پھیر دیا تو اب اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد دریام ڈیفنس فیز 1

﴿جواب﴾ مسبوق اگر جان بوجھ کر سجدہ سہو کے لیے امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس پر نماز کا اعادہ کرنا لازم ہوگا اور اگر بھول کر سلام پھیر دے تو اس کی نماز درست ہو گی اور اس پر سجدہ سہو بھی لازم نہ ہوگا خواہ اس کا سلام امام کے سلام کے بعد ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ مقتدی ہے۔

لمافي بدائع الصنائع: (۱/۱۷۶ طبع سعید)

ثم المسبوق انما يتابع الامام في السهو دون السلام بل ينتظر الامام حتى يسلم فيسجد فيتابعه في سجود السهو لا في سلامه وان سلم فان كان عامدا تفسد صلاته وان كان ساهيا لا تفسد ولا سهو عليه لانه مقتد وسهو المقتدي باطل.

ولمافي الشامية: (۲/۵۴۶ طبع امدادیه)

(والمسبوق يسجد مع امامه مطلقا) سواء كان السهو قبل الاقتداء او بعده قال: قيد بالسجود لانه لايتابعه في السلام بل يسجد معه ويتشهد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۳ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۶۰۸

﴿مسبوق کی بقیہ رکعات کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مغرب کی نماز میں ایک شخص کو ایک رکعت مل گئی تو وہ اپنی بقیہ نماز جب ادا کرے گا تو ایک رکعت پڑھنے کے بعد تشہد

کیلئے بیٹھے گا یا نہیں؟ برائے مہربانی مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا شخص کو شریعت میں مسبوق کہتے ہیں، مسبوق کی باقی ماندہ نماز قراءت کے حق میں اول ہوتی ہے اور تشہد کے حق میں آخر، پس جس آدمی کو امام کیساتھ آخری رکعت ملے، امام کے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہوکر ایک رکعت ثناء اور فاتحہ کیساتھ سورۃ ملاکر پوری کر کے تشہد کیلئے بیٹھ جائے اور پھر دوسری رکعت میں بھی فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملالے یہی صحیح طریقہ ہے، تاہم بھول سے اس کے خلاف کیا یعنی تشہد کے لیے نہیں بیٹھا تب بھی نماز درست ہوگی سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

لمافی فتح القدير: (۴۰۱/۱، طبع رشیدیه)

ثم المسبوق يقضي اول صلاته في حق القرائة وآخرها في حق التشهد حتى لوادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه يقرأفي الركعتين بالفاتحة والسورة ولو ترك في احداهما فسدت صلاته، وعليه ان يقضي ركعة بتشهد لانهاثانيته ولو ترك جازت استحسانالاقياسا

ولمافی العالمگیریة: (۹۱/۱، طبع رشیدیه)

(ومنها) انه يقضي اول صلاته في حق القرائة وآخرها في حق التشهد حتى لو ادرك ركعة من المغرب قضى ركعتين وفصل بقعدة فيكون بثلاث قعدات وقرا في كل فاتحة وسورة.

ولمافی الشامیة: (۵۹۶/۱-۵۹۷، طبع سعید)

(قوله ويقضي اول صلاته في حق قرائة) هذاقول محمدؒ كما في مبسوط السرخسي ---- وفي الفيض عن المستصفى: لوادركه في ركعة الرباعي يقضي ركعتين بفاتحة وسورة ثم يتشهد ثم ياتي بالثالثة بفاتحة خاصة عند ابي حنيفةؒ وقالا: ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين اولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة اه وظاهر كلامهم اعتماد قول محمدؒ (وقوله وتشهد بينهما) قال في شرح المنية ولو لم يقعد جاز استحسانا لاقياسا ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة الاولى من وجه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۶۳

﴿قعدۂ اولیٰ یا اخیرہ میں شامل ہوتے ہی امام اٹھ جائے یا سلام پھیر دے تو۔۔۔؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص امام کیساتھ

ظہر کی نماز میں قعدۂ اولیٰ میں آکر شریک ہوا اور اس کے بیٹھتے ہی امام صاحب تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوگئے یا قعدہ اخیرہ میں شریک ہوا اور اس کے بیٹھتے ہی امام صاحب نے سلام پھیر دیا تو ان دونوں صورتوں میں مذکورہ شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد نوید

﴿جواب﴾ مذکورہ دونوں صورتوں میں اس شخص کو چاہیے کہ وہ تشہد پڑھ کر اٹھے یہی حکم اس شخص کا ہے جس کی تشہد پورا ہونے سے پہلے امام صاحب کھڑے ہوجائیں یا سلام پھیر دیں۔

لمافی التنویر مع الدر المختار: (۴۹۶/۱، طبع سعید)

(بخلاف سلامه) أو قيامه الثالثة (قبل تمام المؤتم التشهد) فانه لايتابعه بل يتمه لوجوبه، ولولم يتم جاز، ولوسلم والمؤتم فی ادعية التشهد تابعه لانها سنة.

ولمافی الشامی: (۴۹۶/۱، طبع سعید)

(قوله فانه لايتابعه): أی ولوخاف ان تفوته الركعة الثالثة مع الامام كما صرّح به فی الظهيرية، وشمل باطلاقه مالواقتدى به أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام امامه أو سلم ومقتضاه انه يتم التشهد ثم يقوم ولم أره صريحاً ثم رأيته فی الذخيرة ناقلاً عن ابی الليث، المختار عندی انه يتم التشهد (قوله لوجوبه): أی لوجوب التشهد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم: رضوان اللہ حقانی

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۰۸

﴿چھوتھی رکعت میں امام کو پانے والے مسبوق کی نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ظہر کی نماز میں امام کیساتھ اس وقت شریک ہوگیا جبکہ امام آخری رکعت پڑھ رہا تھا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ شخص باقی نماز کس ترتیب سے پوری کرے؟ مستفتی: محمد عمران صاحب

﴿جواب﴾ امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد یہ مسبوق کھڑا ہو پہلی رکعت میں ثناء، سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ ملا کر رکعت پوری کرے اور قعدہ کرے، اس لئے کہ دو رکعتوں کے بعد قعدہ ہے، التحیات پڑھنے کے بعد تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہو اس میں بھی فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھے، اس لئے کہ شروع کی دو رکعتوں میں امام صاحب نے قرائت کی تھی لیکن اس وقت یہ شامل نہیں تھا اور آخری رکعت میں فاتحہ پر اکتفا کرے یہ رکعت بھی امام کیساتھ

نہیں ملی تھی لیکن امام صاحب نے بھی سورۃ ملائے بغیر پڑھی تھی۔

لما فی الهندية:(۱/۹۱،طبع رشيديه)

ولو ادرك ركعة من الرباعية فعليه ان يقضي ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة ويتشهد ويقضي ركعة اخرى كذالك ولا يتشهد وفي الثالثة بالخيار والقراءة افضل.

ولما في خلاصة الفتاوىٰ:(۱/۱٦٦،طبع رشيديه)

ولو ادرك ركعة مع الامام في صلوٰة الظهر والعصر والعشاء وقام الى القضاء فعليه ان يقضي ركعة ويقرأ فيها بالفاتحة وسورة ويتشهد لانه يقضي أخرى الصلوٰة في حق التشهد ويقضي ركعة آخرى ويقرأ فيها بالفاتحة وسورة ولا يتشهد وفي الثالثة بالخيار والقراءة افضل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: رضوان اللہ حقانی

۱۸ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ　　　　فتوی نمبر: ۱۹۱۱

﴿دوسرے مقتدی کو دیکھ کر اپنی نماز پوری کرنا﴾

﴿سوال﴾ آج عصر کی نماز میں جب میں شامل ہوا تو مجھ سے کچھ رکعتیں چھوٹ گئیں تھیں جب امام نے سلام پھیر دیا تو میں اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کیلئے کھڑا ہو گیا لیکن مجھے یاد نہ رہا کہ مجھ سے کتنی رکعتیں چھوٹی ہیں، اسلئے دوسرے مقتدی کو دیکھ کر میں نے اپنی بقیہ رکعات پوری کیں، وہ دوسرا مقتدی اور میں ایک ساتھ شریک ہوئے تھے اس صورت میں میری نماز صحیح ہو گئی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اپنی باقی ماندہ نماز کا اندازہ ساتھ والے سے لگانا درست ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں نماز صحیح ہو گئی ہے بشرطیکہ دوسرے مقتدی کو امام کی حیثیت نہ دی ہو۔

لما في خلاصة الفتاوىٰ:(۱/۱٦۳،طبع رشيديه)

لونسي احدهما انه بكم سبق فنظر الى صاحبه وقضى مقتدرما قضى صاحبه ولم يقتدبه يجوز صلاته.

ولما في الهندية:(۱/۹۲،طبع رشيديه)

ولونسي احد المسبوقين المتساويين كمية ما عليه فقضى ملاحظا للآخر بلا اقتداء به صح.

ولما في الدر المختار:(۱/۵۹۷)

ونسي احد المسبوقين يقضي ملاحظا للآخر بلا اقتداء صح.

وفي الشامية:(قوله لونسي الخ)حاصله انه لواقتدى اثنان معا بامام قد صلى بعض

صلاته لما قاما الی القضاء نسی احدهما عدد ما سبق به فقضی ملاحظا للآخر بلا اقتداء به صح كما في الخانية والفتح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۸۳۳

﴿نماز جمعہ کی تشہد میں شریک ہونے والے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ اگر کوئی نمازی جمعہ کی نماز میں اس وقت شریک ہوا جب امام صاحب قعدہ میں بیٹھے ہوئے تھے، امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد مذکورہ نمازی دو رکعت جمعہ پڑھیگا یا ظہر کی چار رکعت پڑھیگا یعنی اس شخص کو جمعہ مل گیا یا نہیں؟ مستفتی ضیاء الدین کراچوی

﴿جواب﴾ جو شخص نماز جمعہ کی تشہد میں شریک ہوجائے اسکو نماز جمعہ مل گئی، پس وہ دو رکعت نماز جمعہ پڑھ لے ظہر کی چار رکعت نہ پڑھے۔

لما في البحر الرائق: (۱۵۴/۲ طبع سعید)

(قوله ومن ادركها في التشهد او في سجود السهو اتم جمعة) يعني عند ابي حنيفة وابويوسف وقال محمدؒ ان ادرك معه أكثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة وان ادرك اقلها بنى عليها الظهر ---- واشار المصنفؒ الى انه لابد ان ينوي الجمعة دون الظهر حتى لونوى الظهر لم يصح اقتداءه كذا في المبسوط وفي المضمرات انه مجمع عليه.

ولما في الهندية: (۱۴۹/۱ رشيد)

ومن ادركها في التشهد او في سجود السهو أتم الجمعة عن الشيخين رحمهما الله تعالى.

ولما في الدر المختار: (۱۵۷/۲ طبع سعيد)

(ومن ادركها في التشهد لو سجود سهو) على القول به فيها (يتمها جمعة) خلافا لمحمدؒ (كما) يتم (في العيد) اتفاقا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ

۶ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۱۰۶۳

﴿لاحق کی نماز کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کوئی شخص نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوا اور ایک یا دو رکعت کے بعد اسکو کوئی عذر لاحق ہوجائے وہ وضو کرکے آئے تو پہلی چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے یا امام کے ساتھ

شریک ہو جائے اور اپنی نماز بعد میں پوری کر لے؟ مستفتی: عرفان اللہ

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اسے پہلے فوت شدہ رکعت بلا قراءت پڑھنی چاہیے جو عذر کی وجہ سے فوت ہوگئی پھر امام اگر نماز میں ہو تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے ورنہ اکیلا اپنی نماز پوری کر لے، تاہم اگر امام کیساتھ ملکر امام کی فراغت کے بعد اپنی نماز پوری کر لے تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن پہلی صورت زیادہ بہتر ہے۔

لما فی الهندية:(۹۲/۱ طبع رشيديه)

اللاحق اذا عاد بعد الوضوء ينبغي له ان يشتغل اولا بقضاء ماسبقه الامام بغير قرائة يقوم مقدار قيام الامام وركوعه وسجوده لو زاد او نقص فلا يضره كذافي شرح الطحاوي وقال بعد سطر واحد ولو لم يشتغل بقضاء ماسبقه الامام ولكن يتابع الامام اولا ثم قضى ماسبقه الامام بعد تسليم الامام جازت صلاته عندنا.

الجواب صحيح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبد الستار

۴ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۹۴۵

﴿مسبوق ثناء کب پڑھے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق میں کہ مسبوق ثناء کب پڑھے گا؟ داخل ہوتے ہی پڑھیگا یا باقی ماندہ نماز پوری کرنے کے وقت؟ نیز سری اور جہری نمازوں میں فرق کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: حاجی محمد ابراهیم شاہ حسن خیل ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ مسبوق جب نماز میں قیام کی حالت میں داخل ہو اور نماز جہری ہو تو ثناء نہیں پڑھیگا باقی ماندہ نماز پوری کرتے وقت پڑھیگا اور اگر نماز سری ہے تو داخل ہوتے وقت پڑھے گا اور باقی ماندہ نماز پوری کرتے وقت بھی پڑھیگا۔

لما فی الدر المختار:(۲۸۸/۱-۲۸۹، طبع سعيد)

(وقرأ)......(سبحانك اللهم تاركا) ......(مقتصرا عليه)......(الا اذا) شرع الامام في القرائة سواء (كان مسبوقا) أو مدركا (و) سواء كان (امامه يجهر بالقرائة) أو لا (فانه) (لا يأتي به) لما في النهر عن الصغرى أدرك الامام في القيام يثني مالم يبدأ بالقرائة وقيل في المخافتة يثني، (قوله: لما في النهر الخ) تعليل لتحويل الشارح عبارة المصنف، لأن قضية المتن الاتيان بالثناء في المخافتة وان بدأ الامام بالقرائة وهو ضعيف

لتعبير الصغرى عنه بقيل ووجهه أنه اذا امتنع عن القراءة فبالاولى أن يمتنع عن الثناء. وأقول: ماذكره المصنف جزم به في الدرر. وقال في المنح: وصححه في الذخيرة وفي المضمرات وعليه الفتوى ومشى عليه......

وهكذا في الخلاصة: (۱/۱۶۵، طبع رشيديه)

المسبوق اذا ادرك الامام في القراءة في الركعة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء فاذا قام الى قضاء ما سبق به يأتي بالثناء و يتعوذ للقراءة وعند أبي يوسفؒ يتعوذ عند الدخول في الصلوة وعند القرائة أيضا وهذا استحباب أما كونه سنة فقدمر في فصل الاداب ثم في الثناء ان كان قريبا من الامام أو بعيدا أو لا يسمع لصممه في صلوة الجهر يسكت وفي صلوة المخافتة يأتي بالثناء اذا أدركه قائما.

لما في الهندية: (۱/۹۰ مكتبه رشيدية)

المسبوق من لم يدرك الركعة......(منها) انه اذا أدرك الامام في القراءة في الركعة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء كذا في الخلاصة هو الصحيح كذا في التجنيس وهو الاصح هكذا في الوجيز للكردري سواء كان قريبا أو بعيدا أو لا يسمع لصممه هكذا في الخلاصة فاذا قام الى قضاء ما سبق يأتي بالثناء ويتعوذ للقراءة كذا في فتاوى قاضيخان والخلاصة والظهيرية وفي صلاة المخافتة يأتي به كذا في الخلاصة ويسكت المؤتم عن الثناء اذا جهر الامام هو الصحيح، كذا في التاتارخانية في فصل ما يفعله المصلي في صلاته.

وكذا في منحة الخالق على البحر: (۱/۲۰۹-۲۱۰، طبع سعيد) وكذا في منية المصلي: (ص ۳۰۴)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۹۰

﴿دوران نماز خاتون کو حدث لاحق ہو تو باقی ماندہ نماز کس طرح مکمل کرے گی؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی خاتون کو دوران صلوۃ حدث لاحق ہو جائے تو باقی ماندہ نماز کس طرح مکمل کرے گی؟ براہ کرم بناء کی وضاحت فرمائیں۔

مستفتیہ: معلمہ جامعہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ دوران نماز حدث لاحق ہو جائے تو فوراً وضو بنا کر باقی ماندہ نماز کی بناء کر سکتی ہیں اور از سر نو پڑھنا زیادہ بہتر ہے، بناء کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک نماز پڑھی تھی وضو کرنے کے بعد دوبارہ وہی سے شروع کریں اور نماز پوری کریں، بظاہر یہ عمل یعنی وضو کے لئے

آنا اور وضو بنانا اگرچہ نماز کے منافی ہے لیکن شریعت نے اسکی گنجائش دی ہے، البتہ بناء کیلئے کچھ شرائط ہیں مثلاً یہ کہ لاحق ہونے والا حدث نادرالوقوع نہ ہو، اختیاری نہ ہو، لاحق ہونے کے بعد اتنی تاخیر نہ کرے جس میں ایک رکن اداء ہوسکے اور وضو کے علاوہ کوئی دوسرا عمل منافی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے اختیار سے ستر بھی نہ کھولے۔

مذکورہ شرائط کی رعایت کی تو بناء کی گنجائش ہے ورنہ ازسرنو نماز پڑھنا ضروری ہوگا، ویسے پسندیدہ یہ ہے کہ بجائے بناء کے ازسرنو پڑھ لے، خصوصاً عورت کیلئے، اسلئے کہ سر اور باز وعورت کے ستر میں داخل ہیں اور وضو کرتے وقت باز و اور سر سے کپڑا دور کئے بغیر دھونا، مسح کرنا مشکل ہے، پھر معذوری اور نامعذوری میں فرق کرنا بھی مشکل ہے، اسلئے بعض صورتوں میں بناء جائز نہیں ہوگی اور وہ سمجھے گی کہ میرے لئے بناء کرنا جائز ہے، اسلئے احتیاط اسمیں ہے کہ عورت ازسرنو نماز پڑھے بناء نہ کرے۔

لما فی الهندية:(۱/۹۳-۹۴،طبع رشیدیه)

من سبقه حدث توضأوبنى......والرجل والمرأة فی حق حكم البناء سواء ......والاستيناف أفضل وهذا فی حق الكل عند بعض المشائخ وقيل هذا فی حق المنفرد قطعا......(ثم لجواز البناء شروط)(منها)أن يكون الحدث موجبا للوضوء، ولا يندر وجوده وان يكون سماويا لا اختيار للعبد فيه ولا فی سببه......

(ومنها) ان ينصرف من ساعته حتى لو أدى ركنا مع الحدث أو مكث مكانه قدر ما يؤدى ركنا فسدت صلاته......(ومنها)أن لا يفعل بعد الحدث فعلا منافيا للصلاة ......

(ومنها)ان لا يظهر حدثه السابق بعد الحدث السماوى الخ.

ولما فی حلبی کبیر:(ص ۴۵۲ طبع سهيل اكيڈمی)

(ومنها)أن لا يعرض له ما ينافی الصلاة من كلام ونحوه أو كشف عورة حتى لو كشفت رأسها للمسح أو ذراعيها للغسل تفسد ولا تبنى فی الصحيح وكذا لو كشف الرجل أو المرأة للاستنجاء من تحت الثياب وكذا تغسل النجاسة وتمسح رأسها وتغسل ذراعيها بلا كشف ان أمكن والا لزم الاستيناف فی ذلك كله.

ولما فی الدر المختار مع رد المحتار:(۱/۶۰۵ طبع سعيد)

(أو كشف عورته فی الاستنجاء)أو المرأة ذراعيها للوضوء (اذا لم يضطر له)فلو اضطر لم تفسد

وفی الشامية تحته :قال فی الخانية :قال الامام أبو على النسفى :ان لم يجد بدا من

ذلک لم تفسد صلاته والا تمکن من الاستنجاء وغسل النجاسة تحت القمیص فسدت وکذا المرأة لها أن تکشف عورتها وأعضاءها فی الوضوء اذالم تجد بدا من ذلک، وقال بعضهم :اذاکشف عورته فی الوضوء لا یبنی ،وکذا المرأة و الصحیح هو الاول لان جواز البناء للمرأة منصوص علیه مع انها تکشف عورتها فی الوضوء ظاهرا قال نوح أفندی :وصحح الزیلعی الثانی والاعتماد علی تصحیح قاضیخان أولی، ولهذا اختاره المصنف یعنی صاحب الدرر لکن فی الفتح عن الزیلعی أن الفساد مطلقا ظاهر المذهب.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد اسلم چترالی

۱۷رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر :۱۶۸۵

﴿مسبوق کا بھول کر امام کیساتھ سلام پھیرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مسبوق بھول کر امام کیساتھ سلام پھیرلے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟ مستفتی :محمد امتیاز خان

﴿جواب﴾ مقتدی عموما امام کے سلام پھیرنے کے بعد ہی سلام پھیرتا ہے اسلئے مذکورہ صورت میں اس پر سجدہ سہو لازم ہے کیونکہ جب امام نے سلام پھیرا تو مقتدی اسکی اقتداء سے نکل گیا اب اسکا حکم منفرد یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے کیطرح ہے اور منفرد پر بھول کر سلام پھیرنے کیصورت میں سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔

لما فی الدر المختار:(۱/۵۹۹طبع سعید)

ولو سلم ساهیًا ان بعد امامه لزمه السهو والالا وقال الشامیؒ:قوله والّالا ای وان سلم معه أوقبله لا یلزمه لأنه مقتد فی هاتین الحالتین.

ولما فی التاتار خانیة:(۱/۵۳۲طبع قدیمی)

واذاسلم المقتدی المسبوق حین سلم الامام ساهیابنی علی صلوته وعلیه سجود السهوالی قوله......هذااذاسلم بعدماسلم الامام وفی الکبری وهوالمختار.

ولما فی الحلبی:(۱/۴۶۵طبع سهیل اکیڈمی)

وفی المحیط ان سلم فی الاولی مقار نالسلامه فلا سهوعلیه لأنه مقتدبه وبعده یلزمه لأنه منفردالی......فعلی هذایرادبالمعیة حقیقتها وهونادرالوقوع.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم :عبدالحکیم کشمیری عفااللہ عنہ

محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر :۱۰۸۱

﴿مسبوق قعدہ اخیرہ میں صرف تشہد پر اکتفاء کریگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام درپیش مسئلہ کے متعلق کہ مسبوق قعدہ اخیرہ میں درود شریف اور دعاء پڑھے گا یا صرف تشہد پر اکتفاء کریگا؟ برائے مہربانی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ایم ایاز عمر کوٹ

﴿جواب﴾ امام صاحب کا قعدہ اخیرہ مسبوق کیلئے قعدہ اخیرہ نہیں ہے۔ امام کی متابعت ضروری ہے اس لئے مسبوق قعدہ اخیرہ میں شریک ہو رہا ہے، لہذا مسبوق کو درود شریف اور دعاء نہیں پڑھنی چاہئے۔ البتہ "التحیات" آرام سے پڑھے تاکہ امام صاحب کے سلام پھیرتے وقت وہ تشہد سے فارغ ہو۔

لما فی الدر: ۵۱۱/۱ (طبع ایچ ،ایم سعید)

وأما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامہ.

لما فی الھندیۃ: ۹۱/۱ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

والصحیح ان المسبوق یترسل فی التشہد حتیٰ یفرغ عند سلام الامام کذا فی الوجیز الکردری وفتاوی قاضی خان وھکذا فی الخلاصہ وفتح القدیر،

لما فی الخانیۃ علی الھندیہ: ۱۰۳/۱ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

المسبوق اذا قعد مع الامام کیف یفعل اختلفوا فیہ والصحیح انہ یترسل فی التشہد حتیٰ یفرغ من التشہد عند سلام الامام.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۵۹

﴿مسبوق کے لئے تشہد کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی مسبوق جو امام کے ساتھ آخری رکعت میں شامل ہوا امام نے آخری رکعت پڑھ کر قعدہ میں بیٹھ گیا تو مسبوق کے لئے تشہد پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد وقاص صوابی

﴿جواب﴾ مسبوق جو امام کے ساتھ آخری رکعت میں شامل ہوا ہے قعدہ آخیرہ میں امام کی متابعت کی وجہ سے اس پر تشہد پڑھنا واجب ہے۔

لما فی الدر:(۱/۵۱۱،طبع سعید)اما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامه وقیل یتم .

وفی الشامیه تحته:انه یقضی آخر صلاته فی حق التشهد ویأتی فیه بالصلاة والدعاء وهذا لیس آخر وهذا فی قعدة الامام الاخیرة واما فیما قبلها من القعدات فحکمه السکوت.

ولمافی الهندیة:(۱/۹۱ مکتبه رشیدیه)

ان المسبوق ببعض الرکعات یتابع الامام فی التشهد الاخیرواذاتم التشهدلا یشغل بمابعده من الدعوات والصحیح ان المسبوق یترسل فی التشهدحتی یفرغ عند سلام الامام

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:احمد علی

۱۶صفرالخیر۱۴۳۶ھ فتویٰ نمبر:۲۳۳۶

﴿مسبوق کو باقی ماندہ رکعتوں میں دوبارہ سہو ہوجائے تو۔۔۔﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے کہ مسبوق نے امام کیساتھ سجدہ سہو کیا ہو جب اپنی آخری رکعت پڑھ رہا تھا تو اس میں بھی سہو ہوگیا تو آیا دوبارہ سجدۂ سہو کریگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں مسبوق (جس سے ایک یا دو رکعتیں فوت ہوگئی ہوں) سے اگر فوت شدہ رکعتوں میں سہو ہوجائے تو دوبارہ سجدہ سہو کریگا، اس لئے کہ اس وقت یہ امام کے تابع نہیں ہے بلکہ وہ منفرد یعنی اکیلا نماز پڑھنے والا ہے اور امام کے ساتھ جو سجدہ سہو کیا وہ تو امام کی متابعت کی وجہ سے اس پر لازم تھا۔

لمافی التنویرمع رد المحتار:(۱/۵۹۶،طبع سعید)

(والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وهو منفرد فیمایقضیه)ای بعد متابعته لامامه وقال الشامی تحته منفرد فیما یقضیه بعد فراغ امامه فیأتی بالثناء والتعوذ لانه للقرائة ویقرء لأنه یقضی اول صلاته فی حق القرائة کمایأتی حتی لوترك القرائة فسدت۔۔۔ولو سلم ساهیا ان بعد امامه لزمه السهو والالا وقال الشامی تحت هذاالقول لانه منفرد فی هذه الحالة.

لمافی حلبی الکبیر:(ص۴۰۳،مکتبه نعمانیه)

وکذالو سجد لسهو امامه ثم سها فیما یقضی یسجد ایضا لتقدم الجزء علی السهو الثانی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:احمد علی عفی عنہ

یکم صفرالخیر۱۴۳۶ھ فتویٰ نمبر:۲۲۶۰

﴿باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا﴾

﴿نماز کے مفسدات ومکروہات کا بیان﴾

﴿دوران نماز کسی تحریر پر نظر پڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز اگر سامنے کسی تحریر پر نظر پڑ جائے اور دل میں اس تحریر کے الفاظ کو پڑھ کر سمجھ بھی لے تو نماز فاسد ہو جائیگی یانہیں؟ بینوا توجروا

مستفتی: محمد بونیری

﴿جواب﴾ دوران نماز سامنے رکھی ہوئی کسی تحریر پر نظر پڑنے اور اسکا مفہوم سمجھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی جب تک زبان سے الفاظ ادا نہ کرے لیکن قصداً ایسا کرنا نہیں چاہیے۔

لمافی الفقہ الاسلامی وأدلتہ:(۱۰۲۴/۲ طبع رشیدیہ)

ولاتفسد الصلاۃ بالنظر الی مکتوب وفهمه،غیرأنه مکروہ۔

ولمافی الشامی (۱/۶۲۴ طبع سعید)

ومجرد النظر بلاحمل غیر مفسد لعدم وجهی الفساد.

ولمافی المحیط البرھانی:(۱۵۹/۲،ادارۃ القرآن)

وان نظرالی شیء مکتوب وفهم مافیه ان نظرغیرمستفهم ولکنه فهم لاتفسدصلاته.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عباداللہ صوابی

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

فتویٰ نمبر: ۳۰۱۸

﴿ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد وضوء ٹوٹنے سے نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور نماز کے آخر میں ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد وضوء ٹوٹ گیا تو آیا اس شخص کی نماز مکمل ہو گئی یا لوٹانا ضروری ہے؟

مستفتی: حیات اللہ خان پشین

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص کی نماز ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد مکمل ہو گئی کیونکہ دائیں طرف سلام کرتے وقت ''السلام'' کے ختم ہوتے ہی نمازی نماز سے خارج ہو جاتا ہے، لہذا اب اس کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

لمافی نصب الرایۃ:(۲/۶۳،مکتبہ شاملہ)

عن عبدالله بن عمر رضی الله عنه عن النبی ﷺ:"اذاقضی الامام الصلاة فقعد فاحدث هو أو أحد ممن أتم الصلاة معه قبل أن یسلم الامام فقد تمت صلاته فلایعیدها".

ولمافی الدر المختار:(۱/۴۶۸،طبع سعید)

"وتنقضی قدوة بالأول قبل علیکم علی المشهور عندنا(وفی الشامی)(قوله وتنقضی قدوة بالأول)ای بالسلام الأول قال فی التجنیس:الامام اذافرغ من صلاته فلماقال السلام جاء رجل واقتدی به قبل علیکم لا یصیر داخلاً فی صلاته لأن هذاسلام".

ولمافی البدائع:(۲/۲۵۸،طبع بیروت)

"وأما حکمه (التسلیم)فهو الخروج من الصلاة،ثم الخروج یتعلق باحدی التسلیمتین عند عامة العلماء،وروی عن محمد أنه قال:التسلیمة الأولی للخروج والتحیة والتسلیمة الثانیة للتحیة خاصة،وقال بعضهم:لایخرج مالم یوجد التسلیمتین جمیعاً وهو خلاف اجماع السلف،ولأن التسلیم تکلیم القوم،لأنه خطاب لهم فکان منافیاًللصلاة".

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ ۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

واللہ أعلم بالصواب:عبدالباری پشینی فتویٰ نمبر:۲۹۷۶

﴿مصحف میں دیکھ کر قرآن پڑھنا مفسد صلاۃ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگرتراویح میں حافظ صاحب مصحف ہاتھ میں اٹھا کر قرآن سنائے تو نماز ہوجائیگی یانہیں؟ مستفتی: حافظ الیاس دیروی

﴿جواب﴾ دوران نماز مصحف کواٹھائے رکھنااوراسے دیکھ کر پڑھنا اسمیں ایک تو عمل کثیر پایاجارہاہے اوردوسراکسی غیر سے تعلیم وتلقین بھی اور یہ دونوں مفسد صلاۃ ہے،لہٰذا حافظ صاحب کاتراویح میں مصحف اٹھاکراوردیکھ کرقرآن سناناجائزنہیں اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۱/۶۲۳-۶۲۴،طبع سعید)

(وقراءته من مصحف)أی مافیه قرآن (مطلقا)وقال الشامی (قوله مطلقا)أی قلیلاأو کثیراامامأومنفردا،أمیالایمکنه القراءةالامنه أولا(قوله لانه تعلم)ذکرولأبی حنیفة فی علة الفساد وجهین احدهماأن حمل المصحف والنظرفیه وتقلیب الاوراق عمل کثیر، الثانی أنه تلقن من المصحف فصار کمااذاتلقن من غیره وعلی الثانی فلافرق بین

الموضوع والمحمول عنده وعلى الاول يفترقان وصحح الثاني في الكافي تبعاً لتصحيح السرخسي ...... ومجرد النظر بلا حمل غير مفسد لعدم وجهي الفساد.

ولما في البدائع:(۲۳۶/۱،طبع سعيد)

ولو قرأ المصلي من المصحف فصلاته فاسدة عند أبي حنيفة وعند أبي يوسف ومحمد تامة ويكره وقال الشافعي لا يكره...... ولأبي حنيفة طريقتان :احداهما أن مايوجد منه من حمل المصحف وتقليب الاوراق والنظر فيه أعمال كثيرة ...... والطريقة الثانية ان هذا يلقن من المصحف فيكون تعلما منه ..... كما لو تعلم من معلم وذا يفسد الصلاة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ صوابی

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۱۶

﴿دورانِ نماز آدھا چہرہ ڈھانپنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دورانِ نماز آدھا چہرے کا ڈھانپ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

﴿جواب﴾ دورانِ نماز بلاضرورت منہ ڈھانپنا منع ہے اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے، کراہت اگرچہ تنزیہی ہے لیکن بلاضرورت ہو تو اس سے پرہیز ضروری ہے۔

لما في الشامي:(۶۳۹/۱،مطلب في الكراهة التحريمية والتنزيهية،طبع سعيد)

قال ابن عابدين الشامي :والمكروه في هذا الباب نوعان :..... ثانيهما: المكروه تنزيها ومرجعه الى ماتركه أولى ...... قلت:ويعرف أيضا بلا دليل نهي خاص بأن تضمن ترك واجب أو ترك سنة فالأول مكروه تحريما والثاني تنزيها ولكن تتفاوت التنزيهية في الشدة والقرب من التحريمية بحسب تأكد السنة،فان مراتب الاستحباب متفاوتة كرتب السنة والواجب والفرض فكذا أضدادها كما أفادها في شرح المنية.

ولما في الهندية:(۱۰۷/۱،طبع رشيديه)

ويكره التلثم وهو تغطية الأنف والفم في الصلاة...... كذا في التبيين.

ولما في البدائع:(۲۱۶/۱،كتاب الصلاة،طبع سعيد)

ويكره أن يغطي فاه في الصلاة،لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى ذلك ،ولأن في التغطية منعا من القراءة والأذكار المشروعة..... والنبي صلى الله عليه وسلم نهى عن

التلثم فی الصلاۃ الا اذا کانت التغطیۃ لدفع التثاؤب فلا باس بہ.

ھکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح :(ص ۳۵۰، کتاب الصلاۃ مطبع قدیمی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۲۹۰۲

﴿نماز میں سورتوں کا قصداً ترتیب کے خلاف پڑھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام صاحب نماز پڑھاتے ہوئے بھولے سے سورتوں کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھ سکے اور آخر میں سجدہ سہو بھی نہیں کیا، کیا ایسی صورت میں نماز ہوگئی ہے یا واجب الاعادہ ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں امام صاحب نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی ہے جس سے نماز خراب ہو، قصداً سورتوں کی ترتیب کے خلاف کرنا مکروہ ہے بھولے سے ترتیب کا لحاظ نہ رکھ سکا تو اس سے نماز میں کراہت بھی نہیں آتی۔

لما فی الدر المختار:(۲/۲۶۹،مطبوعہ امدادیہ ملتان)

ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وأن یقرء منکوسا.

وفی الشامیۃ:بأن یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلی مما قرء فی الاولی لان ترتیب السور فی القراۃ من واجبات التلاوۃ (قولہ ثم ذکر یتم)افاد ان التنکیس أو الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سھوا فلا کما فی شرح المنیۃ.

ولما فی حلبی کبیر:(ص ۴۹۴،مطبوعہ سہیل اکیڈیمی لاھور)

ویکرہ ان یقرأ فی الثانیۃ سورۃ فوق الّتی قرأھا فی الاولی لان فیہ ترک ترتیب الذی اجمع علیہ الصحابۃؓ ھذا اذا کان قصدا واما سھوا فلا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۲۶۱

﴿دورانِ نماز اور خارجِ نماز میں انگڑائی لینا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) دورانِ نماز انگڑائی لینے سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲) اسکے دفع کرنے کا طریقہ

کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۳) یہ صرف نماز میں مکروہ ہے یا خارج میں بھی؟

﴿جواب﴾ منہ پھاڑ کر انگڑائی لینا نماز میں ہو یا خارج نماز میں دونوں حالتوں میں مکروہ ہے، دورانِ نماز ایسی کیفیت طاری ہو تو ہونٹ کو دانتوں میں ہلکا سا دبانے سے یہ کیفیت دور ہوجاتی ہے یا دل میں یہ خیال لے آنا کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ انگڑائی نہیں آئی تھی یہ بھی ایک مجرب عمل بتلایا گیا ہے، دور نہ ہو تو قیام کی حالت میں سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی رکھنے سے منہ بند کریں۔

لمافی الدرمع التنویر:(۱/۴۷۸،کتاب الصلاۃ،طبع سعید)

(وامساك فمه عند التثاؤب مجربة ولو باخذ شفتيه بسنه (فان لم يقدر غطاه) بظهر (يده) اليسرى، وقيل: باليمنىٰ لو قائماً والا فيسراه ،اه مجتبیٰ.

وفي الشامية: أنه يكره ولو خارجها، لأنه من الشيطان ...... (قوله وقيل الخ) لأن التغطية ينبغي أن تكون باليسرى كالامتخاط، فاذا كان قاعداً يسهل ذلك عليه ولم يلزم منه حركة اليدين، بخلاف ما اذا كان قائماً فانه يلزم من التغطية باليسرى حركة اليمين أيضاً، لأنها تحتها (قوله لأن التغطية الخ) علة لكونه لا يغطي بيده أو كمه الا عند لمكان كظم فيه ---- قال الزاهدي: ألطريق في دفع التثاؤب أن يخطر بباله أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام ماتثاء بوا قط، قال القدوري: جربناه مراراً فوجدناه كذلك ،اه، قلت: وقد جربته أيضاً فوجدناه كذلك هكذا في البدائع (ج ١ ص ٢١٥، كتاب الصلاة، طبع سعيد) وهكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح (ص ٣٥٢، طبع قديمي).

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ
فتویٰ نمبر: ۲۹۰۵

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۱ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿جانی و مالی نقصان سے بچنے کیلئے نماز توڑنے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک سیٹھ صاحب کے یہاں پرائیوٹ چوکیدار ہوں بعض اوقات میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں کہ سیٹھ صاحب دروازے پر دستک دیتے ہیں انکو معلوم نہیں ہوتا کہ میں نماز میں مشغول ہوں تو کیا ایسی صورت میں میرے لئے نماز توڑ کر دروازہ کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مجھے یہ خطرہ بھی ہے کہ ایک دو دفعہ دروازہ نہ کھولنے پر کچھ نہیں کہیں گے لیکن اگر یہ معمول رہا تو نکال بھی سکتے ہیں۔

﴿جواب﴾ اگر آپ کو سیٹھ صاحب کے رویے سے غالب گمان ہو گیا ہو کہ اگر میرا یہ معمول

رہا (نماز میں مشغول ہوکر دروازہ نہ کھولنا) تو نکال دیں گے تو ایسی صورت میں آپ کیلئے نماز توڑ کر دروازہ کھولنا جائز ہے۔

لما فی الدر المختار:(۲/۵۰۲،امدادیه)

(یقطعها) لعذر احرازاً لجماعة کمالو ندت دابته اوفار قدرها اوخاف ضیاع درهم من ماله.

ولما فی فتح القدیر:(۱/۲۸۹،طبع رشیدیه)

لانه جاز قطعها لحطام الدنیا حتی قیل لاجل درهم فلا ن یجوز لاحراز الفضیلة اولی.

ولما فی البحر الرائق:(۲/۷۱،طبع سعید)

وقیدنا بکون الابطال حراماً لغیر عذر لانه لو کان لعذر فانه جائز کالمرأة اذا فار قدرها والمسافر اذا ندت دابته لو خاف فوت درهم من ماله بل قد یکون واجباً کالقطع لانجاء غریق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۳۱

﴿نمازی کے آگے سے گزرنے کا حکم اور چھوٹی و بڑی مسجد میں فرق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بغیر سترہ کے اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو کتنا فاصلہ چھوڑ کر گزرے؟ نیز چھوٹی مسجد اور بڑی مسجد کا حکم ایک ہی ہے یا الگ الگ؟ اور کتنے رقبے والی مسجد کو "بڑی مسجد" کہا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ نمازی کے آگے سے گزرنے کی سخت ممانعت حدیث میں وارد ہوئی ہے لہٰذا اگر مسجد چھوٹی ہو تو نمازی کے آگے سے بالکل نہیں گزرنا چاہیے، البتہ اگر مسجد بڑی ہو یا وہ صحراء وغیرہ میں نماز پڑھ رہا ہو تو اتنے فاصلے سے گزر سکتا ہے کہ اگر نمازی سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھے تو گزرنے والا اس کو نظر نہ آئے اور یہ تقریباً سجدہ کی جگہ سے دو گز کا فاصلہ ہوتا ہے۔

قیام، رکوع، سجود وغیرہ تمام حالتوں کا ایک ہی حکم ہے، نیز اگر نمازی سامنے کی طرف دیکھ رہا ہو تب بھی اتنا ہی فاصلہ معتبر ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

تقریباً چالیس ہاتھ سے کم رقبے والی مسجد "چھوٹی مسجد" کہلائے گی اور اس سے زیادہ رقبے والی مسجد "بڑی مسجد" کہلائے گی۔

لما في البحر:(۲/۱۶،باب ما يفسد الصلاة،طبع سعيد)

وفي الذخيرة من الفصل التاسع ان كان المسجد صغيرا يكره في اى موضع يمر.

ولما في الشامي:(۱/۶۳۲،باب ما يفسد الصلاة،طبع سعيد)

(قوله في الاصح)...... ومقابله ما صححه التمرتاشي وصاحب البدائع،واختاره فخر الاسلام،ورجحه في النهاية والفتح انه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع اى راميا ببصره الى موضع السجود.

ولما في البحر:(۲/۱۵،باب ما يفسد الصلاة،طبع سعيد)

وذكر التمرتاشي ان الاصح انه ان كان بحال لو صلى صلاة خاشع لا يقع بصره على المار فلا يكره المرور نحو ان يكون منتهى بصره في قيامه الى موضع سجوده......الخ.

ولما في الشامي:(۱/۶۳۲،باب ما يفسد الصلاة،طبع سعيد)

(قوله مسجد صغير)هو أقل من ستين ذراعا،وقيل من أربعين،وهو المختار كما أشار اليه في الجواهر قهستاني(قوله فانه كبقعة واحدة)......بخلاف المسجد الكبير والصحراء،فانه لو جعل كذلك لزم الحرج على المارة،فاقتصر على موضع السجود.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:: محمد شعیب پشاوری

۱۳صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۸۵۵

﴿”تراوح بين القدمين“ لمبی نمازوں میں مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے دوران ایک پاؤں پر زور دیکر اور دوسرے کو ڈھیلا کر کے کھڑا رہنا کیسا ہے؟ بعض کتابوں میں مکروہ لکھا ہے اور بعض علماء سے سنا ہے کہ مکروہ نہیں ہے مستحب ہے۔ براہ کرم صحیح بات بتادیں۔

﴿جواب﴾ دوران نماز ایک پاؤں پر پھر کچھ دیر بعد دوسرے پاؤں پر معمولی سا زور دیکر کھڑے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور لمبی قرأت و قیام والی نماز میں تھکاوٹ دور کرنے یا راحت لینے کی غرض سے ایسا کرنے کو فقہائے کرام نے افضل و مستحب قرار دیا ہے، اس کو ”تراوح بين القدمين“ کا نام دیتے ہیں۔

لیکن ایک پاؤں کو اٹھا کر صرف ایک پر کھڑا رہنا یا ایک پر پورا وزن دیکر دوسرے پاؤں کو لنگڑا کر مکمل ڈھیلا چھوڑ دینا جس طرح بسا اوقات گھوڑا کھڑا ہوتا ہے یہ افضل اور مستحب نہیں ہے

بلکہ مکروہ ہے تو جن علماء سے آپ نے اس عمل کے بارے میں مکروہ کا سنا ہے ان کا مقصد اس طرح کھڑا ہونا مراد ہے، جس طرح گھوڑا ایک ٹانگ پر پورا وزن دیتا ہے اور دوسری ٹانگ کو ٹیڑھا کر کے ڈھیلا چھوڑتا ہے، پہلی صورت ''تراوح بین القدمین'' کی ہے یہ پسندیدہ ہے اور دوسری صورت قیام علی احد القدمین کی ہے جو کہ مکروہ ہے۔

لما فی مراقی الفلاح:۹۵،(فصل فی سننها)طبع:قدیمی۔

والتراوح بين القدمين افضل من نصب القدمين وتفسير التراوح ان يعتمد على قدم مرة وعلى الاخر مرة لانه ايسر وامكن لطول القيام.

ولما فى حاشية الطحطاوى ۲۲۰، طبع:قديمى.

وفى الظهيرية وروى عن الامام :التراوح فى الصلاة احب الى من ان ينصب قدميه نصبا فيما فى منية المصلى من كراهة التمايل يمينا ويسارا محمول على التمايل على سبيل التعاقب من غير تخلل سكون كما يفعله بعضهم حال الذكر لا الميل على احدى القدمين بالاعتماد ساعة ثم الميل على الاخرى كذلك.

وفيه ايضاً ــ ثم ان هذه العلة لا تظهر فيما اذا كان القيام قصيراً.

ولما فى الشامى ۱/۴۴۴ باب صفة الصلاة بحث القيام طبع سعيد.

تحت قوله(ومنها القيام) ويكره القيام على احدى القدمين فى الصلاة بلا عذر.

ولما فى حا شية الطحطاوى على الدر المختار ج ۱/ ۲۰۲ طبع رشيديه.

(قوله ومنها القيام) يشمل التام منه وهو الانتصاب مع الاعتدال وغير التام وهو الانحناء قبل ان تنال يداه ركبتيه۔ والاولى فى القيام ان يكون القدمان على الارض فلو قام على عقبيه أو اطراف أ صابعه اؤ رافعاً احدى رجليه عن الارض يجزنه ويكره ان كان بغير عذر.

ولما فى الهنديه ج ۱/ ۶۹ طبع رشيديه.

ويكره القيام على احدى القدمين من غير عذر وتجوز الصلاة وللعذر لا يكره.

ولما فى الجوهرة النيرة ص ۶۴ باب صفة الصلاة

ويكره القيام على احدى القدمين فى الصلاة من غير عذر وتجوز الصلاة وللعذر لاتكره

ولما فى امدادالفتاوى ج ۱/۲۵۳ مكتبه دارالعلوم كراتشي.

-'' تراوح بين القدمين'' حنفیہ کے نزدیک افضل ہے، طحطاوی نے ظہیریہ کے حوالے سے نقل

کیا ہے" نص الامام علی ذالک" امام صاحب نے اسکی تصریح کی ہے، اور بعض کتب فتاوی میں جو کراہت تراوح مذکور ہے اس میں محمل "تمایل علی سبیل التعاقب بغیر تخلل سکون" ہے نیز تراوح کی افضلیت کو جس علت سے معلل کیا گیا ہے " وھو ایسر وامکن لطول القیام" یہ علت قیام قصیر میں نہیں ہے، پس قیام قصیر میں تراوح اور نصب القدمین دونوں برابر ہیں "قال الطحطاوی ثم ان ھذہ العلۃ لا تظھر فیما اذا کان القیام قصیراً"۔ تراوح اور صفن میں فرق ہے، صفن یہ ہے کہ ایک قدم پر زور دیکر دوسرے قدم کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ کسی قدر مڑ جاوے، جیسا کہ گھوڑا ایک پیر کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے یہ مکروہ ہے، جیسا ابن مسعودؓ کے قول سے ظاہر ہے، تراوح میں ایک قدم پر زور دیا جاتا ہے دوسرے پر زور نہیں دیا جاتا مگر اسکو بالکل ڈھیلا بھی نہیں چھوڑا جاتا کہ مڑ جاوے۔

وفی مجمع البحار کان یراوح بین قدمیه من طول القیام ای یعتمد علی احدھما مرۃ وعلی الاخری مرۃ لیوصل الراحة الی کل منھما۔ فیه وایضاً۔ حدیث نھی عن الصلوۃ الصافن ای من یجمع بین قدمیه وقیل من یثنی قدمه الی ورائه کفعل الفرس اذا ثنی حافره۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

فتویٰ نمبر: ۳۵۴

﴿بیماری کی وجہ سے گرنا اور قریب والے ساتھی کے نماز چھوڑنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اوقات لوگ فرض نماز میں مشغول ہوتے ہیں کہ اچانک کوئی شخص بیماری کی وجہ سے گر پڑتا ہے اور تڑپنے لگتا ہے یا بیہوش ہو جاتا ہے تو ایسے وقت میں ساتھ کھڑے ہونے والے نمازی اپنی فرض نماز جاری رکھیں یا نماز توڑ کر اس کی خدمت میں لگ جائے۔

مستفتی: محمد سلیم بلال کالونی کراچی

﴿جواب﴾ دوران نماز ایسی صورت پیش آجائے تو قریب کے نمازیوں کو چاہیے کہ نماز چھوڑ کر اس شخص کی خدمت میں لگ جائے بلاشبہ نماز ایک اہم عبادت اور حق اللہ ہے لیکن شریعت نے ایسے مواقع پر حق العبد کو مقدم کیا ہے اور بعد میں یہ لوگ اپنی نماز کا اعادہ کریں۔

لمافی رد المحتار: (۲/۴۶۲، باب الحج، طبع سعید)

وکذاجاز قطع الصلوۃ او تاخیرھا لخوفه علی نفسه او ماله اونفس غیرہ او ماله.

ولما فی العنایة:(۶/۲۲۸، کتاب البیوع طبع رشیدیة)

واذااجتمع حق الشرع وحق العبد یقدم حق العبدلحاجته.

ولما فی تبیین الحقائق:(۳/۱۲۶،باب حدالقذف طبع سعید)

وانما یقدم حق العبد فیما اذااختلف الحقان ولم یمکن الجمع بینهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمدامین

۲۰محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۲۷۷۰

﴿عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مساجد میں جو دیوار کے ساتھ آخری صف ہوتی ہے اس میں جب نمازی کھڑے ہو جاتے ہیں تو رکوع میں جاتے وقت سرین دیوار سے لگتی ہے اور اسکی وجہ سے تھوڑا سا آگے بڑھنا پڑتا ہے پھر جب رکوع سے اٹھتے ہیں تو پھر پیچھے کو ہٹنا پڑتا ہے اس طرح ہر رکعت میں رکوع کے وقت آگے اور اٹھتے وقت پیچھے ہٹنا پڑتا ہے تو اس حرکت کرنے سے نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آئیگی؟ مستفتی: جمال شاہ چارسدوی

﴿جواب﴾ جگہ کی تنگی یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے نمازی کو اپنی جگہ سے معمولی سا ہٹنا پڑے تو اس سے نماز میں فرق نہیں آتا۔

لما فی الدر المختار:(۱/۶۲۷مطبع سعید)

مشی مستقبل القبلة هل تفسد ان قدر صف ثم وقف قدر رکن ثم مشی ووقف کذلک وهکذالاتفسدوان کثرمالم یختلف المکان وقیل لاتفسدحالةالعذرمالم یستدبرالقبلة استحسانا.

ولما فی الهندیة:(۱/۱۲۰مطبع قدیمی)

یکره ان یخطو خطوات من غیرعذر ووقف بعد کل خطوة وان کان بعذر لا یکره.

ولما فی البزازیة:(۱/۳۶مطبع قدیمی)

مشی فی صلاته قدر صف لا وقدرصفین بدفعة فسد وان مقدارصف ووقف ثم کذالک لا.

ولمافی خلاصة الفتاوی:(۱/۱۳۱مطبع رشیدیه)

ولو مشی فی صلوته ان کان قدرصف واحدلاتفسد وان مشی قدرصفین بدفعة واحدة تفسد ولو مشی الی صف ووقف ثم مشی الی صف آخر ووقف ثم وثم لا تفسد صلوته.

ولما فی قاضیخان:(۱/۱۲۲مطبع قدیمی)

لومشی فی صلوته مقدارصف واحد لم تفسد صلاته ولو کان مقدار صفین ان مشی دفعة

واحدة فسدت صلاته وان مشى الى صف، ووقف ثم مشى الى صف لاتفسد صلاته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۱۱

﴿دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے لمبی کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے بچپن سے سنا تھا کہ فرض نمازوں میں دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے زیادہ لمبی کرنا مکروہ ہے جبکہ کراچی میں میں نے خود ایک مولوی صاحب سے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ سورۂ غاشیہ، سورۂ اعلیٰ سے بڑی ہے جب میں نے ان سے دریافت کیا تو کہنے لگے کہ یہ سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین میں یہ سورتیں پڑھتے تھے، مہربانی فرما کر صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: رفیق احمد پشاور

﴿جواب﴾ جو آپ نے سنا ہے کہ فرض نمازوں میں دوسری رکعت پہلی رکعت سے زیادہ لمبی کرنا مکروہ ہے یہ درست ہے لیکن جہاں کہیں حدیث میں کوئی مخصوص سورت پڑھنا مذکور ہے وہاں اگر دوسری رکعت پہلی رکعت سے لمبی ہو جائے تو وہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے اور نماز مکروہ نہیں ہوگی۔

لما فی البحر الرائق: (۱/۳۲۲، طبع سعید)

ويشكل على هذا الحكم ماثبت فى صحيحين من قراء ته صلى الله عليه وسلم فى الجمعة و العيدين فى الاولى بسبح اسم ربك الاعلى وفى الثانية بهل اتاك حديث الغاشيه مع ان الثانية اطول من الاولى باكثر من ثلاث ايات فان الاولى تسع عشر اية و الثانية ست وعشرون اية وقد يجاب بان هذه الكراهة فى غير ماوردت به السنة واما ماورد عنه عليه الصلاة والسلام فى شئى من الصلوات فلا والكراهة تنزيهية.

ولما فی الدر المختار: (۱/۵۴۲ طبع سعید)

(واطالة الثانية على الاولى يكره)تنزيها(اجماعا ان بثلاث آيات)ان تقاربت طولا وقصرا والا اعتبر الحروف والكلمات واعتبر الحلبى فحش الطول لا عدد الايات واستثنى فى البحر ماوردت به السنة واستظهر فى النفل عدم الكراهة مطلقا(وان باقل لا)يكره لانه عليه السلام صلى بالمعوذتين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۲۴

﴿دوران نماز بچے کا ماں کے پستان سے دودھ پینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خاتون نماز پڑھ رہی تھی جب وہ تشہد کیلئے بیٹھ گئی تو اس کا بچہ خود بخود آکر اس کے سینے سے دودھ پینے لگا، خاتون نے کوئی عمل کثیر یا حرکت نہیں کی اور بچے کو منع کئے بغیر اپنی نماز پوری کی، تو کیا اس صورت میں اسکی نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی جاوید اکبر زسری کراچی

﴿جواب﴾ دوران نماز بچہ کو اتنا موقع دینا کہ وہ دودھ کی جگہ تک پہنچے اور با قاعدہ دودھ پی لے، عورت کا عمل کثیر قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا واقعی اگر ایسی صورت پیش آگئی ہو تو نماز فاسد ہوگئی ہے، لوٹانا ضروری ہے۔

لمافی الدرالمختار مع رد المحتار:(۱/۶۲۸ باب مایفسد الصلاۃ طبع سعید)

او مص ثديها ثلاثا او مرة ونزل لبنها هذا التفصيل مذكور في الخانية والخلاصة، وهو مبني على تفسير الكثير بما اشتمل على الثلاث المتواليات وليس الاعتماد عليه وفي المحيط :ان خرج اللبن فسدت لانه يكون ارضاعا والا فلا ولم يقيده بعدد وصححه في المعراج حلبة وبحر.

وقال طحطاوي تحت هذا:هذا التفصيل مذكور في الخلاصة والذي في النوادر وهو الاصح كما في النهر انه لابد من نزول اللبن في الثلاثة ايضا فاذا لافرق بين المصة والثلاثة في هذا القيد على المعتمد ومثله في قاضي خان ايضا(۱/۱۲۲).

ولمافي التاتار خانية:(۱/۶۲۸، طبع قديمي)

ولو جاء صبي وارتضع من ثديها وهي كارهة فنزل لبنها فسدت صلاتها وان مص مصة اومصتين ولم ينزل لبنها لم تفسد صلاتها ينزل اللبن او لم ينزل.

ولما في النهرالفائق:(۱/۲۷۳، طبع قديمي)

ارضعته اوارتضع هو فنزل لبنها فسدت ولو مص مصة اومصتين ولم ينزل لاتفسد وثلاثا فسدت وان لم ينزل كذا في الخلاصة والخانية والمذكور في المحيط والمنية انها تفسد بخروج اللبن من غير تقييد بعدد لا ان لم ينزل وصححه في الدراية وفي القنية مص ثديها ثلاثا فسدت والا فلا وفي النوادر ونزل لها لبن وهو الاصح وهذا ظاهر في ان الفساد بالثلاث مقيد بالنزول.

واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۲۷۲۷
۲۷ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ

﴿دوران نماز بار بار موبائل بجے تو کیا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ایک دفعہ دوران نماز فون آیا میں نے ہاتھ جیب میں ڈالے بغیر فون بند کر دیا چند سیکنڈ کے بعد دوبارہ آیا پھر میں نے بند کر دیا حتی کہ تین دفعہ ایک ہی رکن میں مجھے یہ کام کرنا پڑا تو معلوم یہ کرنا ہے کہ میری نماز درست ہوگئی یا لوٹانا ضروری ہے؟ مستفتی: ایک نمازی آیاز مسجد

﴿جواب﴾ نماز بڑی اہم ترین عبادت ہے اسکی عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اذان کے بعد سے ہی موبائل فون بند کر دیا جائے، غفلت سے کبھی کھلا رہ جائے اور دوران نماز فون آجائے تو پہلی گھنٹی کیساتھ ہی فون مکمل بند کر دے، ایک ہاتھ سے ایک ہی بار میں بند ہو سکے تو اچھا ہے ورنہ نماز توڑ کر فون بند کر دے اور دوبارہ از سر نو نماز شروع کرے، بار بار دوران نماز جیب میں ہاتھ ڈالنا غلط ہے بعض علماء اس کو نماز کے منافی عمل قرار دے رہے ہیں، البتہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ فون بند کرتے ہوئے کوئی اس قدر تکلف کرے کہ دیکھنے والا اس شخص کو یوں سمجھے کہ گویا یہ نماز میں نہیں ہے تب نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا آپ نے دوران نماز اگر تین بار فون بند کیا ہے تو اس سے نماز اگرچہ فاسد نہیں ہوئی واجب الاعادہ بھی نہیں ہے لیکن کراہت سے بھی خالی نہیں ہے آئندہ کیلئے احتیاط کریں۔

لمافی الدر المختار:(۱/۶۲۴،طبع سعید)

ویفسدها كل عمل كثير ليس من أعمالها ولا لاصلاحها،وفيه أقوال خمسة أصحها ما لايشك بسببه الناظر من بعيد في فاعله أنه ليس فيها،وان شك أنه فيها أم لا فقليل.

ولمافی البزازية:(۱/ص۴۶،طبع قدیمی)

قيل مايقام بواحد فهو قليل ومايقام بهما فكثير وقيل ان رآه الناظر وقطع أنه ليس فيها فكثير وان شك أنه فيها أم لا فقليل..... الاول اختيار أبي بكر محمد بن الفضل الثاني اختيار العامة.

ولمافی التاتارخانية:(۱/۴۲۸،طبع قدیمی)

وقال بعضهم:كل عمل يشك الناظر في تامله أنه في الصلاة أوليس في الصلاة فهو يسير وكل عمل لايشك الناظر أنه ليس في الصلاة فهو كثير وفي "الصغرى" وهو المختار.

واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ صوابی
الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۶۹
۶ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿دوران نماز امام کو لقمہ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام سے قراءت میں کوئی غلطی ہو جائے اور مقتدی اس کو لقمہ دیدے تو ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اسی طرح اگر کوئی باہر کا شخص لقمہ دے اور امام اسے قبول کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مقتدی اگر اپنے امام کو لقمہ دے تراویح میں ہو خواہ فرض نماز میں اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ لقمہ دینے میں اس بات کا خیال رکھے کہ امام نے مستحب مقدار میں اگر قراءت کی ہے تو لقمہ نہ دے امام کو چاہیے کہ رکوع کرے مقتدی کے لقمہ دینے کا انتظار نہ کرے مقتدی کے علاوہ کوئی اور شخص اپنی نماز پڑھتے ہوئے لقمہ دے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام نے اگر غیر مقتدی کا لقمہ قبول کیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہوگی۔

لمافی الهداية:(۱/۱۲۶،طبع رحمانیه)

وان استفتح ففتح عليه في صلاته تفسد.....وان افتتح على امامه لم يكن كلاما استحسانا لانه مضطر الى اصلاح صلاته فكان هذا من اعمال صلاته معنى وينوى الفتح على امامه دون القرائة.

ولمافي البحر الرائق:(۲/۶،طبع سعيد)

(قوله: وفتحه على غير امامه):اى يفسدها لانه تعليم وتعلم لغير حاجة قيد به لانه لوفتح على امامه فلافساد لانه تعلق به اصلاح الصلاة.

ولمافي تنوير الابصار وشرحه:(۱/۶۲۲،طبع سعيد)

(قوله:وفتحه على غير امامه) الا اذا اراد التلاوة وكذا الاخذ الا اذا تذكر فتلا قبل تمام الفتح(بخلاف فتحه على امامه) فانه لا يفسد(مطلقا) لفاتح وآخذ بكل حال الا اذا سمعه المؤتم من غير مصل ففتح به تفسد صلاة الكل وينوى الفتح لا القرائة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم بالصواب: عبدالستار
فتویٰ نمبر: ۶۴۹

﴿نمازی کو باہر سے لقمہ دینے کی صورت میں نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے جو کہ مسبوق تھا امام کے ساتھ بھولے سے سلام پھیر دیا بعد میں دوسرے شخص نے جو امام کے ساتھ

شروع سے نماز میں شریک تھا کہا کہ آپکی تو دو رکعتیں رہ رہی ہیں تو وہ شخص کھڑا ہو گیا اور باقی دو رکعتیں اس نے پڑھ لی اور سجدہ سہو بھی کر لیا۔ کیا اس کی یہ نماز ہو گئی ہے یا نہیں؟ جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: شفیع اللہ دریابالا

﴿جواب﴾ اس دوسرے شخص کی بات پر عمل کرتے ہوئے مسبوق اگر کھڑا ہو گیا ہے تو اسکی نماز فاسد ہو گئی ہے اس لئے کہ تعلیم و تعلم نماز کے منافی عمل ہے۔ البتہ مسبوق نے فوری طور پر اسکی بات پر عمل اگر نہ کیا ہو بلکہ اس شخص کے بتانے پر خود بھی سوچا ہو اور اپنی غلطی کا احساس ہونے پر خود کے فیصلے سے کھڑا ہو گیا ہو تو سجدہ سہو سے اسکی نماز درست ہو گئی ہے۔

لمافی الشامی (۶۲۲/۱ طبع سعید)

(قوله وكذا الاخذ) اى اخذ المصلى غير الامام بفتح من فتح عليه مفسد ايضا كمافى البحر عن الخلاصه، او اخذ الامام بفتح من ليس فى صلوته كمافيه عن القنية (قوله الا اذا تذكر الخ) قال فى القنية: أرتج على الامام ففتح عليه من ليس فى صلوته وتذكر، فان اخذ فى التلاوة قبل تمام الفتح لم تفسد والا تفسد، لان تذكره يضاف الى الفتح. قال فى الحيلة: وفيه نظر لانه ان حصل التذكر والفتح معاً لم يكن التذكر ناشئا عن الفتح، ولا وجه لافساد الصلوة بتأخر شروعه فى القراءة عن تمام الفتح، وان حصل التذكر بعد الفتح قبل اتمامه فالظاهر ان التذكر ناشئ عنه ووجبت اضافة التذكر اليه فتفسد بلا توقف للشروع فى القراءة على اتمامه.

قلت: والذى ينبغى ان يقال: ان حصل التذكر بسبب الفتح تفسد مطلقا، اى سواء شرع فى التلاوة قبل تمام الفتح او بعده لوجود التعلم، وان حصل تذكره من نفسه لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقا، وكون الظاهر انه حصل بالفتح لا يؤثر بعد تحقق انه من نفسه لان ذلك من امور الديانة لا القضاء حتى يبنى على الظاهر، الا ترى انه لو فتح على غير امامه قاصدا القراءة لا التعليم لا تفسد مع ان ظاهر حاله التعلم، وكذا لو قال مثل ما قال المؤذن ولم يقصد الاجابة فليتأمل.

ولمافى حاشية البحر (۶/۲ طبع سعيد)

(قوله وفى القنية ارتج على الامام الى قوله وتذكر) اقول يحتمل ان يكون المراد انه تذكر بسبب الفتح وان يكون تذكر بنفسه ولكنه صادف تذكره وفتح من ليس فى صلوته فى وقت واحد والظاهر الاول لانه لو كان تذكره من نفسه لا يظهر فرق بين اخذه فى التلاوة قبل تمام الفتح او بعده ولا يظهر وجه الفساد لان الفساد ليس بمجرد الفتح وانما هو بالاخذ بسبب الفتح واذا كان تذكره من نفسه لم يوجد الاخذ بسبب الفتح وكون

الظاهر انه اخذ بالفتح فيضاف اليه لا عبرة له مع مافي نفس الامر لان ذلك من الديانات لامن الامور الراجعة الى القضاء حتى يعتبر الظاهر.

ولما في قاضي خان (۱۲۲/۱ طبع قديمي)

وان فتح على المصلي رجل ليس في الصلوة فاخذ المصلي بفتحه فسدت صلوته لانه تعلم.

ولما في الهنديه (۱۱۰/۱ طبع قديمي)

وان فتح غير المصلي على المصلي فاخذ بفتحه تفسد كذافي منية المصلي.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر ۳۹۹۰

﴿نماز میں کسی کے بتانے پر عمل کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ریل گاڑی یا جہاز میں نماز کے دوران اگر جہت قبلہ تبدیل ہوگیا، تو اگر دوسرا آدمی نمازی کو پکڑ کر رخ تبدیل کرنا چاہے تو کیا نمازی اس کی اتباع کرے یا نہیں؟ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ نمازی کو دوران نماز دوسرا کوئی پکڑ کر قبلہ رخ سیدھا کرنے کی کوشش کرے تو محض اس کی اتباع کرتے ہوئے اگر رخ تبدیل کرلیا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ البتہ دوسرے کے بتانے پر خود بھی تحری کی یعنی غور وفکر کیا پھر اپنے فیصلہ سے رخ تبدیل کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

لما في الدر المختار: (۶۲۲/۱، طبع: سعید)

حتى لو امتثل أمر غيره فقيل له تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له فسدت، بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه.

ولما في الشامي: (۶۵۱/۱، طبع: سعید)

(فهل ثم فرق)......وقال ط: لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد، وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسناً.

ولما في الفقه الحنفي في ثوبه الجديد: (۲۵۵،۲۵۴/۱، طبع: دارالقلم بیروت)

يفسد الصلاة امتثال المصلي أمر غيره، فلو قال للمبلغ: اجهر بالتكبيرات فجهر في الحال قاصداً جوابه فسدت صلاته كما تفسد الصلاة اذا قيل للمصلي تقدم فتقدم

استجابة للأمر، أما إذا تقدم برأى نفسه استجابة لأمر الشارع ليفسح المكان للقادم ويمكن من الصلاة لا تفسد.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۸۱۳

﴿دوران نماز کسی خارج صلاۃ شخص کا لقمہ لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں جماعت ہورہی تھی مجمع زیادہ تھا پچھلی صفوں میں امام کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی تو ایک آدمی (جو نماز میں ابھی تک شامل نہیں ہوا تھا) نے مؤذن کو مخاطب کر کے کہا کہ زور سے تکبیر پڑھے اور اسی وقت فوراً امام رکوع میں چلا گیا تو مؤذن نے زور سے تکبیر پڑھی اسی صورت میں مؤذن کی نماز درست ہوگئی کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ دوران نماز کسی کے کہنے یا بتانے پر عمل کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، البتہ صرف امام کیلئے اپنے مقتدی کا لقمہ لینے کی گنجائش ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر اس شخص کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مؤذن نے زور سے تکبیر پڑھی ہو تو اسکی نماز فاسد ہوگئی دوبارہ لوٹانا ضروری ہے، البتہ اس کے کہنے کی تعمیل کرتے ہوئے نہیں بلکہ اپنے ہی احساس سے اس نے تکبیر پڑھی ہو تو اسکی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اگرچہ احساس اس شخص کے کہنے ہی کیوجہ سے پیدا ہوا ہو، ایسی صورت میں خود سوچ کر اپنی ہی نیت سے عمل کرنا چاہیے تاکہ نماز فاسد نہ ہو۔

لمافی الشامی :(۱/ ۶۲۲، طبع سعید)

مسجد كبير يجهر المؤذن فيه بالتكبيرات فدخل رجل أمر المؤذن أن يجهر بالتكبير وركع الامام للحال فجهر المؤذن ان قصد جوابه فسدت صلاته.

ولمافی الدرالمختار:(۱/ ۶۲۲،طبع سعید)

حتى لو امتثل أمر غيره فقيل له تقدم أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له فسدت ، بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه قهستاني.

ولمافی الشامی :(۱/ ۵۷۱،طبع سعید)

وفي القنية قيل لمصل منفرد تقدم فتقدم بأمره......فسدت صلاته وينبغي أن يمكث ساعة ثم يتقدم برأي نفسه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ صوابی

۱۰ صفر ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۲۸۵۸

﴿شیشی میں بند پیشاب کو جیب میں رکھ کر نماز نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرتبہ میں لیبارٹری پیشاب ٹیسٹ کرانے جارہا تھا راستے میں نماز کا وقت ہوگیا چونکہ پیشاب شیشی میں بند تھا اسکو جیب میں رکھتے ہوئے میں نے نماز پڑھ لی، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں نماز ہوگئی یا نہیں؟ برائے مہربانی مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: ضیاء الرحمٰن صاحب چارسدوی

﴿جواب﴾ نجاست جب تک اپنی اصلی جگہ میں رہتی ہے نماز وغیرہ کیلئے مانع نہیں ہوتی، اپنی اصل جگہ سے نکلنے کے بعد خواہ شیشی وغیرہ میں مکمل بند ہو نماز کیلئے مانع ہوجاتی ہے پیشاب کی اپنی جگہ مثانہ ہے مثانہ میں ہوتے ہوئے نماز کیلئے مانع نہیں ہے مذکورہ صورت میں شیشی چونکہ پیشاب کی اپنی اصل جگہ نہیں ہے اسلئے آپکی نماز نہیں ہوئی اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

لما فی الشامیة:(۱/۲۰۳،طبع سعید)

واقول ان مسئلة الکلب مبنیة علی الی قوله..... بخلاف ما لو حمل قارورة مضمومة فیها بول فلا تجوز صلاته لانه فی غیر معدنه کما فی البحر عن المحیط.

ولما فی البحر:(۱/۲۶۷،طبع سعید)

ولو صلی وفی کمه قارورة مضمومة فیها بول لم تجز صلاته لانه فی غیر معدنه ومکانه الی قوله..... والشیء مادام فی معدنه لا یعطی له حکم النجاسة..... الکل فی المحیط.

ولما فی الهندیة:(۱/۶۲ طبع رشیدیه)

اذا صلی وفی کمه بیضة مذرة قد حال محها دما جازت صلا ته الی قوله:..... فی النصاب رجل صلی وفی کمه قارورة فیها بول لا تجوز الصلوة الی قوله:..... بخلاف البیضة المذرة لانه فی معدنه ومظانه وعلیه الفتوی کما فی المضمرات.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عزیز الرحمٰن چارسدوی عفا اللہ عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر ۱۰۹۱

﴿منفرد کا بے خیالی سے غیر کی آواز کی اقتداء کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق میں کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوران نماز بے خیالی میں ٹی وی سے سننے والی آواز امام کعبہ کی تکبیر پر رکوع میں چلا گیا رکوع سے

اٹھنے کے بعد خیال آیا کہ دوسرے کی اقتداء میں رکوع کرلیا، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں اس شخص کی نماز فاسد ہوگی ہے یا نہیں؟

مستفتی: جنید دیروی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں یہ شخص بقدر ضرورت قراءت کرنے کے بعد اگر رکوع میں چلا گیا ہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی ہے، بے خیالی میں غیر کی آواز سے رکوع میں جانے سے غیر کی اقتداء لازم نہیں آتی، اقتداء کیلئے باقاعدہ قصد وارادہ سے تکبیر کہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

لمافی البحر:(۲/ ۱۰،طبع سعید)

فمناط الخروج عن الاولیٰ صحة الشروع فی المغاير ولو من وجه فلذا لوكان منفردا فی فرض فكبر ينوی الاقتداء او النفل اوالواجب او شرع فی جنازة فجیئ باخریٰ فكبر ينويهما اوالثانية يصير مستا نفا علی الثانية فقط بخلاف ماذالم ينو شيأولو كان مقتديافكبر للا نفراديفسد مامادی قبله ويصير مفتتحا ماأداه ثانيا.

ولمافی ردالمحتار:(۲/ ۹۳،طبع سعيد)

ثم الاصل فی التفكر انه ان منعه عن اداء ركن كقراءة آية اوثلث آية اوثلاث أوركوع اوسجود.....وان لم يمنعه عن شيئ من ذالک بان كان يؤدی الاركان ويتفكر لايلزمه السهو.

ولمافی الولوالجية:(۱/ ۹۷،طبع فاروقيه پشاور)

واذاتفكر فی صلوته انه أطال يجب عليه سجود السهووالافلا والحد الفاصل بين الطويل والقصير انه ان شغله عن شيئ من فعل الصلوٰة وان قل فهو طويل.اه (الفتاویٰ الوالوالجيه

ولمافی الوالوالجية:(۱/ ۷۶،طبع فاروقيه پشاور)

ورجل افتتح الصلوٰة وحده وبركع ويسجد بركوع مصل آ خر وسجود مصل آ خر ويقعد بقعوده لاتفسد صلوته لانه ربما يكون صاحب وسوسة فيقول: ان صليت معتمدا علیٰ نفسی يشتبه علی فأفتتح الصلوٰة واعتمد علیٰ صلوٰة غيری.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: خلیل اللہ دیروی عفا اللہ عنہ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۲۷

﴿قعدہ اولی چھوڑ کر قیام کرنے کے بعد واپس بیٹھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب قعدہ اولی بھول کر کھڑے ہوئے مقتدیوں نے لقمہ دیا اور بیٹھے رہیں جسکی وجہ سے امام صاحب بھی واپس

قعدہ کی طرف لوٹے، آیا اس صورت میں نماز جاتی رہی یا نہیں؟ مستفتی: قاری محمد دین صاحب

﴿جواب﴾ قعدہ اولی بھول کر اگر کوئی کھڑا ہو جائے تو ایسی صورت میں واپس قعدہ کی طرف نہیں لوٹنا چاہیئے بلکہ کھڑے رہنا چاہیئے، اخیر میں سجدہ سہو سے تلافی ہو جائیگی تاہم مقتدیوں کے بار بار لقمہ دینے سے یا صحیح مسئلہ معلوم نہ ہونے کیوجہ سے امام صاحب قیام سے قعدہ کیطرف اگر لوٹ گئے ہوں تو مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوتی اگر چہ ایسا کرنا نہیں چاہیئے تھا۔ اور سجدہ سہو تو بہر حال ضروری ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۲/۸۴طبع سعید)

وان استقام قائما (لا)یعود لاشتغاله بفرض القیام (وسجد للسهو)لترک الواجب (فلو عاد الی القعود)بعد ذلک (تفسدصلاته)لرفض الفرض لمالیس بفرض وصححه الزیلعی (وقیل لا)تفسد لکنه یکون مسیئاویسجد لتأخیرالواجب (وهو الاشبه) کماحققه الکمال وهوالحق ....کان وجهه مامرعن الفتح اومافی المبتغی من ان القول بالفسادغلط لانه لیس بترک بل هو تأخیر .

ولمافی فتح القدیر:(ج۱/۵۲۵طبع رشیدیة)

ثم لو عاد فی موضع وجوب عدمه قیل الاصح انها تفسد لکمال الجنایة برفض الفرض لمالیس بفرض .....علی انانقول الجنایة هنا بالرفض ولیس ترک القیام للسجود رفضا له حتی لولم یتم بعدها قدرفرض القراءة حتی رکع صحت ،هذاوفی النفس من التصحیح شئی وذلک لان غایة الامرفی الرجوع الی القعدة الاولی ان یکون زیادة قیام ما فی الصلوة وهو وان کان لایحل ولکنه بالصحة لایخل اماالفسادفلم یظهر وجه استلزامه ایاه فیترجح بهذاالبحث القول المقابل للمصحح .

ولمافی البحر:ج۲/۱۰۱طبع سعید کراچی

ولاینتقض قیامه بقعود لم یؤمر به کمن نقض الرکوع بسورة اخری لاینتقض رکوعه ، فقد اختلف التصحیح کمارأیت والحق عدم الفساد .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۴۰۶۴

﴿قعدۂ اخیرہ ترک کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے نفل نماز کی نیت

باندھ لی اور قعدہ اخیرہ بھول کر تیسری رکعت کے بعد سلام پھیر دیا تو کیا اس کی نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ مذکورہ بالا صورت میں اگر سجدہ سہو کیا جائے تو اس سے نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں نماز فاسد ہوگئی چاہے سجدہ سہو بھی کرلے اب اس پر دو رکعت کا اعادہ واجب ہے۔

ولما فی الشامیة:(۳۲/۲،طبع سعید)

(قوله او ترک قعود اول) لان کون کل شفع صلاة علی حدة یقتضی افتراض القعدة عقیبه فیفسد بترکها کما هو قول محمد وهو القیاس لکن عندهما لما قام الی الثالثة قبل القعدة فقد جعل الصلاة واحدة شبیهة بالفرض و صارت القعدة الاخیرة هی الفرض وهو الاستحسان وعلیه فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة کان ینبغی الجواز اعتباراً لصلاة المغرب لکن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصلت به القعدة و هو الرکعة الاخیرة لان التنفل بالرکعة الواحدة غیر مشروع فیفسد ما قبلها.

لما فی الهندیة:(۷۱/۱،طبع رشیدیه)

والقعدة الاخیرة فرض فی الفرض والتطوع حتی لو صلی رکعتین ولم یقعد فی آخرها وقام وذهب تفسد صلاته کذا فی الخلاصة.

ولما فی التاتارخانیة:(۶۶۱/۱،طبع قدیمی)

رجل صلی التطوع ثلاث رکعات ولم یقعد علی راس الرکعتین الاصح انه تفسد صلاته.

ولما فی حاشیة الطحطاوی:(ص ۳۹۲،طبع سعید)

قوله:(وصح الفساد فی الخلاصة)لان القعدة المشروعة قد ترکها، والتی فعلها لم تکن فی محلها ثم یجب علیه قضاء رکعتین لانه شرع فی الشفع الاول ثم افسده بترک القعود، ولا یلزمه بالثالثة شئی مطلقا عمدا کان او سهوا، لان البناء علی الفاسد لا یلزمه شی ء.

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۱۰۴۳

﴿نیند کی حالت میں قعدہ اخیرہ معتبر نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نماز کے قعدہ اخیرہ میں سو گیا اور جاگتے ہی فوراً سلام پھیر کر چلا گیا تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص قعدہ اخیرہ میں بیٹھتے ہی فوراً سو گیا تھا نہ تشہد

پڑھا اور نہ بقدر تشہد بیٹھا تو بیدار ہونے کے بعد اس کیلئے ضروری ہے کہ تشہد کی مقدار کم از کم بیٹھے ورنہ تو اس کی نماز فاسد ہوگی اسلئے کہ نیند کی حالت میں قعدہ معتبر نہیں ہوتا البتہ اگر تشہد پڑھنے یا بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد سو گیا تھا تو نماز ہوگئی ہے۔

لما فی الحلبی الکبیری:(ص ۲۵۲، فرائض الصلاۃ، طبع نعمانیۃ)

و الرابعة من المسائل اذا نام المصلی فی القعدة الاخیرة کلها فلما انتبه ای فحین انتبه یفرض علیه ان یقعد قدر التشهد و ان لم یقعد فسدت صلاته و ذلک لان الافعال فی الصلاة حالة النوم لا تحتسب و لا تعتبر لصدورها لا عن اختیار فکان وجودها کعدمها کما اذا قرأ فی الصلاة نائما او رکع او سجد نائما و هذا فی القیام و القرائة و الرکوع و السجود مقرر.

لما فی الشامیة:(۱/۴۴۸، کتاب الصلاة، بحث القعود الاخیر، طبع سعید)

و بین فی الامداد الثمرة بأنه لو اتی بالقعدة نائما تعتبر علی القول بشرطیتها لا رکنیتها و عزاه الی التحقیق و الاصح عدم اعتبارها کما فی شرح المنیة. قلت: و هذا یؤید القول بأنها رکن زائد لا شرط.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن حفظہ اللہ تعالی — واللہ تعالی اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۵۹۹

﴿قعدہ اخیرہ کی دعا عربی میں ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص قعدہ اخیرہ میں درود شریف کے بعد غیر عربی زبان میں دعا پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: ایک مسلم

﴿جواب﴾ قعدہ اخیرہ میں عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے، ایسی نماز واجب الاعادہ ہے۔

لما فی السعایة: (۲/۲۲۵، باب صفة الصلاة، طبع سهیل)

و منها ان یدعو بالعربیة لیکون اقرب الی الاجابة فان للسان العربی من الفضل ما لیس لغیره۔۔۔

و بعد السطور: و فی غرر الافکار شرح درر البحار فی بحث الدعاء بعد التشهد کره الدعاء بالاعجمیة لان عمر رضی الله تعالی عنه نهی عن رطانة الاعاجم انتهی، و ظاهره ان الکراهة تحریمیة فی الصلاة، و اما فی غیرها فینبغی ان تکون تنزیهیة لمن

لایثقل علیہ التکلم بالعربیۃ.

و لما فی الشامیۃ: (۱/۵۲۱، کتاب الصلاۃ، مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ، طبع سعید)

و لا یبعد ان یکون الدعاء بالفارسیۃ مکروھا تحریما فی الصلاۃ و تنزیھا خارجھا فلیتأمل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۴۴

﴿تشہد میں انگلیاں گھٹنوں سے نیچے لٹکانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ بعض لوگ تشہد میں ہاتھوں کو رانوں پر اس طرح رکھتے ہیں کہ انگلیاں گھٹنوں سے نیچے لٹک رہی ہوتی ہیں براہ کرم شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ کس طرح ہاتھوں کو رکھنا چاہیے اور انگلیوں کا رخ کس طرف کرنا چاہیے؟

﴿جواب﴾ افضل طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو اس طرح رانوں پر رکھیں کہ انگلیاں قبلہ رخ ہوں زمین کی طرف نہ ہوں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو رانوں پر اس انداز میں رکھا جائے کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں پر جا کر ختم ہوں تو خود بخود انگلیاں قبلہ رخ ہو جائیں گی۔

(لما فی التنویر مع الدر (۱/۵۰۸ طبع سعید)

(ویضع یمناہ علی فخذہ الیمنی ویسراہ علی الیسری ویبسط اصابعہ) مفرجۃ قلیلا (جاعلا اطرافھا عند رکبتیہ) ولا یأخذ الرکبۃ ھو الاصح لتتوجہ للقبلہ

قال الشامیؒ

(قولہ ولا یأخذ الرکبۃ) ای کما یأخذھا فی الرکوع، لان الاصابع تصیر موجھۃ الی الارض خلافا للطحاوی، والنفی للافضلیۃ لا لعدم الجواز کما افادہ فی البحر

(ولما فی البحر الرائق (۱/۳۴۲،۳۴۳ طبع سعید)

(قولہ ووضع یدیہ علی فخذیہ وبسط اصابعہ) یعنی وضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی و یدہ الیسری علی فخذہ الیسری لحدیث مسلم عن ابن عمرؓ مرفوعا کذلک اشار الی رد ما ذکرہ الطحاوی انہ یضع یدیہ علی رکبتیہ و یفرق بین اصابعہ کحالۃ الرکوع لحدیث مسلم ایضا عن ابن عمرؓ ورجح فی الخلاصۃ الکیفیۃ الاولی فقال ولا یأخذ الرکبۃ ھو الاصح فتحمل الکیفیۃ الثانیۃ فی الحدیث علی الجواز والاولی علی بیان الافضلیۃ وعلل لہ فی البدائع بانہ علی الکیفیۃ الاولی تکون

الاصابع متوجهة الى القبلة وعلى الثانية الى الارض

(ولما فی حاشية الطحطاوی ص ۲۸۳)

(واذا فرغ الرجل من سجدتی الركعة الثانية افترش رجله اليسرى ،وجلس عليها ونصب يمناه ووجه اصابعها نحو القبلة ،ووضع يديه على فخذيه (ويبسط اصابعه) وجعلها منتهية الى راس ركبتيه .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اکی

۴ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۹۵

﴿مالی نقصان کا اندیشہ ہو تو نماز توڑنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک شخص نے فجر کی نماز سے پہلے مسجد کے غسل خانوں میں غسل کیا گھڑی وہیں رہ گئی اور مسجد میں آ کر نماز شروع کر دی دوران نماز خیال آیا تو کیا وہ شخص گھڑی لانے کیلئے نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر چوری ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ کر جا سکتا ہے۔

لمافی مراقی الفلاح: (ص ۲۰۲،طبع قديمی)

ويجوز قطعها ولو كانت فرضا بسرقة يخشى على مايساوى درهما لانه مال وقال ﷺ قاتل دون مالك وكذا فيمادونه فی الاصح لانه يحبس فی دانق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروتی

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۹۱

﴿نماز کے دوران ستر کھل جائے تو۔۔۔؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ آجکل شہروں میں لوگ عموماً پینٹ شرٹ میں نماز پڑھتے ہیں اور اکثر لوگ جب رکوع یا سجدے میں جاتے ہیں تو شرٹ چھوٹی ہونے کی وجہ سے پینٹ سے جدا ہو جاتی ہے اور ستر کھل جاتا ہے تو کیا اس سے نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑتا وضاحت فرمائیں؟ مستفتی: عبداللہ کراچی

﴿جواب﴾ مرد کے لیے ناف سے لیکر گھٹنوں سمیت جسم کو چھپانا ضروری ہے نماز میں ہو یا خارج نماز کیونکہ یہ حصہ ستر میں داخل ہے اس کے خلاف کرنا سخت گناہ ہے اور نماز کے صحیح ہونے

کے لیے چونکہ شرط کے درجے میں ہے اس لیے کسی نمازی کا چوتھائی عضو ایک رکن کی مقدار ادا کرنے تک اگر کھلا رہا تو نماز فاسد ہو جائیگی اس سے کم حصہ یا تھوڑی دیر کے لیے کچھ ستر کھلا رہا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور دونوں صورتوں میں نماز واجب الاعادہ ہوگی لہذا ایسے لباس میں نماز پڑھنے سے گریز ضروری ہے جس میں نماز فاسد یا مکروہ ہونے کا اندیشہ ہو۔

(لما فی التنویر ۱/۲۳۵ طبع سعید)

(و) یفسدها (اداء رکن) حقیقة اتفاقا (أو تمكنه منه بسنة وهو قدر ثلاث تسبيحات (مع كشف عورة أو نجاسة) مانعة

(ولما فی حاشية الطحطاوی ص:۲۴۲۲۳۲ قدیمی کتب خانه)

(و) يفسدها (اداء ركن) كركوع (أوامكانه) أى مضى زمن يسع اداء ركن (مع كشف العورة أو مع نجاسة مانعة) لوجود المنافى قوله (زمن يسع اداء ركن) وان كان فى ركن طويل والمراد انه يسعه بسنته وهو قدر ثلاث تسبيحات وهذا مذهب الثانى وهو المختار كما فى الدر .قوله (مع كشف العورة) الحاصل ان الكشف الكثير فى الزمن الكثير مضر والقليل فى القليل غير مضر كالكثير فى القليل والقليل فى الكثير .والمراد بكشف العورة ما يعم كشف ربع عضو منها .

(ولما فی الفقه الاسلامی ۲/۱۰۳۳ طبع رشیدیه)

كشف العورة عمدا أو انكشافها بنحو ريح ومضى مقدار اداء ركن أو مقدار ثلاث تسبيحات عند الحنفيه اذا انكشف ربع عضو من اعضاء العورة .والمعتبر فى ستر العورة من الجوانب لا من الاسفل.فان ظهرت من اسفل سقيفة أو سدة مثلا لم يضر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق ازکی

۲۰؍صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۲۲۳

﴿عورت کا باریک دوپٹے میں نماز پڑھنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کے لئے باریک، ہلکا دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز دوران نماز عورت کے بال کتنی مقدار میں کتنی دیر تک کھل جائیں تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ مدلل وضاحت فرما کر ممنون فرما دیں۔

﴿جواب﴾ اگر عورت ایسے باریک دوپٹے کو اوڑھ کر نماز پڑھ لے جس کے اندر سے اس کے بال جھلکتے ہوں تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

لما فی حلبی کبیری:(ص ۲۱۴،طبع سہیل اکیڈمی)

(اذا کان الثوب رقیقا بحیث یصف ماتحته) ای لون البشرة (لا یحصل به ستر العورة) اذ لاستر مع رؤية لون البشرة اما اذا کان غليظا لا يرى منه لون البشرة الخ.

ولما فی الهندية:(۱/۵۸،طبع رشیدیه)

والثوب الرقيق الذی یصف ماتحته لا تجوز الصلوٰۃ فيه كذا فی التبيين.

اگر نماز کے دوران عورت کے بالوں کی چوتھائی مقدار ایک رکن یعنی اتنی دیر جس میں تین بار سبحان اللہ کہا جاسکے کے برابر کھل جائے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

ولما فی حلبی کبیری:(ص ۲۱۴،طبع سہیل اکیڈمی)

لو ان امرأة صلت وهی تقدر علی الثوب الجديد...... فلبست ثوبا خلقا فانكشفت من شعرها شیئ ومن فخذها شیئ ومن ساقها شیئ وكان المنكشف..... مبلغ ربع الساق لا تجوز صلاتها.

ولما فی الشامی :(۱/۴۰۷-۴۱۰،طبع سعید)

وللحرة...... جميع بدنها...... حتی شعرها النازل فی الاصح..... ويمنع حتی انعقادها كشف ربع عضو قدر اداء ركن بلا صنعه)وفی الشامية:لا يصف تحته بان لا يرى منه لون البشرة احترازا عن الرقيق والزجاج.

ولما فی الهداية:(۱/۹۲،طبع رحمانیه)

وان صلت وربع ساقها مكشوف او ثلثها تعيد الصلوٰۃ..... والشعر والبطن والفخذ كذالك

ولما فی فتح القدير:(۱/۲۶۷-۲۶۸،طبع رشیدیه)

فان صلت وربع ساقها او ثلثه مكشوف تعيد الصلوٰۃ يعنی اذا استمر زمانا كثيرا..... وقدر الكثير ما يؤدی فيه ركن..... والشعر والبطن والفخذ كذالك يعنی علی هذا الخلاف لان كل واحد عضو علی حدة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد شریف حسین

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿منہ ڈھانپ کرنماز پڑھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سردیوں کے موسم میں اکثر لوگ منہ ڈھانپ کرنماز پڑھتے ہیں چادر یا رومال سے منہ ڈھانپ کرنماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ چادر یا رومال سے منہ ڈھانپ کرنماز پڑھنا درست نہیں منہ اور ناک ڈھانپ

کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

لمافی الهندية:(۱/ ۱۰۷،طبع رشيديه)ويكره التلثم وهو تغطية الأنف والفم في الصلاة.

ولمافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:(ص ۱۹۳،طبع قديمي)

(فيكره التلثم) اللثام ماكان على الفم من النقاب واللفام ماكان على أرنبة الأنف وفي الزيلعي التلثم تغطية الأنف والفم في الصلاة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿نماز میں ہنسی کی کیفیت پیدا ہو جانے سے نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص حالت نماز میں ہو اور اس کو کسی بات پر ہنسی آجائے اگر چہ اس کی آواز نہ نکلے لیکن ہنسی کی کیفیت اور جذبات شدت سے پیدا ہو جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ نماز توڑ دے یا جاری رکھے؟ مستفتی:حافظ محمد

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں نماز جاری رکھے ہنسی کی کیفیت اور جذبات پیدا ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی،البتہ ہنسی کی آواز نکلے جس کو خود سن لے تو نماز ٹوٹ جائے گی لیکن آواز اتنی ہو کہ ساتھ والا آدمی بھی سن سکتا ہو تو نماز کے ساتھ ساتھ وضو بھی دوبارہ کرنا پڑیگا۔

لمافي الشامي:(۱/ ۱۴۴-۱۴۵،طبع سعيد)

وحد القهقهة قال بعضهم: ما يظهر القاف والهاء،ويكون مسموعاً له ولجيرانه. وقال بعضهم، اذا بدت نواجذه ومنعه من القرأة.لكن قال في الحلية:لم أقف على التصريح باشتراط اظهار القاف والهاء لأحد بل الذي توارد عليه كثير من المشايخ كصاحب المحيط والهداية والكافي وغيرهم ما يكون مسموعا له ولجيرانه. واحترز به عن الضحك، وهو لغة أعم من القهقهة، واصطلاحاً ما كان مسموعاً له فقط فلا ينقض الوضوء بل يبطل الصلاة.وعن التبسم وهو مالاصوت فيه أصلاً بل تبدو اسنانه فقط فلا يبطلهما.

ولمافي حلبي:(ص ۱۴۱-۱۴۲،طبع سهيل اكيڈمي)

(وكذالقهقهة في كل صلاة ذات ركوع وسجود تنقض الوضوء والصلاة جميعاً سواء كان عامداً او ناسياً)وحد القهقهة قال بعضهم ما يظهر فيه القاف والهاء،ويكون مسموعاً له ولجيرانه وقال بعضهم اذا بدت نواجذه ومنعه عن القرأة.

والضحک یفسد الصلاۃ لا الوضوء، وحد الضحک أن یکون مسموعاً له دون جیرانه التبسم لا یبطل الوضوء والصلاۃ، وحد التبسم ما لا یکون مسموعاً له ولجیرانه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد کاشف عزیز غفرلہ

۵ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۹۴

﴿أیخبر المقتدی الامام اذا استیقن ببطلان الصلوٰۃ؟﴾

﴿سوال﴾ امام ابطل الصلاۃ ولم یشعر به واستیقن المقتدی به أیخبر الامام اثناء الصلاۃ أم یصبر فیخبره بعد الفراغ منها؟ مستفتی: ضیاء الدین

﴿جواب﴾ اذا استیقن المقتدی ببطلان الصلاۃ یخبر الامام فی اثناء الصلاۃ فانها لما بطلت لم تبق صلاۃً ولا عملاً فلا یکون ابطالها ابطال العمل.

لما فی البدائع: (۱/۲۲۵ طبع سعید)

اما اذا فسدت الصلوۃ یجب اعادتها ما دام الوقت باقیا لانها اذا فسدت التحقت بالعدم، وفیها فی ذکر الاعرابی الذی أخف الصلوۃ (۱/۱۶۲).

فان النبی ﷺ مکن الاعرابی من المضی فی الصلوۃ ولم یأمره بالقطع فلو لم تکن تلک الصلوۃ جائزۃ لکان الاشتغال بها عبثاً اذ الصلوۃ لا یمضی فی فاسدها فینبغی ان لا یمکنه منه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۲۸

﴿نماز میں عمل کثیر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ اگر عمل کثیر مفسد صلاۃ ہے تو اسکی حد کیا ہے؟

﴿جواب﴾ جی ہاں عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے عمل کثیر وہ عمل کہلائے گا کہ نمازی آدمی نماز میں کوئی ایسا عمل کرے کہ دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ آدمی نماز نہیں پڑھ رہا۔

لما فی شرح التنویر: (۲/۳۸۴-۳۸۵ مکتبه امدادیه ملتان)

(و) یفسدها (کل عمل کثیر) لیس من اعمالها ولا لأصلاحها، وفیه أقوال خمسة، اصحها (ما لا یشک) بسببه (الناظر) من بعید (فی فاعله أنه لیس فیها) وان شک أنه فیها ام لا فقلیل. قال فی الشامیة: قوله: (ما لا یشک الخ) أی عمل لا یشک: أی بل

يظن ظناً غالباً. شرح المنية: و"ما" بمعنى عمل، والضمير في "بسببه" عائد اليه و "الناظر" فاعل "يشك" والمراد به من ليس له علم بشروع المصلي بالصلاة كمافي الحلبة والبحر. وفي قول الشارح "من بعيد" تبعاً للبدائع والنهر اشارة اليه. لان القريب لايخفى عليه الحال عادة فافهم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۰

﴿مسجد کی ٹوپی میں نماز پڑھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ نماز کے وقت گھر سے ٹوپی پہن کر نہیں آتے ہیں اور مسجد میں ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں ان کو پہن کر نماز پڑھتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: شاہ فیصل

﴿جواب﴾ جس ٹوپی اور لباس کو آدمی پہن کر شرفاء اور بزرگوں کی مجلس میں جانے میں شرم محسوس کرتا ہو تو اس لباس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے مسجد کی ٹوپی عموماً ایسی ہی ہوتی ہے، لہٰذا اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لمافي الدرالمختار: (۴۰۷/۲، طبع امدادیہ)

وكره كفه: اى رفعه...... وصلاته في ثياب بذلة، يلبسهافي بيته قال الشامي: قوله: (وصلاته في ثياب بذلة) قال في البحر: وفسرهافي شرح الوقاية بمايلبسه في بيته ويذهب به الى الاكابر والظاهران الكراهة تنزيهية.

ولمافي حلبي كبير: (ص ۳۴۹ طبع سهيل اكيڈمی)

يكره ان يصلي في ثياب بذلة وهو مالايصان ولايحفظ من الدنس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد آصف عفااللہ عنہ

۲۹ صفر ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰

﴿آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ نماز میں اگر کسی نمازی کی آستین چڑھی ہوئی ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز نماز پر اس کا کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ مستفتی: گل مراد

﴿جواب﴾ اگر نماز میں کسی کی آستین چڑھی ہوئی ہوں تو اس کی نماز مکروہ ہو جائے گی، بہتر

ایسی صورت میں یہ ہے کہ عمل قلیل سے آستین کھولے۔

لمافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص ۳۴۹،طبع قدیمی)

(وتشمیر کمیه عنهما)..... لصدق کف الثوب علی الکل ولو شمرها قبل الصلاة ..... لمافیه من التکبر المنافی لموضوع الصلاة.

ولمافی الشامی:(۶۴۰/۲،طبع سعید)

(کمشمر کم اوذیل) ... وقلنا بالکراهة فهل الافضل ارخاء کمیه فیها بعمل قلیل اوترکها؟ لم راه الأظهر الأول.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:محمد شریف حسین چترالی عفااللہ عنہ

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتوی نمبر:۱۴۸

﴿وسط سر کھلا ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ سر پر پگڑی اس طرح باندھ لیتے ہیں کہ جس کی وجہ سے سر کا درمیانی حصہ خالی رہتا ہے اس کے نیچے ٹوپی وغیرہ بھی نہیں ہوتی ہے کہ وہ سر کو ڈھانپ لے تو کیا سر کا درمیانی حصہ کھلا رکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔　　　مستفتی:شاہ فیصل

﴿جواب﴾ سر کے درمیانی حصہ کو کھلا چھوڑ کے نماز پڑھنے سے حدیث پاک میں منع کیا گیا ہے،اس لئے ایسا کرنا مکروہ ہے،لہٰذا اس طرح پگڑی باندھ کر نماز پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

لمافی الدرالمختار:(۶۵۲/۱ طبع سعید)یکره اشتمال الصماء والاعتجار.

وفی الشامیة:والاعتجار لنهی النبی صلی الله علیه وسلم عنه وهو شد الراس أو تکویر عمامته علی راسه و ترک وسطه مکشوفاً وقیل أن ینتقب بعمامته فیغطی أنفه اما للحر أوللبرد أو للتکبر امدادو کراهته تحریمیة أیضاً لمامر.

ولمافی الهندیة:(۱۱۸/۱،طبع قدیمی)

ویکره الاعتجار وهو أن یکور عمامته ویترک وسط راسه مکشوفاً کذافی التبیین.

ولمافی حاشیة الطحطاوی:(۳۵۰/۱،طبع قدیمی)

أوتکویر عمامته علی راسه أی لف العمامة حول الراس وابداء الهامة کمافی الظهیریة فقوله: و ترک وسطها مکشوفاً راجع الی تفسیر الشرح ایضاً والمراد انه مکشوف عن العمامة لامکشوف اصلاً لانه فعل مالا یفعل لنهی النبی صلی الله

عليه وسلم هذا النهي يفيد كراهة التحريم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۴۴

﴿سجدے میں پاؤں کو زمین سے اٹھانا سخت منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ پورے سجدے میں پاؤں زمین سے اٹھاتے ہیں کیا ایسا کرنے سے نماز میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ سجدے میں دونوں قدموں کا زمین پر رکھنا لازم ہے اگر پورے سجدے میں کسی بھی وقت دونوں قدم زمین پر نہ لگے بالکل اٹھے رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، البتہ پورے سجدے میں کسی بھی وقت ایک پاؤں بھی زمین پر ٹھہرا رہا تو فرض ادا ہو جائے گا لیکن ایسا کرنا غلط اور گناہ ہے۔

لمافي الدرالمختار: (۱/۴۴۷، طبع سعيد)

(ومنها السجود) بجبهته وقدميه ووضع أصبع واحدة منهما شرط.

وفي الشامي: لأن وضع اصبع واحدة منهما يكفي كما ذكره بعد وأفاد انه لولم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود.

ولمافي حلبي كبير: (ص۲۲۸ طبع نعمانيه)

ولو سجد ولم يضع قدميه أو احديهما على الارض في سجوده لايجوز سجوده ولو وضع احداهما جاز.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی

۳۰ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر: ۸۰

﴿سجدہ کی حالت میں پاؤں اٹھانے سے نماز فاسد ہو سکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ نماز کے دوران حالت سجدہ میں پاؤں اٹھاتے ہیں تو اس سے نماز میں کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر ٹیکنا ضروری ہے اس کے خلاف کرنے سے نماز مکروہ ہوگی تاہم پاؤں کا کوئی بھی حصہ زمین پر کسی بھی درجے میں لگے

اگرچہ ایک انگلی ہی کیوں نہ ہو تو نماز ہو جائیگی اگرچہ مکروہ ہوگی اور اگر دونوں پاؤں میں سے کوئی بھی حصہ زمین پر تھوڑی دیر کے لئے بھی نہ لگے تو سجدہ صحیح نہیں ہوگا اور ایسی صورت میں نماز نہ ہوگی۔

لمافی الدرالمختار:(۱/۴۴۷،طبع سعید)

(ومنها السجود)بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة منهما شرط.(قوله قدميه)يجب اسقاطه لان وضع اصبع واحدة منهما يكفى كما ذكره حبعده وافاد انه لولم يضع شيئا من القدمين لم يصح السجود وهو مقتضى ماقدمناه آنفا عن البحر.

ولمافی الهندية :(۱/۷۰،طبع رشيديه)

ولو سجد ولم يضع قدميه على الارض لايجوز ولووضع احداهما جاز مع الكراهة ان كان بغير عذر ووضع القدم بوضع اصابعه وان وضع اصبعا واحدة.

ولمافی حلبی الكبير:(ص۲۸۴ مكتبه نعمانيه)

ولو سجد ولم يضع قدميه او احداهما على الارض فى سجوده لا يجوز سجوده ولو وضع احداهما جاز كما لو قام على قدم واحدة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۵۷۹

﴿آدھی آستین والی بنیان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بلا ضرورت آدھی آستین والی بنیان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد وارث فیز ۲ کراچی

﴿جواب﴾ نماز میں بلا ضرورت کہنیوں کو کھلا رکھنا مکروہ ہے چونکہ بنیان میں بھی کہنیاں کھلی رہتی ہیں اسلئے بلا ضرورت اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۱/۶۴۰،طبع سعید)

وكره كفه اى رفعه ولولتراب كمشمر كم اوذيل اى كمالودخل فى الصلوٰة وهومشمر كمه او ذيله.

ولمافی الهندية:(ج ا ص ۱۰۶)

ولوصلى رافعاكميه الى المرفقين كره.كذافى فتاوى قاضى خان.

ولمافی حاشية الطحطاوی:(ص۳۴۹)

وكره تشمير كميه عنهما للنهى عنه لما فيه من الجفاء المنافى للخشوع (قال الطحطاوى

تحت قوله تشمير كميه)اى عن ذراعيه سواء كان الى المرفقين او الاعلى الظاهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
فتویٰ نمبر: ۲۵۶۸

﴿غیر مشروع طریقہ سے لقمہ دینے، لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ امام صاحب نے عصر کی نماز میں جہراً قراءت شروع کی تو ایک مقتدی نے آواز دی کہ یہ تو عصر کی نماز ہے، امام صاحب نے جہر چھوڑ دیا اور نماز پوری کر لی تو کیا نماز ادا ہو گئی ہے یا واجب الاعادہ ہے؟
مستفتی: عبدالرحیم صاحب بونیر

﴿جواب﴾ امام صاحب اگر نماز میں غلطی کرے تو مقتدی سبحان اللہ، اللہ اکبر وغیرہ سے لقمہ دے سکتا ہے اور امام مقتدی کا لقمہ لے سکتا ہے اور اس سے کسی کی بھی نماز خراب نہیں ہوتی لیکن مذکورہ صورت میں مقتدی نے حالت نماز کے منافی طریقہ سے ''یہ عصر کی نماز ہے'' کہہ کر لقمہ دیا ہے، جس سے مقتدی کی نماز فاسد ہو گئی ہے، امام صاحب اور دیگر مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوئی اس لئے کہ ظاہر ہے مقتدی کی آواز سنتے ہی امام صاحب کو اس کا احساس ہوا ہوگا، البتہ تین آیات کی مقدار میں اگر جہر کیا ہے تو سجدہ سہو واجب ہے اس سے کم میں سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانية:(۱/۴۱۶،طبع قديمي)

اذا تكلم فى صلوته ناسياً او ساهياً او عامداً او خاطئاً او قاصداً قليلا او كثيراً تكلم لاصلاح صلاته بان قام الامام فى موضع القعود فقال له المقتدى اقعد او قعد فى موضع القيام فقال له المقتدى قم او للاصلاح صلوته ويكون الكلام من كلام الناس (وفى الخانية قبل ان يقعد قدر التشهد) استقبل الصلوة عندنا.

ولمافى الدر المختار:(۱/۶۲۲،طبع سعيد)

حتى لو امتثل امر غيره فقيل له تقدم فتقدم......فسدت بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه قهستانى معزيا للزاهدى ومروياتى قنية .وقال فى الرد تحت قوله (حتى لو امتثل الخ) هذا امتثال بالفعل ومثله ما لو امتثل بالقول.

ولمافى رد المحتار:۱/۶۲۲،طبع سعيد)

(قوله وكذاالاخذ):اى اخذ المصلى غير الامام بفتح من فتح عليه مفسد ايضا كما فى البحر عن الخلاصة ،او اخذالامام بفتح من ليس فى صلوته كما فيه عن القنية.

ولمافی حلبی کبیر:(ص۲۹۵،طبع نعمانیه)
ولوجهرالامام فيمايخافت اوخافت فيمايجهرقدرماتجوزبه الصلوة يجب سجود السهو عليه.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی
۳۰صفرالخیر۱۴۳۰ھ
فتوی نمبر:۱۹۵۹

﴿نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نئی نئی مسلمان ہوگئی ہوں اوراب پرانی عادت کی وجہ سے میرے لئے فی الفور شراب چھوڑنا مشکل ہے کیااب میں نشے کی حالت میں نماز پڑھ سکتی ہوں یامیرے لئے نماز پڑھناضروری نہیں؟

﴿جواب﴾ آپکومبارک ہوکہ آپ نے دین اسلام قبول کرلیااللہ تعالی آپکواس پرثابت قدم رکھے لیکن شراب کی حرمت قرآن کریم کی نص صریح سے ثابت ہے اللہ تعالی نے اسکوشیطانی عمل قراردیاہےاوراس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے،لہٰذاشراب پیناتوہرصورت میں حرام ہے اوراسکی وجہ سے نماز چھوڑنا دہرا گناہ ہے کیونکہ ایک گناہ شراب پینے کااور دوسرا گناہ نماز چھوڑنیکا،تاہم اگرشراب پی کرآپکونشہ نہ آتاہوتوآپ بےشک نماز پڑھ سکتی ہےاوراگرنشہ آتاہو تونشے کی حالت میں نماز پڑھناجائزنہیں لیکن اس سےشراب حلال نہیں ہوتی شراب ہرصورت میں حرام ہے،جہاں آپ نے اتنی ہمت کی ہے کہ گھروالوں کی مخالفت کرکے دین اسلام قبول کرلیاہےتوتھوڑی سی مزیدکوشش کرکےنفس وشیطان کی بھی مخالفت کریں اورشراب کی عادت کوبھی چھوڑدیں کیونکہ حدیث شریف میں اسکوتمام گناہوں کی جڑفرمایاگیاہے۔

لمافی احکام القرآن للجصاص:(۱/۴۴۲،طبع ادارۃ المعارف کراچی)
انماالخمروالميسروالانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه)الى قوله:(فهل انتم منتهون) فتضمنت هذه الآيات ذكرتحريمها من وجوه: احدها قوله(رجس من عمل الشيطان) وذلك لايصح اطلاقه الافيماكان محظور امحر مائم اكده بقوله (فاجتنبوه) وذلك امريقتضى لزوم اجتنابه ثم قال تعالى (فهل انتم منتهون) ومعناه:فانتهوا.

وفيه ايضا:(۱/۴۴۱)(ياايهاالذين آمنوالاتقربوالصلوة وانتم سكارى حتى

تعلموا ماتقولون) ولیس فی هذه الاية دلالة على تحريم مالم يسكر منها وفيها الدلالة على تحريم ما يسكر منها لانه اذاكانت الصلاة فرضانحن مامورون بفعلهافی اوقاتهافكل مادی الی المنع منهافهو محظور فاذاكانت الصلاة ممنوعة فی حال السكر وكان شربهامو دیاالی ترك الصلاة كان محظورالان فعل مايمنع من الفرض محظور.

ولمافی الشامية:(۱/۱۲۲،طبع سعید)

(وجنون وسكر) بان يدخل فی مشيه تمايل ولو باكل الحشيشة قوله (وسكر) هو حالة تعرض للانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه فيتعطل معه العقل المميزبين الامور الحسنة والقبيحة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۷۰۲

﴿نماز میں منہ سے کوئی بات نکلے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی عادت ہے کہ وہ اے میرے اللہ اور یا ربی کے الفاظ استعمال کرتا ہے، اب نماز کے اندر بھی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: شاہد ابوبکر مسجد ڈیفنس

﴿جواب﴾ کلام الناس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ذکر اللہ سے نہیں اور یہ شخص بھی یہ الفاظ کلام الناس کے طور پر استعمال کرتا ہے نہ کہ ذکر اللہ کے طور پر، لہٰذا اس شخص کی نماز فاسد ہوگی اور اس کا اعادہ کرنا لازم ہے۔

لمافی قوله تعالی :(سورة بقرة پاره ۲)وقوموا لله قانتين.

ولمافی الصحيح لمسلم:(۱/۲۰۲،طبع قدیمی)

عن عبدالله قال كنا نسلم على رسول الله ﷺ وهو فی الصلاة فيرد علينافلمارجعنامن عندالنجاشی سلمناعليه فلم يرد علينا فقلنايارسول الله ﷺ كنانسلم عليك فی الصلاة فترد علينافقال: ان فی الصلاة شغل.

عن زيدبن ارقمؓ قال كنانتكلم خلف رسول الله ﷺ فی الصلاة يكلم الرجل مناصاحبه الی جنبه حتی نزلت قوموا لله قانتين فامرنا بالسكوت ونهيناعن الكلام (۱/۲۰۲).

ولمافی الهداية:(۱/۱۳۶-۱۳۸،طبع رحمانيه)

من تكلم فی الصلاة عامداوساهيابطلت صلاته وايضافيه فلواجاب فی الصلاة

رجلا بلا اله الا الله فهذا كلام مفسد عندابی حنيفة ومحمدؒ.

ولما فی تنویرالابصاروشرحه:(۱/ ۶۱۳-۶۱۲،طبع سعید)

(یفسدها التکلم عمده وسهوه قبل قعوده قدر التشهدسیان)،سواء کان ناسیاً او نائماً اوجاهلا اومخطئا اومکرهاهوالمختار.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عبدالستار

۷محرم ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۶۲۰

﴿ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے یا اس کا اعادہ کرنا ضروری ہے؟　　　مستفتی:محمد شعیب

﴿جواب﴾ ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے مگر ایسا کرنا اچھا نہیں فقہاء کرام نے ایسی نماز کو مکروہ قرار دیا ہے۔

لما فی قوله تعالی:(اعراف ۳۱)

یبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد.

مفتی اعظم مولانا محمد شفیع عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور چونکہ نماز میں صرف ستر پوشی مطلوب نہیں بلکہ لباس زینت اختیار کرنے کا ارشاد ہے، اس لئے مرد کا ننگے سر نماز پڑھنا یا مونڈھے اور کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (معارف القرآن ۳/ ۵۴۴،طبع ادارۃ المعارف)

ولما فی مراقی الفلاح:(ص۳۵۹مطبوعه قدیمی)

وتکره وهو مکشوف الراس تکاسلا لترك الوقار لا للتذلل والتضرع.

ولما فی الدر المختار:(۱/ ۶۴۱مطبوعه ایچ ایم سعید)

(وصلاته حاسرا) ای کا شفا(راسه للتکاسل)ولا با س للتذلل واما لا هانة بها فکفر قال العلامة ابن عابدینؒ تحت هذاالقول ای لاجل الکسل بان استثقل تغطیته ولم یرها امرا مهما فی الصلاة فترکها کذالک وهذا معنی قولهم تهاونا با لصلاة ولیس معناه الاستخفاف بها والاحتقار لانه کفر شرح المنیة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۷ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۷۳۱

﴿عزت اور وقار کا معیار اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے نہ کہ معاشرہ﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب ایک مسئلہ کی وضاحت چاہتا ہوں: آپ سے سنا ہے اور اخبار میں بھی یہ مسئلہ کسی عالم نے بیان کیا ہے کہ ایسا لباس جسے پہن کر کسی تقریب میں یا بااثر لوگوں کے سامنے جانے میں انسان عار محسوس کرے تو اس قسم کے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اب عرض یہ ہیکہ ہمارے معاشرے میں کوٹ، پتلون، ٹائی، وغیرہ باعزت اور پروقار لباس سمجھا جاتا ہے جبکہ سنت لباس مثلاً: لنگی، عمامہ، کرتہ، شلوار، قمیص وغیرہ یعنی علماء وصلحاء کا لباس عزت اور وقار والا لباس نہ رہا، چنانچہ ایسا لباس پہن کر کوئی بھی کسی خاص تقریب میں جانا پسند نہیں کرتا اور اپنی عزت اور وقار کے خلاف سمجھتا ہے، آجکل تو پینٹ، شرٹ، پتلون، ٹائی، پہننے والے کو باوقار سمجھا جاتا ہے تو نماز کیلئے کونسا لباس زیادہ بہتر رہیگا؟ مستفتی: حاجی نصیر احمد ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ یہ مسئلہ بلاشبہ صحیح ہے کہ پروقار، باعزت، لباس زیب تن کر کے نماز پڑھنا پسندیدہ ہے اور عزت ووقار کے خلاف لباس (جسے پہن کر کسی تقریب میں جانے کو طبیعت گوارہ نہ کرے) میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اسلئے کہ نماز اپنے رب سے ہم کلامی کا موقع ہے اور اللہ رب العالمین تمام عزتوں کا مالک ہے اس کے حضور میں پاک صاف اور پروقار لباس پہن کر پیش ہونا ہی اسکی شان کا تقاضا ہے۔

رہا یہ سوال کہ پُر وقار اور باعزت لباس کیلئے معیار کیا ہے؟ سو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت اور اسکے رسول ﷺ کی نظر میں جو لباس پسندیدہ ہے وہی عزت اور وقار والا لباس ہے اور جو ناپسندیدہ ہے وہ وقار کے خلاف ہے، ہمارے معاشرے کی پسند اور ناپسند ہرگز معیار نہیں ہے اپنے معاشرے میں تو حیا، شرم اور غیرت، جیسے فطری تقاضوں کا بھی کوئی معیار نہیں رہا بلکہ اسکے خلاف کو وہی مقام ملا تو کون سلیم الفطرت اس معاشرے کے فیصلوں کو قبول کر سکتا ہے؟ شادی کی تقاریب کا جائزہ لیں حضرات وخواتین کا اختلاط اور آپس میں بے تکلفی اور نیم عریاں لباس معاشرہ کا حصہ بن گیا ہے، ظاہر ہے یہ تہذیب نہ صرف اسلام بلکہ فطرت کے بھی بالکل خلاف ہے۔

لہٰذا عمامہ، لنگی، کرتہ، شلوار، کندھوں پر چادر پر وقار بارعب اور باعزت لباس ہے ایسے لباس میں نماز پڑھنا زیادہ پسندیدہ ہے کوٹ، پینٹ، پتلون ٹائی، وغیرہ پسندیدہ لباس نہیں ہے معاشرے کے برے اثرات کی وجہ سے اگر کسی کی فطرت بگڑ گئی ہو جسکی وجہ سے وہ بے وقار لباس کو باوقار سمجھے تو اسکا اعتبار نہیں ہے۔

لمافی حلبی کبیر:(ص ۲۰۳، طبع نعمانیہ)

(وکذا یکرہ ان یصلی فی ثیاب البذلة) بکسر الباء والذال المعجمة وھو مالایصان ولایحفظ من الدنس ونحوہ (او) فی ثیاب (المھنة) ککلمة فی اوزانھا وبفتح المیم والھاء معا وھی الخدمة والعمل تکمیلا لرعایة الادب فی الوقوف بین یدیہ تعالی بما امکن تجمیل الظاھر والباطن وفی قولہ تعالی خذوزینتکم عند کل مسجد. (والمستحب ان یصلی) الرجل فی (ثلثة اثواب ازار وقمیص وعمامة)..... (وروی عن ابی حنیفة انہ کان یلبس احسن ثیابہ للصلوۃ والمرأۃ تصلی فی ثلثة اثواب) ایضا (قمیص وخمار و مقنعة.

ولمافی الشامیة:(۱/ ۶۴۰، طبع سعید)

وصلاتہ فی ثیاب بذلة یلبسھا فی بیتھا ومھنة ای خدمة، ان لہ غیرھا والالا ، وقولہ وصلاتہ فی ثیاب بذلة---الخدمة والابتذال.....قال فی البحر: وفسرھا فی شرح الوقایة بما یلبسہ فی بیتہ ولایذھب بہ الی الاکابر والظاھران الکراھة تنزیھیة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ سبحانہ اعلم: افتخار احمد کلکتی

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۲۰

﴿میلے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کام کاج کے کپڑوں میں مثلاً: مکینک یا مزدور وغیرہ جو نماز پڑھتے ہیں تو کیا اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آتا؟

﴿جواب﴾ کام کاج کے کپڑے جب نجس (ناپاک) نہ ہوں تو ایسے لباس میں بھی نماز ہو جاتی ہے لیکن ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنے کو فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے کیونکہ جس لباس میں کسی باوقار شخص سے ملاقات کرنے میں انسان عار محسوس کرتا ہے تو ایسے لباس میں اللہ تعالی سے مناجات کرنے میں زیادہ عار محسوس کرنی چاہیے۔

لمافی فتاوی التاتارخانیة:(۲۱۰/۱،طبع قدیمی)

وکذلک یکرہ الصلاۃ فی ثیاب البذلة ومثله فی الهندیة:(۱۰۷/۱،طبع رشیدیه)

ولمافی ردالمختار:(۶۴۰/۱،طبع سعید)

(وصلاته فی ثیاب بذلة) یلبسهافی بیته (ومهنة) ای خدمة ان له غیرهاوالالا(قوله وصلاته فی ثیاب بذلة)...... قال فی البحروفسرهافی شرح الوقایة بمایلبسه فی بیته ولایذهب به الی الاکابروالظاهران الکراهة تنزیهیة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:سعیداحمد

۶/رجب ۱۴۲۸ھ　　　فتوی نمبر:۱۰۹۴

﴿نماز کے دوران تصویر جیب میں رکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کی جیب میں جاندار کی تصویر ہو یاکسی محرم یاغیرمحرم کی تصویر ہو تو کیانماز ہوجائے گی؟ مستفتی: رحمت ہادی

﴿جواب﴾ تصویر جیب میں ہو تو نماز بلاکراہت ہوجاتی ہے،البتہ ضرورت کے بغیر تصویر پاس رکھنا گناہ ہے اور ضرورت ہو تو جائز ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۲۳/۵،طبع:سعید کراچی)

(و)لایکرہ (لوکانت تحت قدمیه)ومحل جلوسه لانهامهانة (اوفی یده)عبارة الشمنی: "بدنه" لانهامستورة بثیابه (اوعلی خاتمه)بنقش غیرمستبین قال فی البحر:ومفاده کراهة المستبین لاالمستتربکیس اوصرة اوثوب آخرواقره المصنف.

لمافی حلبی:(۳۱۲،طبع:نعمانیه)

ویکرہ التصاویرعلی الثوب صلی فیه اولم یصل امااذاکانت فی یده وهویصلی فلاباس به لانه سورة بثیابه.

ولمافی البحر:(۲۷/۲،طبع:سعید کراچی)

رجل فی یده تصاویروهویؤم الناس لاتکرہ امامته لانها مستورة بالثیاب فصار کصورة فی نقش خاتم وهوغیرمستبین آه الی قوله لایکرہ ان یصلی ومعه صرة او کیس فیه دنانیراودراهم فیهاصورصغار لاستتارهاوبفیدانه کان فوق الثوب الذی فیه صورة ساتر له فانه لایکرہ ان یصلی فیه لاستتارهابالثوب الآخر.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۴/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ　　　فتوی نمبر:۲۰۲۳

﴿نماز میں گھٹنے کے نیچے دوسرے کا کپڑا آجانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام درایں مسئلہ کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میرا کپڑا دوسرے نمازی کے گھٹنے کے نیچے دب گیا اس نے پیر اٹھایا اور میں نے کپڑا کھینچ لیا، کیا ایسا کرنے سے ہم دونوں کی نماز فاسد ہوگئی؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس عمل سے ہم دونوں کی نماز فاسد ہوگئی، بینوا توجروا۔　　مستفتی: خضر حیات

﴿جواب﴾ مذکورہ عمل سے کسی ایک کی بھی نماز فاسد نہیں ہوئی جو لوگ نماز فاسد ہونے کا حکم دیتے ہیں معلوم نہیں کس وجہ سے؟ اس کو عمل کثیر قرار دیکر یا تعلیم وتعلم قرار دے کر، اس عمل پر نہ تو عمل کثیر کی تعریف صادق آتی ہے اور نہ ہی یہ عمل تعلیم وتعلم میں داخل ہے، لہٰذا اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۷ محرم ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر: ۶۱۸

﴿محاذات میں محارم عورتوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محاذاۃ المرأۃ کی صورت میں جو فساد صلوۃ کا حکم ہے یہ صرف اجنبی عورت کے ساتھ خاص ہے یا محارم عورتوں اور بیوی کو بھی شامل ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ یہ حکم عام ہے اجنبی عورت ہو یا محرم یا اپنی بیوی ہو محاذات جب ان شرائط کے ساتھ متحقق ہو جائے جو مفسد صلوۃ ہیں تو نماز فاسد ہو جائیگی۔

لما فی البحر: (۱/ ۳۵۴-۳۵۵، طبع سعید)

(قوله وان حاذته مشتهاة فی صلاة مطلقة مشتركة تحريمة واداء فی مكان متحد بلا حائل فسدت صلاته ان نوى امامتها) واطلقها فشملت الاجنبية والزوجة والمحرم والمشتهاة حالا او ماضيا مراهقة او بالغة فدخلت العجوز الشوهاء.

ولما فی القدیر: (۱/ ۳۷۲)

والا صح ان تصلح للجماع ولا فرق بين الاجنبية والمحرم.

ولما فی الشامیۃ:(۱/۵۷۲-۵۷۳،طبع سعید)

(واذا حاذتہ امرأۃ مشتہاۃ)حالا کبنت تسع مطلقا وثمان وسبع لو ضخمۃ او ماضیا کعجوز وعبارتہ فی الخزائن : ولو محرمہ او زوجتہ.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب :عبداللہ چارسدوی

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۹۰۱

﴿صرف شہوت آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز میری بیوی قریب سے گزری اور جسم کپڑوں سمیت لگا مجھے شہوت آگئی تو میری نماز کا کیا حکم ہے؟اور اگر وہ نماز پڑھ رہی ہو اور میرا جسم اسکے جسم کے ساتھ لگے تو اسکی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی:عبدالواحد

﴿جواب﴾ دوران نماز عورت کا جسم کپڑوں سمیت مرد کے جسم کو لگ جائے جس کے نتیجہ میں شہوت بھی آجائے تو نفس شہوت آنے سے مرد وزن میں سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

لمافی ردالمحتار:(۱/۶۲۹،طبع سعید)

فی الخلاصۃ لونظر الی فرج المطلقۃ رجعیا بشہوۃ یصیر مراجعا لا تفسد صلاتہ

وکذا فی الھندیہ:(۱/۱۰۴)وکذافی الفتح:(۱/ ۳۰۰)وکذاحلبی کبیر:(ص۴۴۹)

ولمافی المراقی الفلاح:(ص ۱۲۳)

(ولاتفسد)صلوتہ(بنظرالی فرج المطلقۃ)اوالأجنبیۃ یعنی فرجھا الداخلی بشھوۃ فی المختار،لأنہ عمل قلیل.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب

۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۱۱۹

﴿بلا وجہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا ممنوع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا یہ بات سچ ہے کہ جو آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائیگا؟　　　مستفتی:محمد حنیف ابوبکر مسجد لیڑ ۲

﴿جواب﴾ جو آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا اس کا حوالہ ہماری نظروں سے نہیں گزرا، تاہم بلا وجہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنے کی احادیث میں

ممانعت آئی ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے، البتہ خشوع کی غرض سے ہو اور اس کے بغیر خشوع حاصل نہ ہو سکے تو اسکی گنجائش ہے۔

لما فی رد المحتار:(۱/۶۴۵ طبع سعید)

"وكره تغميض عينيه" للنهي اى في الحديث "اذا قام احدكم في الصلاة فلا يغمض عينيه" رواه ابن عدى، الا لكمال الخشوع بان خاف فوت الخشوع بسبب رؤية ما يفرق الخاطر فلا يكره، بل قال بعض العلماء انه الاولى.

ولما فی العالمگیریة:(۱/۱۰۷-۱۰۸ طبع قدیمی)

يكره للمصلي ان يعبث بثوبه او لحيته او جسده وان يكف ثوبه......ويكره التمطي وتغميض عينيه وان يدخل في الصلاة وهو يدافع الاخبثين وان شغله قطعها وكذا الريح وان مضى عليها اجزأه وقد اساء.

ولما فی الخلاصة:(۱/۵۷ طبع رشیدیه)

جنس آخر فيما يكره......ولا يلتفت ولا يعبث بشيء من جسده وثيابه والحاصل ان كل عمل هو مفيد لا بأس به للمصلي وقد صح من النبي صلى الله عليه وسلم انه سلت العرق عن جبينه الى قوله......ويكره ان يغمض عينيه في الصلاة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۲۰/۱۲/۱۴۲۸ھ　　　فتوی نمبر: ۱۴۲۸

﴿نماز میں اوپر دیکھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں نگاہ اتنی اونچی رکھنا کہ مسجد کی چھت نظر آتی ہو تو ایسے شخص کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟　　　مستفتی: ایک معلم

﴿جواب﴾ نمازی کی نگاہ موضع سجود پر ہونی چاہیے، اوپر دیکھنے کی احادیث میں خصوصیت کیساتھ ممانعت آئی ہے۔ لہذا کوئی شخص دوران نماز نظریں مسجد کی چھت کی طرف رکھتا ہو تو اسکی نماز مکروہ ہوگی۔

لما فی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(۳۵۲ طبع قدیمی)

وتغميض عينيه ...و) يكره (رفعهما للسماء) لقوله ﷺ "ما بال اقوام يرفعون ابصارهم الى السماء لينتهن او لتخطفن ابصارهم".

ولما فی العالمگیریہ :(۱/۱۱۸ طبع قدیمی)

ویکرہ ان یرفع بصرہ الی السمآء، کذافی التبیین .

ولما فی حلبی کبیری: (۳۲۱،مکتبہ :نعمانیہ کوئٹہ)

فروع) یکرہ رفع البصر الی السماء "لما فی البخاری عن انسؓ قال:قال رسول اللہ ﷺ :ما بال اقوام یرفعون ابصارھم الی السمآء فی صلوتھم "فاشتد قولہ فی ذلک حتی قال :لینتھن ذلک او لتخطفن ابصارھم .

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ریحان اللہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر: ۳۶۷۹

﴿دوران نماز کپڑوں کو بار بار سمیٹنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ شلوار، پتلون، لنگی، پاجامہ، گھٹنے میں پھنسنے کی وجہ سے سجدہ میں بے چینی ہوتی ہے نماز میں خلل پڑھتا ہے، اس لیے سمیٹنا یا تھوڑا سا اونچا کرنا پڑتا ہے، اس عمل کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد حنیف ابوبکر مسجد فیز ۲

﴿جواب﴾ ایسا عمل بار بار کرنا بلاشبہ مکروہ ہے کبھی کبھار ایسی صورت پیش آجائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لما فی رد المحتار:(۱/ ۶۴۰،طبع سعید)

وکرہ "کفہ" ای رفعہ ای سواء کان من بین یدیہ او من خلفہ عند الانحطاط للسجود "بحر" ......الی ان قال للنھی الا لحاجۃ وھو ما اخرجہ القضاعی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم " ان اللہ کرہ لکم ثلاثا: العبث فی الصلاۃ والرفث فی الصیام ،والضحک فی المقابر" وھی کراھۃ تحریم کما فی البحر "قولہ الا لحاجۃ" کحک بدنہ لشیئی اکلہ واضرہ وسلت عرق یؤلمہ ویشغل قلبہ ،وھذا لو بدون عمل کثیر قال: فی الفیض الحک بید واحد فی رکن ثلاث مرات یفسد الصلاۃ ان رفع یدہ فی کل مرۃ.

ولما فی شرح المنیۃ:(ص ۳۸۳،طبع نعمانیہ)

"ولو رفع العمامۃ" او القلنسوۃ من رأسہ ووضع علی الارض او رفع من الارض ووضع علی رأسہ او نزع القمیص او تعمم " وفعل کل واحد من الافعال المذکورۃ "بید واحدۃ"من غیر تکرار متوال " لا تفسد " صلاتہ "لکن یکرہ" ذالک الفعل ان کان بغیر عذر...... وانما قید نا الکراھۃ بعدم العذر لانہ اذا کان لہ فی ذالک عذر لا یکرہ کما اذا خشی من البرد او الحر ان یضرہ فوضع

العمامة علی رأسه او اصاب ثوبه او عما مته نجاسة فنزع لاجلها حیث لا یکره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۱۴۲۸/۱۲/۲۰ھ — فتویٰ نمبر ۱۰۳۷

﴿نماز میں عمل قلیل وکثیر کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ نماز میں کوئی عمل تین بار کیا جائے تو وہ عمل کثیر میں شمار ہوتا ہے مثلاً: قومہ یا سجدے سے اُٹھنے کی حالت میں سرین نمایاں ہونے سے بچنے کی غرض سے قمیص درست کرنی پڑتی ہے چار رکعت کی نماز میں یہ عمل چار دفعہ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کیا نماز فاسد ہو جائیگی؟

﴿جواب﴾ نماز میں عمل کثیر کے لیے کسی عمل کو تین بار کرنا معیار نہیں ہے، البتہ ایسا عمل جو نماز کے منافی ہو اور دیکھنے والا تاثر لے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے عمل کثیر شمار ہوتا ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، سوال میں ذکر کردہ صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ بدوں احتیاج ایسا کرنا جائز نہیں، اس سے نماز فاسد اگرچہ نہیں ہوتی لیکن مکروہ تو بلا شبہ ہو جاتی ہے۔

لما فی الدر المختار:(۱/۶۲۴-۶۲۵ طبع سعید)

"ویفسدها" کل عمل کثیر لیس من اعمالها ولا لاصلاحها وفیه اقوال خمسة اصحها "ما لا یشک بسببه الناظر من بعید فی فاعله انه لیس فیها" وان شک انه فیها ام لا فقلیل وما یقام بالیدین عادة یغلب ظن الناظر انه لیس فی الصلاة، وکذا قول من اعتبر التکرار ثلاثا متوالیة فانه یغلب الظن بذالک.

ولما فی شرح المنیة:(ص ۳۸۲ طبع نعمانیه)

"وکذا" یفسدها" العمل الکثیر" ما لیس من اعمالها ولم یکن لاصلاحها ." وکل عمل لا یشک بسببه الناظر" الی المصلی انه فی الصلاة بل یظن ظنا غالبا انه لیس فی الصلاة فهو عمل کثیر" وما کان دون ذالک بان یشتبه علی الناظر ویتردد فی کونه فی الصلاة ام لا فهو قلیل......الی ان قال "ولو حک" "المصلی" "جسده مرة او مرتین" متوالیتین "لا تفسد" صلاته للقلة "وکذالا تفسد اذا فعل" ذالک الحک" مرارا غیر متوالیات" بان لم تکن فی رکن واحد "ولو فعل" ذالک" مرارا متوالیات" ای فی رکن واحد "تفسد" صلاته لانه کثیر. هذا اذا رفع یده فی کل مرة اما اذا لم یرفع یده فی کل مرة فلا تفسد لانه حک واحد کذا فی الخلاصة:(ص ۳۸۷).

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۱۴۲۸/۱۲/۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۴۱

﴿کسی کے ستر پر نظر پڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز میرے سامنے پینٹ شرٹ والے ایک آدمی کا ستر کھل گیا، اس پر میری نظر پڑ گئی، پوچھنا یہ ہے کہ میری اور اس آدمی کی نماز کا کیا حکم ہے؟ از راہ کرم تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: محمد شاکر

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ کے مطابق ستر پر نظر پڑ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اس پر نظر جمار کھنا بُرا ہے۔

لما فی التاتارخانیة: (۲۲۲/۱ طبع قدیمی)

ولو وقع بصر المصلی علی عورة غیره لا تفسد صلاته وان تعمد ذلک فهو مسیئ.

اور وہ شخص جس کا ستر کھل گیا ہے اسکے عضو مکشوف کا چوتھائی یا اس سے بھی زیادہ حصہ اگر اتنی دیر تک کھلا رہا جتنی دیر میں سجدہ یا رکوع ادا کیا جا سکتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو گئی ہے دوبارہ لوٹانا ضروری ہے، اس سے کم مقدار کا حصہ یا کم وقت کے لئے کھلا رہا تھا تو نماز ہو گئی ہے لوٹانا ضروری نہیں ہے بشرطیکہ بے خیالی میں اسطرح ہوا ہو۔

لما فی التنویر وشرحه: (۴۰۸/۱ طبع سعید)

ویمنع انعقادها کشف ربع عضو قدر اداء رکن بلا صنعه من عورة غلیظة أو خفیفة علی المعتمد. قوله ویمنع صحة الصلاة حتی انعقادها ...... قدر أداء رکن: أی بسنته قال شارحها وذلک قدر ثلاث تسبیحات..... وعما اذا أدی مع الانکشاف رکنا فانها تفسد اتفاقا، وفی الخانیة: اذا طرح المقتدی فی الزحمة ......أو طرحوا ازاره أو سقط عنه ثوبه أو انکشفت عورته، فلیما اذا تعمد ذلک فسدت صلاته وان قل والا فان أدی رکنا فکذلک والا فان مکث بعذر لا تفسد فی قولهم.

هکذا فی الخانیة: (۱۳۱/۱) وهکذا فی حلبی کبیر: (ص ۴۹۰).

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی

۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۹۶

﴿نماز میں چھینک آنے پر قصداً الحمد للہ کہنا منع ہے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب: میں امام صاحب کی اقتداء میں عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا کہ

اسی دوران مجھے چھینک آئی تو میں نے الحمد للہ کہا، کیا مذکورہ عمل سے میری نماز ٹوٹ گئی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نماز میں چھینک آنے پر قصداً الحمد للہ کہنا منع ہے غیر اختیاری طور پر زبان پر جاری ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

لما في الهندية:(ص ۹۸/۱،طبع رشيديه)

ولو قال العاطس لاتفسد صلاته وينبغي ان يقول في نفسه والاحسن هو السكوت كذا في الخلاصة.

ولما في خلاصة الفتاوى :(۱۲۵/۱ طبع رشيديه)

ولو قال الحمد لله لاتفسد صلاته وينبغي ان يقول في نفسه وهو السكوت.

ولما في الحلبي الكبير:(ص۳۸۰،طبع نعمانيه)

(ولو عطس)المصلي (فقال:الحمد لله لا تفسد صلاته لانه لم يتغير بعزيمته عن كونه ثناء ولا خطاب فيه وعن ابي حنيفةان هذا اذا حمد في نفسه من غير ان يحرك شفتيه فان حرك فسدت والاول هو الظاهر ثم الذي ينبغي للعاطس هو ان يسكت وقيل يحمد في نفسه.

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد وارث خان سواتی

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۷۴۲

﴿ایک سجدہ اگر رہ گیا تو نماز نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے امام صاحب عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے کہ تیسری رکعت کے پہلے سجدے سے اٹھتے وقت ان سے اسپیکر گر گیا، جس کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز میں خلل واقع ہو گیا اور ان میں سے بعض نے اپنے لئے دوسرا سجدہ کر لیا لیکن اکثر حضرات خصوصاً پچھلی صفوں کے مقتدیوں نے صرف ایک سجدہ کیا اور چوتھی رکعت کیلئے کھڑے ہو گئے، سوال یہ ہے کہ جن حضرات نے صرف ایک سجدہ کیا انکی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور جن حضرات نے اپنے لئے دوسرا سجدہ کر لیا ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی عبد اللہ

﴿جواب﴾ ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں، لہٰذا جن حضرات نے صرف ایک سجدہ کیا اور سلام پھیرنے سے قبل دوسرا سجدہ نہیں کیا تو ان کی نماز نہیں ہوئی، لوٹانا ضروری ہے اور جن حضرات نے اپنے لئے دوسرا سجدہ کر لیا تو ان کی نماز درست ہو گئی ہے۔

لما في الشامي:(۲۲۹/۱)وترك ركن بلا قضاء كما لو ترك سجدةمن ركعة وسلم قبل الاتيان بها.

ولمافی حاشیة الطحطاوی:(ص۱۷۶،طبع قدیمی)

بقی من المفسدات الارتداد بالقلب.....وترک الرکن بلا قضاء.

ولمافی نهر الفائق:(۱/۲۷۴،طبع قدیمی)

بقی من المفسدات الموت والارتداد بالقلب .....وترک رکن بلا قضاء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق غفرلہ

۲۰ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ　　　فتوی نمبر:۱۳۲۹

﴿دوران نماز تلبیہ پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر حاجی صاحب دوران نماز تلبیہ پڑھ لے تو اس صورت میں انکی نماز کا کیا حکم ہے؟　　　مستفتی:سعید کیاڑی

﴿جواب﴾ دوران نماز تلبیہ پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا حاجی صاحب نے دوران نماز اگر تلبیہ پڑھ لیا تو انکی نماز فاسد ہو جائیگی اور ان کیلئے اس نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

لما فی الدر المختار:(۲/۱۸۰-۱۸۱،طبع سعید)

ولولبیٰ فسدت ... وفی الولوالجیة لونوٰی بالتلبیة سقط السجود والتکبیر.

وفی الشامیة تحته:(قوله ولو لبی فسدت)لانه خطاب الخلیل علیه السلام وعن محمد لاتفسد لانه یخاطب الله تعالی بهافکانت ذکراکمافی المجتبیٰ اسمٰعیل.قلت:الاولیٰ التعلیل بماياتی من انهاتشبه کلام الناس اذلاشک ان قول لبیک اللهم لبیک لاشریک الخ خطاب الله تعالیٰ .....(قوله سقط السجود والتکبیر)لان التلبیة تشبه کلام الناس وکلام الناس یقطع الصلاۃ فکذاهی..... ولعل وجه کونه یشبه کلام الناس أن من نادیٰ رجلا یجیبه بقوله ، لبیک ، وقد قال فی البدائع : اذاقال: اللهم أعطنی درهما وزوجنی امرأۃ تفسدصلاته لأن صیغته من کلام الناس وان خاطب الله تعالیٰ به فکان مفسدابصیغته.

ولمافی الهندیة:(۱/۱۰۰،رشیدیه)ولولبیٰ الحاج فی صلوٰته تفسدصلوٰته کذافی الخلاصة.

وهکذافی الخلاصة:(۱/۲۳)ولولبیٰ الحاج فی الصلوٰۃ تفسدصلوٰته.وهکذافی البحر:(۲/۸)ولولبیٰ الحاج فی صلوٰته تفسد صلوٰته .وهکذافی الخانیة علیٰ هامش الهندیة : (۱/۱۳۸)ولولبیٰ الحاج فی صلوٰته تفسد صلوٰته.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق عفااللہ عنہ

۲۴رجب ۱۴۲۹ھ　　　فتوی نمبر:۱۷۲۲

﴿زجر وتنبیہ کی غرض سے دوران قراءت آواز بلند کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے دوران کسی کو تنبیہ کرنے کے لئے قراءت کرتے ہوئے آواز کو بلند کردے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ دوران نماز کسی کو زجر یا تنبیہ کی غرض سے قراءت کرتے ہوئے آواز بلند کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ ایسا کرنا نہیں چاہیے۔

لمافی الشامیة:(۱/۶۲۱،طبع سعید)

قلت والظاهر انه لو لم يسبح ولكن جهر بالقراءة لا تفسد لانه قاصد للقراءة وانما قصد الزجر او الامر بمجرد رفع الصوت.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۵۱

﴿زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیئے بغیر قرأت نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ نماز میں اس طرح قرأت کرتے ہیں کہ چپ چاپ ہونٹ بند کیے رہتے ہیں اور دل ہی دل میں تصور کے ذریعہ قرأت کرتے ہیں کیا تصور میں قرأت کرنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیئے بغیر صرف دل میں قرأت کرنے سے قرأت کا فریضہ ادا نہیں ہوتا یہ تو قرأت کا سوچنا کہلاتا ہے قرأت نہیں، قرأت کا رکن ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حروف صحیح طور پر اتنی آواز کیساتھ نکلیں کہ اس کے پاس والا یا خود اپنی قرأت کم از کم اس کو سنائی دے۔

لما فی الفتاوی التاتارخانیة:۱/۲۲۹،طبع قدیمی)

وفی شرح الطحاوی ولو قرأ بقلبه ولم يحرك لسانه فانه لا يجوز.

ولما فی حاشة الطحطاوی علی مراقی الفلاح :۲۱۹،طبع قدیمی)

واكثر المشايخ على ان الصحيح ان الجهر حقيقته ان يسمع غيره والمخافتة ان يسمع نفسه وقال الهندوانی لاتجزيه مالم تسمع اذناه ومن بقربه فالسماع شرط فيما يتعلق بالنطق باللسان التحريمة والقراءة السرية والتشهد الخ.

ولما النهر الفائق: ۲۲۹/۱، طبع قدیمی)

واختلف في حد الجهر والاخفاء فاختار الكرخي انه اسماع نفسه والمخافتة تصحيح الحروف قالوا :والى ذلك اشار محمد في الاصل عند اعطاء حكم تخيير المنفرد في الجهرية حيث قال :ان شاء قرأ في نفسه وان شاء جهر فاسمع نفسه قال في (البدائع) وهذا اصح واقيس وصرح محمد في (الآثار) بانه اذا حرك شفتيه بالاستثناء فقد استثنى وهو قول ابي حنيفةؒ.

ولما في البحر الرائق : ۲۳۶/۱، ۲۷، طبع سعید)

فذهب الكرخي الى ان ادنى الجهر ان يسمع نفسه وادنى المخافتة تصحيح الحروف وفي البدائع ما قال الكرخي أقيس واصح وأكثر المشائخ على ان الصحيح ان الجهر ان يسمع غيره والمخافتة ان يسمع نفسه وهو قول الهندواني ،ان في المسئله ثلاثة اقوال :قال الكرخي ان القراءة تصحيح الحروف وان لم يكن الصوت بحيث يسمع وقال بشر لابد ان يكون بحيث يسمع وقال الهندواني لا بد ان يكون مسموعا له زاد في المجتبى في النقل عن الهندواني انه لا يجزيه ما لم يسمع أذناه ومن بقربه ونقل في الذخيرة عن الحلواني ان الاصح هذا .

ولما في السعاية : ۲۷۱/۲، طبع سهيل)

قال هو الصحيح اى تفسير الجهر والمخافتة بما ذكر هو الصحيح اما دراية فلان القرائة وان كانت فعل اللسان لكن فعله الذى هو كلام والكلام بالحروف والحرف كيفية تعرض للصوت لا للنفس فمجرد تصحيح الحروف بلا صوت ايماء الى الحروف بالمخارج لا حروف فلا كلام كذا في فتح القدير واما رواية فلرواية البخاري وغيره عن ابى معمر قلت لخباب أكان رسول الله ﷺ يقرأ في الظهر والعصر قال نعم قلنا له من اين علمت قال باضطراب لحيته فقد استدل البيهقي بهذا الحديث على ان الاسرار بالقراءة لا بد فيه من اسماع المرء نفسه فان ذلك لايكون الا بتحريك اللسان بالشفتين بخلاف ما لو اطبق شفتيه وحرك لسانه فانه لا تضطرب به لحيته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب : عمر فاروق لاہوری

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ | فتویٰ نمبر: ۳۵۷۳

﴿امام اور مقتدی کا مکان الگ ہونے کی صورت میں نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرتبہ ہمارے امام صاحب نے مسجد کے برامدہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی، جبکہ مقتدی صحن مسجد میں تھے، صحن اور برامدہ کے فرش میں کچھ اونچ نیچ کا فرق ہے، برامدہ کا فرش تھوڑا صحن کے فرش سے اونچا ہے، جب

نماز مکمل ہوئی، تو ایک نمازی نے کہا کہ نماز مکروہ ہوئی، کیونکہ امام اور مقتدی کی جگہ میں فرق ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کتنی اونچ نیچ امام اور مقتدی کی جگہوں میں مکروہ صلوٰۃ ہے اور کتنی نہیں؟

﴿جواب﴾ امام اکیلے ایک ہاتھ اونچی جگہ پر اگر کھڑے ہوں تو نماز مکروہ ہوتی ہے، اس سے کم اونچائی کا اعتبار نہیں ہے، عموماً برامدہ صحن سے اتنا اونچا نہیں ہوتا، لھذا اس معمولی سے فرق کیوجہ سے نماز مکروہ نہیں ہوئی، البتہ برامدہ میں کھڑے ہو کر امام کی حالت مقتدیوں پر اگر مخفی رہے تو اس صورت میں نماز مکروہ ہوگی،

لما في الهندية: (۱/۱۰۸، طبع: رشيديه)

ويكره أن يكون الاما م وحده على الدكان وكذا القلب في ظاهر الرواية وكذافي الهداية وان كان بعض القوم معه فالا صح انه لا يكره كذا في المحيط السر خسي قدر الارتفاع قامة ولا بأس بما دونها ذكره الطحاوى وقيل أنه مقدر بما يقع به الا متياز ،وقيل بمقدار الذراع اعتبار بالسترة وعليه الا عتماد كذافي التبين

ولما في غنية المستملى: (ص: ۴۵۱، طبع: قديمى)

السابع في المانع من الا قتداء بشترط لصحه الا قتداء اتحاد مكان الا مام والماموم حكما فلو كان بينهما حائط فان كان قصير اذليلا بانكان طوله دون القامة وعرضه غيرزائد على مابين الصفين لا يمنع لعدم الا شتباه والا فان كان فيه باب اوكوة يمكن الوصول الى الا مام منه وهو منتوح فكذالك لا يمنع وان كان الباب مسدود اوالكوة صغيرة لا يمكن النفوذمنهما او مشبكة فان كان لا يشتبه عليه حال الا مام برؤية او سماع لا يمنع على ما اختاره شمس الا ئمة الحلوانى قال في المحيط وهو الصحيح ولذا اختار قاضى خان وغيره ،وان كان الحائط على خلاف ماذكربان كان عريضا طويلا وليس فيه ثقب يمنع .

ولما في الفتاوى العالمگيرية: (۱/۱۰۹، طبع: رشيديه)

ولفناء المسجد له حكم المسجد حتى لو قام في فناء المسجد واقتدى بالامام صح اقتداؤه وان لم تكن الصفوف متصلة ولا المسجد ملان اليه اشار محمد رحمة الله عليه في باب الجمعة فقال يصح الا قتداء في الطاقات والسدد وان لم تكن الصفوف متصلة .....

ولما في الهنديه: (۱/۸۸، طبع: رشيديه)

ولو اقتدى بالامام في اقصى المسجد والامام في المحراب فانه يجوز كذا في شرح الطحطاوى ولوقام على دكان خارج المسجد متصل بالمسجد يجوز الاقتداء لكن بشرط اتصال الصفوف.....

ولما فی غنیۃ المستملی:(ص:۳۱۴،طبع:قدیمی)

ویکرہ ایضا ان ینفرد الامام عن القوم فی مکان اعلی من مکان القوم اذالم یکن بعض القوم معہ لانہ فیہ التشبہ باھل الکتاب ... ثم مقدار الارتفاع الذی یحصل بہ کراھۃ الانفراد عن القوم ذکر الطحاوی انہ مقدار بقامۃ الرجل وکذاروی عن ابی یوسف وقیل مقدار مایقع بہ الامتیاز وقیل مقدار ذارع اعتبار بالسترۃ قال فی الکفایہ ناقلا عن الجامع لصغیرلقاضی خان وعلیہ الاعتماد ......والظاھر ان مادون الذراع لا ینضبط بہ وقوع الامتیاز کل الضبط فان من الناس الطویل والقصیر فکان التقدیر بالذراع ھو الاولی لانہ ھو الذی ینضبط بہ وقوع الامتیاز فی حق الکل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:عزیزاللہ آغا عفی عنہ

۴رجب المرجب ۱۴۳۳ھ   فتویٰ نمبر:

﴿امام کے سلام پھیرنے سے پہلے مقتدی نے سلام پھیرا تو نماز کا کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مقتدی قعدہ اخیرہ تک امام کی متابعت کرنے کے بعد کسی عذر کی بناء پر (مثلاً خیال ہوا کہ گاڑی روانہ ہوگئی حالانکہ واقعہ اسکے خلاف تھا) امام کے سلام پھیرنے سے قبل خود سلام پھیر کر کھڑا ہوگیا پھر معلوم ہونے پر واپس بیٹھ کر امام کے ساتھ سلام پھیرا تو اسکی نماز کا کیا حکم ہے؟   مستفتی:محمد عظیم مکی مروتی

﴿جواب﴾ مقتدی اگر التحیات پوری کرے تو امام سے پہلے کسی شرعی عذر کے بغیر سلام پھیرنا جائز نہیں ہے، تاہم نماز ہو جائیگی، البتہ عذر کی وجہ سے ہو مثلاً: وضوء ٹوٹنے کا اندیشہ ہو وغیرہ تو ایسی صورت میں سلام پھیرنے سے نماز بلا کراہت مکمل ہو جائے گی اور مذکورہ صورت میں بھی نماز صحیح ہے، لیکن اب سلام پھیرنے کے لئے واپس بیٹھنا فضول ہے۔

لمافی الدر المختار:(۱/۵۲۵،طبع سعید)

ولو اتمہ قبل امامہ فتکلم جازوکرہ فلوعرض مناف تفسد صلاۃ الامام فقط.

ولما فی الشامیۃ:(۱/۵۲۵،طبع سعید)

(ولو اتمہ)الخ،ای لو اتم الموتم التشھد بان اسرع فیہ وفرغ منہ قبل اتمام امامہ فاتی بما یخرجہ من الصلاۃ کسلام او کلام او قیام جاز:ای صحت صلاتہ لحصولہ بعد تمام الارکان الی قولہ.... وانما کرہ للموتم ذلک لترکہ متابعۃ الامام فلو بہ کخوف حدث او خروج وقت جمعۃ او مرور مار بین یدیہ فلا کراھۃ.

ولما فی التاتارخانیة:(۱/۲۰۲،طبع قدیمی)

وان سلم المقتدی قبل الامام وذهب ان کان بعذر یجوز وان لم یکن بعذر یکره مخالفة الامام. وهکذا فی نور الایضاح مع المراقی:(ص۱۱۵).

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم:عزیز الرحمٰن چارسدوی عفا اللہ عنہ

۳صفر الخیر ۱۴۲۹ھ
فتویٰ نمبر:۱۱۷۴

﴿وضوٹوٹنے کے باوجود نماز کو جاری رکھا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا وضو دوران نماز ٹوٹ گیا لیکن سستی یا شرم کی وجہ سے نماز کو جاری رکھا تو ایسے آدمی کیلئے شرعی حکم کیا ہے؟ بعض حضرات کفر کا حکم لگاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ ایسے آدمی کے لئے کفر کا حکم لگانا درست نہیں کیونکہ کفر اس صورت میں ہوگا جب استہزاء یا استخفاف کی وجہ سے ایسا کیا ہو اور یہاں شرم اور سستی کی وجہ سے بغیر وضو نماز پڑھی ہے اور یہ اگر چہ انتہائی غلط ہے لیکن موجب کفر نہیں۔

ولما فی المرقاة:(۲/۲۶طبع رشیدیه)

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تقبل صلوٰة من أحدث حتّی یتوضاء؛ قال صاحب المرقاة تحت هذالحدیث وبهذه المسئلة تبیّن انّ الصلوٰة بغیر الطهارة متعمّداً لیس بکفر فانه لو کان کفراً لما امر ابو یوسفؒ وقال ایضاً والظاهر انه اذا قصد به حرمة الوقت لا یکفر لان المسئلة اجتهادیة ولانه لا یصدق علیه انه مستخف بخلاف ما اذا صلی من غیر طهارة عمداً لا لهذاالقصد فانه یکفر لانه مستخف بالشرع حینئذٍ ولو صلی بلا طهارة حیاء او ریاء او کسلاً فهل یکون مستخفاً ام لا؟محل بحث والاظهر فی المستحیی ان لایکون مستخفا.

ولما فی الشامیة:(۱/۸۱،ایچ ایم سعید)

لما لو کان بمعنی علذلک الفعل خفیفاً وهیّناً من غیر استهزاء ولا سخریة بل لمجرد الکسل او الجهل فینبغی ان لایکون کفراً عندالکل تأمل(فی شرح الفقه الأکبر:ص۲۸۹بیروت)قال العلامة ملا علی القاری وکذا اذا صلی بغیر طهارة أو مع الثوب النجس یعنی مع القدرة علی الثوب الطاهر کفر یعنی اذالستحل والافلاشک انهامعصیة لانه کانه ترک تلک الصلوٰة بمجرد ترکها لایکفر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم:شاهد محمود عفا اللہ عنہ

۲۶ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ
فتویٰ نمبر:۱۰۵۲

﴿دوران نماز اونگھ سے وضوء ونماز فاسد نہیں ہوتے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کرسی پر بیٹھ کر امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا تھا۔ دوران قرأت اس کو نیند آگئی اور نیند کی وجہ سے وہ بار بار گرنے کی طرف مائل ہو رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ گر جائے۔ پھر امام کے رکوع میں جانے پر اس کی آنکھ کھلی اور اس نے امام کے ساتھ رکوع کیا۔ اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص کے وضوء کا کیا حکم ہے اور اس کی نماز کا کیا حکم ہے۔ مستفتی: عبدالرحمٰن

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت اونگھ کی ہے نیند کی نہیں۔ ایسی نیند سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی نماز فاسد ہوتی ہے۔

لما فی المحیط البرھانی: (۲۰۵/۱، طبع ادارۃ القرآن کراتشی)

وان نام قاعدا وھو یتمایل فی حال نومه ویضطرب وربما یزول مقعده عن الارض الا أنه لم یسقط ظاهر المذهب انه لیس بحدث وعن ابی یوسف انه حدث

ولما فی الدر المختار: (۱۴۲/۱، طبع سعید)

ولو نام قاعدا یتمایل فسقط، ان انتبه حین سقط فلا نقض به یفتی

ولما فی الھندیة: (۱۲/۱، طبع المکتبة الرشیدیة کوئٹه)

وان نام جالسا وھو یتمایل وربما تزول مقعدته عن الارض قال شمس الائمة الحلوانی ظاهر المذهب انه لا یکون حدثا کذا فی فتاوی قاضی خان

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۲۴

﴿ہاف آستین والی شرٹ وغیرہ میں نماز مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے نماز میں آستین چڑھائی ہوئی ہے اور کہنیوں سے اوپر ہے اور آخر تک اس نے کہنیوں کو نیچے نہیں کیا، اب اس بندہ کی نماز ہو جائے گی کہ نہیں؟ اسی طرح ایک آدمی نے ایسی شرٹ پہنی ہوئی ہے کہ اسکی آستین کہنیوں سے اوپر تک ہیں، اس کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل آئے گا کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ نماز کی حالت میں کہنیاں کھلی ہوئی ہوں تو نماز مکروہ ہے اور اگر آستین کہنیوں

سے نیچے تک ہوں لیکن عام معمول سے کچھ اوپر کی جانب اٹھی ہوئی ہوں تو اس صورت میں بھی بعض علماء کے نزدیک نماز چونکہ مکروہ ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ بلا ضرورت آستین چڑھا کر نماز نہ پڑھی جائے اگر پہلے سے آستین چڑھائی ہوئی ہوں تو بہتر یہی ہے کہ عمل قلیل سے دوران نماز آستین نیچے کر لے، اسی طرح ایسی شرٹ میں بھی نماز مکروہ ہو جاتی ہے جسکی آستین کہنیوں سے اوپر ہوں۔

ولمافی الحلبی:(ص ۳۰۲،مکروهات الصلوة،طبع نعمانیه)

ویکره ایضا أن یکف ثوبه وهو فی الصلوة بعمل قلیل بأن یرفعه من بین یدیه أو من خلفه عند السجود أو یده فیها وهو مکفوف کما اذا دخل وهو مشمر الکم أو الذیل.

ولمافی الهندیة:(۱/۱۰۶،طبع رشیدیه)ولو صلی رافعا کمیه الی المرفقین کره.

ولمافی التنویرمع الدر:(۱/۶۴۰،طبع سعید)(و)کره(کفه):أی رفعه ولولتراب کمشمر کم أوذیل.

ولمافی ردالمحتار:(۱/۶۴۰،طبع سعید)

تحت(قوله کمشمر کم أو ذیل)أی کما لو دخل فی الصلوة وهو مشمر کمه أو ذیله ......هذا ، وقید الکراهة فی الخلاصة والمنیة بأن یکون رافعا کمیه الی المرفقین وظاهره أنه لا یکره الی ما دونهما . قال فی البحر:والظاهر الاطلاق لصدق کف الثوب علی الکل ونحوه فی الحلیة وکذا قال فی شرح المنیة الکبیر:ان التقیید بالمرفقین اتفاقی،قال : وهذا لو شمر هما خارج الصلاة ثم شرع فیها کذالک ،أما لو شمر وهو فی الصلوة تفسد لأنه عمل کثیر.

ولمافی الشامیة:(۱/ ۶۴۰،طبع سعید)

قوله کمشمر کم أو ذیل)أی کما لو دخل......واذا دخل فی الصلوة کذالک وقلنا بالکراهة فهل الأفضل ارخاء کمیه فیها بعمل قلیل أو ترکهما ؟ لم أره: والأظهر الاول بدلیل قوله الآتی ولو سقطت قلنسوته فاعادتها أفضل تامل.

وهکذا فی البحرالرائق:(۲/۲۲)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:علی خان

۲۸ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۵۷۰

﴿خون آلود ٹشو پیپر جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ میں نے اپنے زخم سے خون صاف کیا

اور وہ ٹشو پیپر جیب میں رکھ کر نماز پڑھ لی بعد میں دیکھا تو وہ میری جیب میں تھا کیا میری نماز درست ہوگئی؟ مستفتی: محمد یوسف کراچی

﴿جواب﴾ ٹشو پیپر پر لگا خون ہتھیلی کے پھیلاؤ سے اگر زیادہ تھا تو نماز نہیں ہوئی لوٹانا ضروری ہے، اس مقدار سے کم خون لگا تھا تو ایسی صورت میں نماز ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی حلبی کبیر: (ص ۱۹۷، طبع سهیل اکیڈمی)

ولو صلى ومعه قارورة فيها بول لاتجوز) صلاته لانها نجاسة فى غير معدنها فتعتبر.

ولما فی حاشية الطحطاوی: (ص: ۱۵۶، ۱۵۷، طبع قديمی)

(وعفى قدر الدرهم) وزنا فى المتجسدة وهو عشرون قيراطا مساحة فى المائعة وهو قدر مقعر الكف داخل مفاصل الاصابع كما وفقه الهندواني وهو الصحيح فذلك عفو (من) النجاسة (المغلظة) فلا يعفى عنها اذا زادت على الدرهم مع القدرة على الازالة.

الجواب صحيح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۵ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۶۳۹

﴿وتر کے مسائل﴾

﴿ایک سلام کیساتھ تین رکعات وتر کا احادیث سے ثبوت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تین رکعات وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل سلفی حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایک سلام کے ساتھ تین رکعات وتر پر احناف کے کوئی دلیل نہیں ہے؟ مستفتی: مہر الدین تاجک

﴿جواب﴾ تین رکعات وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا متعدد احادیث سے ثابت ہے اور خاص کر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جو کہ "اعلم اھل الارض بوتر رسول اللہ ﷺ ہیں" وہ بھی تین رکعات ایک سلام کے ساتھ روایت کرتی ہیں، اس کے علاوہ متعدد صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے بھی تین رکعات ایک سلام کے ساتھ مروی ہے، لھذا سلفی حضرات کا یہ کہنا کہ تین رکعات وتر ایک سلام کے ساتھ اس پر کوئی دلیل نہیں یا تو عدمِ تحقیق کی وجہ سے ہے یا محض تعصب اور ضد کی بنیاد پر ہے۔

فی صحیح المسلم:(۲۵۶،۲۵۵/۱ طبع: قدیمی کراچی)

عن زرارة ان سعد بن هشام بن عامر أراد ان يغزو في سبيل الله فقدم المدينة ــــ فأتى ابن عباس فسأله عن وتر رسول الله ﷺ فقال ابن عباس: الا ادلك على اعلم أهل الارض بوتر رسول الله ﷺ قال من؟ قال عائشة فأتها فسلها ثمّ ائتني فأخبرني بردها عليك . ــ قال قلت يا أمّ المؤمنين أنبئيني عن وتر رسول الله ﷺ فقالت كنّا نعدّ له سواكه وطهوره فيبعثه الله ماشاء أن يبعثه من الليل فيتسوّك ويتوضأ ويصلي تسع ركعات لايجلس فيها الا في الثامنة فيذكر الله ويحمده و يدعوه ثم ينهض ولا يسلم ثمّ يقوم ويصلي التاسعة ثم يقعد فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم يسلم تسليماً يسمعنا ــــ الى آخر الحديث.

علامہ بدرالدین عینیؒ نے اس حدیث کی وضاحت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

(عمدۃ القاری ۱۱/۷، قبیل باب ساعات الوتر، طبع: رشیدیۃ کوئٹہ)

فان قلت: قد صرّحت في الصورة الأولى بقولها "لايجلس الا في الثامنة ولايسلم الا في التاسعة" وصرّحت في الصورة الثانية بقولها "لايجلس الا في السادسة والسابعة ولايسلم الا في السابعة" هذا اقتصار منها على بيان جلوس الوتر وسلامه ، لأن السائل انّما سأل عن حقيقة الوتر ولم يسأل عن غيره فأجابت مُبيّنة بما في الوتر من الجلوس على الثانية بدون سلام والجلوس أيضاً على الثالثة بسلام، وهذا عينُ مذهب أبي حنيفة ، وسكت عن جلوس الركعات التي قبلها وعن السلام فيها كما أنّ السؤال لم يقع عنها فجوابها قد طابق سؤال السائل.

وفي المستدرك على الصحيحين للحاكمؒ:(۳۰۴/۱، طبع: قديمى كراچى)

عن زرارة بن أوفىٰ عن سعد بن هشام عن عائشةؓ قالت: كان رسول الله ﷺ لايُسلّم في الركعتين الأوليين من الوتر. هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.

وفي سنن النسائي:(۲۴۹/۱ طبع: قديمى كراچى)

عن الحكم عن مقسم عن أمّ سلمةؓ قالت كان رسول الله ﷺ يوتر بخمس وبسبع لايفصل بينها بسلام ولا بكلام.

وفيه أيضاً:(۲۴۸/۱ طبع :قديمى كراچى)

عن قتادة عن زرارة بن أوفىٰ عن سعد بن هشام أنّ عائشةؓ حدّثته أن رسول الله ﷺ كان لايسلم في ركعتي الوتر.

ولما في كنز العمال:(۳۳/۸، طبع: رحمانية لاهور)

عن ثابت قال: قال أنسؓ يا ابامحمد خُذ عنّي فانّي أخذت عن رسول الله ﷺ وأخذ رسول الله ﷺ عن الله ولن تأخذ عن أحد اوثق منّي قال: ثم صلى بي العشاء ثم صلى ست

رکعات یسلم بین الرکعتین ثم أوتر بثلاث یسلم فی آخرھن۔(ورجاله ثقات)

وفی شرح معانی الآثار للطحاوی:(۲۰۲/۱ ،طبع:ایچ ایم سعید کراچی)

عن عبد الرحمن بن یزیدعن عبدالله بن مسعودؓ قال الوتر ثلاث کوتر النهار صلوة المغرب۔

وفی مصنّف بن أبی شیبة :(۱۹۵/۲ ، طبع:امدادیة ملتان)

عن ثابت عن انسؓ انه أوتر بثلاث لم یسلم الافی آخرهنّ۔

وفی شرح معانی الآثار:(۲۰۴/۱ طبع :سعید کراچی)

عن عبدالرحمن بن أبی الزناد عن ابیه عن السبعة سعیدبن المسیب وعروة بن الزبیروالقاسم بن محمدوأبی بکربن عبدالرحمن وخارجة بن زیدو عبیدالله. وسلیمٰن بن یسار فی مشیخة سواهم أهلُ فقه وصلاحٍ وفضلٍ وربما اختلفوا فی الشئی فأخذ بقول اکثرهم وافضلهم رأیاًفکان مما وعیتُ عنهم علی هذه الصفة انّ الوتر ثلاث لایسلم الافی آخرهنّ۔

وفی کنزالعمال:(۱۳۴/۷ ،طبع: رحمانیة لاهور)

عن عائشةؓ الوتر ثلاث کثلاث المغرب

وفی مصنّف بن أبی شیبة:(۱۹۴/۲ ، طبع:امدادیة ملتان)

عن مکحول عن عمربن الخطابؓ أنّه أوتربثلاث رکعات لم یفصل بینهنّ بسلام۔

وفیه أیضا:

عن الحسن قال : أجمع المسلمون علی انّ الوترثلاث لایسلم الافی آخرهنّ۔

وفی شرح معانی الآثار:(۲۰۲،۲۰۳/۱ ،طبع: سعید کراچی)

ابن أبی الزناد عن ابیه قال أثبت عمربن عبدالعزیزالوتر بالمدینة بقول الفقهاء ثلثاً لایسلم الافی آخرهنّ۔

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفرلہ ولوالدیہ

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر:۳۷۶۳

﴿حنفی المسلک وتر کی نماز میں سلفی اور غیر مقلد کی اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ حرمین شریفین میں وتر کی جو نماز ہوتی ہے وہاں چونکہ سلفی حضرات نماز پڑھاتے ہیں اور وہ دوسری رکعت پر سلام پھیرتے ہیں یعنی وتر دو سلاموں کے ساتھ ادا کرتے ہیں تو ہم احناف ان کی اقتداء میں وتر کی نماز ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح غیر مقلدین کے پیچھے وتر کی

نماز ہم احناف ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مستفتی: مولوی عنایت اللہ

﴿جواب﴾ احناف کے نزدیک وتر کی تینوں رکعات ایک ہی سلام کیساتھ ہیں، اس لئے حنفی المسلک آدمی کی وتر کسی سلفی یا غیر مقلد کی اقتداء میں جائز نہیں ہے البتہ ان کے ساتھ دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھنا جائز ہے، لہذا حنفی المسلک آدمی نفل کی نیت کر کے شامل ہو پھر امام صاحب کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد مزید ایک رکعت میں شامل نہ ہو، اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہے جب اجتماعی عمل مکمل ہو تو وہ اپنی وتر نماز پوری خود پڑھ لے۔

(لما في العالمكيرية المعروف بالهندية: ١١١/١ طبع رشيديه)

والوتر ثلاث ركعات لا يفصل بينهن بسلام كذا في الهداية

(ولما في المحيط البرهاني: ٢٦٥/٢ طبع ادارة القرآن المجلس العلمي)

وقال الحسن: اجمع المسلمون على ان الوتر ثلاث ركعات لا يسلم الا في آخرهن"

(ولما في الهداية: ١٤٨/١ طبع رحمانية)

قال الوتر ثلاث ركعات لا يفصل بينهن بسلام لما روت عائشةؓ انه عليه السلام كان يوتر بثلاث وحكى الحسنؒ اجماع المسلمين على الثلاث

(ولما في كتاب التجنيس والمزيد: ٩٥،٩٤/٢)

مسئله (٧٤٢): اذا اقتدى في الوتر بمن يراه سنة وهو يراه واجبا ينظر ان كان نوى الوتر وهو يرى انه سنة او تطوع جاز الاقتداء بمنزلة من صلى الظهر خلف آخر، وهو يرى ان الركوع سنة او تطوع، وان كان افتتح الوتر بنية التطوع او بنية السنة، لا يصح اقتداء، لانه يصير اقتداء المفترض بالمتنفل، كذا ذكره الامام الرستغفني

(ولما في رد المحتار: ٥٦٢/١ طبع ايچ ايم سعيد)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة وكذا تكره خلف امرد وسفيه ومفلوج وابرص شاع برصه وشارب الخمر وآكل الربا ونمام ومراء ومتصنع ومن ام باجرة قهستاني زاد ابن ملك ومخالف كشافعي

(ولما في الرد المختار: ٥٦٣/١ طبع ايچ ايم سعيد)

مطلب في الاقتداء بشافعي هل يكره ام لا وظاهر كلام شرح المنية ايضا حيث قال: واما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الاجماع

(ولما في بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ٢٧١/١ طبع ايچ ايم سعيد)

فصل، واما الكلام في مقداره فقد اختلف العلماء فيه قال اصحابنا رحمهم الله تعالى

الوتر ثلاث رکعات بتسلیمۃ واحدۃ فی الاوقات کلھا الی آخرہ ۔۔۔

(ولما فی البحر الرائق: ۵۱/۱ طبع ایچ ایم سعید)

واما الصلاۃ خلف الشافعیۃ فحاصل ما فی المجتبیٰ انہ اذا کان مراعیا للشرائط والارکان عندنا فالاقتداء بہ صحیح علی الاصح ویکرہ والا فلا یصح اصلا

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ۔ واللہ اعلم بالصواب: محمد سلمان خان غفرلہ ولوالدیہ

۲ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ فتوی نمبر: ۳۸۹۸

﴿وتر میں سورۃ اور دعائے قنوت دونوں کوئی چھوڑ دے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد رکوع میں چلا جائے تو کیا اس کے لئے واپس لوٹ کر سورۃ اور دعائے قنوت پڑھنا ضروری ہے یا صرف سجدہ سہو کر لینا کافی ہوگا؟ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ جو شخص وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد رکوع میں چلا جائے تو اس کیلئے رکوع سے اٹھ کر سورۃ اور دعائے قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع کرنا ضروری ہے اور سجدہ سہو بھی کرے، اگر دوبارہ رکوع نہ کیا تو نماز فاسد ہو جائیگی، البتہ رکوع سے واپس لوٹے بغیر صرف سجدہ سہو پر اکتفا کرنے سے بھی نماز صحیح ہو جائیگی۔

لما فی الشامی: ۸۰/۲ طبع سعید).

والتحقیق ان تقدیم الرکوع علی القراءۃ مطلقا موجب لسجود السہو لکن اذا رکع ثم قام فقرأ فان أعاد الرکوع صحت صلاتہ والا فسدت اما اذا رکع قبل القراءۃ اصلا فظاھر واما اذا قرأ الفاتحۃ مثلا ثم رکع فتذکر السورۃ فعاد فقرأھا ولم یعد الرکوع فلأن ماقرأہ ثانیا التحق بالقراءۃ الاولی فصار الکل فرضا فارتفض الرکوع فاذا لم یعدہ تفسد صلاتہ نعم اذا کان قرأ الفاتحۃ والسورۃ ثم عاد لقراءۃ سورۃ اخری لا یرتفض رکوعہ فقد ظھر ان ایقاع الرکوع قبل القراءۃ اصلا او قبل قراءۃ الواجب یلزم بہ سجود السہو لکن اذا لم یعد الرکوع یسقط سجود السہو لفساد الصلوۃ وان اعادہ صحت ویسجد للسہو.

ولما فی الرد المختار: ۸۰/۲ طبع سعید).

حتی لو ترک جمیع واجبات الصلوۃ سہوا لا یلزم الا سجدتان.

ولما فی البحر الرائق: ۹۴/۲ طبع سعید).

وفی المحیط ولو ترک السورۃ فذکرھا قبل السجود وقرأھا، وکذا لو ترک الفاتحۃ فذکرھا

قبل السجود قرأها ويعيد السورة لانها تقع فرضا بالقراءة بخلاف ما لو تذكر التذدت في الركوع فانه لا يعيد ومتى عاد في الكل فانه يعيد ركوعه لارتفاضه.

ولما في البحر الرائق:۹۸/۲،۹۹،طبع سعيد).

انه لا يتكرر الوجوب بترك اكثر من واجب حتى لو ترك جميع واجبات الصلوة ساهيا فانه لا يلزمه اكثر من سجدتين.

ولما في فتاوى التاتارخانية:۵۱۹/۱،طبع قديمى).

وفي الخانية لما ركع ولم يقرأ السورة رفع رأسه وقرأ السورة وأعاد الركوع وعليه السهو هو الصحيح.

ولما في خلاصة الفتاوى:۱۷۶/۱،طبع رشيديه).

وفي الاصل ولو قرأ الفاتحة ونسي السورة في الركعة الاولى او الثانية ساهيا فتذكر ذلک في الركوع او بعدما رفع رأسه من الركوع قبل ان يسجد فانه يعود ويقرأ السورة ويركع ويسجد للسهو،ولو قرأ في الثالثة القنوت ونسي القراءة حتى ركع او قرأ الفاتحة ونسي السورة حتى ركع يرفع رأسه ويقرأ السورة ويعيد القنوت والركوع وعليه السهو.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عمر فاروق لاہوری

۲۵ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:۳۶۲۱

﴿وتر کی نماز میں دعائے قنوت بھول جائے تو سجدہ سہو لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی یہ عادت بن چکی ہے کہ اکثر اوقات وہ دوران نماز قراءت کرتے ہوئے پہلی رکعت میں چھوٹی سورت جبکہ دوسری رکعت میں اس کے مقابلے میں بڑی سورت پڑھ لیتا ہے۔

اسی طرح اکثر اوقات وہ سورتوں میں ترتیب کا لحاظ بھی نہیں رکھتے یعنی پہلی رکعت میں سورۃ الناس تو دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھ لیتا ہے ان صورتوں میں نماز درست ہے یا نہیں؟

اسی طرح مذکورہ شخص کی یہ بھی عادت ہے کہ صلاۃ وتر میں دعائے قنوت بھول جاتا ہے اور رکوع میں یاد آنے پر اس کا اعادہ نہیں کرتا بلکہ صرف سجدہ سہو کر لیتا ہے لیکن کبھی کبھار سجدہ سہو کرنا بھی بھول جاتا ہے حالانکہ اس کا یہ عمل جان بوجھ کر نہیں ہے بلکہ سہواً اسی طرح اگر یہ شخص سجدہ سہو بھول جائے اور نماز سے فارغ ہو کر چلا جائے اب اگر وقت کے ختم ہونے سے پہلے یا وقت کے

اندر بعد میں یاد آئے تو ان صورتوں میں ایسے شخص کی نماز کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ بینوا وجروا۔

﴿جواب﴾ پہلی دو صورتوں میں نماز ادا ہوگئی مگر خلاف سنت ہے اور مذکورہ شخص کو چاہیے کہ اس عادت کو ختم کریں۔

تیسری صورت میں اگر دعائے قنوت بھول جائے تو رکوع میں یاد آنے پر دوبارہ نہ لوٹے بلکہ رکعت پوری کر کے آخر میں سجدہ سہو کریں لیکن اگر آخر میں سجدہ سہو بھی بھول گیا تو ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے چاہے وقت کے اندر ہو یا وقت کے بعد ہو۔

لمافی صحیح البخاری:(۱/۱۰۷،باب مایقرأفی الاخریین بفاتحة الکتاب،قدیمی)

عن عبدالله بن ابی قتادہ عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقرء فی الظهر فی الا ولیین بام الکتاب وسورتین وفی الرکعتین بام الکتاب ویسمعنا الایة ویطول فی الرکعة الاولی مالایطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر وهکذافی الصبح.

ولما فی التنویر وفی شرحه:(۱/۵۴۲،فصل فی القرءة،طبع قدیمی)

اطالة الرکعةالثانیةعلی الاولی یکره تنزیها اجماعاً.وفی الشامی تحت قوله والحاصل ان سنیة اطالةالاولی علی الثانیةوکراهیة العکس انماتعتبر من حیث عددالآیات.

ولما فی البحر:(۲/۹۳،باب سجود السهو طبع: سعید)

لوترك ترتیب السورلایلزم شئی مع کونه واجباًوهواجمع ماقیل فیه وصححه فی الهدایة.

ولما فی الهندیة:(۱/۱۲٦،الباب الثانی عشرفی السجودالسهو،طبع قدیمی)

واذاقرء فی الرکعةالاولی سورة وقرء فی الرکعةالثانیةسورة قبلها فلاسهو علیه.

ولما فی الشامی:(۱/۵۴٦،۵۴۷مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة ،طبع قدیمی)

وان یقرء منکوسا تحت قوله بان یقرء فی الثانیةسورةاعلی مماقرء فی الاولی لان ترتیب السور فی القرأةمن واجبات التلاوة.

ولما فی الهندیة:(۱/۱۲۸،باب سجود السهو. طبع قدیمی)

ومنها القنوت فاذاترکه یجب علیه السهو وترکه یتحقق برفع رأسه من الرکوع.

ولما فی الشامی:(۲/٦۴،مطلب فی تعریف الاعاده .طبع قدیمی)

قلت:ای لانه یشمل وجوبهافی الوقت وبعده:ای بناء علی ان الاعادةلا تختص بالوقت وظاهر ما قدمناه عن شرح التحریر ترجیحه وقد علمت ایضاً ترجیح القول بالوجوب

فیکون المرجح وجوب الاعادۃ فی الوقت وبعدہ

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد امین چارسدوی

۱۳صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۶۹

﴿رکوع فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دعاء قنوت بیچ میں چھوڑ دے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں وتر کی نماز میں امام دعائے قنوت پوری کرنے کے بعد رکوع میں چلے گئے جبکہ مقتدی نے ابھی تک دعائے قنوت پوری نہیں کی اب مقتدی کیا کرے امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے یا دعائے قنوت پوری کر کے رکوع میں جائے؟

مستفتی: جلال الدین

﴿جواب﴾ اگر رکوع فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو تو دعائے قنوت پوری پڑھ کر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے اور اگر رکوع فوت ہونے کا خطرہ ہو تو دعائے قنوت پوری کئے بغیر امام کے ساتھ رکوع کرے چونکہ دعائے قنوت مکمل پڑھنے کی صورت میں رکوع فوت ہونے کا خطرہ قوی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ قنوت پوری کئے بغیر امام کے ساتھ رکوع کرے۔

لما فی الھندیۃ:(۱/۱۱۱،طبع رشیدیہ)

المقتدی یتابع الامام فی القنوت فی الوتر فلو رکع الامام فی الوتر قبل أن یفرغ..... المقتدی من القنوت فانہ یتابع الامام.

ولما فی التنویر و شرحہ:(۲/۴۴۷،طبع امدادیہ)

رکع الامام قبل فراغ المقتدی ... من القنوت قطعہ و تابعہ ولولم یقرأ منہ شیئاً ترکہ ان خاف فوت الرکوع معہ. قال العلامۃ الشامی تحت ہذا القول: لو رکع الامام ولم یقرأ المقتدی شیئاً من القنوت ان خاف فوت الرکوع یرکع والا یقنت ثم یرکع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی

۱۴جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۳

﴿دعاء قنوت کے بجائے ثناء پڑھنے اور تکبیر بھول جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میں وتر کی نماز میں بھولے سے کبھی دعاء قنوت کی تکبیر چھوڑ دیتا ہوں اور کبھی تکبیر

کہہ کے ثناء شروع کر دیتا ہوں پوچھنا یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ وتر میں دعاء قنوت سے پہلے سہوا تکبیر رہ جائے تو اس سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، اسی طرح دعاء قنوت کی جگہ ثناء پڑھنا بھی کوئی غلطی نہیں ہے، احادیث میں ثناء کو بھی دعاء قرار دیا ہے۔

لما فی ردالمحتار: (۵۰۷/۲، طبع سعید)

وقيل لابن عيينه هذا ثناء فلم سماه رسول الله ﷺ دعاء فقال: الثناء على الكريم دعاء لأنه يعرف حاجته فتح منه قول امية بن أبي الصلت في مدح بعض الملوك: أأذكر حاجتي أم قد كفاني ثناؤك ان شيمتك الحياء، إذا اثنى عليك المرء يوما كفاه من تعرضه الثناء.

ولما في الدرالمختار: (۱۶۳/۲، طبع امدادیه)

(و) قراءة (قنوت الوتر) وهو مطلق الدعاء، وكذا تكبيرة قنوته وتكبيرة ركوع الثالثة (وهو مطلق الدعاء) أي القنوت الواجب يحصل بأي دعاء كان في النهر؛ وأما خصوص اللهم انا نستعينك فسنة فقط، حتى لو أتى بغيره جاز اجماعاً. قوله: (وكذا تكبير قنوته) أي الوتر قال في البحر في باب سجود السهو ومما الحق به أي بالقنوت تكبيره وجزم الزيلعي بوجوب السجود بتركه وذكر في الظهيرية انه لو تركه لا رواية فيه؛ وقيل يجب السجود اعتباراً بتكبيرات العيد وقيل لا وينبغي ترجيح عدم الوجوب لانه الأصل؛ ولا دليل عليه بخلاف تكبيرات العيد.

ولما في حلبي كبير: (ص ۴۱۷-۴۱۸، طبع سهيل اكيڈمی)

والقنوت قيل ليس فيه دعاء اى معين ويكره ان يوقت لانه اذا وقت يجرى على اللسان من غير احضار قلب ولا صدق رغبة فلا يحصل به المقصود والصحيح ان ذلك اى عدم التوقيت انما هو فيما عدا المأثورة لان الصحابة اتفقوا عليه ولانه ربما يجرى على اللسان ما يشبه كلام الناس والدعاء المأثور روى بالفاظ مختلفة و احسنها اللهم انا نستعينك ...... وغير ذلك من الادعية التي لا تشبه كلام الناس ومن لا يحسن القنوت يقول ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الاخرة حسنة وقنا عذاب النار وقال ابو الليث يقول اللهم اغفرلي يكرر ها ثلاثا وقيل يقول اللهم يارب ويكررها ثلاثا.

ولما في الهندية: (۱۱۱/۱، رشيديه) وهكذا في التاتارخانيه: (۴۸۹/۱، طبع قديمي)

ولما في البحر الرائق: (۴۱/۱-۴۲، طبع سعيد)

وأما دعاؤه فليس فيه دعاء مؤقت كذا ذكر الكرخي في كتاب الصلاة لانه روى عن

الصحابة أدعية مختلفة في حال القنوت ولأن المؤقت من الدعاء يذهب بالرقة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب عفااللہ عنہ

۱۱محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۰۲

﴿وتروں میں دعاء قنوت کی جگہ کوئی اور عربی دعاء پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک ان پڑھ آدمی ہوں میں نے کئی بار دعاء قنوت یاد کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یاد نہیں ہوتی، البتہ بقیہ نماز ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں یاد ہے، برائے مہربانی آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں دعاء قنوت کی جگہ کوئی اور دعاء مثلاً: ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة پڑھ لوں تو میری نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ سائل: اللہ دتہ چکوال

﴿جواب﴾ کوشش کے باوجود دعاء قنوت اگر یاد نہیں ہو رہی تو اس کی جگہ آپ بیشک "ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الأخرة حسنة وقنا عذاب النار" یا کوئی اور عربی دعاء جو اچھی طرح اور صحیح یاد ہو پڑھ سکتے ہیں، نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

لما في الشامية: (۲/۷، طبع سعيد)

ومن لا يحسن القنوت يقول "ربنا آتنا في الدنيا حسنة..... الخ" وقال ابو الليث يقول: اللهم اغفرلي يكررها ثلثاً. وقيل يقول: يارب يكررها ثلثاً. وكذا في البدائع: (۱/۲۸۳).

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿دعا قنوت پڑھنے کے بعد مسنون دعائیں پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ وتر کی نماز میں دعا قنوت پڑھنے کے بعد مزید مسنون دعائیں پڑھنا کیسا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ایک نمازی

﴿جواب﴾ نماز وتر میں دعا قنوت پڑھنے کے بعد دیگر مسنون دعاؤں میں سے پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ اولی اور احسن ہے، آپ ﷺ سے دعاء قنوت کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہے اور یہ موقع چونکہ دعا کا ہے تو دعا جتنی زیادہ ہو بہتر ہے۔

لما في ردالمحتار (۲/۶، طبع: سعيد)

(ويسن الدعاء المشهور) قدمنا في بحث الواجبات التصريح بذلك عن النهر وذكر في

البحر عن الكرخي ان القنوت ليس فيه دعاء مؤقت لانه روى عن الصحابةؓ ادعية مختلفة ولان المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب، وذكر الاسبيجابي انه ظاهر الرواية وقال بعضهم المراد ليس فيه دعاء مؤقت ما سوى اللهم انا نستعينك، وقال بعضهم الافضل التوقيت ورجحه في شرح المنية تبركاً بالماثور ..... ثم ذكر ان الاولى ان يضم اليه اللهم اهدنا الخ وان ما عدا هذين فلا توقيت فيه ،ومنه ما عن ابن عمرؓ انه كان يقول بعد عذابك الجد بالكفار ملحق اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات والف بين قلوبهم واصلح ذات بينهم وانصرهم على عدوك وعدوهم ،ومنه ما اخرجه الاربعة وحسنه الترمذي انه عليه السلام كان يقول في آخر وتره :اللهم انى اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذ بك منك لا احصى ثناء عليك، انت كما اثنيت على نفسك ،وغير ذلك من الادعية التي لا تشبه كلام الناس

ولما في البحر الرائق:(۲/۲۲طبع سعید)

واما دعاء ه فليس فيه دعاء مؤقت كذا ذكر الكرخي في كتاب الصلوة لانه روى عن الصحابة ادعية مختلفة في حال القنوت ولان المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب كما روى عن محمدؒ فيبعد عن الاجابة ولانه لا يؤقت في القرآ ت لشيء من الصلوات ففي دعاء القنوت اولى وقال بعض مشايخنا المراد من قوله ليس فيه دعاء مؤقت ما سوى اللهم انا نستعينك ،لان الصحابة اتفقوا عليه فالاولى ان يقرأه ولو قرأ غيره جاز ولو قرأ معه غيره كان حسناً والاولى ان يقرأ بعده ما علمه رسول الله ﷺ الحسن بن عليؓ في قنوته اللهم اهدني فيمن هديت الى آخره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۲۷

﴿وتر میں دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے نماز وتر میں قنوت پڑھنے سے پہلے رکوع کرلیا اور پھر رکوع سے اٹھکر قنوت پڑھ لی اور آخر میں سجدہ سہو کرلیا آیا شرعاً اسکی نماز ہوگئی یا نہیں؟ مستفتی: ساجد احمد صوابی

﴿جواب﴾ دعاء قنوت وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھنا واجب ہے، بھول جانے کی صورت میں کسی کو رکوع میں یاد آجائے تو دعاء قنوت پڑھنے کیلئے قیام کی طرف لوٹنا جائز نہیں ہے نماز جاری رکھے تاہم کسی نے دعاء قنوت پڑھنے کیلئے قیام کی طرف عود کرلیا اور دعاء قنوت پڑھ لی جیسا کہ مذکورہ صورت میں ہے تو بھی نماز ہوجائیگی اور آخر میں سجدہ سہو ہر دونوں صورتوں میں ضروری ہے۔

لمافی الهدایة:(۱/۱۴۹،مکتبه رحمانیه)ویقنت فی الثالثة قبل الرکوع.

ولمافی الدر المختار:(۲/۹،ایچ ایم سعید)

ولو نسیه ای القنوت ثم تذکر فی الرکوع لا یقنت فیه لفوات محله ولا یعود الی القیام فی الاصح لان فیه رفض الفرض للواجب فان عاد الیه وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوته.

ولمافی مراقی الفلاح علی الطحطاوی:(ص۳۸۵، قدیمی کتب خانه کراچی)

ولو قنت بعد رفع راسه من الرکوع لایعید الرکوع ویسجد للسهو لزوال القنوت عن محله الاصلی.

ولمافی الحلبی الکبیری:(ص۴۹۸، مکتبه رحمانیه کوئٹه)

والصحیح ان لا یقنت فی الرکوع ولا یعود الی القیام فان عاد الی القیام وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوته.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد تمانی عفی عنہ
فتویٰ نمبر: ۲۵۰۲

﴿دعائے قنوت بغیر رفع الیدین کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھائے بغیر دعائے قنوت پڑھ لی جائے تو وتر ادا ہو جائے گا؟

مستفتی: جناب شاہد صاحب

﴿جواب﴾ اگر کوئی شخص نماز وتر کی تیسری رکعت میں دعا قنوت کیلئے ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہدے اور پھر وتر مکمل کر لے تو اسکا وتر ادا ہو جائے گا، تاہم ایسے شخص کی نماز ترکِ سنت یعنی ہاتھ نہ اٹھانے کی وجہ سے مکروہ ہو جائے گی۔

لمافی الشامیة:(۲/۲۰۴،طبع امدادیه)

ویعرف ایضا بلا دلیل نهی خاص بان تضمن ترک واجب او ترک سنة فالاول مکروه تحریما والثانی تنزیها ولٰکن تتفاوت التنزیهیة فی الشدة والقرب من التحریمیة بحسب تأکد السنة.

ولمافی الشامیة:(۲/۲۲۲،طبع امدادیه)

الحاصل:ان السنة ان کانت موکدة قویة لا یبعد کون ترکها مکروها تحریما،وان کانت غیر موکدة فترکها مکروه تنزیها.

لمافی التنویر مع الرد:(۲/۴۴۲،طبع امدادیه)

(ویکبر قبل رکوع ثالثته رافعا یدیه).

(رافعا يديه) أى سنة الى حذاء اذنيه كتكبيرة الاحرام. ولا يسن رفع اليدين الا فى سبع.

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم محمد شریف حسین چترالی

۴ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۳۰۱

﴿نماز وتر میں دعاء قنوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا نماز وتر میں دعا قنوت پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کسی آدمی کو دعا قنوت یاد نہ ہو تو وہ کیا کرے؟

﴿جواب﴾ نماز وتر میں قنوت وتر واجب ہے اور وہ مطلق دعا ہے، دعا مخصوصہ "اللھم انا نستعینک...... الخ پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے، شامی میں واجبات الصلواۃ میں ہے۔

لمافى الشامى: (۲/۱۶۳، طبع امدادیه)

(و) قراءة (قنوت الوتر) وهو مطلق الدعاء. وفى الشامية: قوله: (وهو مطلق الدعاء) أى القنوت الواجب يحصل بأى دعاء كان فى النهر وأما خصوص: اللهم انا نستعينك فسنة فقط حتى لو أتى بغيره جاز اجماعاً.

اگر کسی کو دعا قنوت یاد نہ ہو تو وہ یہ دعا "ربنا اتنا فى الدنيا حسنة الخ" یا کوئی ایسی دعا جو کلام الناس کے مشابہ نہ ہو پڑھ لے یا تین دفعہ "اللهم اغفرلى" کہدے یا تین دفعہ "یارب" کہدے تو نماز ہو جائیگی، البتہ دعا قنوت مخصوصہ "اللهم انا نستعينک الخ" کا پڑھنا چونکہ سنت ہے اس لیئے دعاء قنوت یاد کر لینی چاہیے۔

لمافى حلبى كبير: (ص ۴۱۸، طبع سهيل اكيڈمى)

وغير ذلك من الادعية التى لا تشبه كلام الناس ومن لا يحسن القنوت يقول "ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الأخرة حسنة وقنا عذاب النار" وقال ابو الليث يقول "اللهم اغفر لى" يكررها ثلثا وقيل يقول "يا رب" ويكررها ثلثا.

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۳۵۷

﴿وتر کی آخری رکعت میں رکوع یا رکوع سے پہلے ملنے والے کے لیے دعاء قنوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک

میں ایک شخص وتر کی تیسری رکعت میں امام کیساتھ شریک ہوا اور دعاء قنوت امام کیساتھ پڑھی، اب باقی نماز میں دعاء قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر امام کو تیسری رکعت کے رکوع میں پایا اور مسبوق نے دعاء قنوت نہیں پڑھی تو اب دعاء قنوت پڑھنے کا کوئی موقع نہیں رہا تو مسبوق کیا کرے؟ مستفتی: محمد وسیم

﴿جواب﴾ مذکورہ دونوں صورتوں میں مسبوق کی نماز ہوگئی ہے دعاء قنوت دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں پہلی صورت میں تو اس نے دعاء قنوت حقیقتاً اور دوسری صورت میں حکماً پڑھی ہے۔

لمافی الدر المختار: (۱۰/۲ طبع سعید)

قال العلامة الحصكفيؒ وأما المسبوق فيقنت مع امامه فقط ويصير مدركا بادراك ركوع الثالثة.

ولمافی الشامی: (۱۱/۲ طبع سعید)

قال العلامة ابن عابدينؒ (قوله فيقنت مع امامه فقط) لأنه آخر صلاته، ومايقضيه أولها حكما في حق القراءة وما أشبهها وهو القنوت واذا وقع قنوته في موضعه بيقين لايكرر لأن تكراره غير مشروع.

ولمافی البحر الرائق: (۴۱/۲ طبع سعید)

قال العلامة ابن نجيمؒ المسبوق بركعتين في الوتر في شهر رمضان اذا قنت مع الامام في الركعة الاخيرة من صلاة الامام حيث لايقنت في الركعة الاخيرة اذا قام الى القضاء في قولهم جميعا والفرق ان تكرار القنوت في موضعه ليس بمشروع الى ان قال فاما المسبوق فهو مأمور بان يقنت مع الامام فصار ذلك موضعا له.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۲۷

﴿وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنے کر نفل کی نیت باندھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص وتر کی دوسری رکعت پر بھولے سے سلام پھیر کر نفل پڑھنا شروع کر دے تو کیا نفل سے واپس لوٹ سکتا ہے یا وتر دوبارہ پڑھنا ضروری ہے؟ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ اگر کوئی بھولے سے وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیر کر نفل کی نیت باندھ لے تو وتر دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا، البتہ اگر نفل کی نیت نہیں باندھی اور نماز فاسد ہونے والا کوئی اور

کام بھی نہیں کیا تو تیسری رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کرنے سے نماز وتر مکمل ہو جائیگی۔

لما فی رد المحتار: (۸۳/۲، ۸۴، طبع سعید)

(سها عن القعود الاول من الفرض) ولو عمليا.....ثم تذكره عاد اليه و تشهد ولا سهو عليه فى الأصح مالم يستتم قائما .....لا يعود لاشتغاله بفرض القيام وسجد للسهولترك الواجب.(قوله ولو عمليا) كالوتر فلايعود فيه اذا استتم قائما، وعلى قولهما يعود لانه من النفل.

ولما فى رد المحتار:(۶۱۵/۱،طبع سعيد)

يفسدها التكلم الا السلام ساهيا للتحليل، اى للخروج من الصلاة قبل اتمامها على ظن اكمالها فلايفسد.

ولما فى فتاوى العالمگيريه:(۱۰۵/۱،طبع رشيديه)

ومن صلى من المغرب ركعتين وقعد قدر التشهد و زعم انه أتمها فسلم ثم قام فكبر ونوى الدخول فى سنة المغرب وقد سجد للسنة أولا فصلاة المغرب فاسدة لانه صار منتقلا من الفرض الى النفل قبل فراغها أما اذا سلم وتذكر انه لم يتم فحسب ان صلاتها فسدت فقام وكبر للمغرب ثانيا وصلى ثلاثا ان صلى ركعة وقعد قدر التشهد اجزأه المغرب والا فلا.

ولما فى حلبى كبير:(۴۵۸،طبع سهيل)

اما فى ظاهر الرواية فما لم يستو قائما يعود وان استوى قائما لا لانه اذا استوى قائما اشتغل بفرض القيام فلا يترك الفرض للواجب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۹۴

﴿دعاء قنوت یاد نہ ہو تو کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگوں کو دعائے قنوت یاد نہیں ہوتی، اب وتر کی نماز میں وہ کیا پڑھیں؟ مستفتی: جمیل الرحمٰن

﴿جواب﴾ جس کو دعائے قنوت یاد نہ ہو وہ اس کی جگہ جو بھی دعا پڑھے تو اس سے نماز ہو جائے گی، البتہ بہتر یہ ہے کہ (ربنا اتنا فى الدنيا حسنة وفى الاخرة حسنة وقنا عذاب النار) پڑھے اور ساتھ ساتھ دعائے قنوت یاد کرنے کی کوشش بھی کرتا رہے جب تک دعائے قنوت یاد نہ ہو اس پر

اکتفا کرے اور جس کو (ربنا اتنا) بھی یاد نہ ہو تو اللھم اغفرلی تین مرتبہ یا تین مرتبہ اسی طرح (یارب) کہنے سے بھی نماز ہو جائے گی۔

لمافی الشامی:(۴۴۳/۲،طبع امدادیہ)

ومن لایحسن القنوت یقول (ربنا اتنا) الآیۃ وقال ابو اللیث یقول: اللھم اغفرلی یکررھا ثلاثا وقیل یقول: یارب ثلاثا ذکرہ فی الذخیرۃ.

ولمافی الھندیۃ:(۱۱۱/۱،طبع رشیدیہ)

ولیس فی القنوت دعاء مؤقت کذا فی التبیین والاولیٰ ان یقرا اللھم انا نستعینک ویقرا بعدہ اللھم اھدنا فیمن ھدیت ومن لم یحسن القنوت یقول ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار کذا فی المحیط او یقول اللھم اغفرلنا ویکرر ذالک ثلاثا وھو اختیار ابی اللیث کذا فی السراجیۃ.

ولمافی حلبی کبیر:(۴۱۸/۱،طبع سھیل اکیڈمی)

ومن لایحسن القنوت یقول ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار وقال ابو اللیث یقول:اللھم اغفرلی یکررھا ثلاثا وقیل یقول: یارب ویکررھا ثلاثا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی فتویٰ نمبر:۶۷

﴿جلدی کی وجہ سے دعاء قنوت کے بجائے دوسری دعا پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی اکثر وبیشتر جلدی کی بناء پر دعاء قنوت کی جگہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ الخ پڑھتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اسکی نماز ہو جائیگی یا نہیں؟ جبکہ اس کو دعاء قنوت بھی یاد ہے۔

﴿جواب﴾ بہتر یہ ہے کہ دعاء قنوت پڑھی جائے اگر کسی وقت جلدی کی وجہ سے ربنا آتنا فی الدنیا الخ پڑھ لیا تو جائز ہے لیکن اسکو عادت نہیں بنانی چاہیئے۔

لما فی الھندیۃ:(۱۱۱/۱،مکتبہ رشیدیہ)

والاولی ان یقرأ اللھم انا نستعینک ویقرأ بعدہ اللھم اھدنا فیمن ھدیت ومن لم یحسن القنوت یقول ربنا آتنا او یقول اللھم اغفرلی ویکرر ذلک ثلاثا کذا فی السراجیۃ.

ولمافی التاتارخانیۃ:(۲۸۹/۱،قدیمی کتب خانہ)

ولا ینبغی ان یقتصر علی الدعاء الماثور اللھم انا نستعینک الخ اللھم اھدنا فیمن

حدیث کی لایتوهم العوام انه فرض ولکن اذا اتی بالدعاء المأثورة فی بعض الاوقات وبغیره فی بعض الاوقات فهو حسن.

ولمافی الشامیة:(۱/۴۶۸،ایچ ایم سعید)

(وهو مطلق الدعاء)ای القنوت الواجب یحصل بای دعاء کان فی النهر :واما خصوص:اللهم انا نستعینک الخ فسنة فقط حتی لواتی بغیره جاز اجماعا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:احمد علی عفی عنہ

۱۸جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ　　فتویٰ نمبر:۲۶۹۹

﴿دورانِ وتر فجر کی اذان شروع ہو جائے تو وتر مکمل کر لے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھ رہا ہو اس دوران فجر کی اذان شروع ہو گئی تو اس کے وتر کا کیا حکم ہے، کیا اس کو پورا کرے یا توڑ کر قضا کرے؟ ظاہر بات ہے اس نے نیت ادا کی تھی جبکہ وتر اب قضاء ہوا۔

﴿جواب﴾ وتر رات کے آخری حصہ میں پڑھنا مستحب ہے، یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کو سویرے اٹھنے کا غالب گمان ہو، لیکن اتنی تاخیر سے نہ پڑھے کہ فجر طلوع ہو جائے، تاہم ایسی صورت کبھی پیش آ جائے یعنی وتر پڑھنے سے پہلے یا دوران وتر طلوع فجر ہو جائے تو وتر مکمل کر لے، نیت قضاء کی ہو یا اداء کی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لمافی صحیح مسلم ،۱/۲۵۷،طبع: قدیمی

"عن ابی سعیدان النبی ﷺقال : اوتروا قبل ان تصبحوا".

ولمافی الفتاویٰ التاتارخانیه ،۱/۴۹۲،طبع: قدیمی۔

"وسئل الخجندی عمن صلی رکعة من الوتر ثم طلع الفجر ماذا یصنع؟قال: یتمها ویخرج عن العهدة".

ولمافی شرح الکامل للصحیح المسلم ،۱/۲۵۷،طبع: قدیمی

"وفی الحدیث الاخر اوتروا قبل الصبح ،هذا دلیل علی ان السنة جعل الوتر اخر صلوة اللیل وعلی ان وقته یخرج بطلوع الفجر وهو المشهور من مذهبنا وبه قال جمهور العلماء وقیل یمتد بعد الفجر حتی یصلی الفرض".

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عمر فاروق لاہوری

۱۶صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　فتویٰ نمبر:۳۵۲۸

﴿اعادۂ عشاء کی صورت میں وتر کا اعادہ نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عشاء کی نماز فاسد ہوگئی اعادہ تاخیر سے کیا گیا بعض لوگوں نے سنتیں اور وتر ادا کر لی تھیں تو کیا وہ سنتوں اور وتر کا اعادہ کرینگے یا نہیں؟ مستفتی: سعید احمد

﴿جواب﴾ اس صورت میں وہ لوگ جنھوں نے سنتیں اور وتر ادا کئے ہیں وہ فرض کے ساتھ صرف سنتوں کا اعادہ کریں وتر کا اعادہ نہ کریں۔

لما فی بدائع الصنائع: (۲۷۲/۱ مطبوعه ایچ ایم سعید)

اذا صلى الوتر على ظن انه صلى العشاء ثم تبين انه لم يصل العشاء يصلى العشاء بالاجماع ولا يعيد الوتر عنده وعندهما يعيد

لما فی الهندية: (۱۱۵/۱ مطبوعه رشیدیه کوئٹه)

لو تبين ان العشاء صلاها بلا طهارة دون التراويح والوتر لانها تبع للعشاء هذا عند ابى حنيفة فان الوتر تابع للعشاء عنده اما اعادة التراويح وسائر سنن العشاء فمتفق عليها اذا كان الوقت باقيا.

ولما فی الشامية: (۲۲۱/۲ مطبوعه امدادیه ملتان) ويعاد لو ظهر فساد العشاء دونه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۷۵۳

﴿وتر میں دعاء قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز وتر میں دعاء قنوت کے بعد درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مستفتی: محمد علی بنگالی

﴿جواب﴾ نماز وتر میں دعاء قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا درست ہے فقہاء کرام نے اسکو مستحب قرار دیا ہے۔

لما فی مراقی الفلاح حاشية الطحطاوی: (ص ۳۸۱ مطبوعه قدیمی)

(والقنوت) من (معناه الدعاء) فى الوتر (--- وصلى الله على النبى) وعلى اله وسلم كما اختار الفقيه ابو الليث انه يصلى فى القنوت على النبى ﷺ.

ولما في كبيرى:(ص ۴۲۲،مطبوعه سهيل اكيڈمى لاهور)

(وهل يصلي في آخر القنوت على النبي ﷺ) ام لا قال الفقيه ابو الليثؒ يصلي لانها من جنس الدعاء و قد تقدمت الرواية بها من طريق النسائي في حديث قنوت الحسن بن على قال ابن همامؒ لا ينبغي ان يعدل عن هذا القول.

ولما في الدر المختار:(۴۴۲/۲،مطبوعه امداديه ملتان)

وقنت فيه ويسن الدعاء المشهور و يصلي على النبي ﷺ به يفتى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد عفا اللہ عنہ

۳ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۰۵۸

﴿وتر کی نماز میں مسبوق دعائے قنوت پڑھے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی وتر کی جماعت کی آخری رکعت میں امام کیساتھ ملا تو اب یہ مقتدی اپنی دو رکعت ادا کرتے وقت آخری رکعت میں دعائے قنوت پڑھے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں یہ آدمی اپنی دو رکعت ادا کرتے وقت آخری رکعت میں دعائے قنوت نہ پڑھے۔

لما في العالمگيرية:(۱۱۱/۱،طبع رشيديه)

واذا ادركه في الركعة الثالثة في الركوع ولم يقنت معه لم يقنت فيما يقضي.

ولما في التاتارخانية:(۱/۹۲-۹۱،طبع قديمى)

وكذلك اذا ادركه في الركعة الثالثة في الركوع ولم يقنت معه لم يقنت فيما يقضي.

ولما في ردالمحتار:(۱۰/۲،طبع سعيد)

واما المسبوق فيقنت مع امامه فقط ويصير مدركا بادراك ركوع الثالثة (قوله فيقنت مع امامه فقط) لانه آخر صلاته ومايقضيه اولها حكما في حق القراءة وما اشبهها وهو القنوت، واذا وقع قنوته في موضعه بيقين لا يكرر لان تكراره غير مشروع شرح المنية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۳ رجب ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۰۹۳

﴿رمضان المبارک میں جماعت سے وتر پڑھنا افضل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یا تہجد میں تنہا پڑھنا؟ کیونکہ رمضان میں سحری میں اٹھنے کیوجہ سے تہجد میں وتر پڑھنا آسان ہوجاتا ہے، بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ رمضان المبارک میں وتر جماعت سے پڑھنا افضل ہے تنہا گھر میں پڑھنا افضل نہیں خواہ اول شب میں پڑھے یا آخر شب میں پڑھے یہی سنت ترتیب ہے اور امت کا اسی پر عمل ہے۔

لما فی فتاوی شامیة:(۲/۴۸،ایچ ایم سعید)

رجع الکمال الجامعة "بانه صلی الله علیه وسلم کان اوتر بهم ثم بین العذر فی تاخیره مثل ما صنع فی التراویح" فالوتر کالتراویح، فکما ان الجماعة فیها سنة فکذلک الوتر بحر، وفی شرح المنیة: والصحیح ان الجماعة فیها افضل الا ان سنیتها لیست کسنة جماعة التراویح قال الخیر الرملی: وهذا الذی علیه عامة الناس الیوم ا ه. وقواه المحشی ایضا بانه مقتضی ما مر ان کل ما شرع بجماعة فالمسجد افضل فیه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۹۳۳

﴿مسائل زلّة القاری﴾

﴿نماز میں قصداً ضاد کی جگہ دال یا ظاء یا غوداد پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص ضاد کو اپنے صحیح مخرج سے نہیں نکالتا بلکہ قصداً دال یا ظاء یا غوداد پڑھتا ہے اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ قرآن کریم کے کل انتیس حروف میں سے سب سے زیادہ مشکل حرف "ضاد" ہے کسی مجود قاری صاحب سے اس حرف کو صحیح مخرج سے ادا کرنے کی باقاعدہ مشق جب تک نہ ہو تو اس کی صحیح ادائیگی بہت مشکل ہے، حافہ لسان یعنی زبان کا کنارہ بائیں جانب کی داڑھوں کی جڑوں سے آہستہ لگانے سے یہ حرف ادا ہوتا ہے، اس کو دال یا ظاء یا غوداد پڑھنا بالکل غلط

ہے، ہاں ظاء کے ساتھ فقط آواز میں مشابہت ہے مخرج دونوں کا الگ الگ ہے، قرآن کریم کا حق ہے کہ اس کو صحیح پڑھا جائے، البتہ کوشش کے باوجود کوئی صحیح نہ پڑھ سکے یا وہ اپنی سمجھ میں صحیح پڑھ رہا ہے اور حقیقت میں غلط اداء ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں نماز ہو جائے گی، لیکن کوئی شخص قصداً کسی تعصب کی وجہ سے غلط پڑھ رہا ہے یا اس کو صحیح پڑھنا کوئی ضروری نہیں سمجھتا اور لاپرواہی میں واضح غلط پڑھ رہا ہے تو ایسی صورت میں نماز نہیں ہوگی۔

لما فی المحیط البرھانی:(۵۹/۲ طبع باداء القرآن)

و لحافة اللسان مخرجان و حرفان: فمن حافة اللسان من اقصاها الی ما یلی اللاضراس " الضاد"

ولما فی الشامی:(۱/۶۳۳، طبع: سعید)

(قوله الا ما یشق الخ) قال فی الخانیة والخلاصة: الاصل فیما اذا ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنی ان امکن الفصل بینهما بلا مشقة تفسد، الا یمکن الا بمشقة کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال اکثرهم لاتفسد و خزانة الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذالک تفسد، وان جری علی لسانه او لا یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار حلیة، وفی البزازیة وهو اعدل الاقاویل وهو المختار

ولما فی الحلبی الکبیری:(ص: ۴۱۲ طبع نعمانیة کوئٹه)

و روی عن محمد بن سلمة انها لا تفسد لان العجم لا یمیزون بین هذه الحروف، و کان القاضی الامام الشهید المحسن یقول: الاحسن فیه ای فی الجواب فی هذه الابدال المذکور ان یقول المفتی ان جری ذالک علی لسانه و لم یکن ممیزاً بین بعض هذه الحروف و بعض و کان فی زعمی انه اری الکلمة علی وجهها لا تفسد صلوته، و کذا ای مثل ما ذکر المحسن روی عن محمد بن المقاتل و عن الشیخ الامام اسماعیل الزاهد، وهذا معنی ما ذکر فی فتاوی الحجة انه یفتی فی حق الفقهاء باعادة الصلوة و فی حق العوام بالجواز.

واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفی عنہ
فتویٰ نمبر: ۳۵۰۲

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

﴿قرأت میں فحش غلطی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے کہ جو

آدمی نماز کے اندر قراءت کرتے ہوئے ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ پڑھ لے مثلاً الحمد کی بجائے الھمد پڑھ لے تو اس غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مستفتی: مولوی عبدالرزاق

﴿جواب﴾ الحمد کی "ح" کو "ھ" سے بدل کر "الھمد" پڑھنا بڑی غلطی ہے صحیح پڑھنے پر قدرت رکھتے ہوئے کوئی غلط پڑھے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے البتہ کوئی صحیح پڑھ نہیں سکتا تو اسکی نماز ہو جائیگی بشرطیکہ غلطی معلوم ہونے کے بعد اسکی اصلاح کی کوشش اور فکر بھی کرے اور بعض حروف قریب المخرج ہوتے ہیں عام لوگوں کیلئے دونوں میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے ایسے حروف کو بھی ایک دوسرے کی جگہ پڑھنا اگر چہ غلط ہے اور اصلاح کی فکر نہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے تاہم نماز ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ ابتلائے عام ہے۔

(لما في الفتاوى التتارخانية: ۴۲۲/۱ طبع قديمي)

ولو قرء "الخمد لله" بالخاء لاتفسد صلاته عند المشائخ رحمهم الله تعالى واذا قال "الهمد لله" بالهاء تفسد اذا كان لا يجهد لتصحيحه وينبغي ان لاتفسد لان الهاء تبدل من الحاء يقال "مدحته" و"مدهته" "واقعات الناطفي" رجل قال في صلاته "الرحمن الرهيم" بالهاء او "التهيات لله" بالهاء او قال "سمع الله" لمن حمده "بالهاء اذا كان يجهد آناء الليل والنهار في تصحيحه ولا يقدر عليه فصلاته جائزة وان ترك جهده في بعض عمره لايسعه ان يترك في باقي عمره فان ترك فصلاته فاسدة.

(ولما في المحيط البرهاني: ۶۲/۲ طبع ادارة القرآن)

۱۲۳۴ ولو قرء الخمد لله بالخاء لاتفسد صلاته عند بعض المشائخ رحمهم الله تعالى لان بين الحاء والخاء قرب المخرج وفي الباب الاول من صلاة "للواقعات" اذاقال الهمد لله بالهاء تفسد صلاته اذاكان لا يجهد لتصحيحه وينبغي ان لا تفسد لان الهاء متبدل من الحاء لغة يقال مدحته ومدهته.

(ولما في فتح القدير: ۳۲۲/۱ طبع رشيديه)

والثاني وهو الا قامة عجزا كالهمد لله الرهمن الرهيم بالهاء فيها اعوذ بالمهملة للصمد بالسين ان كان يجهد الليل والنهار في تصحيحه ولايقدر فصلاته جائزة ولو ترك جهده ففاسدة ولا يسعه ان يترك في باقي عمره.

(ولما في الفقه الحنفي في ثوبه الجديد: ۲۵۷/۱ طبع دار القلم دمشق)

احكام الالثغ: هو من يتحول لسانه من حرف الى حرف كان يتحول من السين الى الثاء او من الراء الى الغين او اللام او الياء حتى صار يقرء: الرهمن الرهيم، والشيتان الرجيم والآلمين، واياك ناعبد واياك نستعين فحكمه ما يلي

(۱)لایجوز ان یصلی اماما الا لمن یماثله فی لثغلته۔

(۲)علیه ان یبذل جهده دائما فی تصحیح لسانه

(۳)لاتصح صلاته منفردا اذا امکنه الاقتداء اوکان یقدر علی قراءة المقدار المفروض مما لا لثغ فیه فان قدر علیه وقرءه لایلزمه الاقتداء ولا بذل الجهد

(۴)تصح صلاته منفردا اذا لم یمکنه الاقتداء مادام یبذل جهده فی التصحیح والتعلم کما لو عجز عن الوضوء وتطهیر الثوب والرکوع والسجود جازت صلاته فکذاتجوز صلاة الالثغ عند عجزه عن القراءة الصحیحة واللثغة اذاکانت یسیرة بان یاتی بالحرف غیر صاف لم تو ثر۔

(ولما فی العالمگیریة المعروف بالهندیة:۷۹/۱ طبع رشیدیه)

(ومنها ذکر حرف مکان حرف)ان ذکر حرفا مکان حرف ولم یغیر بان قرء ان المسلمون ان الظالمون وماشبه ذلک لم تفسد صلاته وان غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصادفقرء الطالحات مکان الصالحات تفسد صلاته عند الکل وان کان لایمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال اکثر هم لا تفسد صلاته هکذا فی فتاوی قاضی خان.

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد سلمان خان غفرلہ ولوالدیہ

۱۵صفرالخیر۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر:۳۸۸۴

﴿سورۃ اعلیٰ کی ہر آیت کے آخیر میں ''ھاء'' کا اضافہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں ایک مولوی صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی وہ مستقل امام نہیں ہیں تو سورۃ الاعلیٰ اس طور پر پڑھی کہ ہر آیت کے آخری کلمہ میں ''ھا'' کا اضافہ کیا جیسے سبح اسم ربک الا علیٰ الذی خلق فسوھاو الذی قدر فھدیھا ......الخ تو کیا اس صورت میں یہ نماز فاسد ہوگئی؟اور کیا یہ نماز واجب الاعادہ ہے؟

مستفتی:ایک مقتدی صغیر مسجد عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ یاد رہے کہ اگر نماز میں قراءت کے اندر کسی کلمہ کا اضافہ کیا جائے تو اگر وہ زائد کلمہ قران میں موجود ہو اور معنی میں تبدیلی واقع نہ ہوتی ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

صورت مذکورہ میں بھی چونکہ ''ھا'' قرآن میں بکثرت موجود ہے اور معنی میں کوئی خاص

تغیر واقع نہیں ہوتا کیونکہ اسکی زیادتی سے بعض جگہ معنی یا تو مہمل بن جاتے ہیں یا نماز کو فساد سے بچانے کیلئے ضمیر کو مخلوقات، ارض یا اخرت کی طرف راجع تصور کرینگے، بہر حال نماز فاسد نہیں ہوئی۔

لما فی الفتاوی الهندية:(۸۲/۱،باب زلة القاری،طبع رشيديه)

ونقل عن ابی القاسم الصفار البخاری ان الصلاة اذا جازت من وجوه وفسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطًا الا فی باب القرائة لان للناس عموم البلوی.

ولما فی قاضی خان:(۱۵۲/۱ طبع رشيدية)

وان زاد كلمة فی آية فهذا علی وجهين اما ان كانت فی القران ولا يتغير المعنیٰ بان قرء الا تعبدون الا الله وبالوالدين احسانا وبرا وذی القربی اوقرء كان غفورا رحيما عليما والله غفور رحيم كريم او قرء وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم العليم ، لا تفسد صلاته فی قولهم وان كانت الزيادة تغير المعنی وهی موجودة فی القران نحو ان يقرء من آمن بالله واليوم الاخر وعمل صالحا وكفر فلهم اجرهم عندربهم تفسد صلاته.

ولما ردالمحتار:(۶۳۲/۱ طبع سعيد)

اعلم ان الكلمة الزائدة اما ان تكون فی القرآن او لا وعلی كل اما ان تغير او لافان غيرت افسدت مطلقا نحووعمل صالحا وكفر فلهم اجرهم ونحرواما ثمود فهديناهم وعصيناهم. وان لم يتغير فان كان فی القران نحو وبالوالدين احسانا وبرا لم تفسد فی قولهم.

ولما فی التاتار خانية:(۳۵۱/۱ طبع قديمی)

سئل ابوبكر عن رجل قرء فی صلاته "ذالك الدار الاخرة" قال تفسد صلاته لانه اتیٰ بما ليس فی القران ولو قرء "ذالك الدار الاخرة" ينبغی ان لاتفسد لان "ذالك" فی القران كثيرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

فتویٰ نمبر: ۲۸۱۷

﴿نماز میں سورت کے درمیان سے پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ نماز میں کسی سورت کے درمیان سے پڑھنا، مثلاً سورت رحمٰن کے شروع سے نہیں پڑھا بلکہ امام صاحب نے سورت کے درمیان سے پڑھنا شروع کیا تو کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو دلیل کیا ہے وضاحت فرمائیں۔

مستفتی: شاھد صاحب

﴿جواب﴾ سورت کے درمیان یا ابتداء سے تلاوت کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے جیسا

کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فاقرأوا ما تیسر من القرآن" لھٰذا جائز ہے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ دوسری رکعت میں بھی اسی مقام سے آگے پڑھے تا کہ تلاوت ترتیب سے رہے، لیکن اس کے خلاف کرنے میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ کی بات ہے۔

(ولما فی الھندیۃ ۱/۸۶ قدیمی کتب خانہ)

ولو قرأ فی رکعۃ من وسط سورۃ أو من آخر سورۃ وقرأ فی الرکعۃ الاخری من وسط سورۃ اخری أو من آخر سورۃ اخری لا ینبغی لہ ان یفعل ذلک علی ما ھو ظاھر الروایۃ ولکن لو فعل ذلک لا بأس بہ کذا فی الذخیرۃ

(ولما فی قاضی خان ۱/۱۲۵ قدیمی کتب خانہ)

وفی غریب الروایات عن ابی جعفرؒ لا بأس بان یقرأ من اول السورۃ أو من وسطھا أو من آخرھا ،وان قرأ آخر السورۃ فی رکعۃ یکرہ ان یقرأ آخر سورۃ اخری فی الرکعۃ الثانیۃ ،وقال بعضھم لا یکرہ وھو الاصح .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۶۹

﴿امام کا ایک آیت درمیان سے چھوڑ کر دوسری آیت شروع کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص نماز پڑھاتے ہوئے فاتحہ پڑھنے کے بعد یہ آیت پڑھنا شروع کرلے" افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ" یہاں تک پڑھکر" اولئک فی ضلال مبین" پڑھنا بھول گیا پھر اگلی آیت شروع کردیا، اللہ نزل احسن الحدیث الخ" تو کیا نماز ہوگئی ہے یا اعادہ واجب ہے؟

﴿جواب﴾ نماز میں قراءت کرتے ہوئے کسی آیت کو مکمل کئے بغیر وقف کر کے بھولے سے دوسری آیت شروع کرلی تو اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اگرچہ معنیٰ خلاف مراد بنے، البتہ بغیر وقف کے دوسری آیت کا اتصال کیا اور ترکیبی لحاظ سے معنیٰ خلاف مراد بنا تو بعض صورتوں میں نماز فاسد ہوجاتی ہے مثلاً:" ان الذین امنوا وعملوا الصلحٰت" کیساتھ متصل "اولٰئک اصحاب الجحیم" غلطی سے پڑھ لیا تو نماز فاسد ہوجائیگی لیکن اسی وقت غلطی کا احساس ہوا اور

درست کرلیا تب نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن الصلحٰت پر وقف کیا پھر غلطی سے اُولٓئک اصحاب الجحیم پڑھ لیا تو دونوں الگ الگ جملے ہوکر نماز فاسد نہ ہوگی۔

سوال میں ذکر کردہ صورت میں تو معنیٰ میں بھی ایسی کوئی خرابی لازم نہیں آئی جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، لھٰذا امام صاحب سے تلاوت میں اگرچہ غلطی ہوئی ہے لیکن نماز صحیح ادا ہوئی ہے۔

لمافی الهندية:(۱/ ۸۹،طبع قديمی)

لو ذكر آيةً مكان آيةٍ ان وقف وقفاً تاماً ثم ابتدأ بأية أخرى او ببعض اٰية لا تفسد كما لو قرأ والعصر ان الانسان(العصر:۱) ثم قال ان الابرار لفی نعيم(الانفطار:۱۳) أو قرأ والتين الی قوله وهٰذا البلد الامين(التين:۱-۳) ووقف ثم قرأ لقد خلقنا الانسان فی كبد(البلد:۴) أو قرأ ان الذين اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت(البينه:۷) ووقف ثم قال اولٓئك هم شر البرية(البينه:۶) لا تفسد. أما اذا لم يقف ووصل ان لم يغير المعنىٰ نحو ان يقرأ (ان الذين آمنوا وعملوا الصٰلحٰت)(فلهم جزاء الحُسنىٰ)(الكهف:۸۸) مكان قوله كانت لهم جنّٰت الفردوس نزلاً(الكهف:۱۰۷) لاتفسد أما اذا غير المعنىٰ بان قرأ ان الذين اٰمنوا وعملو الصٰلحٰت أولٓئك هم شر البرية ان الذين كفروا من اهل الكتٰب(الیٰ قوله) خالدين فيها أُولٓئك هم خير البرية(البينه:۶) تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحيح هكذا فی الخُلاصة.

ولمافی حلبی كبير:(ص۴۲۰،طبع نعمانيه)

(ولو قرأ ان الذين اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت ووقف وقرأ) بعد الوقف التام (أولٓئك اصحاب الجحيم) اُولٓئك هم شر البرية أو قرأ والذين كفروا وكذبوا بأياتنا أولٓئك اصحاب الجنة هم فيها خالدون وما اشبه ذالک مما فيه تغيير حكم الله على احد الفريقين بضده لاتفسد لضرورة الكلام الثانی مبتدأ به غير متصل بالاول فلم يتعين الحكم بالضد (ولو لم يقف ووصل قال عامة المشايخ تفسد صلاته لانه اخبر بخلاف ما اخبر الله تعالىٰ به. وكذا فی فتاوٰی قاضی خان:(۱/ ۱۵۳).

ولمافی الهندية:۱/ ۹۱،طبع قديمی)

ذكر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحا قال عندی صلاته جائزة وكذالک الاعراب.

واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی
فتویٰ نمبر: ۲۰۰۷

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۸ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

﴿امام کی قرأت میں ایسی غلطی جس سے معنیٰ الٹ ہو جائیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی جماعت میں دوران قرأت امام صاحب نے "ولاتکونوا کالذین نسوا الله فانسٰهم انفسهم اولئک هم الفسقون" کی جگہ " اولئک هم الفائزون "غلطی سے پڑھ لیا ہے، کیا اس سے نماز فاسد ہوئی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں امام صاحب نے "انفسهم" پر اگر وقف تام کیا ہے اور پھر "اولئک هم الفسقون" کے بجائے "اولئک هم الفائزون" پڑھا ہے تب تو نماز ہوگئی ہے لیکن اگر "انفسهم" پر وقف نہیں کیا ہے تو امام اور تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگئی ہے، لوٹانا واجب ہے.

لمافی الدر مع الرد(۱/ ۶۳۳،۶۳۴ طبع:سعید)

وصحح الباقانی الفسادان غیر المعنی نحو:رب رب العالمین للاضافة،کمالو بدل کلمة بکلمة وغیر المعنی نحو:ان الفجار لفی جنات؛

وفی الشامی تحت هذا:وقید الفساد فی الفتح وغیره بما اذا لم یقف وقفا تاما،امالو وقف ثم قال لفی جنات۔فلا تفسد.

ولمافی الهندیة(۱/ ۸۰،طبع:رشیدیة)

لوذکر آیة مکان آیة ان وقف وقفا تاما ثم ابتدأ بآیة أخری أو ببعض آیة لاتفسد کمالو قرأ والعصر ان الانسان ثم قال ان الابرار لفی نعیم أو قرأ والتین الی قوله وهذا البلد الامین ووقف ثم قرأ لقد خلقنا الانسان فی کبد او قرأ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات ووقف ثم قال اولئک هم شر البریة لاتفسد أما اذا لم یقف ووصل ان لم یغیر المعنیٰ نحو ان یقرأ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلهم جزاء الحسنی مکان قوله کانت لهم جنات الفردوس نزلا لاتفسد أما اذا غیر المعنی بان قرأ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک هم شر البریة ان الذین کفروا من اهل الکتاب الی قوله خالدین فیها اولئک هم خیر البریة تفسد عند علمائنا وهو الصحیح۔

ولمافی غنیة المستملی(۴۲۰،طبع:مکتبة نعمانیة)

ولو قرأ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات ووقف وقرأ بعد الوقف التام اولئک اصحاب الجحیم اولئک هم شر البریة او قرأ والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولئک اصحاب الجنة هم

فیہا خالدون وما اشبہ ذالک مما فیہ تغییر حکم اللہ علی احدالفریقین بضدہ لاتفسد لضرورۃ الکلام الثانی مبتدأ بہ غیر متصل بالاول فلم یتعین الحکم بضدہ ولولم یقف ووصل قال عامۃ المشائخ تفسد صلوتہ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۳۰ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۵۳

﴿معنیٰ غلط ہوجانے کے باوجود بعض صورتوں میں نماز ہوجاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ایک مرتبہ ایک امام صاحب کی اقتداء میں عشاء کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۃ البلد شروع کی "ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ" پڑھنے کے بعد غلطی سے دو آیتیں چھوڑ کر 'علیھم نار مؤصدۃ " پڑھ کر رکوع میں چلے گئے۔ میں نے آخری پارہ ترجمہ کے ساتھ پڑھا ہے جسکی وجہ سے مجھے پتہ چلا کہ اس سے تو معنیٰ بدل جاتا ہے لیکن نماز کا اعادہ نہیں کیا اب پوچھنا یہ ہیکہ مذکورہ نماز درست اداء ہوگئی یا اعادہ کرنا ضروری ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: قاری رضا خان القاسمی

﴿جواب﴾ صورت مسؤلہ میں اگر امام صاحب نے "وتواصوا بالمرحمۃ" پر وقف کیا ہو اور پھر غلطی سے دو آیات چھوڑ کر "علیھم نار مؤصدۃ " پڑھ لیا ہو تو نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وقف نہ کیا ہو بلکہ وصل کیا ہو تو نماز نہیں ہوئی اعادہ ضروری ہے.

لما فی الھندیۃ ۱/۸۰،۸۱ طبع رشیدیہ

لو ذکر آیۃ مکان آیۃ لو وقف وقفا تاما ثم ابتدأ بآیۃ اخری او ببعض آیۃ لاتفسد کما لو قرأ والعصر ان الانسان ثم قرأ ان الابرار لفی نعیم او قرأ والتین الی قولہ وھذا البلد الامین ووقف ثم قرأ لقد خلقنا الانسان فی کبد او قرأ ان الذین آمنو او عملوا الصالحات ووقف ثم قال اولئک ھم شر البریۃ لاتفسد ،اما اذا لم یقف ووصل ان یغیر المعنی نحو ان یقرأ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم جزاء الحسنی مکان قولہ کانت لھم جنت الفردوس نزلا اما اذا غیر المعنی بان قرأ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم شر البریۃ ان الذین کفروا من اھل الکتب الی قولہ خالدین اولئک ھم خیر البریۃ تفسد عند عامۃ علمائنا ۔

ولما فی الرد ج ۱/ ۶۳۳،۶۳۲/طبع ایچ ،ایم سعید

(قولہ کما بدل الخ)ھذا علی اربعۃ اوجہ لان الکلمۃ التی اتی بھا اما ان تغیر المعنی

اولا وعلى كل فاما ان تكون فى القران اولا فان غيرت المسدت لكن اتفاقا فى نحو لعنة الله على الموحدين وعلى الصحيح فى مثال الشارح لوجوده فى القران وقيدالفساد فى الفتح وغيره بما اذالم يقف وقفاتاما امالووقف ثم قال "للى جنت "فلاتفسد واذا لم تغير فلاتفسد لكن اتفاقافى نحوالرحمن الكريم وخلافاللثانى فى نحوان المتقين لفى بساتين ..

ولمافى البزازية ج ۱/ ۴۲ طبع قديمى كتب خانة

ولو قرأاية مكان اية ان وقف وقفاتاما ثم ابتدأباية اخرى اوببعض اية اخرى نحو:ان الانسان لفى خسر ،ان الابرارلفى نعيم

اوقرأ والتين والزيتون ،لقد خلقنا الانسان فى كبد اوقرأ ان الذين امنوا وعملواالصالحات .اولئك هم شرالبرية لا،اما ان غير المعنى بعدمارنلى جحيم يفسدعند عامة العلماء وهوالصحيح.

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ — الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۸۶۳ — ۶ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

﴿نماز کے دوران قراءت میں غلطی کر کے دوبارہ صحیح کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق میں کہ ایک شخص نماز میں قراءت کے دوران ایسی فحش غلطی کرے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن خود دوبارہ صحیح پڑھ لے یا مقتدی کے لقمہ کی وجہ سے صحیح کر لے تو کیا اس کی نماز صحیح ہوگی؟ اگر کافی تاخیر کے بعد اسی رکعت میں صحیح کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عبداللہ کراچوی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں دوران نماز غلط پڑھنے کے بعد خود ہی صحیح کر لیا یا مقتدی کے لقمہ دینے کی وجہ سے صحیح کیا تو یہ لوٹانا شرعا معتبر سمجھا جائیگا بشرطیکہ اسی رکعت میں صحیح کیا ہو، لہٰذا اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے:

اگر قراءت میں ایسی غلطی ہوئی جس کا اعتقاد رکھنا کفر ہے مثلا: کسی قاری نے یہ آیت پڑھی" فامامن ثقلت موازينه "اس کے بعد یہ آیت پڑھی" فامه حاوية" پھر فوراً یاد آیا یا کچھ دیر بعد احساس ہونے پر یا کسی کے بتانے پر اسی رکعت میں صحیح کر لیا تو نماز درست ہو جائیگی (امداد الفتاویٰ: (۲۱۸/۱) وکذا فی فتاوی رحیمیہ: ۱۳۱/۵) وامداد المفتیین: ص ۲۳۶)

لما فی التاتار خانیۃ:(۱/۳۶۲،طبع قدیمی)

ونقل عن ابی القاسم الصفار البخاری رحمہ اللہ ان الصلوۃ اذاجازت بوجوہ وفسدت من وجہ یحکم بالفساد احتیاطا الا فی باب القراءۃ لان للناس عموم البلوی فیہ ،وروی ھشام عن ابی یوسفؒ اذالحن القاری فی الاعراب وھو امام فلتح علیہ رجل ان صلوتہ جائزۃ .

ولما فی الھندیۃ :(۱/۸۲،طبع قدیمی)

لو قرأ فی الصلاۃ بخطا فاحش ثم رجع وقرأ صحیحا قال عندی صلاتہ جائزۃ .

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عبدالحکیم کشمیری عفااللہ عنہ

۳ شعبان ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۷۴۲

﴿دوران نماز قراءت کی چند غلطیاں اوران کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں نماز تراویح میں قرآن سنایا جاتا ہے بعض حفاظ کرام قرآن کے معانی نہیں جانتے اور بعض معانی سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن انہیں قرآن صحیح یا نہیں ہوتا قرآن مجید کی تلاوت کے دوران کبھی کبھار غلطی ہوجاتی ہے جس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں مثلا:

(1) کبھی تلاوت کے دوران اسی مضمون سے ملتی جلتی دوسری آیت سے متشابہ لگ جاتا ہے۔

(2) کبھی ایک آیت پڑھتے ہوئے ایسی آیت زبان پر جاری ہوجاتی ہے جس کا مضمون بالکل اس آیت کے متضاد ہوتا ہے۔

(3) بعض دفعہ اعراب کی غلطی کرتے ہیں مثلا: کسی لفظ پر پیش کی جگہ زبر پڑھتے ہیں۔

(4) بسا اوقات ایک کلمہ کی جگہ اس سے ملتا جلتا یا اس سے متضاد دوسرا کلمہ پڑھتے ہیں۔

(5) کبھی جلدی میں یا قرآن پاک یاد نہ ہونے کی صورت میں آیت کے آخری کلمہ کو گول مول کرکے پڑھتے ہیں یا حذف کردیتے ہیں۔

(6) تیز پڑھتے ہوئے کبھی کلمات سے حروف کو کاٹ کاٹ کر پڑھتے ہیں۔

(7) کبھی کسی کلمہ کے حروف کو اس کے قریب المخرج کسی دوسرے کلمہ مخرج سے ادا کرتے

ہیں مثلاً: ثقلت کی ثا کی جگہ سین پڑھ دیا۔

کیا شریعت میں کوئی ایسا قاعدہ کلیہ ہے جس سے ہر قاری کو پتا چل سکے کہ میری غلطی کس نوعیت کی ہے؟ آیا اس سے نماز فاسد ہوگئی ہے یا نہیں؟ خصوصاً وہ قراء کرام جو صرف حافظ ہیں اور قرآن کے معانی سے ناواقف ہیں براہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: محمد خورشید خان

﴿جواب﴾ قرآن پاک کی قراءت میں ایسی غلطی کرنا جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اس کے لئے کوئی حتمی قاعدہ کلیہ مقرر نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس مسئلہ میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے متقدمین نے چند قواعد وضوابط بیان فرمائے ہیں جبکہ متاخرین نے جزئیات ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور سوائے ایک دو جگہوں کے اکثر مقامات پر متقدمین کے مذہب پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

لما فی الدر المختار: (۲/۳۹۳، طبع امدادیہ)

قال فی شرح المنية: اعلم ان هذا الفصل من المهمات، وهو مبنی علی قواعد ناشئة عن الاختلاف لا كما يتوهم انه ليس له قاعدة يبنى عليها، بل اذا علمت تلك القواعد علم كل فرع انه على اى قاعدة هو مبنى ومخرج.

اس لئے ذیل میں قراءت کی غلطیوں کی چند صورتوں کا حکم لکھا جاتا ہے جس سے قاری کے لئے یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ اس کی غلطی کس نوعیت کی ہے۔

(۱) دوران نماز قرآن مجید کی قراءت میں ایسی غلطی کرنا جس کا اعتقاد رکھنا کفر ہو خواہ وہ غلطی کسی حرف یا کلمہ کی کمی زیادتی یا تقدیم وتاخیر یا تبدیلی کی وجہ سے ہوئی ہو مثلاً: کسی نے یہ آیت پڑھی ''فاما من ثقلت موازینہ'' اس کے بعد یہ آیت پڑھ لی ''فامه هاوية'' تو بیچ میں وقف کیا ہو تو نماز درست سمجھی جائے گی، البتہ وقف نہ کرنے کی صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی۔

(امداد المفتیین: ص ۳۰۳ وامداد الفتاویٰ: ۱/۲۱۲، طبع دار العلوم)

لما فی الشامية: (۲/۳۹۳، طبع امدادیہ)

والقاعدة عند المتقدمين ان ما غير المعنى تغييرا يكون اعتقاده كفرا يفسد فى جميع ذلك ...... الا ما كان من تبديل الجمل مفصولا بوقف تام.

(۲) عوام جو عام طور پر حروف کی صفات اور مخارج میں تمیز نہیں کر سکتے یا ناواقف ہوتے ہیں

اگر ان کی زبان سے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نکل جائے (خواہ وہ کوئی بھی حرف ہو) اور وہ یہ سمجھے کہ میں نے وہی حرف نکالا ہے جو قرآن میں ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ جو شخص مخارج اور صفات سے واقف ہو اور صحیح حروف نکالنے پر بالفعل قادر ہو اور پھر بھی جان بوجھ کر یا لاپرواہی سے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نکالتا ہے تو جس جگہ بھی معنی میں تغیر فاحش پیدا ہو جائے گا اس کی نماز فاسد قرار دی جائے گی (تبویب بحوالہ جواہر الفقہ ۱/۳۳۶)

لما فی الشامیة:(۲/۳۶۶،طبع امدادیه)

وفی خزانة الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد تفسد وان جری علی لسانه او لا یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار ،حلیة وفی البزازیة:وهو اعدل الاقاویل وهو المختار.وفی التاتارخانیة عن الحاوی حکی عن الصفار انه کان یقول الخطأ اذا دخل فی الحروف لا یفسد لان فیه بلوی عامة الناس لانهم لایقیمون الحروف الابمشقة.

(۳) قرآن مجید کے حروف یا کلمات کو کاٹ کاٹ کر پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے یعنی واقفیت کے باوجود جان بوجھ کر یا لاپرواہی سے ایسی غلطی ہو جائے کہ تغیر فاحش پیدا ہو جائے تو نماز فاسد قرار دی جائے گی ورنہ نہیں۔

لمافی الشامیة:(۲/۲۹۵،طبع امدادیه)

وبعضهم فصلوا بانه ان علم ان القرآن کیف هو الا انه جری علی لسانه لا تفسدان اعتقدان القرآن کذلک تفسد.....واما قطع بعض الکلمة عن بعض فافتی الحلوانی بانه مفسد وعامتهم قالوا:لایفسد لعموم البلوی فی انقطاع النفس والنسیان وعلی هذا لو فعله قصدا ینبغی ان یفسد.....قال قاضیخان وهوالصحیح،والاولی الاخذبهذافی العمدوبقول العامةفی الضرورة.

(۴) دوران نماز اعراب کی غلطی ہو جائے تو فقہاء نے متاخرین کے مذہب پر فتویٰ دیتے ہوئے نماز کو درست قرار دیا ہے خواہ وہ غلطی کسی بھی نوعیت کی ہو، اس لئے کہ عوام کی اکثریت اعراب سے واقفیت نہیں رکھتی، البتہ بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ جب اعراب میں ایسی غلطی ہو جائے جس کا اعتقاد رکھنا کفر ہو تو متقدمین کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اعادہ کرنا بہتر ہے۔

لمافی فقه الاسلامی وادلته:(۲۱/۲،طبع رشیدیه)

وقال المتاخرون ان الخطأ فی الاعراب لایفسد الصلاۃ مطلقا ولوکان اعتقاده کفرا لان اکثر الناس لا یمیزون بین وجوه الاعراب.

ولمافی الشامیة:(۲۹۲/۲-۲۹۳،طبع امدادیه)

واما المتاخرون کابن مقاتل وابن سلام واسماعیل الزاهد وابی بکر البلخی والهندوانی وابن الفضل والحلوانی فاتفقوا علی ان الخطأ فی الاعراب لا یفسد مطلقا ولواعتقاده کفرا لان اکثر الناس لا یمیزون بین وجوه الاعراب ،قال قاضیخان :وماقاله المتاخرون اوسع وما قاله المتقدمون احوط......

قال فی شرح المنیة:وهوالذی صححه المحققون وفرعوا علیه فاعمل بمااختار والاحتیاط اولی سیما فی امر الصلاۃ التی هی اول مایحاسب العبدعلیها.

تاہم یہ بھی واضح رہے کہ جن صورتوں میں فحش غلطی کے باوجود نماز صحیح ہونے کا حکم لگادیا گیا ہے اس کا یہ مطلب لینا ہرگز درست نہیں کہ حروف کے مخارج اور انکی صفات لازمہ کو صحیح طور پر سیکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ حروف کو ان کے صحیح مخارج سے نکالنا اور انکی صفات لازمہ کی رعایت رکھتے ہوئے ان کی صحیح ادائیگی کا اہتمام اور اس کی کوشش جاری رکھنا شرعا لازم ہے اس سے لاپرواہی برتنا جائز نہیں اور قدرت کے باوجود جولوگ سیکھنے میں کوتاہی کریں وہ گنہگار ہونگے۔

(تبویب ۵۱/۵۳۶)

لمافی امدادالفتاوی عن المقدمة الجزریة:(۲۱۲/۱،طبع دارالعلوم)

والاخذبالتجوید حتم لازم☆من لم یجودالقرأن أثم

وهواعطاء الحروف حقها☆من صفة لهاومستحقها

وردکل واحدلاصله☆واللفظ نظیره کمثله

شعر اول سے تجوید کا وجوب اور ثانی سے رعایت صفت اور ثالث سے رعایت مخرج کا ماہیت تجوید ہونا ثابت ہوتا ہے پس مجموعہ روایات بالا واشعار ہذا سے معلوم ہوا کہ جواز بمعنی صحت صلوۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں نہ صحت صلوۃ مستلزم ہے رفع اثم کو اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوۃ کو ہے۔

واللہ اعلم بالصواب :عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۱۷۴۳ — ۳ شعبان ۱۴۲۹ھ

﴿رکوع میں قراءت کا بھولنا یاد آئے تو کھڑے ہو کر قراءت کرنی چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ اور دو چھوٹی آیتیں پڑھ کر رکوع کرلے پھر یاد آنے پر کھڑے ہو کر قراءت کرلے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: محمد ریاض آزاد کشمیر

﴿جواب﴾ فرائض میں پہلی دو رکعتوں میں اور وتر و نوافل کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کے برابر پڑھنا واجب ہے اگر کسی نے بھول سے سورۂ فاتحہ کے بعد بالکل قراءت نہیں کی یا ایک اتنی چھوٹی آیت جو کہ تیس حروف پر بھی مشتمل نہ تھی پڑھکر بے خیالی میں رکوع کرلیا تو یاد آنے پر رکوع سے کھڑے ہو کر قراءت پوری کرے پھر رکوع دوبارہ کرے آخر میں سجدہ سہو بھی کرے تو نماز درست ہو جائیگی لیکن اگر دوبارہ رکوع نہیں کیا یعنی قراءت کا اعادہ کرنے کی صورت میں تو نماز فاسد ہو جائیگی اور نماز کا اعادہ واجب ہوگا، رکوع یا قومہ کے دوران غلطی یاد نہ آئے اور سجدہ کرلیا تو آخر میں سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائیگی۔

لمافی الهندية :(۱/۱۲۶ طبع رشيديه)

لوقرأالفاتحة وحدها وترك السورة يجب عليه سجود السهو وكذا لوقرأ مع الفاتحة آية قصيرة كذا في التبيين ولو قرأ الفاتحة وآيتين فخر راكعا ساهيا ثم تذكر عاد وأتم ثلاث آيات وعليه سجود السهو كذا في الظهيرية.

ولمافي الشامية:(۲/۵۲۳-۵۲۴ طبع امداديه)

فقد ظهر أن ايقاع الركوع قبل القراءة أصلا وقبل قرأة الواجب يلزم به سجود السهو؛ لكن اذالم يعد الركوع يسقط سجود السهو لفساد الصلاة وان أعاده صحت ويسجد للسهو.

ولمافي الطحطاوى:(ص۲۵۰ طبع قديمي)

ولو ترك السورة فتذكرها في الركوع اوبعد الرفع منه قبل السجود فانه يعود ويقرأ السورة ويعيد الركوع وعليه السهو.

تین چھوٹی آیتیں یا ایک آیت جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو سورہ فاتحہ کے بعد پڑھنا واجب ہے جنکی مقدار تقریباً تیس حروف بنتی ہے۔

ولمافي الدر المختار:(۲/۱۴۹ طبع امداديه)

(وضم)أقصر(سورة) كالكوثر أوما قام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار نحو(ثم نظر)(ثم

عبس وبسر) (ثم ادبر واستکبر) وکذالو کانت الآیۃ أو الآیتان تعدل ثلاثا قصارا۔

ولمافی الشامیۃ:(۱۴۹/۲ طبع امدادیہ)

قولہ:(تعدل ثلاثا قصارا) ای مثل ثم نظر الخ وھی ثلاثون حرفا،فلو قرأ آیۃ طویلۃ قدر ثلاثین حرفا یکون قدأتی بقدر ثلاث آیات.

ولمافی حلبی:(ص۲۷۸ طبع سہیل اکیڈمی)

(فا لفرض قرأۃ آیۃ) واحد فی کل رکعۃ فرضت فیہا القرأۃ (وان) ای لو (کانت) تلک الآیۃ (قصیرۃ نحو قولہ تعالی ثم نظر).

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:محمد سجاد غفرلہ ولوالدیہ

۲۴ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر:۱۸۵۶

﴿نماز میں سورۃ والتین کی تلاوت کے بعد بلیٰ وھو خیر الحاکمین پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نمازوں کے اندر کسی آیت ترغیب وترہیب پر رحمت کا سوال کرنا اور عذاب سے پناہ مانگنا اور اسی طرح ''سورۃ القیامہ'' کی آخری آیت تلاوت کرنے کے بعد بلی اور ''سورۃ التین'' کے بعد بلی وانا علی ذلک من الشاھدین پڑھنا کیسا ہے؟ مستفتی:بلال احمد انکی

﴿جواب﴾ فرض نمازوں کے اندر آیت ترغیب پر رحم کا سوال کرنا اور آیت ترہیب پر عذاب سے پناہ مانگنا اور اسی طرح ''سورۃ القیامہ'' کے آخر میں بلی اور ''سورۃ التین'' کی آخر میں ''بلی وانا علی ذلک من الشاھدین'' پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے اور جن روایات میں ان کا ذکر آیا ہے فقہاء کرام نے نفلی نماز پر محمول کیا ہے۔

لما فی الحدیث:(۵۹۳/۲،مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

وعن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ کان اذا قرأ (سبح اسم ربک الاعلی) قال سبحان ربی الاعلی۔ (رواہ ابو داود واحمد) قال العلامہ ملا علی قاریؒ تحت ھذا الحدیث.قال المظہر عند الشافعیؒ یجوز مثل ھذہ الاشیاء فی الصلوۃ و غیرھا وعند ابی حنیفۃؒ لا یجوز الا فی غیرھا قال التور بشتیؒ وکذا عند مالکؒ یجوز فی النوافل.

ولما فی الحدیث:(۵۵۶/۲،مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

وعن حذیفۃؓ انہ صلی مع النبی ﷺ وکان یقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم وفی سجودہ سبحان ربی الاعلی وماأتی علی آیۃ رحمۃ الا وقف وسال وماأتی علی آیۃ عذاب الا وقف وتعوذ.

قال العلامة ملا علی قاری تحت هذا الحديث حمله اصحابنا و المالكية على ان صلاته كانت نافلة لعدم تجويزهم التعوذ والسوال الثناء القراءة في صلاة الفرض، ويمكن حمله على الجواز لانه يصح معه الصلاة اجماعا ويدل عليه ندرة وقوعه.

ولما في الهداية:(۱۲۲-۱۲۳ طبع رحمانيه)

وان قرء الامام آية الترغيب و الترهيب لان الاستماع والانصات فرض بالنص والقرائة وسوال الجنة و التعوذ من النار كل ذلك مخل به.قال المحشیؒ كل ذلك مخل به وهل يسال و يتعوذ الامام والمنفرد او لا لم يذكر ههنا فاما الامام فلايفعل ذلك لانه لم ينقل ذلك عن النبي ﷺ ولا عن الائمة بعده ولانه يؤدى الى تطويل الصلوة على القوم وهو مكروه وكذلك المنفرد اذا كان في الفرض لانه غير منقول عن النبي ﷺ ولا عن الائمة بعده واما اذا كان في التطوع فهو حسن(۱۲۱/۱ طبع شركت علميه).

ولما في الدر:(۲۶۷/۲ طبع امداديه)

(وان قرأ الامام آية الترغيب او الترهيب)وكذا الامام لا يشتغل بغير القران وما ورد حمل على النفل منفردا.

وفي الشامية:افادان كلا من الامام والمقتدى في الفرض او النفل سواء.قال في الحيلة.اما الامام في الفرائض فلما ذكرنا منه انه ﷺ لم يفعله فيها وكذا الائمة من بعده الى يومنا هذا ، فكان من المحدثات ولانه تثقيل على القوم فيكره واما في التطوع فان كان في التراويح فكذلك وان كان في غيرها من النوافل الليل التي اقتدى به فيها واحد او اثنان فلا يتم ترجيح الترك على الفعل لما روينا:اى من حديث حذيفة السابق اللهم الا اذا كان في ذلك تثقيل على المقتدى،وفيه تامل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:ولی اللہ عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ　　　　فتوی نمبر:۷۱۷

﴿نماز میں قراءت سبعہ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب کا نماز میں قراءت سبعہ پڑھنا بایں طور کہ ایک آیت امام عاصم کوفی رحمہ اللہ کی قراءت پر اور دوسری آیت ابو جعفر رحمہ اللہ کی قراءت پر اور تیسری آیت ابن عامر رحمہ اللہ کی قراءت پر پڑھے تو یہ پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ امام صاحب کا نماز کے اندر قراءت سبعہ پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن ایسے پڑھنا نہیں چاہیے اور اگر پڑھے تو جس روایت کے مطابق قراءت شروع کرے پوری نماز میں

اسی کا اہتمام کرے خلط ملط نہ کرے کہ کچھ قراءت ایک امام کی روایت کے مطابق اور کچھ دوسرے امام کی روایت کے مطابق پڑھ لی۔

چونکہ لوگ اس زمانے میں قراءت امام حفص رحمہ اللہ سے زیادہ مانوس ہیں، لہٰذا اس کو پڑھنا زیادہ مناسب ہے دوسرے ائمہ حضرات کی روایات کے مطابق پڑھنے سے لوگوں کو نامناسب باتوں میں پڑنے کا موقع ملتا ہے جس سے انکے دینی نقصان کا اندیشہ ہے۔

لمافی حلبی کبیر:(ص۴۹۵،طبع سهیل اکیڈمی لاهور)

قراءة القرآن بالقرآت السبع والروايات كلها جائزة ولكن الصواب ان لايقرء بالقرآت العجيبة والروايات الغريبة لان بعض السفهاء ربما يقعون في الاثم ويقولون مالايعلمون ولاينبغي للامام ان يحمل العوام على ما فيه نقصان دينهم ودنياهم وحرمان ثوابهم في عقابهم.

لما في الهندية :(۱/۷۹،طبع رشيديه كوئته)

في الحجة قراءة القران بالقرآت السبعة كلها جائزة لكني ارى الصواب ان لا يقرء القراءة العجيبة بالامالات والروايات كذا في التاتارخانية.

ولما في الدرالمختار:(۱/۱۲۶،طبع امداديه ملتان)

يجوز بالروايات السبع ولكن الاولى ان لا يقرء بالغريبة عندالعوام صيانة لدينهم.

والله اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد — الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۷۲۲ — ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

﴿اگر کوئی آیت بھول جانے کی وجہ سے رہ جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص نے نماز میں یہ آیتیں "افحسبتم انما خلقنکم" تا "هو رب العرش الکریم" پڑھیں اور درمیان سے یہ آیت "ومن یدع مع اللہ الٰھا اٰخر" تا "انه لایفلح الکفرون" بھول گیا اور پھر یہ آیت پڑھی "وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الرحمین" اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا، کیا اس شخص کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

مستفتی: خلیل احمد

﴿جواب﴾ اس شخص کی نماز ہوگئی ہے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

لما فی الخانیۃ:(۱/۱۵۴ مطبوعه رشیدیه)

وان ترك آية من سورة وقد قرء مقدار ما تجوز به الصلوة جازت صلاته وان وصل فی غیر موضعه اوفصل فی غیر موضعه خانیه برهامش هندیه.

ولما فی الهندیۃ:(۱/۸۷،طبع رشیدیه)

واذاجمع بین آیتین بینهما آیات او آیة واحدة فی رکعةواحدة اوفی رکعتین فهو علی ما ذکرنا فی السور کذا فی المحیط.

ولما فی ردالمحتار:(۱/۵۴۶،طبع سعید)

لوانتقل فی الرکعة الواحدة من آية الی آيةیکره وان کان بینهم آيات بلاضرورة،فان سها ثم تذکریعودمراعاةللترتیب الآیات شرح المنیة

وکذافی حلبی کبیر:(ص۴۹۴،طبع سهیل اکیڈمی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

۱۰جمادی الاولیٰ۱۴۲۸ھ

واللہ اعلم بالصواب:محمد حسین

فتوی نمبر:۸۷۲

﴿قراءت میں ایسی غلطی جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں سورۃ القارعۃ پڑھتے ہوئے"فامامن ثقلت موازینه" کے بعد"فامه هاویه"غلطی سے پڑھ لیا یا دوسری آیت میں"فامه هاویه" کی جگہ"فهوفی عیشة راضیة" پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر اسی وقت ٹھیک کرلیا یا ایسے ہی چھوڑ دیا تو دونوں صورتوں میں نماز میں فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اگر آیت کا معنی اس طرح تبدیل ہوجائے کہ اس معنی کا اعتقاد کفر ہو اور بیچ میں وقف بھی نہیں کیا تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، مذکورہ صورت میں اگر اسکو دوبارہ صحیح کیا تو نماز ہوگئی ورنہ بصورت دیگر نماز کالوٹانا ضروری ہے کیونکہ اس معنی کا اعتقاد کفر ہے اور اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، مذکورہ صورت میں بھی غلطی اسی نوعیت کی ہے،البتہ موازینہ پر وقف کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

لمافی الکبیری:(ص۴۷۶،طبع سهیل اکیڈمی)

والقاعدة عند المتقدمين ان ماغیرتغیرایکون اعتقاده کفرایفسد فی جمیع ذلک سواء کان فی القران اولم یکن.

ولما فی الھندیة :(۱/ ۸۲،طبع رشیدیه)

ذکر فی الفوائد لوقرء فی الصلاۃ بخطافاحش ثم رجع وقر صحیحاقال عندی صلاته جائزۃ . وفیھاایضا لواعتقد ذلک یکفر فاذااخطا تفسد صلاته(۱/ ۱۵۲).

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: اسرارعزیز دیروی

۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　فتوی نمبر: ۷۲۵

﴿قراءت میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر سے بدل دیا تو معنی میں تبدیلی سے نماز فاسد ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب نے عشاء کی نماز میں سورۂ احزاب کی آیت ''لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات'' پر وقف کیا اور دوبارہ ''والمشرکین والمشرکات ویتوب اللہ علی المومنین'' کی جگہ ''ویتوب اللہ علیھم وکان اللہ غفورا رحیما'' پڑھا اور رکوع کیا، سوال یہ ہے کہ اس صورت میں نماز ہوگئی یا اعادہ ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ مسئلہ مذکورہ میں ''یتوب اللہ'' کا تعلق ''المومنین المومنات'' سے ہے جب امام صاحب نے ''المومنین والمومنات'' کو حذف کر کے ''ویتوب اللہ علیھم'' پڑھا تو ''ویتوب اللہ'' کا تعلق ''والمشرکین والمشرکات'' کیساتھ ہوگیا جسکی وجہ سے معنی میں تبدیلی آگئی، لہٰذا مذکورہ صورت میں سب کی نماز فاسد ہوگئی اعادہ ضروری ہے، البتہ مشرکات پر وقف کرتے تو نماز فاسد نہ ہوتی۔

لما فی الھندیة :(۱/ ۷۹،طبع رشیدیه)

ان کان الحذف علی سبیل الایجاز والترخیم فان وجد شرا نطه نحو ان قرا ونادوایامال لاتفسد صلاته وان لم یکن علی وجه الایجاز والترخیم فان کان لایغیرالمعنی لاتفسد صلاته نحوان یقرا ولقدجاء ھم رسلنابالبینات بترک التاء من......جاء ت وان غیرالمعنی تفسدصلاته عند عامة المشائخ نحوان یقرا: فمالھم یومنون فی لایومنون بترک لاھکذافی المحیط.

ولمافی التاتارخانیة :(۱/ ۳۵۵،طبع قدیمی)

ھذااذکان الحذف علی وجه الایجازوالترخیم فامااذا لم یکن علی وجه الایجاز والترخیم فان کان لایغیرالمعنی لاتفسد صلاته نحوان یقرأولقد جاء ھم رسلنا بالبینات)بترک التاء من جاء ت ھم......وان غیرالمعنی تفسد صلاته عندعامة المشائخ

نحوان يقرأ (فمالهم يومنون) فى لايومنون بترك لا.

وكذافى ردالمحتار: (۱/ ۶۳۱، طبع سعيد)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

فتویٰ نمبر: ۷۴۸

﴿فصل فی السنن و النوافل﴾

﴿سنن ونوافل کے احکام﴾

﴿اذان سے پہلے سنتیں پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں سنتیں وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مستفتی: خالد حسین

﴿جواب﴾ اذان فرض نماز کے لیے دی جاتی ہے۔ سنتیں وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

لما فی الدر مع الرد: (۱/۳۸۴، ۳۸۵، طبع: سعید)

(و) سببه (ببقاء دخول الوقت، وهو سنة) للرجال فی مكان عال (مؤكدة) هی كالواجب فی لحوق الاثم (للفرائض) الخمس (فی وقتها ولو قضاء) لانه سنة للصلوة حتى يبرد به لا للوقت (لا) يسن (لغيرها) كعيد. قال الشامی: (قوله كعيد) ای ووتر وجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح وسنن رواتب لانها اتباع للفرائض۔

ولما فی البدائع الصنائع: (۱/۶۵۰، ۶۵۱، طبع: بیروت)

واما بيان محل وجوب الاذان فالمحل الذی يجب فيه الاذان، ويؤذن له، الصلوات المكتوبة التی تؤدى بجماعة مستحبة فی حال الاقامة، فلا اذان ولا اقامة فی صلوة الجنازة ....ولا اذان ولا اقامة فی النوافل؛ لان الاذان للاعلام بدخول وقت الصلوة، والمكتوبات هی المختصة باوقات معينة دون النوافل ولان النوافل تابعة للفرائض، ....ولا أذان ولا اقامة فی السنن لما قلنا۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۲۶ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۳۰

﴿فرائض اور سنتوں کے درمیان کتنی تاخیر کی گنجائش ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وہ فرض نمازیں جن کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں جیسے ظہر، مغرب اور عشاء وغیرہ ان فرض نمازوں اور سنتوں کے درمیان کتنی تاخیر جائز ہے؟ اکثر لوگ فرضوں کے بعد لمبے لمبے وظائف میں مشغول ہو جاتے ہیں جسکی وجہ سے سنتوں میں کافی تاخیر ہو جاتی ہے کیا ایسا کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ فرض نمازوں اور سنتوں کے درمیان اتنی تاخیر کرنا کہ جس میں ''اللّٰهم انت

السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام ''یا اسی کی مقدار دوسری مسنون تسبیحات جیسے ''لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ،لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر'' یا'' اللّھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد'' یا آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھ سکے جائز ہے اس سے زیادہ تاخیر کرنا یا ان سب کو ملا کر پڑھنا درست نہیں، اذکار مسنونہ سنت مؤکدہ کے بعد پڑھنے سے فضیلت میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

لمافی الدرالمختار:(۲/۲۴۶،طبع امدادیہ)

ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر : اللھم انت السلام الخ .قال الحلوانی : لاباس بالفصل بالاوراد واختارہ الکمال.قال الحلبی : ان ارید بالکراھۃ التنزیھیہ ارتفع الخلاف.قلت : وفی حنظی حملہ علی القلیلۃ ویستحب ان یستغفر ثلاثا ویقرأ آیۃ الکرسی والمعوذات ویسبح ویحمد ویکبر ثلاثا وثلاثین ،ویھلل تمام المائۃ ویدعو ویختم بسبحان ربک.

وفی الشامیۃ:الا بقدر اللّھم) لمارواہ مسلم والترمذی عن عائشہ رضی االلہ عنھا قالت ''کان رسول اللّٰہ صلی االلّٰہ علیہ وسلم لایقعدالابمقدار مایقول:اللھم انت السلام ومنک السلام، تبارکت یا ذاالجلال والاکرام ''واما ماورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوۃ فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بھا قبل السنۃ ،بل یحمل علی الاتیان بھا بعدھا،لان السنۃمن لواحق الفریضۃ ، و قول عائشۃ''بمقدار'' لا یفید انہ کان یقول ذلک بعینہ ، بل کان یقعد بقدر مایسعہ ونحوہ من القول تقریبا ، فلا ینافی ما فی الصحیحین من ''انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلاۃ مکتوبۃ : لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ، اللھم لامانع لما اعطیت ،ولامعطی لمامنعت ،ولا ینفع ذاالجد منک الجد'' وتمامہ فی شرح المنیۃ ،وکذا فی الفتح من باب الوتر والنوافل الخ.

ولمافی حلبی کبیر:(ص ۳۴۱-۳۴۲،طبع سھیل اکیڈمی)

(فان کان بعدھا) ای بعد المکتوبۃ (تطوع یقوم الی التطوع) بلا فصل الا مقدار ما یقول اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذاالجلال و الاکرام (ویکرہ تاخیر السنۃ عن حال اداء الفریضۃ) باکثر من نحو ذلک القدر لما روی مسلم والترمذی عن عائشۃ قالت کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا سلم لم یقعد الا مقدار ما یقول اللھم انت السلا م ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال والاکرام.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم : شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ   فتویٰ نمبر:۱۲۶

﴿سنن مؤکدہ میں قیام فرض نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا سنن مؤکدہ میں قیام

فرض ہے؟اور اگر کوئی شخص بغیر کسی عذر کے سنن مؤکدہ بیٹھ کر پڑھے تو کیا اسکے لئے یہ جائز ہے؟

﴿جواب﴾ سنن مؤکدہ میں قیام فرض نہیں لیکن کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے اور بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب آدھا ہے، البتہ فجر کی سنتوں میں نسبتاً تاکید زیادہ آئی ہے اسلئے فجر کی سنتوں میں قیام کا اہتمام ضروری ہے اور بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الحلبی الکبیر:(ص ۲۷۰،طبع سهیل اکیڈمی)

ویجوز التطوع(أی)ان یصلی التطوع وسائر النوافل قاعدا بغیر عذر لما اخرج الجماعة الا مسلما عن عمران بن حصین قال سالت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن صلوة الرجل قاعدا فقال من صلی قائما فهو افضل ومن صلی قاعدا فله نصف اجر القائم استثنی منه سنة الفجر فانها لا تصح قاعدا بلا عذر.

ولمافی الشامی:(۲/۴۸۳،طبع امدادیه)

(ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعداً)لا مضطجعا الا بعذر(ابتدا)وکذا(بناء)بعد الشروع بلا کراهة فی الاصح کعکسه بحر.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص ۲۲۰،طبع قدیمی)

یجوز التنفل انما عبر به لیشمل السنن المؤکدة وغیرها فتصح اذا صلاها قاعدا مع القدرة علی القیام . قال الطحطاوی:یجوز النفل قاعدا مطلقا من غیر کراهة کما فی مجمع الانهر(لما قیل بوجوبها) قال فی الخلاصة واجمعوا علی ان رکعتی الفجر من غیر عذر لا تجوز کما روی الحسن عن الامام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ سبحانہ اعلم:افتخار احمد ککلتی

۳/۳/۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۹۱۷

﴿تحیۃ المسجد کی نیت دوسری نمازوں میں کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مسجد میں آ جائے وہاں فرض یا سنت پڑھنے لگے تو کیا وہ اس نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت کر سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ مسجد میں آنے کے بعد کوئی بھی نماز پڑھے تو وہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے، تاہم مستقل نفل پڑھنا یا کم از کم فرض وغیرہ میں تحیۃ المسجد کا بھی ارادہ کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

لما فی التنویر الابصار مع الدر:(۲/۴۵۸،۴۵۹،طبع امدادیه)

(ویسن تحیة)رب(المسجد وهی رکعتان واداء الفرض)أو غیره وکذا دخوله بنیة فرض

أو اقتداء(ينوب عنها)بلا نية.

قال الشامي:(۲/۲۵۹،طبع:سعيد)

(واداء الفرض أو غيره الخ)قال في النهر :وينوب عنها كل صلوة صلاها عند الدخول فرضاً كانت أو سنة.وفي البناية معزياًالى مختصر المحيط أن دخوله بنية الفرض أو الاقتداء ينوب عنها ،وانما يؤمر بها اذا دخله لغير الصلوة ،والحاصل ان المطلوب من داخل المسجدأن يصلي فيه ليكون ذالك تحية لربه تعالى :والظاهر ان دخوله بنية صلاة الفرض لامام او منفرد او بنية الاقتداء ينوب عنها اذا صلى عقب دخوله.........(قوله :ينوب عنها بلا نية)قال في الحلية:لو اشتغل داخل المسجد با لفريضة غير ناو للتحية قامت تلك الفريضة مقام تحية المسجد لحصول تعظيم المسجد ،................ان الاولى ان ينويها بذالك الفرض ليحصل له ثوابها:اى ينوى با يقاع الفرض في المسجد تحية الله تعالى أو تعظيم بيته.لان سقوطها به وعدم طلبها لا يستلزم الثواب بلا قصدها .

ثم رأيت المحقق ابن حجر من الشافعة كتب عند قول المنهاج :وتحصيل بفرض او نفل آخر ما نصه :وان لم ينوها معه.لانه لم ينتهك حرمة المسجد :اى طلبها بذالك ،اما حصول الثوابها فا لوجه توقفه على النية لحديث"انما الاعمال بالنيات".

ولما في فقه الاسلامي:(۲/۱۰۶۲،طبع:رشيديه)

يندب ركعتان لمن دخل المسجد تحية لرب المسجد لقوله ﷺ:"اذا دخل احدكم المسجد ،فلا يجلس حتى يركع ركعتين" يصليهما عند الحنفية في غير وقت الكراهة،واداء الفرض او غيره ينوب عنهما بلا نية ....

ولا تسقط بالجلوس عندهم ،لحديث ابن حبان في صحيحه :"يا ابا ذر ،ان للمسجد تحية ،وان تحيه ركعتان ،فقم فركعهما "واما الحديث السابق:"اذا دخل احدكم ....."فهو بيان للاولى.

ولما في حلبي كبير:(ص ۳۷۴،نعمانية)

وفي مختصر البحر ودخوله المسجد نية الفرض والاقتداء ينوب عن تحية المسجد.

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۱۸

﴿صلوٰۃ حاجت کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ صلوٰۃ حاجت پڑھنے کا کیا طریقہ ہے اور اسمیں کونسی سورتیں پڑھنی چاہئیں؟

﴿جواب﴾ فقہاء کرام سے صلوٰۃ حاجت کے مختلف طریقے منقول ہیں ان میں آسان

طریقہ جو حدیث شریف سے بھی ثابت ہے یہ کہ اچھی طرح وضو کر لے پھر دو رکعت صلاۃ حاجت کی نیت سے پڑھے، سورتوں کی کوئی تعیین نہیں ہے جو بھی یاد ہو پڑھ لے، نماز پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کریں اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور ان الفاظ سے دعا کریں:

لاالہ الااللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمدللہ رب العالمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لاتدع لی ذنبا الاغفرتہ ولاھما الافرجتہ ولاحاجۃ ھی لک رضا الاقضیتھا یاارحم الراحمین۔

لمافی کبھری:(رواہ ابن ماجۃ والترمذی ص ۳۳۲)

عن عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من کانت لہ حاجۃ الیٰ اللہ اوالیٰ احدمن بنی آدم فلیتوضا ولیحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین ثم لیثن علی اللہ ولیصل علی النبی ﷺ ثم لیقل لاالہ الااللہ الحلیم.....(رواہ ابن ماجۃ والترمذی)

وکذافی الشامیۃ:(۲/۲۸ سعید).

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۱۸

﴿نماز توبہ کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ توبہ کے لیے کوئی نماز مشروع ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بلا شبہ نماز توبہ ''صلوۃ التوبہ'' مشروع ومسنون عمل ہے احادیث میں ہے کہ جب بھی کسی مؤمن بندہ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے پھر وہ وضو کر لے اور دو رکعت نفل نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتے ہیں۔

توبہ کی تفصیل اور وضاحت کرتے ہوئے علماء کرام لکھتے ہیں کہ توبہ یا نماز توبہ سے پہلے عملاً اس گناہ کا چھوڑنا ضروری ہوتا ہے، اور آئندہ اس گناہ سے اجتناب یعنی دور رہنے کا قصد وعزم ضروری ہوتا ہے اور جو سرزد ہوا اس پر ندامت وشرمندگی ضروری ہے، یہ شرائط توبہ کہلاتے ہیں، ان تینوں شرائط کے ساتھ بندہ اگر توبہ کرے اور اس کے لیے باقاعدہ مسنون ترتیب اختیار کرے یعنی وضو اور نماز کا، تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ ضرور قبول فرماتے ہیں۔

اور گناہ چھوڑے بغیر یا آئندہ بھی کرنے کا ارادہ ہو تو ایسی توبہ شرعاً معتبر نہیں ہے یہ توبہ نہیں بلکہ توبہ کا مذاق اڑانا ہے۔

مندرجہ بالا شرائط توبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے صلوۃ توبہ کا اہتمام کرنا بلاشبہ مسنون ہے اور بڑے نفع کا عمل ہے۔

لما فی الترغیب والترہیب: ۱۱/۴، طبع حقانیہ

عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له"۔ورواه ابن ابی دنیا والبیهقی مرفوعاً ایضاً من حدیث ابن عباس وزاد" والمستغفر من الذنب وهو مقیم علیه کالمستهزء بربّة"۔

ولما فی تکملة فتح الملهم: ۲/۶، مکتبه دارالعلوم کراتشی

التوبة: فمعناها فی اللغة: الرجوع، وفی اصطلاح الشریعة: "ترک الذنب، والندم علی فعله، والعزم علی عدم العود، وردّ المظلمة ان کانت، او طلب البرأة من صاحبها، وارادما ضیع من الفرائض"۔

ولما فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص: ۲۰۱، طبع قدیمی

ومنه (المندوب) صلاة الاستغفار لمعصیة وقعت منه لما عن علی عن ابی بکر الصدیق رضی الله تعالی عنهما ان رسول الله ﷺ قال: "مامن عبد یذنب ذنباً فیتوضا ویحسن الوضوء ثم یصلی رکعتین فیستغفر الله الا غفر له۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۷ / رجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۳۲

﴿نوافل کی قضاء مکروہ وقت میں درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے نماز عصر سے پہلے نفل نماز پڑھنا شروع کی لیکن جماعت کھڑی ہونے کے وجہ سے وہ نفل توڑ کر جماعت میں شریک ہو گیا تو کیا عصر کی نماز کے بعد یہ نفل پڑھے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ان نوافل پر "لزم النفل بالشروع" کے قاعدے کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد عارف

﴿جواب﴾ "لزم النفل بالشروع" کا اطلاق اس نماز پر بھی ہوتا ہے، لہٰذا توڑنے کے وجہ سے اس کا اعادہ ضروری ہے لیکن صحیح وقت پر پڑھے، عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا منع ہے۔

لمافی الدر المختار:(۱/ ۳۷۴،۳۷۵،طبع سعید)

(وکرہ نفل وکل ماکان واجبا) لالعینہ بل (لغیرہ کمنذور ورکعتی طواف والذی شرع فیہ) فی وقت مستحب أومکروہ (ثم أفسدہ) ولوسنة الفجر(بعدصلٰوۃ فجر) وصلٰوۃ (عصر،)

ولمافی الشامیة:(۱/ ۳۷۴،طبع سعید)

(قولہ وکرہ نفل الخ)والکراھة ھنا تحریمیة أیضا کما صرح بہ فی الحلیة ولذاعبرفی الخانیة والخلاصة بعدم الجواز.

ولمافی الھندیة:(۱/ ۳۷۵)

ولوافتتح صلٰوۃ النفل فی وقت مستحب ثم أفسدھا بعدصلٰوۃ العصر قبل مغیب الشمس لایجزیہ ھکذافی محیط السرخسی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب:رضوان اللہ

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:

﴿تراویح سے فارغ ہونے کے بعد نوافل کی جماعت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں تراویح سے فارغ ہونے کے بعد بعض لوگ آخری عشرہ میں نوافل کی جماعت کا اہتمام کرتے ہیں، بالفرض امام اپنی تراویح کی چند رکعات موخر کرتا ہے لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو جماعت تراویح سے فارغ ہوتے ہیں ایسی جماعت کا کیا حکم ہے؟ سعودیہ میں قیام اللیل پڑھتے ہیں وہ لوگ کیا جواز پیش کرتے ہیں؟ مستفتی:میجر نصیر صاحب

﴿جواب﴾ نوافل کی جماعت رمضان المبارک میں ہو یا غیر رمضان میں تداعی کی ساتھ منع ہے۔امام سمیت کل چار افراد کی حد تک جماعت کی گنجائش ہے۔تین سے زیادہ مقتدی ہوں تو شریعت نے ایسی جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے اس لئے کہ زیادہ افراد کی جماعت سے عملاً تداعی کی صورت بن جاتی ہے لھذا امام اپنی تراویح اگر چہ مؤخر کرتا ہے لیکن نفل پڑھنے والوں کی چونکہ تعداد زیادہ ہوتی ہے جس سے نوافل کی جماعت کی طرف عملاً تداعی لازم ہے اس لئے اس کی گنجائش نہیں ہے، زیادہ ثواب کا کام ہوتا تو آپ ﷺ ضرور امت کو اس کی تعلیم فرماتے، لیکن حیات طیبہ میں ایک بار بھی ایسی کوئی جماعت ثابت نہیں ہے۔

سعودیہ میں حرم شریف میں قیام اللیل پڑھتے ہیں، حرمین شریف کے ائمہ حضرات امام

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے مذہب میں اس کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

لما فی مراقی الفلاح: (ص۳۸۶، قدیمی)

و الجماعة فی النفل فی غیر تراویح مکروهة فلاحتیاط ترکها فی الوتر خارج رمضان و عن شمس الائمة ان هذا فیما کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکره و اذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه و ان اقتدی اربعة بواحد کره اتفاقاً.

ولما فی المحیط البرهانی: (۲/۲۶۳، ادارة القران)

و لا یصلی تطوعاً بجماعة الا قیام رمضان، لما روی عن رسول الله ﷺ انه قال صلاة المرء فی بیته افضل من صلاته فی المسجد الا المکتوبة، ولان الجماعة لاظهار الشعائر فیختص بالمکتوبات.

ولما فی مراقی الفلاح: (ص ۴۰۲، قدیمی)

و یکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد و غیر ها لانه لم یفعله النبی ﷺ ولا اصحابه فانکره اکثر العلماء من اهل الحجاز منهم عطاء و ابن ملیکة و فقهاء اهل المدینة و اصحابه مالک و غیر هم وقا لوا: ذلک کله بدعة و لم ینقل عن النبی ﷺ و لا عن اصحابه احیاء لیلتی العید جماعة.

ولما فی حلبی الکبیر: (ص۴۳۲، سہیل اکیڈمی)

واعلم ان النفل بالجماعة علی سبیل التداعی مکروه علی ماتقدم ما عدا التراویح و صلوة الکسوف والاستسقاء فعلم ان کلا من صلاة الرغائب لیلة اول جمعة من رجب وصلاة البراءة لیلة النصف من الشعبان وصلوة القدر لیلة السابع والعشرین من رمضان بالجماعة بدعه مکروهة.

ولما فی ردالمحتار: (۲/۴۸، ۴۹، طبع سعید)

ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة الا فی قیام رمضان، فان نفی السنیة لایستلزم الکراهة نعم ان کان المواظبة کان بدعة فیکره.

ولمافی المدونة الکبری: (۱/۱۸۸، بیروت)

قال مالک رحمه الله لاباس ان یصلی القوم جماعة النافلة فی نهار او لیل قال و کذلک الرجل یجمع الصلاة النافلة بیته و غیر لاباس به بذلک.

ولما فی المغنی ویلیه الشرح الکبیر: (۲/۳۳۷، دار الحدیث القاهرة)

یجوز التطوع جماعة و فرادی

لان النبی ﷺ فعل الامرین کلیهما، و کان اکثر تطوعه منفرداً، وصلی بحذیفة مرة، وبابن عباس مرة، وبانس وامه والیتیم مرة، ام اصحابه فی بیت عتبان مرة و امهم فی لیالی رمضان ثلاثاً.

ولما فی المغنی و یلیه الشرح الکبیر :(۲/ ۲۷۰ ،دار الحدیث)

فاما التعقیب:وهو ان یصلی بعد التراویح نافلة اخری جماعة او یصلی التراویح فی جماعة اخری فعن احمد:انه لا باس به ،لان انس بن مالک قال (مایرجعون الالخیر یرجونه)او لشر یحذرونه، و کان لا یری به باسأ و نقل محمد بن الحکم عنه الکراهة الاانه قول قدیم ،والعمل علی ما رواه الجماعة و قال ابو بکر :الصلاة الی نصف اللیل او الی اخره لم تکره روایة واحدة و انما الخلاف فیما اذا رجعوا قبل النوم و الصحیح انه لایکره لانه خیر فطاعة فلم یکره کما لو اخره الی اخر اللیل.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین ،بھکر

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۹۷

﴿نماز وتر کے بعد نوافل پڑھنا احادیث سے ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز وتر کے بعد نوافل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد عادل پشاور

﴿جواب﴾ نماز وتر کے بعد نوافل پڑھنا احادیث سے ثابت ہے امام ترمذی نے جامع الترمذی میں لکھا ہے کہ کئی صحابہ سے یہ حدیث روایت کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد نفل پڑھتے تھے اور جس حدیث میں یہ الفاظ ہیں ''اجعلو اآخر صلاتکم وترا'' فقہاء اور محدثین نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

لمافی جامع الترمذی:(۱/ ۶۲،مکتبه دارالقرآن والحدیث)

عن ام سلمةؓ ان النبی ﷺکان یصلی بعد الوتر رکعتین......ایضا قد روی من غیر وجه ان النبی ﷺقد صلی بعدالوتر.

ولمافی العرف الشذی للعلامة انورشاه الکشمیری:(ص ۲۱۴، المکتبة الرحیمیة)

(قوله قد صلی بعد الوتر)غرضه اثبات ان امر (اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا)لیس للوجوب بل للا ستحباب.

ولمافی الکوکب الدری علی حاشیة الترمذی:(۱/ ۶۵مکتبه دارالقرآن والحدیث)

فالصواب ان الامر بجعل الوتر آخر الصلاة لمامحمول علی الاستحباب اوالمراد بذلک بیان وقت الوتر انه آخر اوقات الصلوات الخمس فیکو ن وقته بعد ماصلی العشاء

ولمافی رد المحتار:(۱/ ۳۶۹،طبع:ایچ ایم سعید)

وفی الصحیحین (اجعلوا آخر صلاتکم وترا)والامر یندب بدلیل ماقبله بحر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۶ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۳۱

﴿وتر کے بعد نوافل کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ تہجد کے قائم مقام ہیں اور بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا منع ہے اور جس حدیث میں دو رکعت وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے یہ روایت مرجوح ہے تو اس مسئلہ میں علماء کرام کی دو رائے ہیں براہ کرم آپ تحقیق کر کے صحیح راہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: ولی محمد کوئٹہ

﴿جواب﴾ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کے بارے میں علمائے کرام کی رائے میں اختلاف اس لیے نظر آ رہا ہے کہ دراصل احادیث میں دونوں باتوں کا ذکر ہے آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ تم لوگ رات کی نماز میں وتر کو سب سے آخر میں پڑھو" اجعلوا اٰخر صلوٰتکم باللیل وترا"۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے یہ دونوں قسم کی روایات صحیح ہیں اور بظاہر ان میں تعارض نظر آ رہا ہے اس لیے بعض علماء کرام کسی ایک کو ترجیح دے کر دوسری روایت کو مرجوح قرار دیتے ہیں اور ایک ہی مؤقف اختیار کر لیتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے محققین علماء کرام کسی ایک کو راجح دوسری کو مرجوح قرار نہیں دے رہے ہیں بلکہ دونوں کے تعارض کی نفی کر کے تطبیق دے رہے ہیں تاکہ کسی ایک حدیث کا بھی رد ہونا لازم نہ آئے دونوں پر عمل ہو سکے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ تطبیق دینا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے کسی ایک حدیث کو رد کرنے۔ یا مرجوح قرار دینے سے چنانچہ محققین علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق وتر کو سب سے آخر میں پڑھنے کا عام معمول بنانا اولیٰ اور بہتر ہے اس لیے کہ یہ قولی حدیث ہے اور آپ ﷺ کے فعل کو یعنی وتر کے بعد بیٹھ کر نفل پڑھنے کو جواز پر محمول کیا جائے گا اس لیے اگر کوئی پڑھے تو اس پر نکیر نہیں کرنی چاہیے رہا یہ کہ یہ دو رکعت تہجد کے قائم مقام ہیں؟ ہماری نظروں سے احادیث میں اور فقہی عبارات میں ایسا کوئی حوالہ نہیں گزرا۔

جو علماء کرام اس کو تہجد کے قائم مقام قرار دے رہے ہیں ان کے علم میں کوئی صریح حوالہ

ہو تو براہ کرم ہمیں بھی مطلع فرمادیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ تہجد دراصل مجاہدہ کے ساتھ نیند سے بیداری کو کہتے ہیں اس لیے وتر کے بعد والی دو رکعت کو تہجد کے قائم مقام قرار دینا مشکل ہے۔

لمافی الصحیح مسلم ۲۵۴/۱، طبع قدیمی

"عن ابی سلمۃ قال سألت عائشۃ عن رسول اللہ ﷺ فقالت: کان یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وھو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع ثم یصلی رکعتین بین النداء والاقامۃ من صلوۃ الصبح".

ولما فی السنن ابن ماجہ ۸۴/۱، طبع قدیمی

"عن ام سلمۃ ان النبی ﷺ کان یصلی بعد الوتر رکعتین خفیفتین وھو جالس".

ولما فی السنن النسائی ۲۵۴/۱، طبع قدیمی

"اخبرنی ابوسلمۃ بن عبدالرحمن انہ سأل عائشۃ عن صلوۃ رسول اللہ ﷺ من اللیل فقالت: کان یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ تسع رکعات قائما یوتر فیھا و رکعتین جالسا فاذا اراد ان یرکع قام فرکع وسجد ویفعل ذالک بعد الوتر فاذا سمع النداء الصبح قام فرکع رکعتین خفیفتین".

ولما قال النووی فی شرح مسلم:

قلت: الصواب ان ھاتین الرکعتین فعلھما ﷺ بعد الوتر جالسا لبیان جواز الصلوۃ بعد الوتر وبیان جواز النفل جالسا ولم یواظب علیٰ ذالک بل فعلہ مرۃ او مرتین او مرات قلیلۃ ولا تغتر بقولنا لان الروایات المشھورۃ فی الصحیحین وغیرھما عن عائشۃ مع روایات خلائق من الصحابۃ فی الصحیحین مصرحۃ بان آخر الصلوۃ ﷺ فی اللیل کان وترا وفی الصحیحین احادیث کثیرۃ مشھورۃ بالامر بجعل آخر صلوۃ اللیل وترا منھا "اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا" وصلوۃ اللیل مثنی فاذا خشیت الصبح فاوتر بواحدۃ وغیر ذالک فکیف یظن بہ ﷺ مع ھذہ الحدیث واشباھھا انہ یدام علی رکعتین بعد الوتر ویجعلھما آخر صلوۃ اللیل وانما معناہ ما قدمناہ من بیان الجواز وھذا الجواب ھو الصواب۔

واما ما اشار الیہ القاضی عیاض من ترجیح الاحادیث المشھورۃ ورد روایۃ الرکعتین جالسا فلیس بصواب لان الاحادیث اذا صحت وامکن الجمع بینھما تعین وقد جمعنا بینھما وللہ الحمد".

ولما قال الشیخ عبدالغنی فی انجاح الحاجۃ بحاشیۃ السنن ابن ماجہ ۸۴/۱۔

کان یصلی رکعتین بعد الوتر وھذا البیان جواز الصلوۃ بعد الوتر وقد جاء فی الصحیحین عن عائشۃ کان یصلی ثلاث عشر رکعۃ یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وھو جالس۔ الحدیث وروی احمد فی مسندہ عن ام سلمۃ وابی امامۃ ان رسول اللہ

ﷺ یصلی بعدالوتر رکعتین ـــ الخ .وروی ذالک عن جماعة من الصحابة غیر من ذکر ولکن هذامع حدیث "اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا" معارض واستشکل ذلک علی کثیر من العلماء، وانکر الامام مالک حدیث الرکعتین بعدالوتر وقال لم یصح .

وقال الامام احمد لا اصلیهما ولا امنع منهما وجماهیر العلماء قائلون بذالک لورود فی الصحاح وقالوا انما صلاهما بیان لجواز التنفل بعدالوتر وعلیٰ هذا یکون قوله "اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا" محمول علی الاستحباب لا الوجوب وذالک احب وافضل .

ولمافی الشامی ۲/۲۲،طبع سعید

اقول : الظاهران حدیث الطبرانی الاول بیان لکون وقته بعدصلوة العشاء ،حتی لونام ثم تطوع قبلها لایحصل السنة ،فیکون حدیث الطبرانی الثانی مفسرا للاول وهواولیٰ من اثبات التعارض والترجیح ،لان فیه ترک العمل باحدهما ولانه یکون جاریا علی الاصطلاح ،ولانه المفهوم من اطلاق الآیات والاحادیث ولان التهجد ازالة النوم بالتکلف مثل تأثم ای تحفظ عن الاثم نعم صلوة اللیل وقیام اللیل اعم من التهجد وبه یجاب عما اورد علی قول الامام احمدؒ هذا ماظهرلی .

ولمافی فتح الملهم ۵/۲۷،طبع دارالعلوم

"الصواب ان یقال : ان هاتین الرکعتین تجریان مجری السنة وتکمیل الوتر فان الوتر عبارة مستقلة ولاسیما ان قیل بوجوبه فتجری الرکعتان بعده مجری سنة المغرب من المغرب فانها وتر النهار ،ورکعتان بعدها تکمیل لها فکذالک ،الرکعتان بعدالوتر اللیل ،والله اعلم ".

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :تنویر الرحمٰن کشمیری

۱۷ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۴۷۷

﴿فجر کی سنتوں کو دورانِ جماعت پڑھنا احادیث سے ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی صورت میں اگر دو رکعت سنت گھر سے پڑھ کر نہیں پہنچا تو نماز سے پہلے یا دوران جماعت پڑھنا بدرجہ لزوم کے احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر کوئی حدیث بطور دلیل ہے تو بتائیں یہاں شارجہ میں سلفی لوگ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی حدیث لاؤ ہم احناف کے مسلک پر ہیں اور فجر کی سنتوں کو فرض سے پہلے پڑھنا لازم سمجھتے ہیں حتیٰ کہ "التحیات" ملنے کی امید ہو تو بھی پہلے سنت پڑھتے ہیں ،لہٰذا یہ لازم پکڑنا اگر احادیث سے ثابت ہے تو برائے کرم کوئی مضبوط

حدیث لکھ دیں تا کہ دل میں اطمینان پیدا ہو جائے۔ مستفتی: رشید الدین شارجہ

﴿جواب﴾ جی ہاں، فجر کی سنتوں کو لازم پکڑنے کی تاکید میں متعدد احادیث موجود ہیں اور کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اس پر شاہد ہے کہ فجر کی سنتوں کو حتی الامکان فوت ہونے سے بچایا جائے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی روایات میں فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فجر کی سنتوں کو جماعت کھڑی ہونے کے بعد بھی اداء فرمانا منقول ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

لمافی شرح معانی الآثار للطحاویؒ: (۱/۲۵۸، طبع سعید)

عن ابی عثمان الانصاریؒ قال: جاء عبداللہ بن عباسؓ والامام فی صلاۃ الغداۃ ولم یکن صلی الرکعتین فصلی عبداللہ ابن عباسؓ الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم.

ترجمہ: حضرت ابوعثمان انصاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ آئے جبکہ امام فجر کی نماز میں تھا اور (ابھی تک) ابن عباسؓ نے دو رکعتیں (سنت فجر) نہیں پڑھیں تھیں، چنانچہ انہوں نے امام کے پیچھے (ایک کونے میں) دو رکعتیں پڑھیں اور پھر ان کیساتھ (جماعت میں) شامل ہوئے۔

ولمافیہ ایضاً: (۱/۲۵۸، طبع سعید)

نافع یقول: ایقظت ابن عمرؓ لصلاۃ الفجر وقد اقیمت الصلاۃ فقام فصلی الرکعتین.

ترجمہ: حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو فجر کی نماز کے لئے جگایا جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی پس وہ اٹھے اور دو رکعتیں (سنت فجر) ادا کیں۔

ولمافیہ ایضاً: (۱/۲۵۸، طبع سعید)

أنہ (أبو الدرداءؓ) کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلاۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلاۃ.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ مسجد میں ایسے موقع پر اگر داخل ہوتے جب لوگ فجر کی نماز کے لئے صفوں میں کھڑے ہوتے تو وہ مسجد کے ایک کونے میں دو رکعت (سنت فجر) ادا کرتے اور پھر جماعت میں شریک ہوتے۔

ولمافیہ ایضاً: (۱/۲۵۸، طبع سعید)

عن ابی عثمان النہدیؒ قال: کنا نأتی عمرؓ بن الخطاب قبل أن نصلی رکعتین قبل الصبح وھو فی الصلاۃ فنصلی الرکعتین فی آخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلاتھم.

ترجمہ: حضرت ابوعثمان نہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس گھر سے فجر کی سنت (بسا اوقات) پڑھے بغیر آتے اور وہ جماعت پڑھا رہے ہوتے تو ہم مسجد کے آخری حصہ میں سنت پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔

ولما فیہ ایضا:(۱/۲۵۸،طبع سعید)

عن ابی اسحاقؒ قال حدثنی عبدالله بن أبي موسیٰؓ عن ابیه حین دعاهم سعیدبن العاصؓ و دعااباموسیٰؓ وحذیفةؓ وعبدالله بن مسعودؓ قبل أن یصلی الغداة ثم خرجوا من عنده وقداقیمت الصلاة فجلس عبداللهؓ الیٰ اسطوانة من المسجدفصلی الرکعتین ثم دخل فی الصلاة.

ترجمہ: حضرت ابواسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہؓ بن ابوموسیٰؓ نے اپنے باپ کے واسطے سے یہ حدیث بیان کی جب انکو حضرت سعیدؓ بن العاصؓ نے بلایا اور ابوموسیٰؓ، حذیفہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی بلایا اس سے پہلے کہ وہ صبح کی نماز پڑھتے پھر وہ ان کے پاس سے چلے گئے اور (اس دوران) جماعت کھڑی ہوگئی، پس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد کے ایک ستون کے پیچھے بیٹھے اور دو رکعتیں (سنت فجر) پڑھیں پھر جماعت فجر میں شریک ہوئے۔

مندرجہ بالا آثار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بہت سے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا فجر کی سنتوں کو دوران جماعت بھی پڑھ لینے کا معمول تھا اور بلاشبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کا عمل ہمارے لئے حجت ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین''.(الحدیث)

اسلئے فقہاء کرام کثر اللہ سوادھم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے عمل سے بھی استشہاد کر لیتے ہیں، ہاں غیر مقلدین جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعلیمات کو اہمیت نہیں دیتے ایسے موقع پر ان کی ایک بات ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا عمل سے ثابت کرو حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جماعت آپ ﷺ خود ہی تو پڑھانے کا اہتمام فرماتے یہ صورت تو تب پیش آتی کہ آپ ﷺ جماعت میں مسبوق ہوتے سوائے دو چند واقعہ کے آپ ﷺ ہی امامت فرماتے، البتہ فجر کی سنتوں کی تاکید بلاشبہ قولی احادیث میں دیگر سنتوں کی بنسبت زیادہ آئی ہے چند احادیث ملاحظہ ہوں:

لما فی الصحیح لمسلم:(۲۵۱/۱،طبع قدیمی)

عن عائشةؓ قالت انّ النبی ﷺ لم یکن علیٰ شئی من النوافل أشدمعاهدة منه علیٰ رکعتین قبل الصبح..... عن عائشةؓ عن النبی ﷺ قال رکعتی الفجر خیر من الدنیا ومافیها..... عن عائشةؓ عن النبی و قال فی شان الرکعتین عندطلوع الفجر لهما احب الیٰ من الدنیا جمیعاً......عن عائشة قالت : ما رأیت رسول اللّٰہ فی شئی من النوافل اسرع منه الیٰ الرکعتین قبل الفجر.وایضاً فیه(۲۵۱/۱).

ولمافی سنن ابی داؤد:(۱۸۷/۱طبع رحمانیه)

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لاتدعوا رکعتی الفجر ولوطردتکم الخیل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ أعلم بالصواب:ابوخزیمہ محمد کفایت اللہ

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۳۶۰

﴿ظہر کی چار سنت رہ جائیں تو پہلے دو رکعت پڑھیں بعد میں چار پڑھیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی سے ظہر کی چار سنتیں رہ گئیں اب فرض نماز پڑھنے کے بعد وہ آدمی کیا کرے پہلے دو سنت پڑھے یا چار سنت؟

﴿جواب﴾ ظہر کی چار سنت رہ جانے کی صورت میں فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد پہلے دو سنت پڑھنی چاہیے تاکہ وہ اپنے مقام پر ادا ہوں لیکن اگر کوئی اس کے خلاف کرے یعنی پہلے چار سنت پڑھے تب بھی درست ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے دو سنت پڑھے بعد میں چار سنت پڑھے۔

ولمافی فتح القدیر:(۴۱۵/۱،طبع رشیدیه)

(قوله انما الخلاف الخ) فعند ابی یوسف بعد الرکعتین وهو قول ابی حنیفة وعلی قول محمد قبلهما وقیل الخلاف علی عسکه والاولیٰ تقدیم الرکعتین لأن الاربع فاتت عن موضوع المسنون فلا تفوت الرکعتان أیضاً عن موضعهما قصداً بلا ضرورة.

ولمافی الشامی:(۵۱۴/۲،طبع امدادیه)

لکن رجح فی الفتح تقدیم الرکعتین قال فی الامداد: وفی فتاوی العتابی انه المختار وفی مبسوط شیخ الاسلام انه الأصح لحدیث عائشةرضی االله عنها(انه علیه الصلاة والسلام کان اذافاتته الأربع قبل الظهر یصلیهن بعدالرکعتین وهوقول ابی حنیفةوکذافی جامع قاضیخان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر:۵۴

﴿ظہر کی سنتوں میں تیسری یا چوتھی رکعت میں قرأت نہیں کی تو لوٹانا واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ظہر کی سنتوں کی تیسری رکعت میں اگر کوئی شخص بغیر قرأت کیے رکوع میں چلا جائے تو کیا واپس آکر قرأت کرے یا صرف سجدہ سہو سے نماز صحیح ہو جائے گی؟ مستفتی: مولوی نور محمد عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ سنت ونوافل کی تمام رکعتوں میں قرأت کرنا فرض ہے۔ بھول سے کوئی کچھ بھی کسی ایک رکعت میں قرأت اگر نہ کرے یہاں تک کہ رکوع میں چلا جائے تو یاد آنے کی صورت میں لوٹ کر قرأت کرے اور رکوع بھی لوٹا لے اس لئے کہ بغیر قرأت کے رکوع بھی معتبر نہیں ہے اور اگر قرأت یاد نہیں آئی یہاں تک کہ نماز مکمل کر لی تو نماز نہیں ہوئی واپس لوٹانا ضروری ہے۔

لما فی العالمگیریه:(۱/۱۲۶،طبع رشیدیه)

وان تركها فی الاخریین لایجب ان كان فی الفرض وان كان فی النفل او الوتر وجب علیه كذا فی البحر الرائق.

ولما فی خلاصة الفتاوی:(۱/۱۷۷، طبع رشیدیه)

اذا نسی الفاتحة و السورة حتی ركع فتذكر فی ركوعه فانتصب قائما للقرأة ارتفض ركوعه فاذا لم یعد الركوع یفسد صلاته.

ولما فی العالمگیریه: (۱/۱۲۶،طبع رشیدیه)

و فی الخلاصة اذا ركع ولم یقرأ السورة رفع رأسه و قرأ السورة واعاد الركوع و علیه السهو هو الصحیح كذا فی التتارخانیة.

ولما فی فتاوی قاضی خان:(۱/۱۱۶،طبع قدیمی)

وعن هذا اختلف المشائخ فی مسألة لا روایة فیها اذا نسی الفاتحة و السورة حتی ركع فتذكر فی ركوعه فانتصب قائما للقرأة ثم ندم فسجد ولم یعد الركوع ،قال بعضهم :تفسد صلاته لانه لما انتصب قائما للقرأة ارتفض ركوعه فاذا لم یعد الركوع تفسد صلاته.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ
فتوی نمبر: ۳۷۷۰

﴿فجر کی سنتیں رہ جائیں تو قضا کرنا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص نے فجر کی

سنتیں نہ پڑھی ہوں اور جماعت کھڑی ہو جائے تو سنتیں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ دوران جماعت سنتیں کہاں پڑھی جائیں؟ نیز فجر کی سنتیں رہ جائیں تو ان کی قضاء ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ فجر کی سنتوں کے بارے میں نسبتاً زیادہ تاکید ہے اس لئے جماعت اگر کھڑی ہے تو سنت نہیں چھوڑنی چاہیے صفوں سے ہٹ کر برآمدہ وغیرہ میں پہلے سنت ادا کرے پھر جماعت میں شریک ہو البتہ جماعت مکمل نکلنے کا اندیشہ ہو یعنی ''التحیات'' ملنے کی بھی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں سنت چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو تا کہ سنت کیوجہ سے جماعت جو کہ اس صورت میں بالاتفاق واجب ہے مکمل فوت نہ ہو جائے اور بہتر ہے کہ مکروہ وقت نکلنے کے بعد زوال سے پہلے پہلے سنتوں کی قضاء کرے۔

لمافی حلبی:(ص ۳۹۷،طبع سہیل اکیڈمی)

بخلاف سنة الفجر فانه يجوز اداؤها اذا علم انه يدركه فى التشهد عندهما.

ولمافى الدر المختار:(۲/۵۱۰-۵۱۱،طبع امداديه)

(والا) بان رجا ادراك ركعة فى ظاهر المذهب، وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالى تبعاللبحر.

ولمافى الشامية:(۲/۵۱۱،طبع امداديه)

لان المدار هنا على ادراك فضل الجماعة، وقد اتفقوا على ادراكه بادراك التشهد فياتى بالسنة اتفاقا كما اوضحه فى الشرنبلالية ايضا واقره فى شرح المنية وشرح نظم الكنز وحاشية الدرر لنوح أفندى وشرحها للشيخ اسماعيل ونحوه فى القهستانى جزم به الشارح فى مواقيت الصلوة

ولما فى ردالمختار:(۲/۵۱۱،طبع امداديه)

والحاصل ان السنة فى سنة الفجر ان ياتى بها فى بيته والافان كان عندباب المسجد مكان صلاهافيه والاصلاهافى الشتوى أوالصيفى ان كان للمسجد موضعان والاخلف الصفوف عن سارية.

ولمافى الهداية:(۱/۱۱۲)

واذافاتته ركعتاالفجر لايقضيهماقبل طلوع الشمس لانه يبقى نفلامطلقاوهومكروه بعدالصبح ولابعدارتفاعهاعندهماوقال محمد احب الىٰ أن يقضيهماالىٰ وقت الزوال.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم بالصواب:محمد سجاد کشمیری

۱۳/۱/۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۱۸۳۷

﴿واجب فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سنن و مستحبات چھوڑ سکتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی جماعت کھڑی ہے اس وقت اگر کوئی شخص فجر کی سنتوں کو ان کی سنن و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرے یعنی رکوع اور سجدے میں تین، تین دفعہ تسبیحات پڑھے، اور آخر میں درود شریف اور دعا پڑھے تو اس کی جماعت نکل جاتی ہے، کیا اس وقت فجر کی سنتوں کے سنن و مستحبات چھوڑ کر صرف فرائض پر اکتفاء کرتے ہوئے ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سنن و مستحبات چھوڑنے کی گنجائش ہے۔

لما فی الحلبی الکبیر:(ص:۱۱۶ طبع: سہیل اکیڈیمی لاہور)

خاف ان یصلی سنة الفجر علی وجهها ان تفوته الجماعة ولواقتصر علی الفاتحة وعلی تسبیحة فی الرکوع والسجود یدرکها فله ان یقتصر،لأن ترك السنة لادراك الجماعة اذا جاز فترك سنة السنة وعلی هذا ترك الثناء والتعوذ ، وكذا فی سنة الظهر.

ولمافی الشامی:(۲/۵۷ طبع سعید)

قال فی القنية:لو خاف انه لو صلی سنة الفجر بوجهها تفوته الجماعة ولو اقتصر فيها بالفاتحة وتسبيحة فی الركوع والسجود يدركها فله ان يقتصر عليها لان ترك السنة جائز لادراك الجماعة فسنة السنة أولى.وعن القاضی الزرنجری:لوخاف ان تفوته الركعتان يصلی السنة ويترك الثناء والتعوذ و سنة القرأة ويقتصر علی آية واحدة ليكون جمعاً بينهما وكذا فی سنة الظهر اھ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار بنوی عفی عنہ

۲۲ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۱۹

﴿احتیاطی نمازیں پڑھنے کا طریقہ نوافل کی طرح ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص احتیاطاً نمازیں قضا پڑھنا چاہتا ہے تو اسکا کیا طریقہ ہے؟ نیز مغرب اور وتر کی احتیاطی قضاء کا کیا طریقہ ہے؟

﴿جواب﴾ احتیاطی نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ نوافل کی طرح ہے یعنی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قراءت بھی کرنی چاہیے اور مکروہ اوقات میں پڑھنے سے گریز کرنا چاہیے اسکے علاوہ

ہر تین رکعت والی نماز مثلاً: وتر اور مغرب کی نماز ادا کرتے ہوئے تیسری رکعت کے بعد قعدہ کر کے چوتھی رکعت بھی ملائی جائے، اسطرح تین رکعت والی نماز میں تین قعدے ہو جائیں گے۔

لمافی الهندية:(۱۲۲/۱، ۱۲۵، طبع رشيديه)

والصحيح انه يجوز الابعد صلاة الفجر والعصر وقدفعل ذلک كثيرمن السلف لشبهة الفساد وكذافي المضمرات: ويقرأفي الركعات كلها الفاتحة مع السورة كذافي الظهيرية: في الفتاوى رجل يقضي الفوائت فانه يقضي الوتروان لم يستيقن انه هل بقي عليه وترأولم يبق فانه يصلي ثلاث ركعات ويقنت ثم يقعدقدر التشهدثم يصلي ركعة اخرى فان كان وترا فقداداه و ان لم يكن فقدصلي التطوع اربعاولايضر القنوت في التطوع.

ولمافي حاشية الطحطاوي:(ص ۲۴۲، طبع قديمي)

ومن قضى صلوة عمره مع انه لم يفته شئ منها احتياطاقيل يكره وقيل لالأن كثيرأمن السلف قد فعل ذلک لکن لايقضي في وقت تكره فيه النافلة والافضل أن يقرأفي الأخرتين السورة مع الفاتحة لأنها نوافل من وجه فلأن يقرأالفاتحة والسورة في اربع الفرض على احتماله اولى من ان يدع الواجب في النفل ويقنت في الوتر ويقعدقدر التشهدفي ثالثته ثم يصلي ركعةرابعةفان كان وترأفقداداه وان لم يكن فقدصلي التطوع اربعاولايضره القعود وكذايصلي المغرب أربعا بثلاث قعدات.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد

۱۷/۱/۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۸۴۴

﴿مسافر کے لئے سنتیں پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مسافر آدمی کہیں عارضی قیام کرے تو مؤکدہ سنتیں پڑھنی ضروری ہیں؟　　　مستفتی: محمد ڈیرہ اسماعیل

﴿جواب﴾ چونکہ فجر کی سنتوں کے بارے میں تاکید زیادہ آئی ہے اس لئے فجر کی سنتیں سفر کی حالت میں بھی نہیں چھوڑنی چاہئیں لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لاتدعوا ركعتي الفجر ولو طردتكم الخيل(اعلاء السنن :۲۱۵/۷، طبع دار الكتب العلمية بيروت)

باقی سنتوں کے بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مسافر اگر حالت نزول وقرار میں ہے تو پڑھ لینا افضل وبہتر ہے اور اگر حالت سیر میں ہے تو نہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ مؤکدہ سنتیں سفر میں غیر مؤکدہ کے حکم میں ہو جاتی ہیں تاہم ان کا رتبہ نوافل سے زیادہ ہے۔

لمافی اعلاء السنن:(۷/۲۱۵،طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

قلت والا ظهر عندی مانقله الترمذیؒ عن الاکثرولکن التأکد لایبقی فی السفر للراتبة مطلقا غیرسنة الفجر کمایفیده اختلاف العلماء فی فعلها وترکها، واختلاف الآثار عن النبی صلی الله علیه وسلم، فتبقی الرواتب فی السفرسنة غیر مؤکدة والا تلتحق بالتطوع المطلق...... وأمارکعتا الفجر مؤکدة سفراوحضراجمیعا.

ولماقال فی حلبی کبیر:(ص۵۲۵،طبع سهیل اکیڈمی)

یرخص للمسافرترک السنن علی قول البعض وقال الفضلی لایرخص......وقال الهندوانی الفعل حالة النزول والترک فی حالة السیروهذاهوالاعدل اذالم تکن مشقة حالة النزول......وقال هشام رأیت محمداکثیرالایتطوع فی السفرقبل الظهرولابعدهاولایدع رکعتی الفجروالمغرب

ولمافی مراقی الفلاح:(ص۲۳۰،طبع قدیمی)

فان کان فی حال نزول وقراروأمن یأتی بالسنن وان کا سائراأوخائفافلایأتی بهاوهوالمختار.

ولمافی التنویرمع الدرالمختار:(۲/۱۳۱،طبع سعید)

(ویأتی) المسافر (بالسنن) ان کان (فی حال امن وقرار والا) بان کان فی خوف وفرار (لا) یأتی بهاهوالمختارلانه ترک لعذر، قیل الاسنة الفجر.

ولمافی الهندیة:(۱/۱۳۹،طبع رشیدیه)

وبعضهم جوزوللمسافرترک السنن والمختارأنه لایأتی بها فی حال الخوف ویأتی بها فی حال القرار والامن.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین عفااللہ عنہ

۱۷ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ — فتویٰ نمبر:۸

﴿ظہر کی چار سنتیں ایک سلام کے ساتھ مسنون ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ظہر کی چار سنتیں پڑھ رہا تھا کہ جماعت کھڑی ہوگئی اب یہ شخص دو رکعات پر سلام پھیر کر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا،سوال یہ ہے کہ بعد میں یہ آدمی چار رکعات پڑھے گا یا دو رکعت پڑھنا کافی ہے؟ اس لئے کہ دو رکعت پہلے پڑھ چکا ہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی:فضل رحیم

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں چار رکعات سنت ادا کرنا ضروری ہے دو رکعت پڑھنا کافی نہیں ہے اس لئے کہ ظہر کی چار سنتیں ایک سلام کے ساتھ مسنون ہیں۔

لمافی حلبی کبیر:(ص۳۸۴،طبع سهیل اکیڈمی)

وعن ابی ایوب الانصاری کان علیه الصلوٰة والسلام یصلی بعد الزوال اربع رکعات فقلت ماهذه الصلوٰة التی تداوم علیها فقال هذه ساعة تفتح ابواب السماء فأحب أن یصعد لی فیها عمل صالح فقلت أفی کلهن قرأة قال نعم فقلت ابتسلیمة واحدة أم بتسلیمتین فقال بتسلیمة واحدة (رواه ابوداؤد والترمذی)

ولمافی التنویروشرحه:(۲/۴۵۱،امدادیه)

وسن مؤکداًاربع قبل الظهرواربع قبل الجمعة واربع بعدهابتسلیمة فلوبتسلیمتین لم تنب عن السنة

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:صلاح الدین چترالی

۱۱جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۳۰۳

﴿نماز اشراق میں خاص سورتیں پڑھنا ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ نماز اشراق میں کوئی خاص سورتیں پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی:ابوبکرصدیق مسجد کے ایک نمازی

﴿جواب﴾ حدیث مبارکہ سے ثبوت ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے اشراق کی نماز میں ''سورة والشمس وضحاها اور سورة الضحی پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

(لما فی عمدة القاری ۷/۲۴۹طبع رشیدیة)

عن عقبة بن عامرؓ قال :أمرنا رسول الله ﷺ ان نصلی الضحی :بالشمس وضحاها ،والضحی"

(ولما فی رد المحتار ۲/۲۲طبع سعید)

(قوله وندب اربع)ندبها هو الراجح کما جزم به الغزنویة والحاوی والشرعة والمفتاح والتبیین وغیرها ......ویقرأ فیها سورتی الضحی کما فی الشرعة ای سورة ،والشمس،وسورة ،والضحی وظاهره الاقتصار علیها ،ولو صلاها اکثر من رکعتین.

(ولما فی حاشیة الطحطاوی/ ۳۹۵قدیمی کتب خانه)

(وندب صلوة الضحی)الضحوة ارتفاع النهار (وهی اربع)قال الحاکم صحبت جماعة من ائمة الحدیث الحفاظ الاثبات ،فوجدتهم یختارون الاربع لتواتر الاخبار الصحیحة فیها ......وروی انه ﷺ أمر ان یقرأ فی صلاة الضحی بالشمس وضحاها ،والضحی وتمامه فی شرح البدر العینی علی البخاری .

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:ضیاءالحق انکی

۲۱رجب المرجب ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:۳۲۲۸

﴿دن کے نوافل میں جہراً قرات کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض مدارس میں منزل کی پختگی کے لیے طلباء سے دن میں نفل پڑھائے جاتے ہیں تو چونکہ وہاں دوسرے طلباء کے پڑھنے کی وجہ سے شور ہوتا ہے تو کیا ان طلباء کا دن کے نوافل میں جہراً قرات کرنا درست ہو گا؟ براہ کرم جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ قرآن کریم نوافل میں پڑھنے خصوصاً جہراً پڑھنے سے خوب یاد ہوتا ہے لیکن دن کے نوافل میں آہستہ قرات کرنا ضروری ہے منزل یاد کرنے کی غرض سے جہراً پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے، نوافل میں جہراً پڑھنا چاہتے ہیں تو رات کو پڑھا کریں اور یہی آپ ﷺ کی سنت ہے۔

منزل یاد کرنا ہی مقصود ہو تو دن میں جہراً پڑھنے کی ایک تجویز یہ بھی ہے کہ حافظ صاحب نماز کی صوت بنائیں یعنی کسی دیوار وغیرہ کے سامنے قبلہ رخ ہو کر پورے وقار سے کھڑے ہوں لیکن نیت اور تکبیر تحریمہ نہ کریں اور منزل جہراً پڑھتے رہیں، اس طرح بھی توجہ نہیں بھٹکتی، اور وہی مقصد حاصل ہوتا ہے جو نوافل میں جہراً پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ البتہ نوافل پڑھنے کی برکت تو نوافل پڑھنے سے ہی حاصل ہوگی۔

لما فی نور الایضاح: (ص۶۸، طبع: قدیمی)

والاسرار فی الظهر والعصر وفیما بعد اولیی العشائین ونفل النهار.

ولما فی النهر الفائق: (۱/۲۲۸، طبع: قدیمی)

ویسر بالترلة (فی غیرها) من اخیرتی العشاء، وثالث المغرب وصلواة النهار (کمتنفل) ای: کما یسر المتنفل (بالنهار) بلاخلاف.

لما فی فتح القدیر: (۱/۳۲۶، طبع: رشیدیه)

وفی التطوع بالنهار وفی اللیل یتخیر اعتبارا بالفراض فی حق المنفرد.

ولما فی البحر (۱/۳۳۵، طبع: سعید) وقد افاد ان المتنفل بالنهار یجب الاخفاء مطلقاً.

ولما فی التنویر مع الرد: (۱/۵۳۳، طبع: سعید)

(ویسر فی غیرها) وکان علیه الصلوة والسلام یجهر فی الکل ثم ترکه فی الظهر والعصر لدفع اذی الکفار کافی (کمتنفل بالنهار) فانه یسر.

قال الشامي: نعم صحح في الدر تبعا للفتح والتبيين وجوب المخافتة، ومشى عليه شرح المنيه والبحر والنهر والمنح.

ولما في السعايه:(۲/۲۴۰،طبع :سهيل اكيڈمى)

وان كان يصلي التطوع في النهار يسر وجوبا بالمواظبة النبي ﷺ على ذالك كذا مراقي الفلاح وذكر صاحب البنايه ان الجهر مكروها تحريما وهو باطلاقه على انه يسر ولو صلى بالجماعة لانه اذا وجب السر في اداء الفريضة النهاية بالجماعة ففي التطوع اولى وروى النبي ﷺ صلى التطوع في بعض الاحيان بالجماعة لا على سبيل التداعي كما في صحيح البخاري وغيره ولم ينقل عنه الجهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۱۱صفر الخیر ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۳۴

﴿نوافل اللیل میں سری وجہری قراءت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منفرد رات کی نفلی نماز میں ایک ہی رکعت میں سراً قراءت اور جہراً قراءت کو جمع کردے یا پہلی رکعت میں آہستہ اور دوسری رکعت میں جہراً قراءت کرے یا اس کا برعکس تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا اس کی نماز ہوجائے گی؟

﴿جواب﴾ منفرد رات کی نفلی نماز میں ایک رکعت میں سراً قراءت اور جہراً قراءت دونوں کو جمع کرے یا پہلی رکعت میں سراً اور دوسری رکعت میں جہراً قراءت کرے یا پہلی رکعت میں جہراً دوسری میں سراً قراءت کرے تو ان تمام صورتوں میں اس کی نماز بلا کراہت جائز ہوگی، البتہ ایک ہی ترتیب سے قراءت کرنا زیادہ افضل ہے۔

لما في خلاصة الفتاوىٰ:(۱/۹۲،طبع رشيديه)

فان كان متنفلا ان كان في النهار يخافت وان كان في الليل يخير بين الجهر والمخافتة والجهر أفضل.

ولما في حاشية الطحطاوي:(ص۱۳۸،طبع قديمى)

المنفرد بفرض مخير فيما يجهر الامام فيه وقد بينا وفيما يقضيه مما سبق به في الجمعة والعيدين كمتنفل باالليل فانه مخير.

ولما في الخانية:(۱/۱۲۰)ولا سهو على المنفرد في شيء من ذلك لأنه مخير بين الجهر والمخافتة.

٭ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام:۱/۵۶۹)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی

۱۵محرم الحرام ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹

﴿چار رکعت نفل کی نیت باندھ کر دو پر سلام پھیرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں بعض دفعہ چار رکعت نفل کی نیت باندھتا ہوں مگر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتا ہوں، کیا ایسی صورت میں جبکہ شروع کرتے وقت چار رکعت کی نیت تھی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا کوئی خرابی تو نہیں ہے؟ سنا ہے کہ نفل شروع کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں؟

مستفتی: محمد محسن

﴿جواب﴾ نفل شروع کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں یہ آپ نے صحیح سنا ہے لیکن صرف دو ہی رکعت واجب ہوتے ہیں اگر چہ چار کی نیت آپ نے کی تھی اسلئے کہ نفل نماز کا ہر ایک شفعہ یعنی دو ہی رکعت مستقل نماز ہے اگر چہ ایک ہی نیت اور سلام سے کئی شفعیں ملا کر پڑھنے کی بھی گنجائش ہے لیکن اصالۃً دو ہی مشروع ہیں، لہٰذا دو رکعت پر سلام پھیرنے سے چونکہ تحریمہ ختم ہوا دوسرا شفعہ آپ نے شروع نہیں کیا، اسلئے دوسرا شفعہ واجب نہیں ہے۔

لما فی الشامی:(۲۹/۲،طبع سعید)

(ولزم نفل شرع فيه) بتكبيرة الاحرام او بقيام الثالثة شروعا صحيحا(قصدا)

وفی الشامية:(قوله،ولزم نفل الخ):ای لزم المضی فيه ،حتى اذا افسده لزم قضائه ای قضاء ركعتين وان نوى اكثر على ما ياتی (تنبيه)ظاهر كلامهم انه يلزم القضاء بمجرد الشروع الصحيح وان افسده للحال وفی المعراج عن الصغرى لو افسد الصوم النفل فی الحال لا يلزمه القضاء ،اما لواختار المضی ثم افسده عليه القضاء قلت وهكذا فی الصلاة ولو شرعت فی النفل ثم حاضت وجب عليه القضاء (قوله او بقيام الثالثة) ای وقد ادى الشفع الاول صحيحا ،فاذا افسد الثانی لزمه قضائه فقط ولا يسرى الی الاول لان كل شفع صلاة على حدة.

ولما فی البحر الرائق:(۲/۵۷-۵۸،طبع سعيد)

(قوله ولزم النفل بالشروع ولو عند الغروب والطلوع) (قوله وقضى ركعتين لو نوى اربعا وافسده بعد القعود الاول او قبله) يعنی فيلزمه الشفع الثانی ان افسده بعد القعود الاول والشروع فی الثانی والشفع الاول فقط ان افسده قبل القعود بناء على انه لا يلزمه بتحريمة النفل اكثر من الركعتين وان نوى اكثر منهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ - واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ فتوی نمبر: ۲۷۰۲

﴿چار رکعات نوافل میں درمیانی قعدہ واجب ہے فرض نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نوافل میں ہر دو رکعت کے بعد قعدہ فرض ہے اگر بھولے سے کوئی شخص تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا اور رکعت مکمل کرے تو ایسی صورت میں مزید دو رکعت پڑھے گا یا نہیں؟ پڑھنے کی صورت میں چار رکعت نوافل شمار ہوں گے یا دو رکعت؟ نیز سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ قعدہ فرض رہ گیا ہے تو فرض کی تلافی سجدہ سہو سے کیسے ہوگی؟

﴿جواب﴾ نوافل کی ہر دو رکعت میں قعدہ فرض ہے بشرطیکہ ایک تحریمہ سے دو ہی رکعت کوئی ادا کرے، اگر کوئی دو رکعت سے زیادہ یعنی چار، چھ رکعات ایک تحریمہ سے اداء کرے تو ایسی صورت میں دو رکعات کے بعد والا قعدہ فرض نہیں رہتا، چار رکعات والی فرض نماز اور سنت موکدہ کی طرح قعدہ بیچ میں آنے سے واجب کے حکم میں ہو جاتا ہے اسلئے دو رکعت نفل پڑھنے والا تیسری رکعت بھول سے اگر شروع کرے اور تیسری رکعت کا سجدہ بھی کر لے تو اب چار رکعات پوری کرے اور اخیر میں واجب کی تلافی کیلئے سجدہ سہو کرے، اور یہ چاروں رکعات نفل شمار ہوں گی۔

لما فی القاضیخان: ۱۱۲/۱، کتاب الصلوۃ، فصل فیما یجب السهو، طبع: قدیمی

اذا ترك القعدة الأولى من ذوات الأربع أو الثلاث يلزمه السهو، و لو ترك في التطوع لا تفسد صلوته في قول أبي حنيفة و أبي يوسف و يلزمه السهو.

و لما فی حاشیة الطحطاوی :(ص:۴۶۲)باب سجود السهو، طبع :قدیمی

(و قعودهما فرض) أي قعود صلوة التي على حدة فرض، فيكون رفض الفرض لمكان فرض، فيجوز ما لم يسجد للثالثة كذا في الشرح و فيه أنه انما يكون فرضاً اذا قعده، أما اذا تركه و بنى عليه شفعاً كان واجباً حتى لا تكون الصلوة فاسدة، و الحاصل أنّ القعود غير الأخير محتمل لكونه فرضاً ان فعله و واجباً ان تركه فلكلّ من القولين وجه فتأمّل.

و لما فی الشامیه :(۳۲/۲ کتاب الصلوۃ، طبع: سعید)

(قوله أو ترك قعود أول) لأنّ كون كل شفع صلوة على حدة يقتضي افتراض القعدة عقيبه فيفسد بتركها كما هو قول محمد و هو القياس، لكن عندهما لما قام الى الثالثة قبل القعدة فقد جعل الكل صلاةً واحدةً شبيهةً بالفرض و صارت القعدة الأخيرة هي الفرض و هو الاستحسان.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۵۸

﴿دو رکعت نفل کی نیت سے چار رکعت ادا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کوئی شخص دو رکعت نفل نماز کی نیت باندھ لے سہواً قعدہ میں "عبدہ ورسولہ" تک پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے اٹھے اب چوتھی رکعت بھی پوری کر کے سلام پھیرے، کیا ایسی صورت میں نماز بلا سجدہ سہو کے درست ہے؟ یعنی کوئی کراہت تو نہیں یا سجدہ کرنا چاہیے؟ اسی طرح اگر قصداً ایسا کرلے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ اگر سجدہ سہو نہیں ہے تو کیوں؟ حالانکہ لفظ سلام کو (جو کہ واجب تھا) اس نے چھوڑا ہے اور ایسی صورت میں اس کا تیسری رکعت کی طرف منتقل ہونا کیا حیثیت رکھتا ہے یعنی تکبیر تحریمہ کا شمار ہوگا یا تکبیر انتقالی یا کیا؟ مستفتی: عبدالقادر

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں مذکورہ شخص کی نماز بلا کراہت درست ہے کیونکہ جب انہوں نے دو رکعت پڑھی اور التحیات بھی "عبدہ و رسولہ" تک مکمل پڑھ لی تو اس کا پہلا شفع مکمل ہوگیا اب مزید دو رکعت کی بناء پہلی والی تکبیر تحریمہ پر کرنے کی وجہ سے سلام پھیرنا بھی اس پر واجب نہیں رہا اس لئے سجدہ سہو کرنا بھی اس پر ضروری نہیں اور ان کا تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کی حیثیت تکبیر تحریمہ کی سی ہے یعنی اس کا تیسری رکعت کی طرف منتقل ہونا تکبیر تحریمہ کی مانند ہے۔

لما فی البحر: (۲۹۱/۱، طبع سعید)

واما اداء النفل بتحريمة النفل فلاشک فی صحته اتفاقا لما ان الكل صلاة واحدة بدليل ان القعود لايفترض الا فی أخرها على الصحيح.

ولما فی الشامية: (۱۵۰/۲، طبع امدادیه)

قوله: (لان كل شفع منه صلاة)...... فاذا قام الىٰ شفع آخر كان بانيا صلاة على تحريمة صلاة وان القيام الىٰ الثالثة بمنزلة تحريمة مبتدأة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد شریف حسین

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ | فتویٰ نمبر: ۲۶

﴿دوران ڈیوٹی نفل نماز پڑھنا مالک کی اجازت کے بغیر درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ میرا ایک نوکر ہے میں اس کو نماز پڑھنے

کے لئے مسجد بھیجتا ہوں تو وہ جماعت پوری ہونے کے بعد واجبات اور سنن کے علاوہ نوافل بھی ادا کرتا ہے جس کی وجہ سے کافی دیر لگا لیتا ہے، کیا میں اس کو ڈیوٹی کے اوقات میں نفل نماز پڑھنے سے روک سکتا ہوں، روکنے کی بناء پر مجھے کہیں گناہ تو نہیں ہوگا؟ مستفتی: محمد زبیر کورنگی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں نوکر ڈیوٹی کے اوقات میں سیٹھ کی اجازت کے بغیر فرائض واجبات اور سنن کے علاوہ نفل نماز نہیں پڑھ سکتا اگر سیٹھ ڈیوٹی کے اوقات میں اس کو نفل نماز پڑھنے سے روکنا چاہے تو روک سکتا ہے شرعاً اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اجازت دے تو ثواب سیٹھ کو بھی ملے گا۔

لمافی ردالمختار:(۹۶/۹،طبع امدادیہ)ومثله فی الهندية(۴۱۶/۳)

(قوله وليس للخاص أن يعمل لغيره)بل ولاان يصلی النافلة،قال فی التتارخانية:وفی فتاوی الفضلی واذااستأجر رجلا يوما يعمل كذافعليه ان يعمل ذلك العمل الی تمام المدة ولا يشتغل بشيئ آخر سوی المكتوبة وفی فتاوی سمرقند:۔۔۔واتفقوا أنه لا يؤذی نفلاً وعليه الفتوی الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین ڈیروی

۹ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۱۳

﴿تہجد کی رکعت کی تعداد﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز تہجد کے رکعت کی تعداد کیا ہے؟ وضاحت کیساتھ بیان کریں۔

﴿جواب﴾ تہجد کی نماز کم سے کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت منقول ہیں اور نبی اکرم ﷺ عام طور پر آٹھ رکعت پڑھتے تھے یعنی ایک نیت سے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتے تھے، پھر دوبارہ دو رکعت کے لئے نیت باندھتے تھے۔

بعض کتابوں میں تہجد کی نماز کی انتہائی تعداد آٹھ رکعت لکھی ہے، اور فقہاء حنفیہؒ نے آٹھ رکعت پر مواظبت اور مداومت کو مستحب فرمایا ہے اور اگر گنجائش نہیں تو دو، چار رکعت بھی کافی ہیں، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بارہ رکعت بھی پڑھی ہیں۔

لما في صحيح البخاري:(۱۵۱/۱ طبع:قديمی کتب خانه)

عن عروةؓ عن عائشةؓ اخبرته ان رسول الله ﷺ كان يصلي احدى عشرة ركعة كانت تلك صلاته يسجد السجدة من ذلك قدر مايقرء احدكم خمسين اٰية قبل ان يرفع رأسه ويركع ركعتين قبل صلاة الفجر ثم يضطجع على شقه الايمن حتى يأتيه المنادى للصلاة.

ولما في صحيح المسلم:(۲۵۳/۱ طبع:قديمی)

عن عروةؓ عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ كان يصلي بالليل احدى عشرة ركعة يؤتر منها بواحدة فاذا فرغ منها اضطجع على شقه الايمن حتى يأتيه المؤذن فيصلي ركعتين خفيفتين

ولما في صحيح البخاری(۱۳۵/۱ ،طبع:قديمی کتب خانه)

ان ابن عباسؓ اخبره انه بات عند ميمونةؓ وهي خالته فاضطجعت في عرض الوسادة واضطجع رسول الله ﷺ واهله في طولها فنام حتى انتصف الليل أو قريبا منه فاستيقظ يمسح النوم عن وجهه ثم قرء عشر آيات من آل عمران ثم قام رسول الله ﷺ الى شن معلقة فتوضأ فاحسن الوضوء ثم قام يصلي فصنعت مثله وقمت الى جنبه فوضع يده اليمنى على رأسي واخذه باذني يفتلها صلى ركعتين ،ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين،ثم اوتر اضطجع حتى جاء ه المؤذن فقام فصلى ركعتين ثم خرج فصلى الصبح.

ولما في الشامی(۲۵/۲ طبع سعيد)

اقول:فينبغي القول بان اقل التهجد ركعتان واوسطه اربع واكثره ثمان ،والله اعلم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ۔ واللہ اعلم بالصواب:شاہ جہان ڈیروی

۱۶رجب المرجب ۱۴۳۲ھ ۔ فتویٰ نمبر:۳۳۱۲

﴿تہجد پڑھتے ہوئے اذان ہو جائے تو نماز مکمل کرے اور یہ سنتیں شمار نہیں ہوں گی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر تہجد کی نماز کے دوران صبح صادق ہو جائے تو نماز مکمل کرنی چاہیے یا توڑ دینی چاہیے؟ نیز نماز مکمل کرنے کی صورت میں یہ دو رکعت فجر کی سنتیں شمار ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ مستفتی:محمد شعیب ژوب

﴿جواب﴾ تہجد کی نماز کے دوران صبح صادق ہو جائے تو نماز مکمل کرنی چاہیے اور یہ نفل شمار ہوگی فجر کی سنتیں مستقل پڑھنی پڑیں گی، البتہ اس گمان سے تہجد کی نماز پڑھ لی کہ ابھی صبح صادق میں وقت ہے بعد میں معلوم ہوا کہ طلوع فجر کے بعد یہ نماز پڑھی ہے تو اس صورت میں یہ نوافل فجر کی سنتیں شمار ہونگی۔

لمافی الشامیة:(۱/۴۷٦،طبع سعید)

"فـلـو تهـجـد بـركـعتيـن يـظـن بـقـاء الـلـيل فتبيـن انهـمابعد الفجر كانتا عن السنة على الصحيح فلا يصليها بعده للكراهة اشباه".

ولمافی الهندية:(۱/۵۲-۵۳،طبع رشيديه)

ومـن صـلـى تـطـوعـافـى آخـر الليل فلماصلى ركعة طلع الفجر كان الاتمام افضل لان وقـوعـه فـي التطوع بعدالفجر لاعن قصدولاتنوبان عن سنة الفجر على الاصح هكذا في الـسـراج الـوهـاج والتبيين ولـوشـرع اربعـافـالـشـفـع الـذى بـعـدالتطوع ينوب عن سنة الفجر هو المختار.

ولمافی حاشية الطحطاوی:(ص ۱۰۱،طبع قديمی)

(ويـكـره الـتـنـفـل بعد طلوع الفجر)اى قصداً حتى لو شرع فى النفل قبل طلوع الفجر ثم طلع الفجر فالاصح انه لايقوم عن سنة الفجر ولا يقطعه لان الشروع فيه كان لاعن قصد".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۳۲۵

﴿فرائض جمعہ کے بعد سنتوں کی تعداد﴾

﴿سوال﴾ جمعہ کے فرضوں کے بعد کتنی سنتیں ہیں؟ مفتیٰ بہ قول کی وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ مفتیٰ بہ قول کے مطابق جمعہ کے بعد چھ (6) رکعتیں سنت ہیں پہلے چار پڑھے پھر اس کے بعد دو پڑھے۔

لما حلبی کبیر:(ص ۳۸۹،فصل فی النوافل،طبع سهيل اكيڈمی)

(عـنـد ابـى يـوسـف")السنة بعد الجمعة (ست)ركعات وهو مروى عن على والافضل ان يصلى اربعا ثم ركعتين للخروج عن الخلاف.

ولمافی حاشية الطحطاوی:(ص ۲۱۲،طبع قديمی)

وقال ابويوسف يصلى اربعاقبل الجمعة وستابعدها.....ثم عند ابى يوسف يصلى اربعاثم اثنتين.

ولمافی اعلاء السنن:(۷/۱۸،طبع العلمية لبنان)

قـول عـلـى صـلـوا سـتـا قـال ابـو عـبـدالـرحـمـن ،فنحن نصلى ستا.....فلماجاء على عـلـمـهـم ان يـصـلـوا سـتـا.....ابـويـوسـف مـن ائـمـتـنـا ان السنة بعد الجمعة ست ركعات.....لان عليا امرهم بالست.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۳ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۱۵٦

﴿فجر کی سنتوں کا وقت اور اسکی قضا کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی سنتیں کب تک پڑھ سکتے ہیں اور اسکی قضاء کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: عماد علی ڈی ایچ اے کراچی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر سنتیں پڑھنے والے کو تشہد میں امام کے ساتھ ملنے کی امید ہو تو صفوف سے ہٹ کر سنت پڑھ لیں اور امام کے ساتھ تشہد میں شامل ہو جائے پوری جماعت نکلنے کا اندیشہ ہو تو سنت چھوڑ دیں اکیلے سنتوں کی قضاء نہیں ہے فرض رہ جائے تو فرض کے ساتھ سنتوں کا بھی قضاء کرلیں، البتہ فجر کی سنتوں کی قضاء زوال سے پہلے کرنی چاہیے خواہ اکیلے سنت ہی ہو اسلئے کہ فجر کی سنت کی تاکید دوسری سنتوں سے کچھ زیادہ آئی ہے۔

لما فی ردالمحتار:(۵۶/۲-۵۷،طبع سعید)

اذا رجاء ادراك الامام فی التشهد لا یترکها بل یصلیها وان علم ان تفوته الرکعتان معه.

وفی الشامیة:لایقضی سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفجر فیقضیها تبعا لقضانه لو قبل الزوال واما اذا فاتت وحدها فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع واما بعد طلوع الشمس فکذلک عندهما وقال محمد احب الی ان یقضیها الی الزوال کما فی الدر قیل:هذه قریب من الاتفاق.

واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۴۲۰

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

۱۰ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ

﴿فجر کی سنتیں رہ جائیں تو انکی قضاء ہوگی یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کوئی آدمی فجر کی نماز کیلئے آیا اور جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو وہ کب تک سنت پڑھ سکتا ہے اور اگر کسی کی سنت رہ جائے تو طلوع آفتاب کے بعد اسکی قضاء ضروری ہے یا نہیں؟ میں نے سنا تھا کہ قضا ضروری ہے جبکہ ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتوں کی کوئی قضاء نہیں ہے، اسلئے کہ قضاء صرف فرائض یا واجبات کی ہوتی ہے؟

﴿جواب﴾ کوئی شخص نماز فجر کیلئے مسجد میں آیا اور جماعت کھڑی تھی اب اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو مکمل جماعت نکل جانے کا اندیشہ ہے تو جماعت میں شامل ہو جائے سنت نہ پڑھے اور جماعت ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہو، امام صاحب کا فرمانا کہ سنتوں کی

کوئی قضاء نہیں ہے درست ہے لیکن فجر کی سنت چونکہ زیادہ مؤکد ہیں، اسلئے امام محمدؒ کے قول پر عمل کرنا چاہیے یعنی اشراق کے وقت سے زوال سے پہلے تک پڑھ لینا چاہیے، تاہم ضروری نہیں ہے۔

لما فی الشامیة:(۵۷/۲،طبع سعید)

(ولا یقضیها الا بطریق التبعیة. الخ) أی لا یقضی سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفجر فیقضیها تبعا لقضائه لو قبل الزوال وأما اذا فاتت وحدها فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراهة النفل بعد الصبح وأما بعد طلوع الشمس فکذالک عندهما وقال محمدؒ احب الیٰ أن یقضیها الیٰ الزوال کما فی الدرر،قیل هذا قریب من الاتفاق لانّه قوله احب الیٰ دلیل علی انه لو لم یفعل لالوم علیه.

ولمافی الهندیة:(۱۲۰/۱،طبع رشیدیه)

ومن انتهیٰ الیٰ الامام فی صلاة الفجر وهولم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان یفوته رکعت ویدرك الاخری یصلی رکعة الفجر عند باب المسجد ......وحکی عن الفقیه ابی جعفر انه قال علی قول ابی حنیفة وابی یوسف یصلی رکعتی الفجر لان ادراك التشهد عندهما کادراك الرکعة.

ولمافی الهدایة:(۱۵۲/۱،طبع رحمانیه)

ومن انتهی الیٰ الامام فی صلوة الفجر......ویدرك الاخری یصلی رکعتی الفجر ......وقال ایضا واذا فاتته رکعتا الفجر لا یقضیها قبل طلوع الشمس ......وقال ابو حنیفة وابویوسفؒ لا یقضیها وقال محمدؒ احب الیٰ ان یقضیها الیٰ وقت الزوال.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۷۴

﴿ظہر کی چار رکعات سنت کسی وجہ سے فاسد ہو گئیں تو انکا اعادہ ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ظہر کی چار سنتیں اگر کسی وجہ سے فاسد ہو گئیں تو بعد میں اس کے ذمے قضا ہے؟ اگر ہے تو کتنی رکعتیں؟ سائل: محمد سعید کراچی

﴿جواب﴾ ظہر کی چار رکعات سنت کا حکم ایک ہی نماز کا ہے شروع کرنے کے بعد اگر کسی وجہ سے فاسد ہو گئیں تو چاروں رکعات کا ایک ساتھ اعادہ کرنا ضروری ہے۔

لما فی حلبی کبیری:(ص ۲۹۲،طبع سہیل آکیڈمی)

قالوا هذا الحكم المذكور وهو لزوم الشفع فقط بالافساد بعد الشروع بنية الاربعة فی غير السنن الرواتب كسنة الظهر والجمعة اما اذا شرع فی الاربعة التی قبل الظهر او قبل الجمعة او بعدها ثم قطع فی الشفع الاول او الثانی يلزمه الاربع ای قضاء ها بالاتفاق لا نها لم تشرع الا بتسليمة واحدة فانها لم تنقل عنه ﷺ الا كذالك فهی بمنزلة صلوة واحدة ولذا لا يصلی فی القعدة الاولی ولا يستفتح فی الثالثة.

ولما فی البحر الرائق:(۵۸/۲-۵۹،طبع سعید)

(وقضى ركعتين لو نوى اربعا وافسده بعد القعود او قبله)وعلى قول ابی يوسفؒ يقضی اربعا فی التطوع ففی السنة اولی ومن المشائخؒ من اختار قوله فی السنة المؤكدة لانها صلوة واحدة بدليل الاحكام من انه لا يستفتح فی الشفع الثانی و لو اخبر الشفيع بالبيع فانتقل الی الشفع الثانی لا تبطل شفعته وكذا المخيرة و تمنع صحة الخلوة وظاهرما فی فتح القدير والتبيين والبدائع الاتفاق على هذه الاحكام ذكر فی شرح المنية ان هذه الاحكام مسلمة عند اهل المذهب فلذا اختار ابن الفضلؒ قول ابی يوسفؒ ونص صاحب النصابؒ انه الا صح حيث قال وان قطع سنة الظهر على رأس الركعتين او الثالثة وشرع فی الفرض لزمه قضاء الاربع و هو الاصح لانه بالشروع صار بمنزلة الفرض.

ولما فی منحة الخالق على حاشية البحر:(۵۹/۲،طبع سعید)

وظاهر ما فی فتح القدير ......الخ اقول نعم ما فی الفتح التدبر والتبيين ظاهره كذالك واما فی البدائع فلابل ظاهره الخلاف فانه قال ومن المتأخرين من مشائخنا من اختار قول ابی يوسفؒ فيما يؤدی من الاربع منها بتسليمة واحدة وهو الا ربع قبل الظهر وقالوا لو قطعها يقضی اربعا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبیداللہ عابد غفرلہ ولوالدیہ

۳ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۱۲۹

﴿سنن اور فرائض کے درمیان نفل نماز یا کسی دوسرے عمل کے ذریعے فصل کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سنن اور فرائض کے درمیان نفل نماز یا اس کے علاوہ کسی دوسرے عمل کے ذریعے فصل درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ سنن اور فرائض کے درمیان نفل نماز پڑھنے کی گنجائش ہے البتہ نماز و ذکر کے علاوہ کوئی دوسرا عمل بلا عذر ہو تو اس سے سنت کے ثواب میں کمی آجاتی ہے یہ حکم نماز سے پہلے کی سنتوں کا ہے، فرض کے بعد والی سنتوں کو بلا تاخیر پڑھنا چاہیے، فقہاء کرام نے صراحت کی ہے

کہ فرض کے بعد صرف "اللھم انت السلام" کے بقدر تاخیر درست ہے، اس سے زیادہ تاخیر کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۲/۲۶۱،طبع امدادیہ)

ولوتکلم بین السنة والفرض لایسقطها ولکن ینقص ثوابها وکذاکل عمل ینافی التحریمة علی الاصح وفی الشامیة:(قوله ولوتکلم)وکذا لو فصل بقرأة الاوراد لان السنة الفصل بقدر اللهم انت السلام الخ حتی لو زاد تقع سنة لا فی محلها المسنون ....ولو جیء بطعام افاد ان العمل المنافی انما ینقص ثوابها او یسقطها لو کان بلا عذر.

ولمافی خلاصة الفتاوی:(۱/۶۲،طبع رشیدیه)

ولو صلی رکعتی الفجر او الاربع قبل الظهر واشتغل بالبیع والشراء والاکل فانه یعید السنة اما باکل لقمة او شربة لا یبطل السنة قالؒ و هذا مشکل.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق عفااللہ عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۲۵۳

﴿سنتوں کیلئے مسجد سے گھر آنے کی وجہ سے تاخیر ہونا فصل میں شمار نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سنن اور فرائض کے درمیان صرف بقدر مسنون دعا یا آیۃ الکرسی تاخیر ثابت ہے اور سنن کے متعلق افضل یہ ہے کہ گھر میں پڑھی جائے، سوال یہ ہے کہ مسجد سے گھر آنے میں جو تاخیر واقع ہو رہی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ نیز راستہ میں ورد وغیرہ پڑھنے کا حکم بھی بیان کیجئے؟　　　　مستفتی: جمشید

﴿جواب﴾ سنن اور فرائض کے درمیان مسنون دعا "اللھم انت السلام" یا آیۃ الکرسی کے بقدر تاخیر ثابت ہے اس سے زیادہ تاخیر ثابت نہیں ہے، اس لئے درمیان میں کوئی دوسرا عمل مثلاً: وظیفہ وغیرہ نہیں کرنا چاہیے لیکن کوئی شخص سنتوں کیلئے مسجد سے گھر آنا چاہے اور راستے میں ذکر ودعاء وغیرہ بھی جاری رکھے تو اس سے جو تاخیر واقع ہو رہی ہے یہ فصل بین السنن والفرائض شمار نہیں ہوگی، سنتوں کیلئے گھر آنا خود حضور ﷺ کا معمول رہا ہے، اس لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ گھر آکر سنتوں کا اہتمام کرلے۔

لما فی الشامیة:(۲/۲۴۷،طبع امدادیه)

والمفاد شیخنا ان الکلام فیما اذاصلیالسنة فی محل الفرض لاتفاق کلمة المشائخ علی

ان الافضل فی السنن حتی سنة المغرب المنزل:ای فلا یکره الفصل بمسافة الطریق.

ولما فی حاشیة الطحطاوی:(ص۱۷۰،طبع قدیمی)

واعلم ان محل الکلام السابق فیما اذاصلی السنة فی المسجدمثلاً اما اذا اراد الانتقال الیٰ البیت لفعلها فلا یکره وان زاد علی القدر المسنون.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق عفااللہ عنہ

۱۲ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۳۱۴

﴿سنن ونوافل گھر میں پڑھنازیادہ افضل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نمازوں سے ماقبل ومابعد جوسنتیں ہیں کیا آدمی ان کوگھر میں اداکرسکتا ہے یانہیں؟ جبکہ فرض تو مسجد میں ہی اداکررہا ہو۔

﴿جواب﴾ سنن ونوافل مسجد میں پڑھنے سے گھر میں پڑھنے کی فضیلت زیادہ آئی ہے، لیکن اگرفرض نماز کے بعد گھر جانے کی صورت میں گھریلو کاموں یابیوی بچوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے سنت فوت ہونے کااندیشہ ہوتو پھرمسجد ہی میں پڑھے تاکہ سنت فوت نہ ہو۔

لما فی رد المحتار:(۲۲/۲،طبع سعید)

(قوله والافضل فی السنن الخ)۔۔صلاة المرء فی بیته مالم یلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبیته او کان فی بیته ما یشغل باله ویقلل خشوعه فیصلها حینئذ فی المسجد لان اعتبار الخشوع ارجح.

ولما فی الفتوی العالمگیریه :(۱۱۳/۱ طبع رشیدیه)

الافضل فی السنن والنوافل المنزل لقوله علیه السلام صلوة الرجل فی المنزل افضل الا المکتوبة الخ.

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عمرفاروق لاہوری

۱۰صفرالخیر۱۴۳۳ھ فتوی نمبر:۳۵۲۰

﴿نفل نماز کھڑے ہوکر پڑھنا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے،سوال یہ ہے کہ کیا واقعی نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے جبکہ میرامعمول کھڑے ہوکر پڑھنے کا ہے؟ مستفتی:راشدحسین صوابی

﴿جواب﴾ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے خواہ بلا عذر ہواور ثواب کھڑے ہوکر

پڑھنے کی بنسبت آدھا ہوگا، البتہ کوئی عذر مثلاً: تھکاوٹ وغیرہ ہو تو ثواب پورا ملے گا، لہٰذا یہ کہنا کہ بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا بہتر ہے صحیح نہیں ہے۔

لما في الدر المختار: (۲/ ۴۸۳-۴۸۴، طبع امدادیه)

ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدا لا مضطجعا الا بعذر ...... وفيه اجر غير النبي ﷺ على النصف الا بعذر.

ولما في البحر الرائق: (۲/ ۶۲، طبع سعيد)

ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء..... وروى البخاري عن عمران بن حصين مرفوعا من صلى قائما فهو افضل ومن صلى قاعدا فله نصف اجر القائم وقد ذكر الجمهور كما نقله النووي انه محمول على صلوة النفل قاعدا مع القدرة على القيام.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۱۶

﴿نفل نماز تبعاً شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص فرض کا قعدہ اخیرہ بھول گیا اور زائد رکعت کے لئے کھڑے ہو کر سجدہ بھی کر لیا تو مزید رکعت ملانا ضروری ہے یا اختیاری؟ بالفرض اگر مزید رکعت نہیں ملاتا تو نفل تو شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے ایسی صورت میں دو رکعات نفل کا اعادہ واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: ایک معلم

﴿جواب﴾ اگر کوئی شخص فرض کا قعدہ اخیرہ بھول گیا اور زائد رکعت کے لئے کھڑے ہو کر سجدہ بھی کر لیا تو اس کی فرض نماز باطل ہو کر نفل بن گئی، اور اس پر مزید رکعت ملانا ضروری نہیں بہتر ہے، رہی یہ بات کہ نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے تو یہ اس صورت میں جب نفل قصداً مستقل شروع کیا جائے، یہاں تو تبعاً وضمناً شروع ہوا ہے، شروع کیا نہیں، اس لئے اعادہ واجب نہیں ہے۔

لما في الشامي ۲/ ۸۷ طبع: سعيد كراچی

(قوله ان شاء) اشار الى ان الضم غير واجب بل هو مندوب كما في الكافي تبعا للمبسوط، وفي الاصل ما يفيد الوجوب والاوّل اظهر كما في البحر. (و قوله لاختصاص الكراهة الخ) جواب عما قد يقال ان التنفل بعد العصر والفجر مكروه و في غيرهما و ان لم يكره لكن يجب اتمامه بعد الشروع فيه فكيف قلت و لو بعد العصر

والفجر و قلت انّه مخيّر ان شاء ضمّ والاّ فلا ؟ والجواب انه لم يشرع في هذا النفل قصداً ، وما ذكرته من الكراهة و وجوب الاتمام خاص بالتنفل قصداً لكن الضم ههنا خلاف الاولى .

ولما في الحلبي الكبيري ص: ۲۶۲ طبع سهيل اكيڈمي لاهور

و عليه ان يضمّ اليها اى الى الخامسة ركعة سادسة عندهما خلافاً لمحمد ليصير متنفلاً بست ركعات لان التنفل بالوتر غير مشروع عندنا و قوله "و عليه "يفيد ان الضم واجب وهو ظاهر كلام محمد حيث قال و ضم بالاخبار و هو يفيد الوجوب ، وقال في الكافي انّه يضم السادسة ندباً حتى لو لم يضم فلا شئى عليه ، لانه مظنون و هو غير مضمون ، خلافاً لزفر لانّ الشروع ملزم ، قلنا نعم ، ان شرع ملزماً امّا لو شرع مستطأفلا ، اذ الضمان بالزام او التزام انتهى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفرلہ

۵ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۵۱۵

﴿ مکروہ اوقات میں غیر ارادی طور پر نفل شروع ہو جائے تو مکروہ نہیں ہے ﴾

﴿سوال﴾ فجر یا مغرب کی فرض نماز میں قعدہ اخیرہ بھول گیا اور اضافی رکعت کا سجدہ کر لیا تو مزید رکعت ملانے سے نفل نماز شمار ہوگی حالانکہ اس وقت نفل پڑھنا منع ہے اور مغرب کی تین رکعت کیساتھ مزید دو پڑھیگا تو رکعت پانچ ہوں گی کیا یہ جائز ہے؟ اور ایسی صورت میں سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟ مستفتی: ایک حعلم

﴿جواب﴾ فجر، مغرب یا کسی بھی نماز میں آخری قعدہ کوئی بھول جائے اور زائد رکعت کا سجدہ بھی اگر کر لے تو فرض باطل ہو جائے گا، البتہ یہ نماز نفل شمار ہوگی، ایک رکعت مزید بھی پڑھنی چاہئے تا کہ دو رکعت والی نماز چار رکعات پوری ہوں اور چار رکعات والی نماز چھ رکعات پوری ہوں اور مغرب کی نماز ہو تو مزید اضافہ نہ کرے چار رکعات پر ہی سلام پھیر دے بعض فقہاء کرام نے مغرب میں اضافی رکعت ملانے کو کہا ہے لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے مغرب میں اضافی رکعت ملانے کو مرجوح قرار دیا ہے۔

رہی یہ بات کہ فجر کے وقت اور مغرب کی فرض نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے یہ بات صحیح ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ با قاعدہ قصداً و ابتداً کوئی نفل پڑھے یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ غیر ارادی طور پر ہے اور نفس نماز یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہونے سے بچانے کے لئے نفل پڑھنے

کو جائز قرار دیا ہے اس لئے کوئی کراہت نہیں ہے۔

(لما فی حلبی کبیری۔ ۲۶۲، سہیل اکیڈمی)

وعليه ان يضم اليها اى الى الخامسة ركعة سادسة عندهما خلافالمحمد ليصير متنفلا بست ركعات لان التنفل بالوتر غير مشروع عندنا.

(لما فی مراقی الفلاح، ۴۶۹، قدیمی)

ولو فى العصرلان التنفل قبله قصداً لا يكره فبالظن اولى وضم رابعة فى الفجر و سكت عن المغرب لانها تصير اربعاً فلا ضم فيهاولا كراهةفى الضم فيهما اى صلاة الفجر والمغرب لانه تعارض كراهةالتنفل بالبتيرا وهو كراهة الضم للوقت فتتاوما وصار كالمباح

(لما فی ردالمحتار، ۸۶/۲، ۷۷، ایچ ایم سعید)

لم يصرح بالمغرب كما صرح بالفجروالعصر مع انه صرح به التهستانى ومقتضاه انه يضم الى الرابعةخامسة، لكن فى الحلية لايضم اليهااخرى لنصهم على كراهةالتنفل قبلها، وعلى كراهته بالوترمطلقاًقلت ومقتضاه انه اذا سجد للرابعةيسلم فوراً ولايقعد لهالئلايصير متنفلاًقبل المغرب وقد يجاب بما يشيراليه الشارح بان الكراهة مختصةبالتنفل المقصود، فلا ضرورة الى قطع الصلاة بالسلام، واماانه لايضم اليهاخامسة، فظاهر لئلا يكون تنفلاًبالوتر، فالاوجه عدم ذكرالمغرب كما فعل الشارح، ثم رأيت فى الامداد قال وسكت عن المغرب لانهاصارت اربعاً فلا يضم فيها.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصوب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۳ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۲۲

﴿سنت مؤکدہ کے بعد فرائض سے پہلے نوافل پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص گھر سے سنت مؤکدہ پڑھ کر مسجد کی طرف نکلا فرض نماز سے پہلے وہ مسجد میں تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: مخدوم حسین شاہ صاحب

﴿جواب﴾ سنن مؤکدہ اور فرائض کے درمیان تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد سمیت کوئی بھی نفل نماز پڑھنا، ذکر تلاوت اور تسبیحات وغیرہ کرنا بلا شبہ جائز ہے بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو یا نفل نماز کیوجہ سے فرائض میں تاخیر نہ ہو، البتہ بلا عذر اسکے علاوہ کسی دوسرے عمل سے سنتوں اور فرائض کے درمیان فصل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے سنتوں کے ثواب میں کمی آجاتی ہے۔

لما فی خلاصة الفتاوی:(۱/ ۶۲،طبع رشیدیه)

ولو صلی رکعتی الفجر او الاربع قبل الظهر واشتغل بالبیع و الشراء والاکل فانه یعید السنة اما باکل لقمة او بشربة لا یبطل السنة ،قال:وهذا مشکل.

لما فی فتح القدیر:(۱/ ۴۵۹،طبع رشیدیه)

الصحیح الاولی الاستدلا ل بمجموع حدیثین ،حدیث ابن عمر وحدیث عائشة أما بان الاربع کان یصلیها فی بیته لانه ﷺ کان یصلی الکل فی البیت ثم کان یصلی رکعتین تحیة المسجد فکان ابن عمر یراهما.کتاب الصلوة.

ولما فی المنیة وشرحه:(ص ۳۷)

ومن الآ داب یصله ای الوضوء بسبحة (ای نافلة)ای یصلی عقیبه نافلة ولو رکعتین لما فی الصحیحین الاان یکون الوضوء فی وقت مکروه فانه لایصلی لان ترک المکروه اولی من فعل المندوب.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم :عبدالحکیم کشمیری عفااللہ عنہ

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۳۹۳

﴿نماز عصر کے بعد فرائض ونوافل پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ محترم مفتی صاحب ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا عصر کی نماز کے بعد کسی قسم کے نوافل یا فوت شدہ فرائض کی قضاء کی جاسکتی ہے؟ میں نے بغیر تحقیق کے اپنی یاداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ عصر کی نماز کے بعد صرف اسی دن کی عصر یا عصر کی قضاء سورج کے غروب ہونے تک پڑ سکتے ہو اس کے علاوہ کوئی نفل یا کسی فرض نماز کی قضاء جائز نہیں میں نے جواب تو دے دیا لیکن مجھے اطمینان نہیں ہے، برائے مہربانی تحقیق کر کے مطلع فرمائیں تاکہ میں سائل تک صحیح بات پہنچاسکوں۔ مستفتی:فرقان حسین

﴿جواب﴾ عصر کی نماز کے بعد سے لے کر سورج زرد ہونے تک تمام فرائض کی قضاء کرنا صحیح ہے لیکن سورج کے زرد ہونے کے بعد غروب ہونے تک فرائض کی قضاء جائز نہیں ہے جبکہ نوافل عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک پڑھنا منع ہے،البتہ اسی دن کی عصر کی فرض نماز سورج کے زرد ہونے کے بعد بھی ادا کرسکتا ہے لیکن چونکہ یہ وقت ناقص ہے اس لیے اداء ناقص شمار ہوگی۔

لما فی الهندیة:(۱/ ۵۸-۵۹،طبع قدیمی)

ثلاث ساعات لا تجوز فیها المکتوبة .اذا طلعت الشمس حتی ترتفع .و عند الانتصاف

الی أن تزول و عند احمرارها الی أن تغیب الا عصر یومه ذالک. فانه یجوز أداء ه عند الغروب..وقال لا یجوز فیها قضاء الفرائض والواجبات الفائتة عن أوقاتها......تسعة أوقات یکره فیها النوافل وما فی معناها لا الفرائض ،فیجوز فیها قضاء الفائتة و صلاة الجنازة و سجدة التلاوة.منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر ،ومنها ما بعد صلاة العصر قبل التغیر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ أعلم بالصواب: سید مزمل شاہ بخاری

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۵۹

﴿سواری پر نفل نماز پڑھتے ہوئے جہت قبلہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ اگر کوئی شخص دوران سفر سواری پر نفل نماز پڑھنا چاہے، کیا اسکے لئے ضروری ہیکہ مکمل نماز میں قبلہ رو ہو یا ابتداء صلوۃ میں قبلہ رو ہونا کافی ہے؟

﴿جواب﴾ دوران سفر سواری پر نفل نماز پڑھتے ہوئے قبلہ رو ہونا ضروری نہیں ہے لیکن جس طرف سواری کا رخ ہو اسی رخ پر نماز پڑھنا ضروری ہے ابتداء صلوۃ میں قبلہ رو ہونا مستحب ہے۔

لمافی ردالمحتار:(۲/۳۹،طبع سعید)

(قوله الی ای جهة توجهت دابته) فلو صلی ال غیر توجهت به دابته لا یجوز لعدم الضرورة بحر عن السراج ......(قوله ولو ابتداء عندنا) یعنی انه لا یشترط استقبال القبله فی الابتداء......قلت:وذکر فی الحلیة عن غایة السروجی ان هذا روایة ابن المبارک ذکرها فی جوامع الفقه......ثم قال:علی ان ابن الملقن الشافعی قال:وعند ابی حنیفة وابی ثور یفتتح اولا الی القبلة استحبابا ثم یصلی کیف شاء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفااللہ عنہ

۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر:

﴿چار رکعت والی سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کے طریقۂ ادائیگی میں فرق ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام دریں مسئلہ کہ چار رکعت والی سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ کے طریقۂ ادائیگی میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر فرق ہے تو برائے مہربانی تفصیل کیساتھ بیان کیجئے۔ بینوا توجروا۔

مستفتی: عبداللہ کورنگی

﴿جواب﴾ چار رکعت والی سنت مؤکدہ کی ادائیگی میں صرف اتنا فرق ہیکہ سنت مؤکدہ کے قاعدہ اولی میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ (اعوذ باللہ) نہیں پڑھا جائیگا

جس طرح چار رکعت والی فرض نماز میں نہیں پڑھا جاتا جبکہ سنت غیر مؤکدہ اور نوافل میں ہر شفع یعنی دو دو رکعت مستقل نماز ہے، اس لئے ہر شفع کے قعدۂ اولیٰ میں دورد شریف اور تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بڑھانا چاہیے اگر کوئی ان سنتوں کو بھی سنت مؤکدہ کی طرح پڑھ لیتا ہے تو نماز ہو جائیگی، البتہ زیادہ بہتر مذکورہ طریقہ ہے۔

لمافی الهندية:(۲/۱۲۵،الباب التاسع من النوافل مطبع قديمی)

وفي الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لايصلی علی النبی صلی الله عليه وسلم في القعدة الاولیٰ ولايستفتح اذا قام الی الثالثة منها وفی البواقی من ذوات الاربع يصلی علی النبی صلی الله عليه وسلم ويستفتح ويتعوذ لان كل شفع صلاة.

لما في بدائع الصنائع:(۱/۲۹۲،طبع سعيد)

ان المتنفل اذا قام الی الثالثة لقصد الاداء ينبغی ان يستفتح فيقول سبحانک اللهم وبحمدک الخ كما يستفتح في الابتداء لان هذا بناء الافتتاح وكل ركعتين من النفل صلاة علی حدة لكن بناء علی التحريمة الاولیٰ فياتی با لثناء المسنون فيه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۵

﴿رمضان المبارک میں تاخیر سے اوابین پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہم رمضان المبارک میں روزہ افطار کرنے کے بعد مغرب کی نماز پڑھتے ہیں اور سنتیں پڑھتے ہیں پھر کھانا کھاتے ہیں اس کے بعد اوابین کی چھ رکعتیں پڑھتے ہیں، اتنے وقفے کے بعد یہ چھ رکعتیں اوابین شمار ہونگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ یہ چھ رکعتیں اوابین ہی شمار ہونگی لیکن اتنے وقفہ کی وجہ سے کمال درجہ کا ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

لمافی الحلبی الكبير:(ص ۳۲۲،طبع نعمانيه)

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من صلی اربعا بعد المغرب قبل ان يكلم احدا رفعت له في العليين.

لما في مراقی الفلاح وشرحه:(ص ۳۹۱،طبع قديمی)

عن عمار بن ياسر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من صلی بعد المغرب ست ركعات غفرت ذنوبه ان كانت مثل زبد البحر.....(ولم يقيدفيه

بكونها قبل ان تكلم) فاما ان يحمل المطلق على المقيد لاتحاد الحادثة او يقال ان التقييد للكمال لا لتحصيل اصل الموعود به.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۴۷

﴿مغرب کی سنتیں اوابین میں شامل ہیں یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اوابین کی چھ رکعت مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ ہیں یا ان کے ساتھ ملکر ہیں؟ نیز سنتوں کے بعد جو دو رکعت نفل ہیں اوابین ان دو کے ساتھ ملکر چھ ہیں یا ان دو سے الگ چھ ہیں؟ مستفتی: محمد ولی اللہ ڈیروی

﴿جواب﴾ اوابین کی چھ رکعتوں میں سنتوں کو شمار کرنا بھی درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ چھ رکعتیں دو سنتوں کے علاوہ پڑھی جائیں۔

لما في مراقي الفلاح:(ص ۳۹۰، طبع قديمي)

وندب ست ركعات بعد المغرب لقوله ﷺ من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الاوابين وتلا قوله تعالىٰ انه كان للاوابين غفورا والاواب هو الذي اذا اذنب ذنبا بادر الىٰ التوبة...... وقد عطفنا المندوبات على المؤكدات كما في الكنز وغيره من المعتبرات وظاهره المغايرة فتكون الست في المغرب غير الركعتين المؤكدتين وكذا في الاربع بعد الظهر وقيل بها لما في الدراية انه عليه الصلاة والسلام قال من حافظ على اربع ركعات قبل الظهر واربع بعدها حرمه الله على النار ومثله في الاختيار.

ولما في البحر الرائق:(۲/۵۱، مطبوعه ايچ ايم سعيد)

هل السنة المؤكدة محسوبة من المستحب في الاربع بعد الظهر وبعد العشاء وفي الست بعد المغرب او لا ، قال العلامة الشاميؒ في منحة الخالق .وقد صرح بان الراتبة تحتسب منهما والتصريح بخلاف كل ثابت قال الشيخ اسماعيلؒ وفي المفتاح وندب ست ركعات بعد المغرب يعني غير سنة المغرب لقوله عليه السلام من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن عبادة ثنتي عشرة سنة كذا في الايضاح.

لما في الدر المختار:(۲/۴۵۳ مطبوعه امداديه ملتان)

وهل تحتسب المؤكدة من المستحب ويؤدي الكل بتسليمة واحدة؟ اختار الكمال: نعم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۲۶

﴿دوران نماز نوافل سے سنتوں کی طرف انتقال درست ہے﴾

﴿سوال﴾ ظہر کی دوسنتوں کے بعد دو رکعت نفل کی نیت باندھی تھی کہ دوران نماز یاد آیا کہ میرے ذمہ ظہر کی چار سنتیں باقی ہیں، کیا اب میں دوران نماز سنتوں کی طرف انتقال کرسکتا ہوں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں نوافل سے سنتوں کی طرف انتقال درست ہے دو رکعت اور ملا کر چار رکعتیں پوری کی جائیں تو ان سے ظہر کی چار رکعت سنت ادا ہو جائیں گی۔

لمافی الاشباہ:(ص۲۷،طبع قدیمی)

واما السنن الرواتب فاختلفوا فی اشتراط تعیینها،والصحیح المعتمد عدم الاشتراط وانها تصح بنیة النفل وبمطلق النیة.

ولمافی البحر:(۴۸/۲،طبع سعید)

قال فی التجنیس رجل صلیٰ رکعتین تطوعا وهو یظن ان الفجر لم یطلع فاذا الفجر طالع یجزئه عن رکعتی الفجر هوالصحیح لان السنة تطوع فتتأدی بنیة التطوع.

ولما فی الدرالمختار:(۴۲۲/۱،طبع سعید)

فیجوز بناء النفل علی النفل وعلی الفرض وان کره لا فرض علی فرض او نفل علی الظاهر. قال العلامة الرافعیؒ (قوله فیجوز بناء النفل علی النفل أیْ اتفاقا لما ان الکلّ صلاة بدلیل ان القعود لا یفترض الا فی آخرها.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۷۲۰

﴿استخارہ کی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ استخارہ کی حقیقت کیا ہے اور استخارہ کن کن امور کیلئے کر سکتے ہیں؟ اگر کسی وجہ سے استخارہ کی نماز پڑھنا مشکل ہو مثلاً عجلت کی وجہ سے یا عورت حیض ونفاس کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتی تو کیا صرف دعا پر اکتفاء کرنے سے استخارہ ہو جائے گا؟ کیا استخارہ کیلئے خواب دیکھنا ضروری ہے؟ براہ کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: ایک مسلم

﴿جواب﴾ استخارہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنی سمجھ اور فیصلہ پر اعتماد نہ کرے بلکہ معاملہ اپنے رب کے سپرد کرے اور اسی سے خیر وکامیابی کا طلب گار رہے، لھذا جب بھی کسی

مسلمان کو کوئی بھی جائز غیر واجب کام انجام دینا ہو جس کے اختیار کرنے میں خیر وشر دونوں پہلو ہوں تو ایسے امور کیلئے استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور اسکے بعد یہ مسنون دعا پڑھے، دعا درج ذیل ہے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَااَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَااَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ۔(رواه البخاری وهكذا فی الترمذی وابی داؤد ومشكوة)

اس دعا میں "ان هذا الامر" دوجگہ پر ذکر کیا گیا ہے، دونوں جگہ یہ لفظ پڑھنے کے بعد "اَعْنِیْ" بولکر اپنی حاجت کا مختصر لفظوں میں ذکر کرے یا کم از کم اپنی وہ حاجت خیال میں لے آئے ،مسنون دعا یاد نہ ہو یا دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو مسنون دعا کے مفہوم کے ساتھ اپنی زبان میں دعا مانگے ، بلکہ دعا کے بعد اپنی زبان میں بھی تفصیلی دعا مانگے مثلا یوں دعا کرے کہ یا اللہ تو علم وقدرت والا ہے، میں تیرا عاجز بندہ ہوں، میں تجھ سے اس کام میں خیر کی دعا مانگتا ہوں اور تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں، یا اللہ نتیجہ کے لحاظ سے اس کام میں میرے لئے اگر بہتری ہے تو تو آسان فرما اور برکت عطا فرما، اور اگر اس میں میرے لئے شر ونقصان ہو تو مجھے اس کام سے دور رکھ اور اس کا نعم البدل عطا فرما۔

لما فی الترغیب والترهیب:۱/۵۲۹،طبع حقانیة)

عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ:من سعادة ابن آدم استخارته الله عزو جل،ومن شقوة ابن آدم تركه استخارة الله.

ولما فی الفتوحات الربانیة:۳/ ۳۴۷، طبع بیروت)

(قوله اذا هم احدكم بالامر) ای اذا قصد الامر المهم المخیر بین فعله وتركه وتردد فی انه خیر فی ذاته او فی ایقاعه فی ذلك الوقت هم،وفی تاخیره عنه ،فینبغی ان یستخیر فیطلب الخیر لیظهر له ببركة الصلاة والدعاء ما هو الخیر.

ولما فی حاشیة الطحطاوی:۳۹۷،طبع قدیمی)

(وندب صلاة الاستخارة) ای طلب ما فیه الخیر،وهی تكون لامر فی المستقبل لیظهر

الله تعالى خير الامرين.

ولما في عمدة القارى: ۳۲۷/۷، طبع رشيدية)

استحباب صلاة الاستخارة والدعاء المأثور بعدها في الامور التى لا يدرى العبد وجه الصواب فيها.

ولما في معارف السنن: ۲۷۸/۴ طبع سعيد)

اذا تردد الانسان في امر مباح او واجب غير موقت فيتخير ولا استخارة في واجب موقت او حرام.

ولما في حاشية الطحطاوى: ۳۹۸، طبع قديمى)

اعلم ان محل ندب الاستخارة انما هو في الامور التى لايدرى العبد وجه الصواب فيها اما ما هو معروف خيره او شره كالعبادات وصنائع المعروف والمعاصى والمنكرات فلاحجة الا الاستخارة فيها.

ایسا کوئی بھی عذر ہو جس میں نماز پڑھنا منع ہو یا وقت کی تنگی، کمی وغیرہ کیوجہ سے نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے تو صرف دعا پر اکتفاء کرنے سے بھی سنت استخارہ سے کفایت ہو جائیگی۔

لما في رد المحتار: ۲۷/۲ طبع سعيد)

ولو تعذرت عليه الصلاة استخار بالدعاء.

ولما في حاشية الطحطاوى: ۳۹۷، طبع قديمى)

اذا تعذر عليه الصلاة استخار بالدعاء فقد روى الترمذى باسناد ضعيف عن ابى بكر الصديق رضى الله عنه ان النبى ﷺ كان اذا اراد الامر قال: اللهم خرلى واخترلى.

استخارہ ایک سنت عمل ہے، بندہ عمل کرنے کا مکلف ہے اور بس، یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ استخارہ کے بعد کوئی خواب نظر آئے گا جس میں خیر یا شر کی طرف اشارہ ہوگا احادیث سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے البتہ انشراح قلب یعنی اس کام کے بارے میں دل کا میلان واطمئنان جس طرف ہو اس کے مطابق بندہ فیصلہ کرے اور سات روز تک استخارہ کرنے کے باوجود دل کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو بندہ اس کام کیلئے آگے پیش رفت کرے اس میں کوئی شر اگر ہوگا تو رکاوٹ آجائے گی خواب دیکھنا کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی نتیجہ میں اس کا اعتبار ہے البتہ ممکن ہے کسی کو خواب کے ذریعہ اشارہ ہو، لیکن اصل اعتبار دل کے میلان اور رجحان کا ہے۔

لما في الفتوحات الربانية: ۳۵۶،۳۵۵/۳، طبع بيروت)

واذا استخار مضى بعدها لما ينشرح له صدره فان لم ينشرح صدره لشئى فالذى

يظهر ان يكرر الاستخارة بصلاتها ودعائها حتى ينشرح صدره لشئي وان زاد على السبع والتقييد بها في خبر انس الآتي جرى على الغالب اذ انشراح الصدر لايتأخر عن السبع.

ولما في ايضا:۲۸۱ رقم،۵۹۸ طبع مؤيد رياض)

عن انس رضي الله عنه قال :قال رسول اللهﷺ:يا انس اذا هممت بامر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر الى الذى يسبق الى قلبك فان الخير فيه.

ولما في معارف السنن:۴/۲۷۸ طبع سعيد)

ولايلزم بعد الاستخارة البشارة بالرؤيا حيث لم يثبت له الوعد في الاحاديث.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۸۳۸

﴿استخارہ کرانے کی حقیقت اور اسکا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے استخارہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو دعائے استخارہ کیسے پڑھے؟

﴿جواب﴾ استخارہ کرانے کا رواج موجودہ معاشرے میں اتنا عام ہوگیا ہے کہ لوگوں کے ذہنوں سے استخارہ کی حقیقت اور اس کا سنت طریقہ ہی نکل گیا ہے لوگوں نے اپنی طرف سے اسمیں عجیب وغریب قسم کی باتیں شامل کی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کام کیلئے استخارہ کیا یا کرایا جاتا ہے وہ چاہے واجب ہو یا حرام مستحب ہو یا مکروہ، چھوٹا ہو یا بڑا شرعی حدود کی رعایت کئے بغیر خود استخارہ کرنے کے بجائے سب سے پہلے وہ کسی استخارہ سینٹر میں جائیگا یا فون پر کاروباری استخارہ کرانے والوں سے ایک معینہ رقم کے عوض استخارہ کرائیگا پھر وہ جو کچھ بتائے گا اسکو غیبی فیصلہ شمار کرکے اسی پر عمل کرے گا اور اگر کوئی ہمت کرکے خود استخارہ کرنا چاہے تو وہ کسی غیبی خبر یا خواب میں نظر آنے کو ضروری سمجھتے ہیں ورنہ انکی نظر میں استخارہ ہی نہیں ہوا۔

علاوہ اسکے لوگوں نے اور بے شمار قسم کی خرافات اور توہمات شامل کی ہیں جن پر عمل کرنے سے بجائے ثواب ملنے اور مقصد تک رسائی کے الٹا گناہگار ہوجاتا ہے۔

بعض علماء کرام نے اس کی اجازت دی ہے لیکن انکا مقصد بھی مستقل سنت استخارہ نہیں ہے، استخارہ کی ایک حیثیت چونکہ دعاء کی بھی ہے اور دوسروں کیلئے دعاء کرنا ایک ثابت عمل ہے اس

درجہ میں انہوں نے استخارہ کی اجازت دی ہے ورنہ شارع علیہ السلام سے یا ائمہ مجتہدین کرام سے ایسی کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی۔

لہٰذا توہم پرست اور جعلی عامل لوگ استخارہ کا جو مفہوم پیش کررہے ہیں اس کے بجائے سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے خود استخارہ کرے اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرے کیونکہ حدیث میں صاحب اُمر ہی کو مخاطب کرکے صلاۃ استخارہ تعلیم فرمائی گئی ہے:

"اذاہم احدکم بالامر فلیرکع رکعتین"

لمافی الرسائل لابن عابدین:(۱/۱۶۵)

"وقال الامام حافظ الدین النسفی فی الکنز :النیابة تجری فی العبادات المالیة عند العجز والقدرة ولم تجرفی البدنیة بحال وفی المرکب منهاتجری عند العجز فقط والشرط العجز الدائم الی وقت الموت ،وقال الامام الزیلعی :لان المقصود فی المالیة سد خلة المحتاج وذلک یحصل بفعل النائب کمایحصل بفعله ویحصل به تحمل المشقة باخراج المال کمایحصل بفعل نفسه فیتحقق معنی الابتلاء فیستوی فیه الحالتان ،ولاتجری فی البدنیةبحال من الاحوال لان المقصود منهااتعاب النفس الامارةبالسوء طلبالمرضاته تعالیٰ..... وذلک لایحصل بفعل النائب.فلاتجری فیهاالنیابةلعدم الفائدة".

ولمافی "الفتاوی یسألونک"لحسام الدین:(۲/۱۷۵)

والأصل فی الاستخارة أن یفعلها کل انسان لنفسه فانها صلاة والأصل أن کل انسان یصلی لنفسه ولایصلی أحد عن أحدویدل علی ذلک ماورد فی حدیث جابر من قوله ﷺ "اذاهم أحدکم بالأمر فلیرکع رکعتین"ولکن یجوز للانسان أن یدعو لغیره والدعاء أمره واسع".

ولمافی حاشیة الجمل فی الفقه الشافعی لسلیمان بن عمر:(۴/۳۳۴)

"ظاهر الحدیث-أی الوارد فی تعلیم الاستخارة-أن الانسان لا یستخیر لغیره وجعله الشیخ محمد الحطاب المالکی محل نظر فقال:هل ورد أن الانسان یستخیر لغیره ؟ لم أقف فی ذلک علی شیئی ورأیت بعض المشائخ یفعله،قلت:قال بعض الفضلاء ربما یؤخذ من قوله ﷺ "من استطاع منکم أن ینفع أخاه فلینفعه"الجامع الصغیر"

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب:عبدالباری پشتنی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۰۳

﴿استخارہ وہ شخص خود کرے جس کو کام درپیش ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ آج کل لوگوں کو جو کام درپیش

ہو مثلاً: شادی وغیرہ تو کسی عالم یا بزرگ سے استخارہ کراتے ہیں اسکی کیا حیثیت ہے؟ برائے مہربانی اسکی وضاحت فرمائیں۔ مستفتیہ: ایک خاتون

﴿جواب﴾ استخارہ ایک مسنون عمل ہے بالکل آسان ہے کوئی مشکل نہیں ہے، البتہ موجودہ دور کے پیشہ ور عاملوں کے اخباری اشتہارات سے اور دیوارں پر چاکنگ سے عام ذہن یہ بنا کہ یہ عمل شاید صرف خاص لوگوں کا کام ہے انہی سے کروایا جاتا ہے، ان پیشہ ور عاملوں نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بھی بھر دیا ہے کہ استخارہ سے نتیجہ کا علم بھی ہو جاتا ہے کہ میرے لئے اس کام کا انجام اچھا ہوگا یا برا ہوگا یہ سب غلط دعوے ہیں۔

اصل مفہوم یہ ہے کہ جب بھی کسی مسلمان کو کوئی بھی جائز غیر واجب ایسا کام انجام دینا ہو جسکے انتخاب میں خیر وشر کے دونوں پہلو ہوں تو اسکے لئے استخارہ کرنا سنت ہے، دو رکعت نفل نماز اسی ارادہ سے پڑھنی چاہیے اور آخر میں استخارہ کی دعاء کو جو کہ نماز کی کتابوں میں عموماً درج ہوتی ہے پڑھنی چاہیے اور اگر دعاء نہ پڑھ سکے یا میسر نہ ہو تو اپنی زبان میں دعاء کریں۔

مثلاً: یہ دعاء کریں یا اللہ تو علم وقدرت والا ہے، میں تیرا عاجز بندہ ہوں، میں تجھ سے اس کام میں خیر کی دعاء مانگتا ہوں اور تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں یا اللہ نتیجہ کے لحاظ سے اس کام میں میرے لئے اگر بہتری ہے تو آسان فرما اور برکت عطا فرما اور اگر اس میں میرے لئے شر ونقصان ہو تو مجھے اس کام سے دور رکھیے اور اسکا نعم البدل عطا فرما، بہتر یہ ہے کہ سات روز تک یہ عمل جاری رکھے اور جلدی ہو تو ایک ہی دن میں یا وقت میں سات مرتبہ یہ عمل کرے، اس کے بعد چاہے تو عملی طور پر اسکی کوشش کرے اور ظاہری شواہد سے بھی صرف نظر نہ کرے پھر اس مقصد میں کامیاب ہو یا ناکام ہر دونوں صورتوں میں خیر ہی خیر ہوگی، دوران عمل خواب دیکھنا کوئی ضروری نہیں ہے جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے، البتہ ممکن ہے کوئی اشارہ ہو جائے لیکن استخارہ صرف مذکورہ عمل ہی کا نام ہے۔

لمافی صحیح البخاری: (۲/۲۷۰)

حدثنا مطرف بن عبدالله ابو مصعب قال حدثنا عبدالرحمن بن ابی الموال عن محمد بن المنکدر عن جابر قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یعلمنا الاستخارة فی الامور کلها کالسورة من القرآن اذا هم احدکم بالامر فلیرکع رکعتین ثم یقول اللهم انی

استخيرك بعلمك واستقدرك بقدرك واسئلك من فضلك العظيم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري او قال في عاجل امري وآجله فاقدره لي وان كنت تعلم ان هذا الامر شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري او قال في عاجل امري وآجله فاصرفه عني واصرفني عنه واقدرلي الخير حيث كان ثم ارضني به ويسمي حاجته.

واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی شکر درہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۸۸۱

۷ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

فصل في التراويح

تراویح کے مسائل

آٹھ رکعات تراویح کو مؤخر کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آخری عشرہ میں ہماری مسجد میں چند معتکفین جب تراویح پڑھتے ہیں تو (۸) تراویح چھوڑ دیتے ہیں۔ اور پھر بعد میں (۸) تراویح باآواز بلند پڑھتے ہیں۔ جن میں تقریباً ۳ سے ۴ سپارے سنتے ہیں ان کی تعداد جو تراویح چھوڑتے ہیں ۳ یا ۴ ہوتی ہے لیکن جب دوبارہ جماعت اسی جگہ۔ جہاں تراویح ہوتی ہیں کراتے ہیں تو ان کے ساتھ ۱۰ سے ۱۲ آدمی اور مل جاتے ہیں بعض اوقات تعداد ۱۸ سے ۲۰ ہو جاتی ہے۔ جو لوگ ملتے ہیں وہ پہلے پوری تراویح پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ کیا اس طرح علیحدہ جماعت کرانا درست ہے؟ اور جو لوگ مل جاتے ہیں کیا ان کا شمار نفل نماز کی جماعت کرانے کے مترادف ہوگا؟

جواب: مذکورہ صورت میں معتکفین حضرات (۸) رکعات تراویح کو مؤخر کر رہے ہیں یہ جائز ہے۔ بشرطیکہ تین سے زیادہ آدمی نہ ہوں اگر تین سے زیادہ لوگ ہوں تو یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ نوافل کی جماعت رمضان میں ہو یا غیر رمضان، تداعی کے ساتھ مکروہ ہے۔ نوافل کی جماعت میں ۳ افراد کی حد تک گنجائش ہے ۴ افراد ہو جائیں تو یہ مکروہ ہے۔ لہٰذا اگر معتکفین حضرات کو تراویح میں قرآن سننے کا شوق ہے تو وہ لوگ اس کی یہ صورت بنائیں کہ جب تمام نمازی مسجد سے چلے جائیں تو پھر وہ لوگ باقی ماندہ تراویح کو پورا کریں تاکہ نفل جماعت کی صورت نہ بننے پائے۔

لما فی بدائع الصنائع:(۲۹۰/۱،طبع سعید)

ولا بأس لغير الامام ان يصلي التراويح في مسجدين لانه اقتداء التطوع بمن يصلي السنة و انه جائز كما و صلى المكتوبة ثم ادرك الجماعة و دخل فيها والله اعلم.اذا صلوا التراويح ثم ارادو ان يصلوها ثانياً يصلون فرادى لا بجماعة لان الثانية تطوع مطلق و التطوع المطلق بجماعة مكروه.

ولما فی مراقی الفلاح:(ص۳۸۶ ،قديمی)

والجماعة في النفل في غير تراويح مكروه فلاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان و عن شمس الائمة ان هذا فيما كان على سبيل التدعى اما لو اقتدى واحد اواثنان بواحد لا يكره واذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه وان اقتدى اربعة بواحد كره اتفاقاً.

ولما فی المحيط البرهانی: (۲۶۳/۲، ادارة القران)

ولا يصلي تطوعاً بجماعة الا قيام رمضان لماروى عن رسول الله ﷺانه قال " صلاة المرء في بيته افضل من صلاته في المسجد الاالمكتوبة،ولان الجماعة لاظهار الشعائر فيختص بالمكتوبات.

ولما فی ردالمحتار :(۴۹،۴۸/۲،طبع سعيد)

ان الجماعة في التطوع ليست الا في قيام رمضان ،فان نفي السنية لا يستلزم الكراهة نعم ان كان مع المواظبة كان بدعة فيكره.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :محمد حامد یاسین ،بھکر

۵ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ　　　　فتوی نمبر :۳۶۵۲

﴿تراویح میں قعدۂ اخیرہ سہواً چھوڑ کر دو رکعت اور ملانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا اور سہواً تیسری اور چوتھی رکعتیں بھی پڑھ لیں اور پھر آخر میں سجدہ سہو کرلیا عرض یہ ہے کہ یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہے تو چاروں رکعتیں تراویح میں شمار ہونگی یا دو؟ اور اگر دو رکعتیں شمار ہونگی تو پہلی دو یا آخری دو؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں چاروں رکعات صحیح ہیں تاہم آخری دو رکعات تراویح شمار ہونگی پہلی دو رکعات تراویح شمار نہیں ہونگی۔

لما فی الهندية:(۱۱۸/۱ مطبع رشيديه)

في الفتاوى ولو صلى اربعا بتسليمة ولم يقعد في الثانية ففي الاستحسان لا تفسد وهو اظهر الروايتين عن ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى واذا لم تفسد قال محمد

بن الفضل تنوب الاربع عن تسليمة واحدة وهو الصحيح.

ولما فی البحر:(۶۷/۲ مطبع سعید)

فلو صلی الامام اربعا بتسليمة ولم يقعد فی الثانية فاظهر الروايتين عن ابی حنيفة وا بی يوسف عدم الفساد ثم اختلفوا هل تنوب عن تسليمة او تسليمتين قال ابو الليث تنوب عن تسليمتين وقال ابوجعفر وابن الفضل تنوب عن واحدة وهو الصحيح كذا فی الظهيرية والخانية وفی المجتبی وعليه الفتوى .

ولما فی الخانية:(۲۱۰/۱ مطبع قدیمی)

اذا صلی الامام اربع ركعات بتسليمة واحدة ولم يقعد فی الثانية فی القياس تفسد صلوته وهو قول محمد وزفر رحمهما الله ويلزمه قضاء هذه التسليمة وهو رواية عن أبی حنيفة وفی الاستحسان وهو اظهر الروايتين عن ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله تعالى لا تفسد واذا لم تفسد اختلفوا فی قول ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله تعالى انها تنوب عن تسليمة او تسليمتين قال الفقيه ابو الليث تنوب عن تسليمتين لان الاربع لما جاز وجب ان ينوب عن تسليمتين ...... وقال الفقيه أبو جعفر والشيخ الامام ابو بكر محمد بن الفضل رحمهما الله تعالى فی التراويح تنوب الاربع عن تسليمه واحدة وهو الصحيح لان القعدة على رأس الثانية فرض فی التطوع فاذا تركها كان ينبغی ان تفسد صلوته أصلا كما وجه القياس وانما جاز استحسانا فأخذنا بالقياس وقلنا بفساد الشفع الاول وأخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحريمة واذا بقيت التحريمة صح شروعه فی الشفع الثانی وقد أتمها فجاز عن تسليمة واحدة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۸۲۹

﴿چاندرات کے شک کی صورت میں وتر اور تراویح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک کی انتیسویں شب کو عید الفطر کے چاند کی رؤیت کا اعلان تاخیر سے ہوا جبکہ تراویح اور وتر باجماعت پہلے ادا کر لئے گئے تھے، دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ صورت میں تراویح اور وتر کا کیا حکم ہے؟ وتر کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟ مذکورہ صورت کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا۔ مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل لکی مروت

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں جبکہ چاند کی رؤیت یقینی طور پر ثابت نہ تھی اور بعد میں رؤیت کا اعلان ہوا تو جو تراویح ادا کی گئی ہے وہ نفل بن جائے گی اور وتر کی نماز جو باجماعت ادا کی گئی تھی وہ بلا کراہت جائز ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لما في الدرمع الرد:(۴۸/۲، ۴۹،باب الوتر،طبع ایچ ایم سعید)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان اى يكره ذالك على سبيل التداعى ،بان يقتدى اربعة بواحد، وفي الشامي:ويمكن ان يقال:الظاهران الجماعة فيه غير مستحبة ثم ان كان ذلك أحيانا كما فعل عمر كان مباحا غير مكروه وان كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة لانه خلاف المتوارث.

ولما في التبيين:(۴۴۲/۱،باب الوتر،طبع سعيد)

ويوتر بجماعة في رمضان فقط عليه اجماع المسلمين،يعني عملا والا فقد ذكر في الذخيرة ان الاقتداء في الوتر خارج رمضان جائز وفي بعض الحواشي قال ويجوز عند بعض المشائخ قال بعضهم:لو صلاها بجماعة في غير رمضان له ذالك.

ولما في الينابيع :التاتارخانية:(۴۸۷/۱،مسائل الوتر،قديمي كتب خانه)

ولو صلى الوتر مع الامام في غير رمضان لايحتسب ذالك .

ولما في فتح القدير:(۴۸۷/۱،فصل في قيام رمضان،طبع رشيديه)

وفي بعض الحواشي قال بعضهم :لو صلّاها بجماعة في غير رمضان له ذالك وعدم الجماعة فيها في غير رمضان ليس،لانه غير مشروع بل باعتبار انّه يستحب تاخيرها الى وقت يتعذر فيه الجماعة

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: طاہر زمان

۲۰محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۶۵

﴿تراویح کو وتر کے بعد پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے یہاں بعض لوگ نماز تراویح سے قبل وتر منفردا پڑھتے ہیں پھر امام کیساتھ تراویح میں پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور وتر میں امام کیساتھ شرکت نہیں کرتے ،کیا اس طرح کرنے سے وتر ہو جائیگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی وجہ سے تراویح وتر کے بعد پڑھ لی تو تراویح ہو جائیگی اسی طرح وتر بھی نماز تراویح سے پہلے پڑھ لی تو وتر ہو جائے گی،البتہ افضل اور بہتر یہی ہے کہ وتر کو اخیر میں جماعت کیساتھ پڑھیں۔

لما في حاشية الطحطاوى:(ص۲۱۲،طبع قديمى)

(ووقتها)ما(بعد صلاة العشاء)الى طلوع الفجر(و)لتبعيتها للعشاء(تقديم الوتر على التراويح وتاخيره عنها)وهو افضل حتى لو تبين فساد العشاء دون التراويح والوتر اعادوا العشاء ثم التراويح دون الوتر عند ابى حنيفة بوقوعها

نافلة مطلقة في غير محلها هو الصحيح.

ولما في الشامي:(۲/۴۴ طبع سعيد)

(ووقتها بعد صلاة العشاء) الى الفجر (قبل الوتر وبعده) في الاصح فلو فاته بعضها وقام الامام الى الوتر اوتر معه ثم صلى ما فاته (قوله في الاصح) اي من اقوال ثلاثة :الاول ان وقتها الليل كله قبل العشاء وبعده،قبل الوتر وبعده لانها قيام الليل قال في البحر لم ار من صححه اه وظاهره انه يدخل وقتها من غروب الشمس.الثاني:..... الثالث:ما مشى عليه المصنف تبعا للكنز وعزاه في الكافي الى الجمهور،وصححه في الهداية والخانية والمحيط بحر.

الجواب صحيح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۰۵۹

﴿تراویح کی چار رکعت ایک سلام کیساتھ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص تراویح کی دو رکعت پر بیٹھ کر سہواً اُٹھ گیا اور چار رکعت پوری کرلی تو تراویح کی دو رکعت ہوگئیں یا چار رکعت؟ اور اگر دو رکعت پر نہیں بیٹھا تو پھر کیا حکم ہے؟ اوران میں پڑھا گیا قرآن مجید کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ اگر تراویح پڑھتے ہوئے کوئی دو رکعت کے بعد بقدر تشہد بیٹھ کر کھڑا ہوا اور چار رکعات پڑھی تو چاروں رکعت ہوگئیں ،اور اگر دو رکعت کے بعد نہیں بیٹھا تو صرف آخری دو رکعت ہوگئیں ،اس صوررت میں سجدہ سہو بھی واجب ہے ،اور پہلی دو رکعتوں کا اعادہ بھی اوران میں پڑھا ہوا قرآن مجید بھی لوٹائے تاکہ ختم قرآن مکمل ہو۔

لما في فتاوى قاضي خان: (۱/۲۱۰،طبع:قديمي)

اذا صلى الا مام أربع ركعات بتسليمة واحدة ولم يقعد في الثانية في القياس تفسد صلاته وهو قول محمد وزفر رحمهما الله وفي الا ستحسان وهو أظهر الروايتين عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى لا تفسد ......وانما جاز استحسانا فأخذ نا بالقياس وقلنا بفساد الشفع الاول واخذنا بالا ستحسان في حق بقاء التحريمة ،واذابقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني وقد أتمها بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة ،

ولما في الفتاوى العا لمگيرية :(۱/۱۱۸ طبع:رشيدية)

واذافسد الشفع وقد قرأفيه لايعتد بما قرأفيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلاة الجائزة......عن أبي بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام الى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال ان تذكر في القيام ينبغي أن يعود ويقعد ويسلم وان

تذكر بعد ماسجد للثالثة فان أضاف اليها ركعة أخرى كانت هذه الاربع عن تسليمة واحدة ،وان قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه فعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين وهو صحيح.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب :عزیز اللہ آغا چمنی

۱۳ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　　فتوی نمبر: ۳۶۴۵

﴿تراویح میں چار رکعت بغیر قعدہ اولیٰ کے پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ تراویح کی چار رکعتیں قعدہ اولیٰ کے بغیر پڑھی گئیں کیا یہ چار رکعتیں شمار ہونگی یا دو؟　　　مستفتی: شیر علیم

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں چار رکعتیں دو رکعتوں کے قائم مقام ہوگئیں۔

لمافی الهندية:(۱۱۸/۱ طبع رشيديه)

وعن أبى بكر الاسكاف أنه سُئل عن رجل قام الى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال ان تذكر في القيام ينبغي ان يعود و يقعد ويسلم وان تذكر بعد ماسجد للثالثة فأن اضاف اليها ركعة اخرى كانت هذه الاربع عن تسليمة واحدة.

لمافي الحلبي:(ص۴۰۸،طبع سهيل اكيڈمی لاهور)

(وان صلى اربع ركعات بتسليمة واحدة و) الحال (انه لم يقعد على ركعتين) منها قدر التشهد (تجزى) الاربع (عن تسليمة واحدة) اى عن ركعتين عند ابى حنيفة وابى يوسف (وهو المختار) اختاره الفقيه ابو جعفر و ابو بكر محمد بن الفضل قال قاضى خان:وهو الصحيح لان القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع فاذا تركها كان ينبغي ان تفسد صلاته اصلاً كما هو قول محمد و زفر وهو القياس وانما جاز على قول ابى حنيفة وابى يوسف استحساناً.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم: محمد عزیز فیض آبادی

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتوی نمبر: ۳۶۴

﴿بیٹھ کر تراویح پڑھنا اور پہلی رکعت کے رکوع میں شامل ہونے سے پہلے بیٹھے رہنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ نماز تراویح میں ہر شفعہ کی پہلی رکعت میں بیٹھے بیٹھے ہی امام کیساتھ تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور جب امام رکوع کا ارادہ کرتا ہے تو فوراً اٹھ کر رکوع میں شامل ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ تو بغیر تکبیر تحریمہ کہے ہی بیٹھے رہتے ہیں اور قرآن پاک سنتے رہتے ہیں جب

امام رکوع کا ارادہ کرتا ہے تو اٹھ کر تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شامل ہو جاتے ہیں کیا ان لوگوں کا یہ فعل درست ہے؟ نیز بیٹھ کر نماز تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ جو لوگ بیٹھے ہوئے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور پھر کھڑے ہو کر رکوع میں شامل ہوتے ہیں اگر سستی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو انکا یہ فعل مکروہ ہے اور اگر بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے کرتے ہیں تو مکروہ نہیں۔

جو لوگ بغیر تکبیر تحریمہ کہے بیٹھ کر قرآن پاک سنتے رہتے ہیں اور پھر رکوع کے وقت تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز تراویح میں شامل ہوتے ہیں تو واضح رہے کہ نماز تراویح پڑھنا ایک الگ سنت ہے اور نماز تراویح میں پورا قرآن پاک سننا ایک الگ سنت ہے تو یہ لوگ باوجود مسجد میں ہونے کے تراویح میں پورا قرآن پاک سننے کی سنت سے محروم رہ جاتے ہیں، لہٰذا ان کا یہ فعل پہلے لوگوں (جو تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ بیٹھ کر کہتے ہیں اور رکوع کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں) کی بلسبت زیادہ مکروہ ہے، نیز قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز تراویح پڑھنا مکروہ ہے۔

لمافی الدرالمختار مع رد المحتار:(۴۸/۲ ایچ ایم سعید)

(وتکرہ قاعدا)لزیادۃ تاکدھا، حتی قیل لاتصح (مع القدرۃ علی القیام) کما یکرہ تاخیر القیام الیٰ رکوع الامام للتشبہ بالمنافقین۔

(قولہ وتکرہ قاعدا) أی تنزیہا، لمافی الحلیۃ وغیرھامن أنہم اتفقوا علی أنہ لایستحب ذلک بلاعذر ،لأنہ خلاف المتوارث عن السلف (قولہ حتی قیل الخ) أی قیاسا علی روایۃ الحسن عن الامام فی سنۃ الفجر ،لان کلامنہماسنۃ مؤکدۃ: والصحیح الفرق بأن سنۃ الفجر مؤکدۃ بلا خلاف بخلاف تراویح کمافی الخانیۃ ، وقدمناعبارتہافی بحث سنۃ الفجر۔ (قولہ کمایکرہ الخ)ظاھرہ أنہا تحریمۃ للعلۃ المذکورۃ وفی البحر عن الخانیۃ: یکرہ للمقتدی أن یقعد فی التراویح فاذاراد الامام أن یرکع یقوم لان فیہ اظہار التکاسل فی الصلوۃ والتشبہ بالمنافقین قال تعالیٰ "واذا قاموا الیٰ الصلوۃ قاموا کسالیٰ". قال فی الحلیہ وفیہ اشعاربأنہ اذالم یکن لکسل بل لکبرونحوہ لایکرہ وھوکذلک۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۸۵

﴿تراویح میں ختم قرآن کے بعد سورۂ بقرہ کی چند آیات پڑھنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ رمضان المبارک میں حفاظ کرام نماز تراویح میں جب قرآن پاک ختم کرتے

ہیں تو آخری رکعت میں سورۃ الناس کے بعد سورۃ البقرۃ کی چند آیات بھی تلاوت کرتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک ارشاد کا مفہوم ہے کہ "بہتر آدمی وہ ہے جو قرآن کو ختم کرنے کیساتھ ہی دوبارہ شروع کردے" لہٰذا حفاظ کرام کا تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر ایسا کرنا بالکل درست ہے اور اسکا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حافظ انیسویں رکعت میں معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) دونوں پڑھ لے اور بیسویں (آخری) رکعت میں سورۃ فاتحہ کیساتھ سورۃ بقرۃ کی چند آیات شروع سے پڑھ لے۔

لمافی شرح التنویر:(۲/۲۶۹،طبع امدادیہ)

ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وأن یقرأ منکوساً الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ.قال فی الشامیۃ:قولہ (الا اذا ختم الخ) قال فی شرح المنیۃ وفی الولوالجیۃ:من یختم القرآن فی الصلوۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولی یرکع ثم یقرأ فی الثانیۃ بالفاتحۃ وشئی من سورۃ البقرۃ ، لان النبی ﷺ قال: "خیرالناس الحالُّ المرتحل" أی الخاتم المفتتح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۳ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۲۴۹

﴿وتر پڑھنے کے بعد تراویح پڑھنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ شعبان کی انتیس تاریخ کو رات کو دیر تک معلوم نہیں ہوتا کہ کل رمضان ہے یا نہیں ہے، بعض لوگ وتر پڑھ لیتے ہیں کیا وتر کے بعد تراویح اداء کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے لیکر طلوع فجر تک رہتا ہے، لہٰذا وتر کی نماز کے بعد تراویح پڑھنا درست ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ وتر سے پہلے پڑھ لیں۔

لمافی التنویر وشرحہ:(۲/۴۹۲،مکتبہ امدادیہ)

ووقتھا بعد صلاۃ العشاء الیٰ الفجر قبل الوتر وبعدہ فی الأصح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۵۲۷

﴿نماز عشاء سے پہلے تراویح پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے عشاء کی نماز

پڑھنے سے پہلے تراویح کی نماز پڑھ لی تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ تراویح کا وقت عشاء کی فرض نماز کے بعد ہے لہٰذا کسی نے عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے تراویح اگر پڑھ لی تو اس کی تراویح نہیں ہوگی، عشاء کی نماز کے بعد تراویح دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔

لمافی الهندیه: (۱/ ۱۱۵طبع رشیدیه

بخلاف التراويح فان وقتها بعد اداء العشاء فلا يعتد بما ادى قبل العشاء..........واما اعادة التراويح وسائر سنن العشاء فمتفق عليها اذكان الوقت باقيا

ولمافی الدر المحتار: (۲/ ۴۴، طبع سعید

(ووقتها بعد صلاة العشاء) الى الفجر (قبل الوتر وبعده في الاصح

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا

۲۴ شعبان ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر

﴿عشاء کے فرض پڑھے بغیر تراویح پڑھانا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی امام صاحب رمضان المبارک میں عشاء کی فرض نماز پڑھے بغیر تراویح کی نماز پڑھائے تو شرعاً ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد علی

﴿جواب﴾ تراویح کا وقت عشاء کے فرض پڑھنے کے بعد ہے فرض سے پہلے تراویح پڑھنے سے تراویح ادا نہ ہوگی عام نفلی نماز شمار ہوگی، لہٰذا کوئی امام صاحب فرض پڑھے بغیر تراویح پڑھائے تو امام صاحب کی خود تراویح ادا نہ ہوگی دیگر نمازیوں کی تراویح ادا شمار ہوگی بشرطیکہ نمازیوں نے فرض کے بعد تراویح پڑھی ہوں۔

لمافی الدرمع الرد: (۲/ ۴۳، طبع سعید)

قال العلامة الحصكفيؒ التراويح سنة للرجال والنساء ووقتها بعد صلاة العشاء

وفي الشامية قوله بعد صلاة العشاء فذكر لفظ صلاة اشارة الى ان المراد بالعشاء الصلاة لا وقتها والى مافي النهر من ان المراد ما بعد الخروج منها حتى لو بنى التراويح عليها لا يصح.

ولمافی الشامی: (۱/ ۵۱۰، طبع سعید)

قال العلامة ابن عابدينؒ ثم اعلم أن ماذكره المصنف هنا مخالف لما قدمه في شروط الصلاة بقوله وكفى مطلق نية الصلاة لنفل وسنة وتراويح وذكر الشارح هناك أنه

المعتمد، ونقلنا هناك عن البحر أنه ظاهر الرواية وقول عامة المشايخ وصححه فی الهداية وغيرها، ورجحه الفتح، ونسبه الیٰ المحققين. قلت: فعلی هذا يصح الاقتداء فی التراويح وغيرها بمفترض وغيره، ومثلها سائر السنن الرواتب كما تفيده عبارة الخانية تأمل.

ولمافی الهندية: (۱/۱۲۸، طبع قديمی)

فان وقتها (أی التراويح) بعد اداء العشاء فلا يعتد بما ادی قبل العشاء و عندهما الوتر سنة العشاء كالتراويح فابتداء وقته بعد اداء العشاء فتجب الاعادة اذا ادی قبل العشاء.

ولمافی حلبی كبير: (ص ۳۲۹، طبع نعمانيه)

وقال القاضی الامام ابو علی النسفیؒ الصحيح ان وقتها (أی التراويح) بعد العشاء لاتجوز قبلها سواء كانت بعد الوتر او قبله وهو المختار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۸ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۹۴

﴿ کیا نماز تراویح صرف مردوں کیلئے پڑھنا ضروری ہے یا عورتوں کیلئے بھی؟ ﴾

﴿سوال﴾ کیا مردوں کی طرح عورتوں کیلئے بھی نماز تراویح پڑھنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ بیس رکعت نماز تراویح پڑھنا بالاجماع سنت مؤکدہ ہے اور جیسے مردوں کیلئے نماز تراویح پڑھنا ضروری ہے ایسے ہی عورتوں کیلئے بھی ضروری ہے لیکن عورتیں گھروں میں نماز تراویح ادا کریں۔

لمافی شرح التنویر: (۲/۴۳-۴۴، ایچ ایم سعید)

(التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) اجماعا. قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قوله اجماعا) راجع الیٰ قول المتن سنة للرجال والنساء، وأشار الیٰ أنه لااعتداد بقول الروافض انها سنة الرجال فقط علی مافی الدرر والكافی أو أنها ليست بسنة أصلا كما هو المشهور عنهم علی مافی حاشية نوح، لأنهم أهل بدعة يتبعون أهواء هم لايعولون علی كتاب ولاسنة، وينكرون الأحاديث الصحيحة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۳

﴿ کیا مرد اپنے گھر کی عورتوں کو نماز تراویح پڑھا سکتا ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا مرد اپنے گھر کی

عورتوں کو نماز تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں جب کہ نہ پڑھانے کی صورت میں یہ غالب گمان ہو کہ وہ تراویح ترک کریگی۔

مستفتی: عبدالسلام (چمن)

﴿جواب﴾ تراویح مرد عورت دونوں کیلئے سنت مؤکدہ ہے اور بلاوجہ سنت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے، اور اپنے گھر کی عورتوں کو مثلاً بیوی، والدہ، بہن وغیرہ کو تراویح پڑھانا بلا کراہت جائز ہے، اور واقعی یہ اندیشہ ہو کہ گھر پر اس کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں عورتیں تراویح نہیں پڑھیں گی تو بجائے مسجد کے گھر پر پڑھانے میں زیادہ ثواب ہے۔

لما في الدر المختار:(۱/۵۶۶،طبع:ایم ایچ سعید)

كما تكره أمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كأخته، أو زوجته ،أوأمته ،أما اذاكان معهن واحد ممن ذكر أوامهن في المسجد لايكره

ولما في الهنديه:(۱/۸۶،طبع:قديمي

امامة الرجل للمرأة جائزة اذانوى الامام امامتها ولم يكن في الخلوة

ولما في الفقه الاسلامي وادلته:(۲/۱۰۷۵ طبع:رشيديه)

ولأن عمر جمع الناس على قيام شهر رمضان ،الرجال على أبي بن كعب ،والنساء على سليمان ابن أبي حثمة

ولما في مجموعة رسائل اللكنوي:(۵/۲۳۷)

تكره امامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كأخته ،أو زوجته ،أو امته ،أماإذاكان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لايكره.

ولما في النهر الفائق:(۱/۲۴۴،طبع:قديمي)

يكره للرجل أن يوم النساء في بيت ليس معهن رجل ولا محرم منه كزوجته، وأمته وأخته ،فان كانت واحدة منهن أوكان في المسجد لم يكره.

ولما في البحر الرائق :(۱/۳۵۲،طبع:ايم ايچ سعيد)

وكذلك يكره أن يؤم النساء في بيت وليس معهن رجل ولا محرم منه مثل زوجته، أمته ، وأخته ، فان كانت واحدة منهن فلا يكره ،الخ

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا چمنی

۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ   فتویٰ نمبر:

﴿تراویح کی کچھ رکعات جماعت سے رہ جائیں تو وتر کے بعد بھی ادا کر سکتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ تراویح کی کچھ رکعات اگر جماعت سے رہ جائیں تو تراویح ختم ہونے پر پہلے

تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعات ادا کی جائیں یاوتر باجماعت میں شریک ہوجائے۔

﴿جواب﴾ تراویح سے فارغ ہوکر امام صاحب اگر اتنا وقفہ نہیں دیتے جسمیں باقی ماندہ تراویح پڑھنے کا موقع ملے تو ایسی صورت میں وتر کی جماعت میں شریک ہونا چاہیے اور باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرنی چاہیے۔

لمافی التاتارخانیة:(۱/۲۸۷،طبع قدیمی)

ولوصلی بها بعدالوتر یجوز، قال الشیخ الامام ابو علی النسفی "هذا القول اصح.

ولمافی الهندیة:(۱/۱۲۹،طبع قدیمی)

واذافاتته ترویحة اوترویحتان فلو اشتغل بهایفوت الوتر بالجماعة یشتغل بالوتر ثم یصلی مافاته من التراویح وبه کان یفتی الشیخ الامام الاستاذ ظهیرالدین."

ولمافی تنویرالابصاروشرحه:(۲/۴۴،ایچ ایم سعید)

(ووقتهابعدصلاة العشاء) الیٰ الفجر(قبل الوتروبعد) فی الاصح فلوفاته بعضهاوقام الامام الیٰ الوتراوتر معه ثم صلی مافاته.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:فرمان اللہ غفرلہ

۲۷جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۲۴

﴿جس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہواس کے لیے تراویح پڑھانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں جس آدمی نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے یانہیں؟ مستفتی:محمد اخلاق

﴿جواب﴾ جس شخص نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہواس کے لیے تراویح پڑھانا جائز نہیں ہے ایسا شخص تراویح پڑھادے تو اسکی اپنی نماز تراویح شمار نہ ہوگی کیونکہ تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے یہ نفل شمار ہوگی وقت کے اندر تراویح کا اعادہ کرنا ہوگا۔

لما فی الدرمع الرد:(۲/۴۴،طبع سعید)

(ووقتهابعد صلاة العشاء)الیٰ الفجر(قبل الوتروبعده)فی الأصح وفی الشامیة:(قوله بعدصلاة العشاء)ذکر لفظ صلاة اشارة الیٰ ان المرادبالعشاء الصلاة لاوقتها.

ولمافی الهندیة:(۱/۱۱۵،طبع رشیدیه)

والصحیح أن وقتهامابعدالعشاء الیٰ طلوع الفجرقبل الوتروبعده حتی لوتبین أن العشاصلاها بلاطهارة دون التراویح والوتراعاد التراویح والعشاء دون الوتر لانهاتبع للعشاء.

ولما فی قاضیخان:(۱/۲۳۵،طبع قدیمی)

وقال الامام أبو علی النسفیؒ الصحیح انہ لو صلی التراویح قبل العشاء لایجوز ولایکون تراویح وان صلوا بعد العشاء و بعد الوتر جاز و یکون.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
۳۰صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

واللہ اعلم بالصواب:محمد سجاد
فتویٰ نمبر:۱۹۵۳

﴿تراویح میں امام کے ساتھ تحریمہ میں شریک نہ ہونا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ نماز تراویح میں امام صاحب کے ساتھ شامل نہیں ہوتے بلکہ بیٹھے رہتے ہیں جب امام صاحب رکوع کیلئے جاتے ہیں تو ساتھ مل جاتے ہیں اسکا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ بلا وجہ اس طرح تاخیر کرنے میں لا پرواہی اور سستی کا مظاہرہ ہے جسکو فقہاء کرام نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے،اسکے علاوہ ایسے لوگوں کا ختم قرآن بھی مکمل شمار نہ ہوگا۔

لما فی الجوھرۃ النیرۃ:(۱/۱۲۷،طبع میر محمد کراچی)

ویکرہ للرجل تاخیر التحریمۃ بعد تحریمۃ الامام فیکون قاعدا حتی اذا اراد الامام الرکوع نهض للرکوع مبادرا خوفا من ان تفوتہ الرکعۃ لما فیہ من التوانی فی عبادۃ اللہ قال اللہ تعالیٰ واذا قاموا الی الصلاۃ قاموا کسالیٰ.

لما فی التاتار خانیۃ:(۱/۴۸۷،طبع قدیمی کراچی)

ویکرہ للمقتدی ان یقعد فی التراویح فاذا اراد الامام ان یرکع یقوم لان فیہ اظہار التکاسل فی الصلاۃ والتشبہ بالمنافقین ومثلہ فی الشامیۃ:(۲/۴۹۹،طبع امدادیہ ملتان)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
۱۴ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

واللہ اعلم بالصواب:بلال احمد
فتویٰ نمبر:۷۷۳

﴿دو رکعات تراویح میں قعدہ کر کے چار ادا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نماز تراویح میں دو رکعت کے بعد قعدہ کر کے تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا اور چار رکعات پوری کر لی،پوچھنا یہ ہے کہ آخری دو رکعات کو بھی تراویح شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ نیز ایسی صورت میں سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟اور آخری دو رکعات میں کی گئی تلاوت کا کیا حکم ہے؟ مستفتی:محمد

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جب دو رکعات ادا کرنے کے بعد قعدہ کر کے مزید دو

رکعات ادا کیں تو چاروں رکعات تراویح شمار ہونگی، لہٰذا آخری دو رکعات میں کی گئی تلاوت کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے اور ایسی صورت میں سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوتا۔

لما فی قاضیخان:(۲۱۱/۱،طبع قدیمی)

وان قعد على الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه، قال بعضهم: لايجوز الا عن تسليمة واحدة وعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين و هو الصحيح، لانه جمع المتفرق ولم يخل بشيء، فيجوز كما لو أوجب على نفسه اربع ركعات بتسليمتين فصلى اربع بتسليمة واحدة وقعد في الثانية فانه يجوز فكذا هٰهنا.

ولما فی الهندية:(۱۱۸/۱،طبع رشیدیه)

وان قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه فعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح.

ولما فی شرح المنية:(ص۴۰۸،طبع سهیل اکیڈمی)

ولو قعد على رأس الركعتين جازت عن تسليمتين بالاتفاق.

ولما فی الجوهرة:(۱۲۶/۱۹۸،طبع میر محمد)

فان قعد فيها قدر التشهد قال بعضهم: لايجوز الا عن تسليمة واحدة وعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين.

ولما فی المبسوط:(۱۴۸/۲،طبع بیروت لبنان)

فان قعد فيه خلاف والاصح أنه يجوز عن تسليمتين لان كل شفع صلوة على حدة ولهذا لو فسد الشفع الثاني فسد هو لاغير ولأنه لم يحل بينهما السلام الذى بمعنى الكلام فكان أحق بالجواز.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۱۳ المحرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳

﴿تراویح کی فوت شدہ رکعتیں کب پڑھیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کی تراویح کی دو یا چار رکعتیں جماعت سے رہ جائیں تو کیا ان رکعتوں کو وتر کی جماعت کے بعد پڑھے گا یا فوت شدہ رکعتیں پڑھ کر بعد میں وتر انفرادا پڑھے؟　　مستفتی: عبدالشکور

﴿جواب﴾ ایسے شخص کو چاہیے کہ وتر کی نماز با جماعت ادا کرے اور اس کے بعد تراویح کی فوت شدہ رکعتیں پڑھے۔

لما فی تنویر الابصار وشرحه:(۴۹۲/۲،طبع سعید)

فلو فاته بعضها وقام الامام الى الوتر اوتر معه ثم صلى ما فاته.

ولما فی حلبی کبیر:(ص۴۱۰،طبع نعمانیه)

فاتته ترویحة او ترویحتان وقام الامام الیٰ الوتر ذکر فی واقعات الناطفی عن ابی عبد الله الزعفرانی انه یوتر مع الامام ثم یقضی مافاته وهکذا فی الهندية:(۱۱۷/۱)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالرزاق غفرلہ

۱۴محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۰۹۷

﴿تراویح میں منزل کا کچھ حصہ رہ جائے تو بعد میں مکمل کرنے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص سے تراویح پڑھاتے ہوئے ایک یا چند آیتیں چھوٹ جائیں تو اسکی نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز جو آیتیں رہ گئیں ہیں انکے اعادے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ — مستفتی:عبدالحکیم کشمیری

﴿جواب﴾ تراویح میں حافظ قرآن سے کوئی آیت یا چند آیتیں چھوٹ جائیں تو نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا،البتہ منزل میں ترتیب کی رعایت رکھنا مستحب ہے۔

لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ دوگانہ سے فارغ ہوکر منزل کو دیکھ لیں اور دوسرے دوگانہ میں چھوٹی ہوئی آیات کو پڑھنے کے بعد جو منزل آگے پڑھی تھی دوبارہ پڑھ لے اور کسی وجہ سے ایسا نہ کرسکے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے،البتہ ختم مکمل ہونا چاہیے۔

لما فی الهندية:(۱۱۸/۱،طبع رشیدیه)

واذا غلط فی القرأة فی التراویح فترك سورة او اٰیة وقرأ مابعدها فالمستحب له ان یقرء المتروكة ثم المقروٴة لیكون علیٰ الترتیب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق عفااللہ عنہ

۴محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۰۹۸

﴿تراویح میں قراءت کے دوران سستی کی وجہ سے بیٹھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تراویح میں امام صاحب کی قراءت کے دوران زید بیٹھا رہتا ہے اور جب امام صاحب رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہتے ہیں تو موصوف کھڑے ہوکر نیت کرکے نماز میں شامل ہوجاتا ہے،سوال یہ ہے کہ زید کا اس طرح کرنا کیسا ہے؟ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اسکو کوئی عذر اور مرض وغیرہ لاحق نہیں ہے۔

﴿جواب﴾ زید کا یہ عمل شرعاً مکروہ ہے اور یہ سستی اور کاہلی کا نتیجہ ہے،قرآن کریم میں اس کو

منافقین کے اوصاف میں بیان کیا گیا ہے اور ایک مسلمان کی شان کے لائق نہیں کہ وہ منافقین کے اوصاف میں سے کوئی وصف اختیار کرے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لمافی قوله تعالیٰ: و اذا قاموا الیٰ الصلاة قاموا کسالیٰ......الایة.

قال العلامة آلوسیؒ تحت شرح هذه الایة ،واذا قاموا(الخ)(روح المعانی:۱۷۵/۵):ای متثاقلین،متباطئین ولارغبة کالمکره علی الفعل.

ولمافی الدر المختار:(۴۸/۲،طبع سعید)

یکره تاخیر القیام الیٰ رکوع الامام للتشبه بالمنافقین.

وفی الشامیة تحته: ظاهره انها تحریمیة للعلة المذکورة، وفی البحر عن الخانیة یکره للمقتدی ان یقعد فی التراویح فاذا اراد الامام ان یرکع یقوم لان فیه اظهار التکاسل فی الصلاة والتشبه بالمنافقین ،قال الله تعالیٰ واذا قاموا الیٰ الصلاة قاموا کسالیٰ.

ولمافی حلبی کبیر:(ص۴۱۰،طبع سهیل اکیڈمی)

ویکره للمقتدی ان یقعد فی التراویح فاذا اراد الامام ان یرکع یقوم لان فیه اظهار التکاسل و التشبه بالمنافقین قال الله تعالیٰ واذا قاموا الیٰ الصلاة قاموا کسالیٰ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالرزاق غفرلہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۱۰

﴿تراویح میں سجدۂ تلاوت کے لئے اعلان کرنا منع نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ تراویح میں اکثر یہ اعلان کیا جاتا ہے، کہ فلاں رکعت میں سجدۂ تلاوت ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: ایک مسلم

﴿جواب﴾ سجدۂ تلاوت کے لئے پہلے سے اعلان کرنا نہ کوئی ضروری ہے، نہ اسکی ممانعت ہے، تکبیر کہہ کر امام سجدہ میں جائیگا، تو مقتدی بھی متابعت کرتے ہوئے سجدہ میں جائیں گے۔ البتہ مجمع بہت بڑا ہو، اور پچھلی صفوں میں نمازی لوگوں کو امام صاحب اور اگلی صفوں کا حال معلوم ہونے میں تاخیر ہوسکتی ہو، جس کی وجہ سے نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہو، تو ایسے مجمع میں پہلے سے اس کا اعلان کرنا بہتر ہے۔

لما فی الشامی:(۱۰۵/۱،طبع: سعید

(قوله فالتعریف بناء علیه) ای علی أن الاصل الاباحة ،اقول: هذا الجواب نافع فیما

سکت عنه الشارع وبقی علی الاباحة الاصلیة.

ولما فی الشامی:(۳۷۱/۱، طبع: سعید)

قال فی النھر عن المعراج: واما ما یفعل عقب الصلاة من السجدة فمکروہ اجماعاً، لان العوام یعتقدون انھا واجبة او سنة ای وکل جائز اذی الی اعتقادہ ذالک کرہ." وفی الشامی ایضاً ۱۲۰/۲ "وما یفعل عقیب الصلاة فمکروہ لان الجھال یعتقدونھا سنة أو واجبة وکل مباح یؤدی الیه فمکروہ.

ولما فی الاشباہ والنظائر:(ص،۷۷، طبع: قدیمی کتب خانه)

القاعدة الرابعة:"المشقة تجلب التیسیر"

والاصل فیھا قوله تعالیٰ "یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" وقوله تعالیٰ "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" وفی حدیث "أحب الدین الی الله تعالیٰ الحنفیة السمحة" والسمحة السھلة ای أنھا مبنیة علی السھولة.

وفیھا أیضاً:(ص،۸۵)"الفائدة الرابعه"

ذکر بعضھم ان الأمر اذا ضاق اتسع واذا اتسع ضاق.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۴ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۲۷

﴿مسجد خالی ہونے کا اندیشہ ہو تو تراویح الم ترکیف سے پڑھے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد ہے اس میں اگر قرآن کریم کا ختم ہو تو تراویح میں نمازی بہت کم ہو جاتے ہیں اور جو نمازی تراویح میں موجود ہوتے ہیں انکی بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ حافظ قرآن کریم اتنا تیز پڑھے کہ سوا پارہ پینتالیس (۴۵) منٹ میں ہو جائے صلوٰۃ وتر سمیت لیکن ان میں صرف ایک آدمی ہے جن کی خواہش یہ ہے کہ ہماری مسجد میں قرآن کریم کا ختم ہو، پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ختم قرآن کریم جاری رکھا جائے اس ایک آدمی کی خواہش پر یا دوسروں کی وجہ سے نماز تراویح الم ترکیف الخ پر پڑھائی جائے؟ تاکہ تقلیلِ جماعت نہ ہو اور نہ قرآن کریم کو اتنا تیز پڑھا جائے کہ الفاظ سمجھ میں نہ آئیں بینوا توجروا۔

مستفتی: محمد احمد عفا اللہ عنہ ڈی آئی خان

﴿جواب﴾ تراویح میں ختم قرآن کریم نہ صرف سنت ہے بلکہ اس کے اور بھی بہت سارے فائدے ہیں آنے والی نسلوں پر بھی اس عمل کے بہترین اثرات مرتب ہوتے ہیں معمولی

سے بہانوں کی وجہ سے اسکو ترک نہیں کرنا چاہیے، سوال میں ذکر کردہ صورتِ حال سمجھ میں نہیں آرہی، اس دور میں بلاشبہ دین سے لاپرواہی برتنے کا غلبہ ہے لیکن ساتھ ساتھ دینداروں کی محنت اور تحریکِ ایمانی کی برکت ہے کہ اگر کسی مسجد میں ختمِ قرآن سے گھبرانے والے ہوں تو انکے مقابلے میں چاہنے والے زیادہ ہونگے کم نہیں ہونگے پھر تھوڑی سی ترغیب سے اور اسکے فضائل بیان کرنے سے لاپرواہی برتنے والوں کو بھی آمادہ کیا جاسکتا ہے۔

واقعی کسی مسجد میں صورتحال ایسی ہو جس طرح سوال میں بیان ہوا ہے تو پہلے ترغیب سے قوم کو تیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، امید ہے کامیابی ہوگی لیکن اگر اس کے باوجود بھی اکثر لوگ تیار نہ ہوں اور مسجد خالی ہونے کا واقعی اندیشہ ہو تو کوئی غیر حافظ الم ترکیف الخ سے تراویح پڑھادے، حافظِ قرآن کو چاہیے کہ وہ اپنا وظیفہ لوگوں کی سستی کی وجہ سے نہ چھوڑے کسی دوسری جگہ خواہ مسجد نہ ہو تراویح پڑھنے پڑھانے کی ترتیب بنائے اور ترغیب چلائے ان شاء اللہ سننے والے مل جائیں گے۔

لما فی التنویر وشرحه:(۴۷/۲،طبع سعید)

"ولا يترك الختم لكسل القوم لكن في الاختيار: الافضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم ...... ومن لم يكن عالما بأهل زمانه فهو جاهل.

وفي الشامية: "قوله الافضل في زماننا الخ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة، حلية عن المحيط وفيه اشعار بأن هذا مبني على اختلاف الزمان فقد تتغير الاحكام لاختلاف الزمان في كثير من المسائل على حسب المصالح فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة لكن لا يلزم منه عدم تركه اذا لزم منه تنفير القوم و تعطيل كثير من المساجد خصوصاً في زماننا فالظاهر اختيار الا خف على القوم ..... الخ.

ولما في البحر الرائق:(۶۸/۲طبع سعيد)

"وذكر في المحيط والا ختيار أن الافضل أن يقرأ فيها مقدار ما لا يؤدي الى تنفير القوم في زماننا لان تكثير الجمع افضل من تطويل القراءة..... هذا في المكتوبة فما ظنك في غيرها.

ولما في الهندية:(۱۱۸/۱،طبع رشيديه)

"والأفضل في زماننا أن يقرأ بما لا يؤدي الى تنفير القوم عن الجماعة لكسلهم..... وهذا احسن كذا في الزاهدي.

ولما في بدائع الصنائع:(۲۸۹/۱،طبع سعيد)

"وأما في زماننا فالأفضل أن يقرأ الامام على حسب حال القوم من الرغبة والكسل فيقرأ

قدر ما لا يوجب تنفير القوم عن الجماعة لان تكثير الجماعة افضل من تطويل القرأة".

ولما في مراقي الفلاح:(ص:١٥٩،طبع قديمي)

"(وان مل به) أى بختم القرآن في الشهر (القوم قرأ بقدرما لا يؤدى الىٰ تنفير هم فى المختار) لان الافضل فى زماننا ما لا يؤدى الىٰ تنفير الجماعة كذا فى الاختيار.....ويكره الاقتصار على مادون ثلاث آيات أوآية طويلة بعد الفاتحة لترك الواجب.

وفى حاشية الطحطاوى: "لان تكثير القوم افضل من تطويل القرأة أى اكثر ثوابا لانه يزاد بكل فرد صلاة و يتعلم جاهلهم من عالمهم و تعود بركة الكامل منهم على الناقص.....لترك الواجب أفاد به أنه مكروه تحريماً.

واللہ اعلم بالصواب محمد شاکر اللہ
فتویٰ نمبر:۱۱۶۵

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۳صفر الخیر ۱۴۲۹ھ

﴿فصل فى قضاء الفوائت﴾

﴿فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے مسائل﴾

﴿فوت شدہ نمازوں کیلئے اذان کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا قضاء نماز کیلئے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر کوئی شخص تنہا قضاء نماز پڑھنا چاہے، تو اس آدمی کیلئے اذان اور اقامت کہنا شریعت سے ثابت نہیں ہے، اگر قضاء نماز جماعت کے ساتھ ادا کررہے ہیں تو پہلی نماز کیلئے آذان اور اقامت کہی جائے، اور باقی نمازوں کیلئے آذان کہنے میں اختیار ہے، البتہ اقامت ہر نماز کیلئے کہی جائے.

لما فى الدر المختار: (١/٣٩٠تا٣٩١،طبع سعيد)

ويسن أن (يؤذن ويقيم للفائتة) رافعا صوته لو بجماعة أو صحراء لا ببيته منفردا (وكذا) يسنان (لأولى الفوائت لا لفاسدتو يخير فيه للباقى) لو فى مجلس وفعله أولى ويقيم للكل.

ولما فى الهداية :(١/٨٩،طبع رحمانيه)

فان فاتته صلوات اذن للاولىٰ واقام لما روينا وكان مخيرا فى الباقى ان شاء اذن واقام ليكون القضاء على حسب الاداء وان شاء اقتصر على الاقامة

ولما فى حاشية الطحطاوى:(ص:٢٠١،طبع قديمى)

(ويؤذن للفائتة ويقيم)كما فعله النبى ﷺ فى الفجر الذى قضاه غداة ليلة

التعريس (وكذا) يؤذن ويقيم (لأولى الفوائت)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۴ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۲۳۹

﴿قضائے عمری کی حقیقت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پچھلے سال رمضان المبارک میں ہمارے علاقے میں یہ بات پھیل گئی اور مساجد میں اشتہارات کے ذریعہ اس کی تشہیر کی گئی جو شخص رمضان المبارک کے آخری جمعہ سے قبل چار رکعات نفل نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے بعد آیۃ الکرسی (۷) بار اور سورۃ الکوثر پندرہ (۱۵) بار پڑھے، تو اس شخص کی پچھلی جتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں یہ ان سب کے لئے کفارہ بن جائیگی۔ کیا اس بات کی کوئی حقیقت ہے؟ مستفتی: محمد معاذ سواتی

﴿جواب﴾ سوال میں جس نماز کا ذکر ہے اہل بدعت اس کو قضاء عمری کا نام دیتے ہیں، قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی نصوص میں اور اقوال وعبارات فقہاء میں کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا، بلکہ یہ تو نصوص اور فقہاء کرام کے اقوال وعبارات کے بالکل خلاف ہے، دراصل شیطان اپنے چیلوں کے ذریعہ نمازوں کو قضاء کرنے پر جری بنانے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ علم دین سے ناآشنا لوگوں کی سوچ بن جائے کہ نماز چھوڑنا کوئی بڑی بات نہیں ہے، رمضان المبارک میں چار رکعات نماز ادا کرلیں گے وہ سب کے لئے کفارہ بن جائیگی، اس طرح اس سے ان نصوص کا بھی ابطال لازم آتا ہے جن میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

ولما فی مجموعة رسائل اللكنوی (۹/۲) ادارة القرآن

واما ظنهم بان صلوة واحدة وصلوات خمسة تجزی عن جميع فوائت عمره فهو شناعة ثالثة لوجوه:

احدها: بان هذا امر لم يعهد نظيره فی الشرع فلم يرد فيه عبادة تكون قائمة مقام عبادات كثيرة ومجزئة عنها:

وثانيها: ان القضاء دين من ديون الله، وقد تقرر فی مقره ان الدين لا يسقط عن ذمة المديون الا بالاداء او الابراء، ومن المعلوم ان اداء صلوة واحدة او صلوات خمسة ليس باداء الصلوات كثيرة ولم يوجد الابراء فكيف يصح الاجزاء

وثالثها: ان القضاء عبارة عن تسليم مثل الواجب، كما نصت عليه ائمة الاصول و

المثلية بين صلاة وحدة او صلوات خمسة لصلوات كثيرة غير معقول الاترى انه لو ادى من عليه اربع ركعات ثلاث ركعات ،او خمس ركعات لا يكون ذلك مجزنافكيف يكون في ركعات عديدة اجزاء عن آلاف ركعة

و رابعها :ان قضاء الفرض فرض بالنص ،ومن المعلوم ان الفروض متضاحمة فلا بد من تعين ما يريد انه ، حتى تبرء ذمته فان فرضا من الفروض لايتادى بنيته فرض آخر ،كما نص عليه في التبين فكيف يمكن ان تتادى صلوات كثيرة غير معينة بصلاة واحدة

وخامسها :انه ذكر في الظهيرية و البحر الرئق وغير هما :انه لو كانت الفوائت كثيرة فا شتغل بالقضاء يحتاج الى تعين الظهر والعصر ،وينوى ايضا ظهر يوم عليه انتهى فكيف يمكن ان تبرا ء الذمة بالواحة او الخمسة عن الكثير الغير المتعينة

وسادسها:"انه ورد في الحديث الصحيح:انما الاعمال بالنيات و انما لكل امرء ما نوى "اخرجه البخارى في بداء صحيحه...... و هذا الحديث يدل على ان ثواب الاعمال او صحة الاعمال موقوف على النية ، وان المرء لا يحصل له الاثواب ما نوى او صحة ما نوى لا غيره ،فكيف يمكن ان تتادى فوائت كثيرة لصلاة أديت بنية النفل ،فانما لكل امرء ما نوى وقد ذكر في "فتح القدير"في باب الوتر "عن التجنيس "و غيره :ان الفرض لايتادى بنية النفل ،ويجوز عكسه انتهى ......وبا لجملة فهذه الصلاة التى اخترعوها مشتملة على مفاسد كثيرة ،وادائها مع ما زعموا انه قضاء لما فات خلاف المعقول والمنقول ،و مضاد للفروع ولا أصول و الذى يدل على ان الصلاة المذكورة لا اصل لها خلوا لكتب المعتمده عن ذكر ها كا لبزازيه و الخلاصة و فتاوى قاضى خان والمحيط والذخيرة و خزانة المفتين والواقعات والنوازل والهداية وشروحها الكفاية و البناية......و كمال الدراية للشمنى و الكنزوشرحه ......و الدعالمختار و حواشيه ......من المتون و الشروح و الفتاوى المشهورة ،و كذلك كتب الشافعية و المالكية و الحنبلية خالية عن ذلك و من المعلوم أنه لوكان لها أصل لبادروا الى ذكرها و ذكرهافضلها .

والله اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی　　　　الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۶۰　　　　۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

﴿قضاء عمری﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص سے کئی سالوں کی نمازیں فوت ہوگئی ہوں تو ان نمازوں کی قضاء کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ مستفتی: عادل بشیر

﴿جواب﴾ بلوغت کے بعد جتنی بھی نمازیں رہ گئی ہوں سب کی قضاء ضروری ہے اگر چہ کئی سالوں کی نمازیں قضاء ہوگئی ہوں نماز معاف نہیں ہوتی اور پڑھنے کا طریقہ کوئی الگ نہیں ہے،

البتہ حساب رکھنا چاہئے کہ کتنی باقی رہ گئی ہیں اور نماز کی تاریخ معلوم نہ ہو تو نیت کرتے وقت کم از کم اتنی تعیین کرنی چاہئے کہ سب سے پہلی فجر کی نماز مثلاً جو رہ گئی ہے اسکی قضاء کر رہا ہوں یعنی دل میں اس طرح خیال رکھ کر اگلی نماز پہلی فوت شدہ شمار ہوتی ہے

لمافی حاشیة الطحطاوی: (ص:۲۴۷،طبع:قدیمی)

ومن لا یدری کمیة الفوائت یعمل بأکبر رایه فان لم یکن له رای یقض حتی یتقین أنه لم یبق علیه شئی.

ولما فی فی الفقه اسلامی وأدلته :(۱۱۶۱/۲،طبع:رشیدیه)

قال الحنفیة :من علیه فوائت کثیرة لا یدری عددها یجب علیه أن یقضی حتی یغلب علی ظنه براءة زمته وعلیه ان یعین الزمن فیتوی اول ظهر علیه ادرك وقته ولم یصله وذالک تسهیلاً علیه

ولما فی الفتاوی العالمگیریه:(۱۲۵/۱،طبع:رشیدیه)

اذامات الرجل وعلیه صلوات فائتة فاوصی بأ ن تعطی کفارة صلواته یعطی لکل صلوٰة نصف صاع من برولوتر نصف صاع والصوم یوم نصف صاع من ثلث ماله

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۴۳

﴿نماز جنازہ حاضر ہو تو نوافل اور قضاء کو مؤخر کریں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مسجد کے ہال میں قضاء عمری نماز پڑھ رہا تھا مسجد سے باہر لان میں نماز جنازہ کھڑی ہوگئی اب پوچھنا یہ ہے کہ میرے لیے کیا حکم ہے کیا میں قضاء نماز پوری کروں یا نماز توڑ کر نماز جنازہ میں شامل ہو جاؤں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنازہ حاضر ہو تو فرض عین ہو جاتا ہے۔ مستفتی: مصطفیٰ ابوبکر صدیق مسجد

﴿جواب﴾ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے بعض لوگوں کے ادا کرنے سے باقی لوگوں کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور یہ کہ موقع پر موجود لوگوں پر فرض عین ہو جاتا ہے یہ بعض علماء کرام کا قول ہے اگرچہ مفتیٰ بہ قول نہیں ہے لیکن اس پر علماء احناف کا اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں نفلی نماز توڑنے کا حکم ہے اس لیے کہ نماز جنازہ کا موقع نکل جائیگا جبکہ نوافل کی قضاء بعد میں بھی کرسکتا ہے البتہ فرض وقت کے اندر ہو تو جنازہ کیلئے توڑنا جائز نہیں ہے اور قضاء شدہ ہو تو اس کا خاص

جزئیہ ہمیں نہیں ملا، تاہم فقہاء کرام نے نوافل توڑنے کا حکم دیتے ہوئے جو علت بیان فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء نماز خصوصاً قضاء عمری پڑھنے والے کے پاس نماز جنازہ شروع ہو جائے اور اس کو غالب گمان ہو کہ نماز پوری کرنے کی صورت میں نماز جنازہ میں شامل نہ ہو سکے گا تو مناسب موقع پر سلام پھیر کر نماز جنازہ میں شریک ہو جائے اور بعد میں قضاء نماز دوبارہ پڑھ لے اس لیئے کہ یہ نماز کا اپنا وقت تو ہے نہیں اور یہ شخص صاحب ترتیب بھی نہیں ہے تو مؤخر کرنے میں عمل توڑنے کے علاوہ کوئی اور شرعی محظور لازم نہیں آرہا جبکہ نماز جنازہ ایسی صورت میں بعض علماء کے ہاں فرض عین ہو جاتا ہے علاوہ ازیں نماز جنازہ کا تعلق حق غیر سے ہے اور قضاء خالص اللہ تعالیٰ کریم کا حق ہے مزید یہ کہ قضاء نماز انفرادی عمل ہے اور نماز جنازہ اجتماعی عمل ہے اس لیئے نماز جنازہ میں شرکت ضروری ہے لیکن واضح حوالے چونکہ ہمیں نہیں ملے اس لیے دوسرے علماء کرام سے بھی مراجعت کرلیں۔

لما فی تنویر الابصار مع الدر المختار:(۲۰۷/۲، طبع: سعید)

(والصلوۃ علیه) صفتها (فرض كفاية) بالاجماع فیکفر منکرها لانه انكر الاجماع قنية وفی الشامية قوله بالاجماع قلت يمكن تأويله ثبوتها بالسنة كما فی نظائره لكن ينافيه التصريح بالاجماع الا ان يقال ان الاجماع سنده السنة

وفی تقريرات الرافعی:(۱۱۹/۲، طبع :سعيد)

(قول المصنف فرض كفاية) فی السندی ثم انه قيل كون صلاة الجنازة فرض كفاية مقيدبما اذالم يكن الناس حاضرين فی مجلس الجنازة لأنه ذكرفی فتاوی قاضی خان وظهيرالدين والمستصفی قال السيد الامام ناصرالدين :واذالم يكن الناس حاضرين فی مجلس الجنازة ولم يعاينوهافالصلاة عليهافرض كفاية وأما عندحضورهم ومشاهدتهم فالصلاة واجبة علی كل واحد من الناس بأداء نفسه لأنه حينئذ فرض عين ولاخلاف فيه أصلا كذارأيته بخط بعض الفضلاء ونقله الملاعلی قاری عن فتوی أبی المعالی وهكذا وجدته بهامش المنح قد طالعت فی مختار الفتاوی ومتانته الروايات و غيرهمامن المعتبرات المتعددة فلم اجد احد اذكرانه تصير فرض عين علی الحاضرين فلتراجع المسئلة وقوله ﷺصلوا علی صاحبكم؛ مع حضوره دليل علی عدم افتراضها علی كل حاضر لكن الاولی مراجعة الكتب التی نسب لها القول بالافتراض عند الحضور

ولما فی الدر المختار:(۵۰/۱ تا ۵۱ طبع: سعيد)

او كان فی النفل فجلی بجنازة خاف فوتها قطعه لامكان قضائه

وفی الشامیة قوله (لامکان قضائه)هذا التعلیل یفید جواز قطع الفرض للجنازة عن الامدادقلت عارضه ان الفرض قوی منها بخلا ف النفل ط الخ.

وایضا فی تنویر الابصار:(۱/۶۶،طبع:سعید)

(وقضاء الفرض والوا جب والسنه فرض و وا جب وسنة)لف نشر مرتب

ولمافی حاشیة الطحطا وی:(ص:۵۸۰،طبع:قدیمی)

(قوله فرض کفایة)بالاجماع فیکفر منکر هالانکاره الاجماع کذافی البدائع والقنیة والاصل فیه قوله تعالٰی(صل علیهم)وقوله علیه السلام:صلواعلٰی کل بروفاجر،، وانما کانت فرض کفایة لقوله علیه السلام؛صلوا علیٰ صاحبکم،،ولو کانت فرض عین ما ترکهاولان فی الایجاب ای العینی علی الجمیع استحالة فاکتفیٰ بالابعض حموی الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:بندہ سمیع الرحمٰن دیروی

یکم ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿فوت شدہ نماز کی قضاء حالت مرض میں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص سے صحت کے زمانے میں نماز فوت ہوگئی اور اب وہ شخص سخت بیمار ہے اور وضوء بھی ان کیلئے نقصان دہ ہے تو ایسی حالت میں وہ قضاء کس طرح ادا کرے۔

﴿جواب﴾ اگر مرض کیوجہ سے وضونہیں کرسکتا تو تیمم سے نماز پڑھنا جائز ہے وقتی نماز ہو خواہ حالت صحت کی قضاء نماز ہو۔

لما فی الدر المختار:(۲/۷۶،طبع:سعید)

صلی فی مرضه بالتیمم والایماء مافاته فی صحته صح ولا یعید لو صح

فی الشامی تحت (قوله صح)لانه مخاطب بتضانها فی ذلک الوقت فیلزمه قضاء ها علی قدر وسعه.

ولما فی الهندیة :(۱/۱۲۴،طبع:قدیمی)

ومن حکمه أن الفائتة تقضی علی الصفة التی فاتت عنه الا لعذر وضرورة.

ولما فی البحر:(۲/۷۹،طبع:سعید)

ومن حکمه أن الفائتة تقضی علی الصفة التی فاتت عنه الا لعذر وضرورة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۱۹۶

﴿حالت صحت میں قضاء شدہ نمازیں بیماری کی حالت میں پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی سے صحت کی حالت میں نمازیں قضاء ہوگئی تھیں اور اب بیماری کی حالت میں انکی قضاء کرنا چاہتا ہے لیکن اب وضوء کرنے پر قادر نہیں ہے تیمم کیساتھ نماز پڑھتا ہے تو تیمم کے ساتھ اس صحت کی حالت میں قضا شدہ نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس وقت وضوء کرنے پر قادر تھا۔ مستفتی وقار احمد پشاوری

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ مسئولہ صورت میں اگر واقعی یہ شخص معذور ہے اور وضوء کرنے پر قادر نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ تیمم کر کے ان قضاء نمازوں کو پڑھ سکتا ہے جو حالت صحت میں قضاء ہوگئی تھی۔

لما فی الشامی:(۷۶/۲،طبع سعید)

صلی فی مرضه بالتیمم والایماء مافاته فی صحته صح ولا یعیدلوصح قوله صح لانه مخاطب بقضائها فی ذلک الوقت فیلزم قضائها علی قدر وسعه اما اذا لم یکن عذر فانه یلزم قضاء الفائته علی الصفة التی فاتت علیه.

لمافی البحر الرائق :(۷۹/۲،طبع سعید)

من حکمه ان الفائتة تقضیٰ علی الصفة التی فاتت عنه الا لعذر وضرورة.

لمافی خلاصة الفتاویٰ:(۱۹۱/۱،طبع رشیدیه)

رجل فاتته صلوٰة کثیرة فی حالة الصحة ثم مرض الرجل مرضا یضره الوضوء وکان یصلی بالتیمم ولا یقدر علی الرکوع والسجود ولایمکنه اداء الصلاة الا بالایماء فأدی الفوائت فی حالة المرض بهذه الصفة جاز ولو صح وقدر علی القضاء قائما یسقط القضاء.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :محمد عمران

۲۱محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۷۸۵

﴿مرگی کی مریضہ کی فوت شدہ نمازوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ صاحبہ کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوا وہ بچپن سے مرگی کی مریضہ تھیں اور گذشتہ آٹھ سال سے تو نہ بول سکتی تھیں اور نہ کسی کو پہچان سکتی تھیں، ان آٹھ سالوں میں نہ روزہ رکھا اور نہ نماز پڑھی اور پھر انتقال بھی ایسی حالت میں ہوا کہ وصیت کی بھی قابل نہیں تھیں، پوچھنا یہ ہے کہ انکی یہ فوت شدہ نمازوں اور

روزوں کا کیا حکم ہے؟ براۓ مہربانی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ جب آپکی والدہ نہ کسی کو پہچان سکتی تھیں اور نہ بول سکتی تھیں تو وہ غیر مکلفہ ہو گئیں، اس لئے ان آٹھ سالوں کے دوران تمام نمازیں اور روزے بھی ان کے ذمہ سے ساقط ہو گئے۔

لمافی رد المحتار:(۱۰۰/۲،طبع سعید)

جعل فی السراج المسئلة علی اربعة اوجه،ان زاد المرض علی یوم ولیلة وهو لایعقل فلا قضاء علیه اجماعاًوالاهویعقل قضیٰ اذاصح اجماعاوان زادوهویعقل اولاوهولا یعقل فعلی الخلاف.

ولما فی نور الانوار:(ص۲۹۲،طبع امدادیه ملتان)

والجنون تسقط به العبادات المحتملة للسقوط،لا ضمان المتلفات ونفقة الاقارب والدية كما فی الصبی بعینه وكذا الطلاق و العتاق ونحوهما من المضار غیر مشروع فی حقه لكنه اذا لم یمتد الحق بالنوم۔۔۔۔وحد الامتداد فی الصلاة علی یوم ولیلة۔۔۔۔وفی الصوم باستغراق الشهر.

ولما فی البحر الرائق:(۱۱۷/۲،طبع سعید)

و من جنّ او اغمی علیه خمس صلوات قضی ولو اكثر لا وهذا استحسان والقیاس ان لا قضاء علیه اذا استوعب الاغماء وقت صلاة كاملة لتحقق العجز ووجه الاستحسان ان المدة اذا طالت۔۔۔۔والجنون كالاغماء علی صحیح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۲۲صفر المظفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۸۹۲

﴿وتر کی قضاء میں لوگوں کے سامنے تکبیر کے لئے ہاتھ نہ اٹھاۓ﴾

﴿سوال﴾ میں نے ایک عالم سے سنا ہے کہ قضا نمازیں مخفی طور پر پڑھنی چاہئیں اسلئے کہ نماز کو قضا کرنا ایک جرم اور گناہ ہے، لہٰذا اس کو ظاہر کئے بغیر مخفی طور پر ادا کریں ایک آدمی مسجد میں قضا نماز پڑھ رہا ہے اب وتر کی قضا میں دعاۓ قنوت کی تکبیر پر ہاتھ اٹھاۓ گا تو لوگوں کو معلوم ہو جائیگا،اب یہ آدمی کیا کرے تکبیر پر ہاتھ اٹھاۓ یا بغیر ہاتھ اٹھاۓ تکبیر پڑھے؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ قضا نمازیں مخفی طور پر ادا کرنی چاہئیں تاکہ اپنی کوتاہی لوگوں پر ظاہر نہ ہو،اس لئے وتر کی قضاء میں دعاۓ قنوت سے پہلے تکبیر پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے، صرف تکبیر پر اکتفاء کرنا کافی ہے البتہ جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرتا ہو اور لوگوں پر اس کی

لا پرواہی مخفی نہ ہوتو وہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھالے۔

ولمافی الشامیۃ:(۲/۲۲۲،طبع امدادیہ)

تحت قولہ:(رافعاید یہ)أی سنۃ الی حذو أذنیہ کتکبیرۃ الاحرام وھذا کمافی الامداد عن مجمع الروایات لوفی الوقت امافی القضاء عندالناس فلا یرفع حتی لا یطلع أحد علی تقصیرہ۔

ولمافی مراقی الفلاح:(ص ۲۰۱،طبع قدیمی)

الا اذا قضاہ أی عند الناس بدلیل ما بعدہ برفعہ متعلق بیری عند من یراہ أی سواء کان فی المسجد أم فی غیرہ واذا لم یکن أحد عندہ یرفع وفیہ ان صلاتہ ثلاث رکعات تؤذن بالتھاون وقد یقال أن الرفع أشد ایذانا فی ذالک.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:محمد صلاح الدین چترالی عفااللہ عنہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر:۴۴۵

﴿ایام تشریق میں قضاء نمازوں کی اداء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیرات تشریق کے ایام میں بیماری کیوجہ سے میری چندنمازیں رہ گئیں تھیں،ابھی میں ان نمازوں کی قضاء کررہاہوں تو کیاان نمازوں کیساتھ تکبیرات بھی پڑھناضروری ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپ پرصرف نمازوں کی قضاء لازم ہے تکبیرات پڑھناضروری نہیں کیونکہ یہ حکم ایام تشریق کیساتھ خاص ہے۔

لمافی فتاوی التاتارخانیہ:(۲/۸۱،طبع قدیمی)

اذافاتتہ صلاۃ فی ایام التشریق وقضاھافی غیرایام التشریق قضاھامن غیرتکبیر.

ولمافی العالمگیریۃ:(۱/۱۵۲،طبع رشیدیہ)

وکذالوفاتتہ صلاۃ فی ایام التشریق فقضاھافی غیرایام التشریق اوقضاھافی ایام التشریق من قابل لایکبرعقیبھا.

ولمافی الشامیۃ:(۲/۱۷۹،طبع سعید)

(قولہ:اوقضی فیھا)......والمسألۃ رباعیۃ فائتۃ غیرالعیدقضاھافی ایام العید، فائتۃ ایام العیدقضاھافی غیرایام العید،فائتۃ ایام العیدقضاھافی ایام العیدمن عام آخرفائتۃ ایام العیدقضاھافی ایام العیدمن عامہ ذلک، ولایکبرالافی الاخیرفقط کذافی البحر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:سعیداحمد

۱۶ رجب ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۰۹۲

﴿قضاء نماز پڑھنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ قضاء نمازیں پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیے یہ بھی بتادیں؟

﴿جواب﴾ قضاء نمازوں کو پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو ادا نمازوں کا ہے صرف نیت میں قضاء نماز کا ذکر کرنا ہوگا اگر قضاء نمازیں بہت زیادہ ہیں اور انکی تعداد معلوم نہیں ہے تو اسکا بہتر طریقہ یہ ہیکہ ایک تعداد اندازے سے مقرر کرلیں مثلاً: دو برس کی نمازیں یا ظہر کی ۱۰۰ نمازیں میرے ذمہ ہیں پھر ہر وقتی نماز کیساتھ قضاء بھی پڑھتے رہیں اور ہر نماز قضاء کرتے وقت یہ نیت کرلیں کہ اس وقت کی مثلاً: ظہر کی جتنی نمازیں مثلاً: (۱۰۰) میرے ذمہ ہیں ان میں سے پہلی قضاء نماز پڑھتا ہوں اسی طرح دوبارہ جب قضاء پڑھیں تو پھر یہی نیت کرلیں کہ اسوقت کی جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں ان میں سے پہلی قضاء پڑھتا ہوں۔

جتنی رکعتیں اصل ادا نماز کی ہیں اتنی ہی قضاء نماز میں پڑھنی ہیں مثلاً: ظہر چار رکعت ہے تو اسکی قضاء بھی چار رکعت ہوگی، مغرب تین رکعت ہے تو اسکی قضاء بھی تین رکعت ہوگی۔

فرض نمازوں کے علاوہ وتر جو واجب ہیں انکی قضاء بھی ضروری ہے، سنتوں کی قضاء نہیں ہے توبہ استغفار کریں صرف فجر کی سنتیں اسی دن اشراق کا وقت شروع ہونے سے لیکر زوال تک قضاء پڑھ سکتے ہیں اسکے بعد نہیں۔

لمافی شرح التنویر:(۶۶/۲طبع سعید)

(قضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة) ...... وجميع أوقات العمر وقت للقضاء الاالثلاثة المنهية.

وفی الشامية: (قوله وقضاء الفرض الخ) ......قوله والسنة يوهم العموم كالفرض والواجب ليس كذلك فلو قال ومايقضي من السنة لرفع هذا الوهم رملي. قلت وأورد عليه الوتر، فانه عندهم سنة، وقضاؤه واجب في ظاهر الرواية لكن يجاب بأن كلامه مبني على قول الامام صاحب المذهب.

ولمافی شرح التنویر:(۷۶/۲-۷۷،طبع سعید)

كثرت الفوائت نوى اول ظهر عليه أو آخره.

وفی الشامية:(قوله كثرت الفوائت الخ)...... فان أراد تسهيل الأمر، يقول أول فجر مثلاً فانه اذا صلاه يصير مايليه أولا أو يقول آخر فجر، فان ما قبله يصير آخرا ولا

يضره عكس الترتيب لسقوطه بكثرة الفوائت.وقيل لا يلزمه التعين أيضاكمافي صوم ايام من رمضان واحد الخ.

والله اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
فتوی نمبر: ۴۰۳
۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿قضاء نمازیں احتیاطاً پڑھنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص احتیاطاً قضاء نمازیں پڑھنا چاہتا ہو تو مغرب کے فرض اور عشاء کے وتر کی قضاء کس طرح پڑھے؟

﴿جواب﴾ اگر کوئی شخص احتیاطاً قضاء نمازیں پڑھنا چاہتا ہو تو مغرب کے فرض اور عشاء کے وتر کی بھی چار چار رکعت پڑھے مگر اس میں سورۃ فاتحہ کیساتھ کوئی اور سورۃ بھی ملائے اور تیسری رکعت کے بعد قعدہ بھی کرلے اور دعاء قنوت وتروں کی تیسری رکعت میں پڑھا کرے۔

لمافي حاشيه الطحطاوي:(ص:۲۴۷ طبع قديمي)

ومن قضىٰ صلاة عمره مع انه لم يفته شئي منها احتياطاً قيل يكره وقيل لا لأن كثيرامن السلف قدفعل ذلك لكن لايقضي في وقت تكره فيه النافلة والافضل أن يقرأفي الاخيرتين السورةمع الفاتحة لأنهانوافل من وجه فلأن يقرأالفاتحة ، السورةفي أربع الفرض على احتماله أولىٰ من أن يدع الواجب في النفل ويقنت في الوتر ويقعدقدر التشهدفي ثالثته ثم يصلي ركعةرابعةفان كان وترأفقد أداه وان لم يكن فقدصلىٰ التطوع اربعاًولا يضره القعودوكذايصلي المغرب أربعاًبثلاث قعدات والاشتغال بقضاء الفوائت أولىٰ وأهم من النوافل.

ولمافي البحرالرائق:(۸۰/۲ طبع سعيد)

رجل يقضي صلوة عمره مع انه لم يفته شئي منها احتياطاًقال بعضهم يكره وقال لايكره لانه أخذبالاحتياط لكنه لايقضي بعدصلاة الفجرولا بعد صلاة العصرويقرأفي الركعات كلهاالفاتحةمع السورة وقدقدمناعن مآل الفتاوىٰ أنه يصلي المغرب أربعاًبثلاث قعدات وكذاالوتر.وكذافي الهندية:(۱۲۴/۱)

واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
فتوی نمبر: ۲۰۹۶
یکم جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿قضاء سفر اور قضاء حضر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران سفر جو نماز فوت

ہو جائے حالت حضر میں کتنی رکعات قضاء کرنی چاہئے اسی طرح مقیم ہونے کی حالت میں فوت شدہ نماز کو دوران سفر کتنی پڑھنی چاہیے؟

﴿جواب﴾ وقت میں نماز جیسے فرض تھی قضاء بھی ویسے ہی ضروری ہے، لہذا سفر میں نماز اگر رہ گئی تو اسکی قضاء سفر میں ہو یا حضر میں قصر ہی ضروری ہے، اسی طرح حالت سفر میں ایسی نمازوں کو لوٹانے کا موقع ملے جو دوران اقامت رہ گئی تھیں تو پوری پڑھنا ضروری ہے.

لما في الهداية: (۱۷۶/۱، طبع: رحمانيه)

ومن فاتته صلوٰة في السفر قضاها في الحضر ركعتين، ومن فاتته في الحضر قضاها في السفر اربعاً لأن القضاء بحسب الأداء.

ولما في البحر: (۱۳۷/۲، طبع: سعيد)

(قوله وفائتة السفر والحضر تقضى ركعتين واربعاً) لف ونشر مرتب أي فائتة السفر تقضى ركعتين وفائتة الحضر تقضى أربعاً لأن القضاء بحسب الأداء.

ولما في خلاصة الفتاوى: (۲۰۲/۱، طبع: رشيديه)

اذا كان الرجل مقيما في اول الوقت فلم يصل حتى سافر في أخر الوقت كان عليه صلوٰة السفر وان لم يبق من الوقت الا قدر ما يسع فيه بعض الصلوٰة ----ولو كان مسفراً في أول الوقت ان صلى صلوٰة السفر ثم أقام في الوقت لا يتغير فرضه اربعا وان لم يبق من الوقت الا قدر ما يسع فيه بعض الصلوٰة......وان أقام بعد الوقت يقضي صلوٰة المسافر.

ولما في الفقه الا سلامي: (۱۳۷۰/۲ تا ۱۳۷۱، طبع: رشيديه)

من فاتته صلاة في السفر قضاها في الحضر ركعتين، كما فاتته في السفر ومن فاتته صلاة في الحضر قضاها في السفر أربعاً، لأنه بعد ماتقرر لا يتغير ولأن القضاء بحسب الأداء

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا چمنی

فتویٰ نمبر: ۳۱۶۹

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

۲۱ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ

﴿دوران سفر فوت شدہ نماز کی قضاء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے کہ سفر کی حالت میں اگر ایک شخص سے نماز فوت ہو جائے اور پھر اقامت کی حالت میں اسی نماز کو ادا کرنا چاہے تو کیا وہ شخص یہ نماز پوری پڑھے گا یا قصر؟

مستفتی: حامد خان

﴿جواب﴾ نماز جیسے فوت ہوئی ہے ویسے ہی اسکی قضاء ضروری ہے، لہذا سفر میں نماز اگر

فوت ہوئی تو اقامت کے بعد بھی قصر پڑھنا ضروری ہے، اسی طرح اقامت میں کسی کی نماز فوت ہوئی اور سفر میں قضاء کرنے کا موقع ملے تو پوری نماز پڑھنا ضروری ہے۔

لما فی الشامی:(۲/۷۶،طبع سعید) .

ولذا یقضی المسافر فائتة الحضر الرباعیة أربعاً ویقضی المقیم فائتة السفر رکعتین.

ولما فی الهندیة:(۱/۱۲۱ طبع رشیدیه)

ومن حکمه أن الفائتة تقضی علی الصفة التی فاتت عنه الالعذر وضرورة فیقضی مسافر فی السفر ما فاته فی الحضر من الفرائض الرباعی أربعاً والمقیم فی الاقامة ما فاته فی السفر منها رکعتین وکذا فی البحر الرائق:(۲/۷۹)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ۔ واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:

﴿سفر کی قضاء مقیم کی قضاء کی اقتداء میں جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مقیم اور مسافر دونوں کی ظہر کی نماز قضاء ہوگئی اب عصر کے وقت میں مسافر مقیم کی اقتداء کر کے ظہر کی قضاء نماز ادا کر سکتا ہے۔ایک مولوی صاحب کہتے ہیں نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے؟ مستفتی: ولی محمد کوئٹہ

﴿جواب﴾ مولوی صاحب نے صحیح بتایا ہے چونکہ مسافر مقتدی کے حق میں قعدہ اولیٰ فرض تھا اور مقیم امام کے حق میں واجب، اس لئے اس صورت میں اقتداء القوی خلف الضعیف لازم آرہا ہے جس کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی۔

لما فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح :(۲۲۸ طبع قدیمی)

(وان اقتدی مسافر بمقیم) یصلی رباعیة ولو فی التشهد الاخیر (فی الوقت صح) اقتداؤه (و اتمها اربعا) تبعا لامامه و اتصال المغیر بالسبب الذی هو الوقت و لو خرج الوقت قبل اتمامه او ترک الامام القعد الاول فی الصحیح (و بعده) ای بعد خروج الوقت (لا یصح) اقتداؤه المسافر بالمقیم ولو کان احرام المقیم قبل خروج الوقت لان فرضه لا یتغیر بعد خروجه.

ولما فی در المحتار :(۲/۱۳۰، طبع رشیدیه)

اما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت و یتم لا بعده فیما یتغیر لانه اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدة لو اقتدی فی الاولیین او القرأة لو فی الاخریین ـــــ قال الامام ابن عابدین الشامی (قوله فیصح فی الوقت ویتم) ـــــ (قوله

لابعده)ای لا یصح اقتداوه بعد الوقت لعدم تغیره لانتقضاء السبب

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۸۰۸

﴿صاحب ترتیب کیلئے پہلے قضاء نماز پڑھنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک صاحب ترتیب شخص سے مغرب کی نماز فوت ہوگئی عشاء کی نماز کے بعد اس نے مغرب کی قضاء کرلی، بعد میں اسکو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ پہلے مغرب کی قضاء کرنی چاہیے تھی بعد میں عشاء کی نماز پڑھنی چاہیے تھی، پوچھنا یہ ہے کہ وہ دوبارہ مغرب کی قضاء کے بعد عشاء کی قضاء کرے یا نہیں؟ یاد رہے کہ اس واقعہ کو گزرے ہوئے دودن ہوگئے ہیں، نیز مسئلہ معلوم ہونے پر اب وہ تردد میں ہے کہ میں صاحب ترتیب رہا یا نہیں؟　　مستفتی: محمد فیضان صاحب کورنگی

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص کو چاہیے تھا کہ مغرب کی قضاء کرتا اور بعد میں عشاء کی نماز پڑھتا لیکن جب اس نے عشاء کو مقدم کیا اور مغرب کی نماز بعد میں پڑھی تو اسکے بعد دوبارہ عشاء پڑھنی چاہیے تھی لیکن جب اس نے اسکے بعد چھ نمازیں اور پڑھ لیں تو اب یہ تمام نمازیں صحیح ہوگئیں اور یہ شخص صاحب ترتیب بھی ہے کیونکہ صاحب ترتیب اس شخص کو کہتے ہیں جسکے ذمہ کوئی نماز باقی نہ ہو۔

لما فی الهداية:(۱/۱۵۶، طبع رحمانیه)

ومن صلی العصر وهو ذاکر انه لم یصل الظهر فهی فاسدة الاّ اذا کان فی آخرالوقت واذافسدت الفرضیة لا یبطل اصل الصلوٰة عند ابی حنیفةؒ..... ثم العصر یفسد فسادا موقوفاحتیٰ لوصلی ست صلوٰات ولم یعدالظهر انقلب الکل جائزاً وهذا عندابی حنیفة.

ولما فی حلبی کبیر:(ص۵۳۰، طبع سهیل آکیڈمی)

لو صلی فرضاذاکراان علیه فائتة قبله فسد فرضه فساده موقوفاعندابی حنیفةؒ..... حتی صلیٰ ستا وهوذاکرلها عادالکل صحیحا.

ولمافی مجموعة قواعدالفقه:(ص۳۴۵، طبع میرمحمد)

صاحب الترتیب من لم تکن علیه الفوائت ستاغیر الوتر من غیرضیق الوقت والنسیان.

ولمافی الشامیة:(۲/۵۲۹، طبع امدادیه)

واما اذاقضی الکل فالظاهر انه یلزمه ترتیب جدید فلایقال انه عاد تأمل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر: ۹۱۲

﴿فوت شدہ اور وقتیہ نمازوں کے درمیان ترتیب کا لحاظ رکھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا فوت شدہ نماز اور وقتیہ نماز کے درمیان ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔
مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ فوت شدہ اور وقتیہ نمازوں کے درمیان ترتیب کا لحاظ رکھنا صاحب ترتیب کیلئے ضروری ہے، صاحب ترتیب وہ نمازی ہے جس کے ذمہ بلوغت کے بعد سے لیکر اب تک چھ نمازیں قضاء نہ ہوں۔

ایسے شخص سے اتفاقاً کوئی نماز قضاء ہوجائے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ پہلے فوت شدہ نماز پڑھے پھر وقتیہ پڑھے، البتہ قضاء نماز بھول گیا ہو یا وقت اتنا کم رہ گیا ہو کہ قضاء پڑھنے کی صورت میں وقتی نماز بھی قضاء ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہوتا، بھول اور تنگی وقت کا عذر نہ ہو اور وقتیہ نماز کو فوت شدہ سے پہلے پڑھ لی تو نماز نہیں ہوگی۔

لما فی للترمذی: (۵۲/۱، طبع: فاروقی کتب خانہ)

عن أبی عبیدۃ ابن عبد الله بن مسعودؓ قال: قال عبدالله: ان المشرکین شغلوا رسول الله ﷺ عن أربع صلوت یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ماشاء الله فأمر بلالا فأذن ثم أقام فصلی الظهر ثم أقام فصلی العصر ثم أقام فصلی المغرب ثم أقام فصلی العشاء.

ولما فی الهندیه: (۱۲۲/۱، طبع: قدیمی)

لترتیب بین الفائتة والوقتیة وبین الفوائت مستحق کذا فی الکافی، حتی لا یجوز أداء الوقتیة قبل قضاء الفائتة

ولما فی الهدایة: (۱۲۱/۱، طبع: رحمانیه)

ومن فاتته صلوٰة قضاها اذا ذکرها وقدمها علی فرض الوقت ولاصل فیه، ان الترتیب بین الفوائت وفرض الوقت عندنا مستحق ..... ولو خاف فوت الوقت یقدم الوقتیة ثم یقضیها لان الترتیب یسقط بضیق الوقت وکذا بالنسیان وکثرة الفوائت کیلا یؤدی الی تفویت الوقتیة

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ
فتویٰ نمبر: ۳۳۳۴

﴿قضاء نماز کا خیال نہ رہا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کیبارے میں کہ صاحب ترتیب کو وقتی نماز کا

خیال نہیں تھا تو دوران قضاء یاد آجائے تو ایسی صورت میں کیا کرے؟ پہلے قضاء کرے یا اسی نماز کو پورا کرے۔ مستفتی: مولوی محمد احمد

﴿جواب﴾ صاحب ترتیب سے بھول کی وجہ سے وجوب ترتیب ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ دوران نماز بھی قضاء یاد نہ آئے،

دوران نماز یاد آنے کی صورت میں وقتی فرض نماز کی فرضیت باطل ہو جاتی ہے لہذا دوران نماز اگر چہ قعدہ آخرہ میں فوت شدہ نماز صاحب ترتیب کو یاد آئی اس نماز کو پورا کرے تاکہ کم از کم نفل ہو جائے پھر فوت شدہ کی قضاء کرے اس کے بعد وقتی نماز دوبارہ پڑھے، جیسا کہ ذیل کی حدیث میں یہی حکم ہے،

لمافی الحبلی الکبیری: (ص:۲۵۲،طبع:نعمانیه)

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول ﷺ من نسی صلوٰة فلم یذکرها الا وهو مع الا مام فلیتم صلوته فاذافرغ من صلوته فلیعد التی نسی ثم لیعد التی صلاها مع الا مام.

ولما فی حاشیته الطحطاوی :(ص:۲۲۱قدیمی)

والا صل فی لزوم الترتیب قوله ﷺ "من نا عن صلاة او نسیها فلم یذکر ها الا وهو یصلی مع الا مام فلیصل التی هو فیها ثم لیقض التی تذکر ثم لیعد التی صلی مع الا مام وهو خبر مشهور تلقه العلماء بالقبول فیثبت به الفرض العملی ورتب النبی ﷺ قضاء للفوائت یوم الخندق

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا چمنی

۲۱ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۷۰

﴿قضاء نمازوں کے لوٹانے کا اہتمام کرتے ہوئے انتقال ہو جائے تو...﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) ایک شخص آج (۵۳) سال کا ہے اندازا دس (۱۰) سال کی نمازیں اس نے پڑھی ہونگی، اب وہ نیت کر کے کتنی قضاء نمازیں پڑھے گا؟

(۲) قضاء عمری صرف (۲) ماہ پڑھنے کے بعد اگر وہ فوت ہو جائے تو ان کیلئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۳) ایک شخص آج مسلمان ہوا ہے اور اسکی عمر پچاس (۵۰) سال ہے اسکو قضاء نمازیں

کس طرح پڑھنی ہیں؟ مستفتی: حاجی نصیر برخورداری ابوبکر مسجد ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ (۱) یہ شخص بلوغت سے پہلے کا عرصہ یعنی کم از کم بارہ (۱۲) سال نکال کر تریالیس (۴۳) سال کی عمر تک یعنی کل اکتیس (۳۱) سالوں کی نمازوں کی قضاء کرے، ایک وقت میں کئی نمازیں بھی پڑھ سکتا ہے، البتہ ایسی کوئی ترتیب بنالیں کہ بسہولت پابندی کے ساتھ اسکا اہتمام کر سکے تاکہ حساب رکھنے میں آسانی ہو، فرض اور وتر کی قضاء کرے، سنت کی قضاء نہیں ہے۔

چونکہ نماز کو اپنے وقت میں اداء نہ کرنے کی وجہ سے بڑے گناہوں کا ارتکاب ہوا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ سے اس غفلت کی معافی بھی مانگیں اور ندامت کا اظہار کرتا رہے۔

(۲) احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا شخص نمازوں کے حساب کو باقاعدہ لکھنے کا اہتمام کرے اور ساتھ وصیت بھی لکھے کہ خدانخواستہ نمازوں کی مذکورہ تعداد تک قضاء مکمل کرنے سے پہلے اگر میرا انتقال ہوگیا تو میرے ترکہ میں سے باقی ماندہ نمازوں کا فدیہ اداء کردیا جائے تو انتقال کی صورت میں اس شخص کے ذاتی ترکہ میں سے واجب حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ ترکہ میں سے ایک تہائی (۱/۳) کی حد تک وصیت پر عمل کرنا واجب ہوگا، بعد میں ورثاء میں تقسیم ہوگا، ایک نماز کا فدیہ ایک فطرانہ کے برابر ہے وتر بھی مستقل نماز ہے، اس لئے یومیہ چھ نمازیں شمار ہوتی ہیں۔

(۳) اسلام لانے سے پہلے کے عرصہ میں اس شخص سے نمازوں کا مطالبہ نہیں ہے اور نہ ہی اس عرصہ کی نمازوں کی قضاء ہے اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہ شخص نمازوں کا مکلف ہے اس سے پہلے صرف اسلام لانے کا مطالبہ تھا۔

لما في روح المعاني:(۹/۲۷۱-۲۷۲ طبع رشيديه)

تحت قوله تعالى: "قل للذين كفروا ان ينتهوا يغفرلهم ما قدسلف وان يعودوا فقد مضت سنة الاولين." واستدل بالآية على ان الاسلام يهدم ما قبله وان الكافر اذا اسلم لايخاطب بقضاء ما فاته من صلاة أو زكاة أو صوم أو اتلاف مال أو نفس ..... وأخرج ابن ابى حاتم من طريق ابن وهب عن مالك قال: لا يؤاخذ الكافر بشئ صنعه فى كفره اذا اسلم وذلك لأن الله تعالى قال: (ان ينتهوا) الخ وقال بعض ان الحربى اذا اسلم لم تبق عليه تبعة أصلاً واما الذمى فلا يلزمه حقوق الله تعالى وتلزمه حقوق العباد.

ولما في مرقاة المفاتيح:(۱/۱۶۸-۱۶۹)

(ان الاسلام) أى اسلام الحربى لان اسلام الذمى لا يسقط عنه شيئا من حقوق العباد

(يهدم)بكسر الدال أي يمحو (ما كان قبله)أي من السيئات.....قال الشيخ التور بشتي من أئمتنا "رحمهم الله""الاسلام يهدم ما كان قبله مطلقا مظلمة كانت غيرها صغيرة أو كبيرة ...... وقال بعض علمائنا :"يمحو الاسلام ما كان قبله من كفر وعصيان وترتب عليهما من العقوبات التي هي من حقوق الله سواما حقوق العباد فلا تسقط بالحج والهجرة اجماعا ولا بالاسلام لو كا ن المسلم ذمياً سواء كان الحق عليه ماليا أو غير مالي كالقصاص.

ولمافي مراقي الفلاح:(ص۱٦۹،فصل في اسقاط الصلاة والصوم)

(و)لزم(عليه الوصية بما)أي بفدية ما (قدر عليه)(وبقي بذمته)حتى ادركه الموت .....(فيخرج عنه وليه) أي من له التصرف في ماله لوراثة أو وصاية (من ثلث ما ترك)الموصي لان حقه في ثلث ماله حال مرضه وتعلق حق الوارث با لثلثين فلا ينفذ قهراً على الوارث الا في الثلث ان أوصى به وان لم يوص لا يلزم الوارث الاخراج فان تبرع جاز كما سنذكره......(لصوم كل يوم) طعام مسكين......(و)كذا يخرج (لصلوة كل وقت)من فروض اليوم والليلة (حتى الوتر) ......والصحيح أن لكل صلوة فدية هي (نصف صاع من بر)أو دقيقه أو سويقه أوصاع تمر أو زبيب أو شعير (أو قيمته)وهي أفضل لتنوع حاجات الفقير (وان لم يوص وتبرع عنه وليه)أو اجنبي (جاز)ان شاء الله تعالى.

ولمافي التنوير وشرحه:(۲/۷۲،طبع سعيد)

(ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة ويعطى لكل صلوة نصف صاع من بر)كالفطرة (وكذا حكم الوتر)والصوم وانما يعطى (من ثلث ماله)ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه لفقير.الخ.

ولمافي الشامية:(۲/۷۲،طبع سعيد)

(قوله وعليه صلوات فائتة الخ)أي بأن كا ن يقدر على ادائها ولو بالايماء.فيلزمه الايصاء والا فلا يلزمه......(قوله ويعطى)بالبناء للمجهول : أي يعطى عنه وليه من له ولاية التصرف في ماله بوصاية أو وراثة فيلزمه ذلك من الثلث ان أوصى والا فلا يلزم الولي ذلك......واما اذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد رحمه الله تعالى في الزيادات انه يجزيه ان شاء الله تعالى.وهكذافيه:(۲/۷۳)(قوله يستقرض وارثه نصف صاع مثلا)أي أو قيمته ذلك : والاقرب أن يحسب ما على الميت ويستقرض بقدره بان يقدر عن كل شهر أو سنة أويحتسب مدة عمره بعداسقاط اثنتي عشرة سنة للذكروتسع سنين للانثى لانهااقل مدة بلوغهما.

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب :علی خان

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر :۲٦۳۴

﴿نفل نماز کے دوران ماہواری آگئی تو قضاء لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت فرض یا نفل نماز پڑھ رہی تھی، اور حالت نماز میں ماہواری آگئی تو یہ عورت فرض و نفل نماز کی قضاء کرے گی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں نفلی نماز کی قضاء لازم ہے، فرض کی نہیں۔

لما في الهنديه:(۳۸/۱ طبع رشيديه)

لو افتتحت الصلاة في اخر الوقت ثم حاضت لا يلزمها قضاء هذه الصلاة بخلاف التطوع كذا في الخلاصه .

ولما في البحر الرائق:(۲۰۵/۱ طبع سعيد كراچى)

فان ادركها الحيض في شئ من الوقت سقطت الصلوٰة عنها ان افتتحها ـــ واذا ادركها الحيض بعد شروعها في التطوع كان عليها قضاء تلك الصلوٰة اذا طهرت .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ | فتوی نمبر: ۳۵۷۴

﴿نوافل اور قضاء میں کس کو مقدم کیا جائے؟﴾

﴿سوال﴾ میں نے یہ ترتیب بنائی ہے کہ ہر فرض نماز کیساتھ ایک قضاء نماز پڑھتا ہوں اور کچھ نوافل پڑھتا ہوں، آج صرف اتنا وقت تھا کہ فرض نماز کیساتھ دو رکعت نفل یا دو رکعت قضاء نماز پڑھ سکتا تھا تو اس وقت میں مجھ کو نفل پڑھنا چاہیئے یا قضاء نماز پڑھنی چاہیئے؟

﴿جواب﴾ نوافل پڑھنا اور اس کی عادت بنانا بہت اچھی بات ہے لیکن قضاء نمازیں لوٹانا بھی ضروری ہے جب وقت تنگ ہو تو دیکھا جائے کہ اگر نوافل کا باقاعدہ معمول ہے خصوصاً وہ نوافل جن کا ذکر احادیث میں اپنے اوقات یا اذکار کیساتھ آیا ہے مثلاً: اشراق، چاشت، اوابین، صلوٰۃ تسبیح، عصر سے پہلے چار رکعتیں، تحیۃ المسجد تحیۃ الوضوء وغیرہ تو ایسے نوافل کو اپنے اوقات میں پڑھنے کا اہتمام کرنا زیادہ بہتر ہے قضاء نمازوں میں مشغول ہونے سے چونکہ قضاء نمازوں کا اصل وقت نمازی نے دنیاوی کاموں میں مشغول ہو کر خود ضائع کر دیا ہے اب اس کا ازالہ بھی اپنے دنیاوی مشغولیت کے اوقات سے کرنا چاہیے، نوافل کے اوقات کو ان کیلئے قربان نہیں کرنا چاہیے قضاء نمازوں کیلئے ویسے بھی وقت مقرر نہیں، لہٰذا اس وقت میں معمول کے نوافل پڑھا کریں اور دوسرے اوقات میں قضاء نمازیں پوری کریں۔

لمافی الهندية:(۱/۱۲۵)

الاشتغال بقضاء الفوائت اولی واهم من النوافل الاالسنن المعروفة وصلاة الضحی وصلاة التسبيح والصلوٰة التی رويت فی الاخبار فيهاسور معدودة واذكار معهودة فتلك يصلی بنية النفل وغيرها بنية القضاء هكذافی التاتارخانية وهكذافی الشاميه

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ

۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۱۰

﴿قضاء نمازیں ذمہ ہوں تو نوافل چھوڑنا کوئی انصاف نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی ذمہ قضاء باقی ہو، کیا نوافل پڑھنا بہتر ہے یا قضاء نماز؟

﴿جواب﴾ قضاء نمازیں تو فرض ہیں، زندگی میں کوئی پوری نہ کر سکا تو مواخذہ کا قوی اندیشہ ہے جبکہ نوافل پڑھنے کا اجر وثواب ہے لیکن نہ پڑھنے کی صورت میں آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا. تاہم سنت سے ثابت نوافل مثلاً تمام سنت مؤکدہ اور تہجد، اوابین، اشراق، چاشت، اور صلوۃ التسبیح وغیرہ کی اہمیت اپنی جگہ ہے، قضاء نمازوں کی وجہ سے ایسے نوافل کو ترک نہیں کرنا چاہئے، فرض نمازوں کو انکے اوقات میں اداء نہیں کیا، ادائیگی کیلئے جو وقت درکار تھا خواہشات میں ضائع کیا یا دنیاوی کاموں میں لگا دیا تو اب قضاء کرنے کے موقع پر ویسا ہی وقت دینا چاہئے یعنی اپنے دنیاوی کاموں کے اوقات یا آرام وتفریح کے اوقات میں قضاء نمازوں کو پورا کرنا چاہئے. نوافل چھوڑ کر وہ وقت قضاء کیلئے دینا انصاف کی بات نہیں ہے

لما فی الشامی: (۲/۷۴، طبع سعید)

والا شتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واهم من نوافل الا السنة المعروفة وصلاة الضحیٰ، وصلاة التسبح، والصلاة التی وردت فی الا خبار فتلك بنية النفل وغير ها بنية القضاء.

ولما فی الهندية :(۱/۱۲۵، طبع رشيديه)

الاشتغا ل بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل الا السنن المعروفة وصلاة الضحیٰ، وصلا التسبيح، والصلاة التی رويت فی الأخبا ر فيها سور معدودة واذكا ر معهودة فتلك يصلی بنية النفل وغيرها بنية القضاء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا چمنی

۱۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۴۳

﴿قضاء نمازوں کیلئے وقت متعین نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کے ذمے بہت زیادہ قضاء نمازیں ہیں تو فجر کی نمازوں کی قضاء فجر کیساتھ اور ظہر کی ظہر کیساتھ ضروری ہے؟ یا کسی بھی وقت قضاء نمازیں پڑھی جاسکتی ہے؟ مستفتی: حسن علی

﴿جواب﴾ اوقات ممنوعہ کے علاوہ قضاء نمازیں کسی بھی وقت پڑھی جاسکتی ہیں۔

لما فی العالمگیریة: (۱۲۱/۱)

ثم لیس للقضاء وقت معین بل جمیع اوقات العمر وقت له الاثلاثة وقت طلوع الشمس ووقت الزوال ووقت الغروب فانه لاتجوز الصلاة فی هذه الاوقات. وهکذافی البحر: (۸۰/۲)

ولما فی الدر المختار: (۶۶/۲)

وجمیع اوقات العمر وقت للقضاء الاالثلاثة المنهیة کمامر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۱۵

﴿فوت شدہ نماز کی قضاء کس وقت پڑھنا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب کسی سے نماز فوت ہوجائے تو اس نماز کی قضاء کس وقت میں بہتر ہے؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ صاحب ترتیب نمازی سے اگر نماز قضاء ہوگئی تو اگلی نماز سے پہلے پہلے اس فوت شدہ نماز کی قضاء کرنا ضروری ہے، لاپرواہی میں اگلی نماز فوت شدہ نماز سے پہلے اگر اداء کرلی اور فوت شدہ کی بعد میں قضاء کرلی تو وقتی نماز کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا، البتہ بھول سے ایسا کیا تو لوٹانا ضروری نہیں ہے۔

اور جس نمازی کو ترتیب کا اعزاز حاصل نہیں ہے، وہ فوت شدہ نماز کی قضاء وقتی نماز کے بعد بھی اگر کرلے تو جائز ہے، البتہ مکروہ اوقات کا خیال رکھے یعنی طلوع، غروب آفتاب کے وقت اور زوال کے وقت، ان اوقات میں قضاء نہ کریں۔

ولما فی الهدایة: (۱۶۱/۱، طبع رحمانیه)

من فاتته صلوٰة قضاها اذا ذکرها وقدمها علی فرض الوقت، قال: (الا عصر یومه

عند الغروب) لان السبب هو الجزء القائم من الوقت.

ولما في الهندية: (۱/۱۲۲، طبع: رشيديه)

كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضاؤها سواء ترك عمداً او سهواً او بسبب نوم.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿فوت شدہ نمازیں کہاں پڑھنا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فوت شدہ نمازوں کو مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ بینوا وتوجروا مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ مساجد دراصل فرض نماز با جماعت اداء کرنے کیلئے ہیں نوافل اور قضاء نمازیں گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے، بلکہ ایسے شخص کیلئے جو مستقل نمازی ہے اور اتفاق سے کوئی فرض نماز اس سے قضاء ہوگئی حکم یہ ہے کہ دوسروں پر ظاہر کئے بغیر قضاء کرے، اس لئے کہ گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے۔

لما في الشامي: (۱/۷۷، طبع: سعيد)

(قوله وينبغي الخ) تقدم في باب الأذان أنه يكره قضاء الفائتة في المسجد وعلله الشارح بما هنا من أن التاخير معصية فلا يظهرها وظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الاطلاع عليه، سواء كان في مسجد أو غيره كما أفاده في المنح

قلت: والظاهر أن ينبغي هنا للوجوب وأن الكرهة تحريمية لأن اظهار معصية معصية

ولما في الحلبي الكبيري: (ص: ۲۶۰، طبع: نعمانيه)

اذا فاتته صلوٰة ينبغي ان يقضيها في البيت لا في المسجد ستر الذنبه وتقصيره

ولما في الدر المختار: (۱/۳۹۱، طبع: سعيد)

ولا فيما يقضي من الفوائت في مسجد...... (ويكره قضاؤها فيه) لأنه التاخير معصية فلا يظهرها بزازية

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۳۰

﴿مجنون اور بے ہوش پر قضاء اور فدیہ نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب کو

آج سے تقریباً چھ سال پہلے گیارہ رمضان المبارک کو فالج کا اٹیک ہوا اور ذہنی طور سے معذور ہو گئے کبھی کبھی پرانی باتیں بھی یاد آجاتی ہیں تو تعارف کرانے پر کبھی اسے پہچان لیتے ہیں لیکن نماز اور روزے کے معاملے میں بالکل معذور ہیں کبھی خود ہی نماز پڑھانے کا کہتے ہیں اور جب ہم انہیں نماز پڑھانے لگتے ہیں تو وہ بچوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں اور باتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں اور انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے، ابھی ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے، کیا میرے والد صاحب سے جو نمازیں اور روزے رہ گئے ہیں، ان کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے والد صاحب کو جلد صحت عطا فرمائے لیکن جب تک وہ مذکورہ کیفیت میں ہیں کہ ان کو کوئی سمجھ نہیں ہے اس وقت تک وہ غیر مکلّف ہیں، احکامات شرعیہ کے مخاطب نہیں ہیں نماز، روزہ وغیرہ کچھ بھی ان پر فرض نہیں ہے، لہٰذا کوئی قضاء یا فدیہ ان کے ذمہ نہیں ہے۔

لما فی سنن ابی داؤد:(۱/۲۵۶،طبع رحمانیہ)

ان رسول اللہ ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب علی عقلہ وعن النائم حین استیقظ وعن الصبی حتی یحتلم.

ولما فی الھندیۃ:(۱/۱۵۲،طبع قدیمی)

ومن اغمی علیہ خمس صلوٰت قضی ولو اکثر لا یقضی والجنون کالاغماء وھو الصحیح.

ولما فی التنویر مع الرد:(۲/۱۰۲،طبع سعید)

(ومن جن او اغمی علیہ) ولو بفزع من سبع او آدمی (یوما ولیلۃ قضی الخمس وان زاد وقت صلاۃ) سادسۃ لا للحرج.

وفی الرد المجنون آفۃ تسلب العقل و الاغماء آفۃ تسترہ.....

ولما فی الدر:(۲/۴۳۲،طبع سعید)

(وفی المجنون ان لم یستوعب) الشھر (قضی) ما مضی (وان استوعب) لجمیع ما یمکنہ انشاء الصوم فیہ علی ما مر (لا) یقضی مطلقا للحرج.

ولما فی الھندیۃ:(۱/۲۰۸،طبع رشیدیہ)

المجنون اذا افاق فی بعض الشھر یلزمہ قضاء ما مضی وان استوعب جنونہ کل الشھر لم یقضہ.

واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین　　　　الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر:۹۶۱　　　　۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿بے ہوشی کی دواء کے استعمال سے جو نمازیں رہ گئی ہیں ان کی قضاء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک شخص نے بے ہوش کرنے والی دوائی استعمال کی جس سے مذکورہ شخص دو دن بے ہوش رہا اب پوچھنا یہ ہے کہ اس شخص سے جو نمازیں رہ گئی ان کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص کا ایسی دواء استعمال کرنا اسکا اپنا اختیاری فعل ہے لہذا اس سے جتنی نمازیں رہ گئی ہیں انکی قضاء اسپر لازم ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱۰۲/۲ طبع: سعید)

(زال عقله ببنج أو خمر)أو دواء لزمه القضاء وان طالت لانه يصنع العباد كالنوم أى وسقوط القضاء عرف بالاثر اذاحصل بآفة سماوية فلا يقاس عليه ما حصل بفعله.

ولما فى الهنديه:(۱۵۳/۱،طبع: قديمى)

ولو شرب الخمر حتى ذهب عقله أكثر من يوم وليلة لا يسقط عند الشخين كذا فى الخلاصة.

ولمافى خلاصة الفتاوى:(۱۹۵/۱ طبع: رشيديه)

ولو شرب الخمر حتى ذهب عقله اكثر من يوم وليلة عند محمدؒ وعند هما لا يسقط ولو اكل البنج او الدواء حتى ذهب عقله اكثر من يوم وليلة عند محمدؒ وعندها لايسقط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رشد سعید کوہاٹی

۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۱۷

﴿بے ہوشی کی حالت میں نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص پر بے ہوشی طاری ہو جائے اور بے ہوشی کی حالت میں چند نمازیں فوت ہو جائیں تو کیا اس شخص پر قضاء واجب ہے یا نہیں؟

مستفتی: عبدالبصیر کراچی

﴿جواب﴾ بے ہوشی اگر اپنے اختیاری فعل سے ہو یعنی کوئی نشہ آور چیز کھا کر بے ہوش ہو گیا ہو، تو جتنی نمازیں فوت ہو جائیں ان کی قضاء واجب ہے، البتہ غیر اختیاری طور پر بیماری وغیرہ کیوجہ سے بے ہوش ہو جائے اور بے ہوشی لمبی ہو یعنی ایک دن رات سے بھی زیادہ بے ہوش رہے تو قضاء واجب نہیں، ایسی حالت میں پانچ یا اس سے کم نمازیں رہ جائیں تو لوٹانا واجب ہے۔

لمافی الهندية :(١/١٥٢،طبع قديمی)

ولو شرب الخمر حتى ذهب عقله أكثر من يوم وليلة لا يسقط ولو شرب البنج اوالدواء حتى ذهب عقله أكثر من يوم وليلة لا يسقط عند الشخين رحمهما الله تعالى

ولمافی الهداية(١/١٧٠،طبع :رحمانيه)

ومن اغمى عليه خمس صلوات اودونها وان كان أكثر من ذلك لم يقض.

ولما فی المبسوط سرخسی: (١/٢١٧،طبع:بيروت)

اذاكان مغمى عليه يوما وليلة او اقل يجب عليه اعادة الصلوة وان كان أكثر من يوم وليلة لا يجب عليه اعادة الصلوة عند علمائنا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۲ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ فتوی نمبر:۳۲۰۰

﴿قضاء یقینی واحتیاطی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آدمی جونمازیں یقینی طور پر قضاء کرتا ہےاور جونمازیں احتیاطی طور پر قضاء کرتا ہے انکا کیا حکم ہے؟نیز انکے درمیان کیا فرق ہے؟

﴿جواب﴾ مسلمان کی شان یہ ہے کہ نماز قضاء نہ کرے اگر قضاء ہو جائے تو جلد از جلد اس قضاء شدہ نماز کو ادا کرے اگر یاد نہ رہے کہ کتنے عرصے تک میں نماز سے غافل رہا (اللہ تعالی معاف فرمائے یہ سستی اور لا پرواہی کا نتیجہ ہے جو کہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے) ایسی صورت میں ذہن پر زور دیکر حساب لگائیں اور غالب گمان کے مطابق فوت شدہ نمازوں کی تعیین کر کے ادا کریں ،ایسی نمازوں کو عام قضاء نماز کیطرح لوٹانا ضروری ہے،البتہ احتیاط کے طور پر اس سے زیادہ لوٹانا چاہیں،تو ایسی نمازوں کے طریقے میں کچھ فرق ہے وہ یہ کہ مغرب کے تین فرض اور وتر کے تین واجب کو چار رکعت پڑ کر کے چاروں ادا کریں اور تیسری رکعت کے بعد التحیات بھی پڑھیں پھر چوتھی رکعت ادا کریں اور یہ بھی واضح رہے کہ نوافل کیطرح عصر کے بعد اور طلوع فجر کے بعد احتیاطی قضاء نہ کریں اس لئے کہ دراصل یہ نماز نوافل کے حکم میں ہے۔

لما فی حاشية الطحطاوی:(ص٢٢٧،طبع قديمی)

ومن قضى صلاة عمره مع انه لم يفته شئ، منها احتياطا قيل يكره وقيل لا لان كثيرا من السلف قد فعل ذلك لكن لا يقضى فی وقت تكره فيه النافلة والافضل ان يقرء فی الاخيرتين السورة مع الفاتحة لانها نوافل من وجه فلان يقرء الفاتحة والسورة فی

اربع الفرض على احتماله اولى من ان يدع الواجب فى النفل ويقنت فى الوتر ويقعد قدر التشهد فى ثالثه ثم يصلى ركعة رابعة فان كان وترا فقد اداه وان لم يكن فقد صلى التطوع اربعا ولا يضره القعود وكذا يصلى المغرب اربعا بثلاث قعدات.

لما فى قاضيخان على هامش الهندية:(۱/۱۱۵،طبع رشيديه كوئله)

رجل يقضى صلاة عمره مع انه لم يفته شيء منها قال بعضهم بانه يكره وبعضهم بانه لا يكره لانه اخذ الاحتياط والصحيح انه يجوز لكن لا يقضى بعد صلاة العصر ولا بعد صلاة الفجر لانها نفل ظاهرا وقد فعل كثير من السلف لشبهة.

لما فى الدر المختار: (۱/۱۳۱،طبع رشيديه كوئله)

كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضائها سواء ترك عمدا او سهوا او بسبب نوم وسواء كانت الفوائت كثيرة او قليلة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۱۸ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۹۰۳

﴿نماز فجر کی قضاء ضروری ہے اگرچہ جمعہ کی نماز میں یاد آئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہے مفتیان عظام ذیل کے مسئلہ کے بارے میں کہ زید سے صبح کی نماز قضاء ہوگئی جبکہ زید صاحب ترتیب ہے عین جمعہ کے خطبے میں یاد آگیا، اب زید جمعہ کی نماز یا خطبہ کو چھوڑ کر صبح کی نماز قضاء کرے یا جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد صبح کی نماز لوٹائے۔

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں زید خطبہ چھوڑ کر فجر کی نماز پہلے ادا کرے بعد میں نماز جمعہ میں شامل ہو اور فجر کی قضاء پڑھنے سے نماز جمعہ فوت ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو بھی یہی حکم ہے، البتہ ایسی صورت میں کسی دوسری مسجد میں نماز جمعہ ملنے کی اگر امید ہے تو دوسری جگہ جانا چاہیے، ورنہ بعد میں ظہر کی نماز ادا کرے۔

لما فى العالمكيرية:(۱/۱۲۵،طبع قديمى)

ولو أن مصلى الجمعة تذكران عليه الفجر فا ن كا ن بحيث لو قطعها و اشتغل بالفجر تفوته الجمعة ولا يفوته الوقت فعندابى حنيفة وأبى يوسف رحمهماالله تعالى يقطع الجمعة ويصلى الفجر ثم يصلى الظهر وعند محمد رحمه الله تعالى يتم الجمعة، ولوكان بحيث انه اذاقضى الفجر أدرك الجمعة مع الامام فانه يشتغل بالفجر اجماعا ، وان كان بحيث اذا قطع الجمعة واشتغل بالفجر يفوته الوقت أتم الجمعة اجماعا ثم يصلى الفجر بعدها كذافى السراج الوهاج.

ولمافی ردالمحتار:(۲/۵۲۳-۵۲۵طبع امدادیه)

ودخل فيه الجمعة فان الترتيب بينها وبين سائر الصلوت لازم فلوتذكر أنه لم يصل الفجر يصليها ولوكان الامام يخطب اسماعيل عن شرح الطحاوي وقدمرأنه لوتذكر الفجر عندخطبة الجمعة يصليهامع ان الصلاة حينئذ مكروهة بل في التاترخانية أنه يصليها عندهما وان خاف فوت الجمعة مع الامام ثم يصلى الظهر وقال محمد : يصلى الجمعة ثم يقضى الفجر فلم يجعلا فوت الجمعة عذراً في ترك الترتيب ومحمد جعله عذراًفكذالك هنا.

ولمافي منحة الخالق على البحر الرائق:(۲/۸۳،طبع سعيد)

لوتذكر الفائتة والخطيب يخطب يقوم ويقضيها وان فاته الاستماع الواجب الخ.وهكذافي التا ترخانية بالتفصيل(۱/۵۴۷،طبع قديمي)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالرحمٰن کوئٹہ

۲محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۸۲۵

﴿عذر کی وجہ سے نماز کا قضاء ہونا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اوقات ٹریفک جام ہو جاتی ہے اور اتنی زیادہ دیر رہتی ہے کہ نماز قضاء ہو جاتی ہے اب اگر ادھر گاڑی چھوڑ دی جائے تو تمام لوگوں کیلئے حرج لازم آتا ہے اور راستہ بھی بند رہے گا تو کیا اس صورت میں نماز قضاء کرنے پر گناہ ہوگا یا نہیں؟

مستفتی:ڈاکٹر حازم صاحب

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر آدمی اچانک پھنس جائے اور خود پوری کوشش کرنے کے باوجود بھی نکلنے کی کوئی صورت نہ ملے تو امید ہے کہ نماز کی قضاء کرنے کا گناہ نہیں ہوگا کیونکہ روایات میں جان بوجھ کر بلا عذر نماز کو قضاء کرنے پر وعید آئی ہے نہ کہ عذر کی وجہ سے قضاء کرنے پر، تاہم ایسی صورت میں بھی استغفار کرنا چاہیئے۔

لما في المرقاة:(۲/۲۶۲،مطبوعه رشيديه كوئٹه)

عن ابى الدرداءؓ قال اوصانى خليلى ان لا تشرك بالله شيئاان قطعت اوحرقت ولا تترك صلاة مكتوبة متعمدا فمن تركها متعمدا فقد برئت منه الذمة ولا تشرب الخمر فانها مفتاح كل شر رواه ابن ماجة.قال العلامة الملاعلى القاريؒ :تحت هذا الحديث (ولا تترك صلاة مكتوبة)فانها ام العبادات وناهية السيئات متعمدا (فمن تركها متعمدا)احتراز عن الخطا والنسيان والنوم والضرورة وعدم القدرة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب:بلال احمد غفرہ الأحد

۲۶ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۸۲۴

﴿فجر کی سنتوں کے بعد قضاء نمازیں پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی سنتوں کے بعد اور فرضوں سے پہلے قضاء نماز پڑھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ فجر کی سنتوں کے بعد اور فرضوں سے پہلے قضا نماز پڑھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ سنتیں فرضوں کو مکمل کرنے والی ہیں، ہاں اگر کسی نے قضاء نماز پڑھ لی تو بلا کراہت ہو جائے گی۔

لمافی مراقی الفلاح:(ص ۱۷۱، طبع قدیمی کراچی)

وقد اشرنا الیٰ انه اذاتکلم بکلام کثیراو اکل أو شرب بین الفرض والسنة لاتبطل وهوالاصح بل نقص ثوابها قال العلامة الطحطاویؒ تحت هذا القول مثل ذالک اذاأخر السنة الیٰ آخر الوقت علی الاصح وقیل لاتکون سنة وظاهر کلامه یعم القبلية والبعدية والافضل الوصل فيهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۷۰۷

﴿نماز قضاء ہونے کی صورت میں بعد میں پڑھنے کو قضاء کہیں گے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب کہتے ہے کہ کسی نماز کی کوئی قضاء نہیں بلکہ جس وقت نماز پڑھی جائے وہ اداء ہوگی اسلئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ "فلیصلها اذا ذکرها فان ذلک وقتها" اس سے اداء ثابت ہوتی ہے نہ قضاء؟ شریعت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

مستفتی: ظاہر محمد صاحب رابعہ فلاور کراچی

﴿جواب﴾ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کیلئے اوقات مقرر کئے ہیں انکی رعایت بہت ضروری ہے نماز بھی انہی احکام میں سے ہے اسکے لئے وقت کی تعیین خود اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان کتاب میں کی ہے جیسا کہ آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے "ان الصلوٰة کانت علی المؤمنین کتٰبا موقوتا" لہٰذا وقت کے اندر نماز اگر پڑھے تو وہ اداء ہے، وقت گزرنے کے بعد اگر پڑھتا ہے تو نماز قضاء ہوگی اور حدیث میں "فان ذلک وقتها" الفاظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر وقت میں نماز اداء کرنے کی صورت میں بھی اداء ہی شمار ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے

کہ اصل وقت نکلنے کی صورت میں کسی بھی وقت پڑھے تو نماز ہو جائیگی لیکن مکروہ اوقات دوسری احادیث کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں، البتہ اصل وقت میں پڑھنے کا موقع غیر اختیاری عذر کی وجہ سے نہیں ملا تو گناہ نہ ہوگا تاہم ایسی صورت میں بھی توبہ استغفار کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

لمافی قوله تعالیٰ: ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتٰبا موقوتا. (سورة نساء آية ۱۰۳)

لما فى المشكوٰة: (۱/۵۹، طبع قديمى)

عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت الظهر اذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم يحضر العصر ووقت العصر مالم تصفر الشمس ووقت صلوٰة المغرب مالم يغب الشفق ووقت صلوٰة العشاء الى نصف الليل الاوسط ووقت صلوٰة الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس فاذا طلعت الشمس فامسك عن الصلوٰة فانها تطلع بين قرنى الشيطان (رواه مسلم)

ولمافى الدر مع الرد: (۱/۳۸۴، طبع سعيد)

(قوله ولو قضاء) قال فى الدرر لانه وقت القضاء وان فات وقت الاداء لقوله عليه السلام "فليصلها اذا ذكرها فان ذلك وقتها" اى وقت قضائها.

ولمافيه ايضا: (۲/۶۵-۶۶ طبع سعيد)

والقضاء فعل الواجب بعد وقته واطلاقه على غير الواجب كالتى قبل الظهر مجاز (الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر وقضاء لازم) يفوت الجواز لفوته للخبر المشهور "من نام عن صلوٰة" وبه يثبت الفرض العملى (وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة) لف نشر مرتب وجميع اوقات العمر وقت للقضاء الا الثلاثة المنهية كمامر (قوله وقت للقضاء) اى لصحته وان كان القضاء على الفور الا لعذر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۱۸

﴿قضاء نمازوں کا زندگی میں فدیہ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قضاء نمازوں کا فدیہ حالت مرض میں ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ قضاء نمازوں کا فدیہ زندگی میں ادا کرنا صحیح نہیں، زندگی میں قضاء نمازوں کا ادا کرنا ہی لازم ہے، البتہ مرض کیوجہ سے ادا نہ کر سکا اور وصیت کر لی، تو مرنے کے بعد اس کے ترکہ میں سے ایک تہائی کی حد تک اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی الدرالمختار:(۲/۷۴،طبع:سعید)

ولو فدی عن صلاته فی مرضه لا یصح بخلاف الصوم

ولمافی الشامی :(۲/۷۴،طبع:سعید)

سئل الحسن بن علی عن الفدية عن الصلاة فی مرض الموت هل تجوز ؟قال:لا ، وسئل أبويوسف عن الشيخ الفانی هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما تجب عليه عن الصوم وهو حی؟فقال:لا،

وفی القنية :ولا فدية فی الصلاة حالة الحياة هكذافی الهندية

ولما فی الفتاوی العالمگیرية :(۱/۱۲۵،طبع:رشيديه))

اذامات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع والصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله .

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۲۶ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　　　فتوی نمبر:۳۱۹۸

﴿بیٹا اپنے والد کی طرف سے فدیہ ادا کر سکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امریکہ میں میرا ایک دوست ہے ان کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے ایک انسان ہونے کی وجہ سے مرحوم کے ذمے نماز روزہ وغیرہ کے کچھ احکام رہ چکے ہیں اب ان کے بیٹے کی خواہش ہے کہ میں والد صاحب کی طرف سے کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں آیا اس کفارہ کی وجہ سے وہ بریٔ الذمہ ہو جائیں گے؟ آپ حضرات ہماری رہنمائی فرما کر کفارہ ادا کرنے کی وضاحت فرمائیں اور شریعت کی روشنی میں اس کا طریقہ کار بھی واضح فرمائیں۔ بینوا توا جروا۔　مستفتی:ظہور احمد کیانی ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ فرض نماز کسی وجہ سے رہ جائے یا روزہ بیماری یا کسی بھی وجہ سے انسان اگر نہ رکھ سکے تو زندگی میں قضاء کا حکم ہے البتہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے بعد میں قضاء کرنے کی طاقت بھی نہ رہے تو ہر روزہ کے بدلے ایک فطرانہ یعنی پونے دو کلو گندم، آٹا یا اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم ہے، نماز چونکہ ایسی حالت میں بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارہ کے ساتھ پڑھنے سے بھی ہو جاتی ہے اس لئے زندگی میں نماز کا فدیہ ادا کرنے سے بریٔ الذمہ نہیں ہوگا قضاء کرنا بہر حال ضروری ہے اور یہی اصل حکم ہے کہ موت سے پہلے پہلے ضروری حقوق ادا کرنے کا خود ہی انسان انتظام کرے

تاہم کسی وجہ سے خود نہ کرسکا تو وصیت کا حکم ہے خصوصاً فرض روزں کا فدیہ ادا کرنے سے متعلق تاکہ ورثاء اس کے ترکے سے بعد میں ادا کردیں۔ایسی صورت میں وہ بریٔ الذمہ ہوگا اور ترکہ سے ایک تہائی کی حد تک وصیت پر عمل کرنا ورثاء کے ذمہ واجب ہوگا بشرطیکہ مرحوم نے مال چھوڑ دیا ہو آپ کے دوست کے والد مرحوم نے وصیت نہیں کی ہے تو ہر ایک فوت شدہ نماز اور ہر ایک فوت شدہ روزے کے بدلے پونے دو کلو کے حساب سے گندم، آٹا یا اس کی قیمت غرباء ومساکین کو مرحوم کی طرف سے ان کا بیٹا ادا کریں تو امید ہے اللہ تعالیٰ رحم وکرم کا معاملہ فرمائیں گے اور بیٹے کیلئے بھی بڑے اجر وثواب کا باعث ہوگا یاد رہے کہ وتر بھی مستقل نماز ہے اس لئے دن رات کی چھ نمازوں کے حساب سے فدیہ ادا کردیں تو بہتر ہے۔

لما فی الشامی :(۴۲۷/۲،طبع:سعید کراچی)

وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطرويفدى وجوباً...الخ لان عذره ليس بعرض للزوال حتى يصيرالى القضاء فوجبت الفدية....عندالعجز بالموت تجب الوصية بالفدية.

ولمافي ردالمحتارعلى الدر المختار:(۴۲۲/۲،طبع:سعيد،كراچی)

وفدى لزوماعنه الى الميت وليه الذى يتصرف فى ماله كالفطرة قدرابعد قدرته عليه اى على قضاء الصوم بوصية من الثلث___(قوله من الثلث)اى ماله بعد تجهيزه وتكفينه وايضاديون العباد .

ولمافي ردالمحتارمع الدر:(۴۲۸/۲،طبع:سعيد،كراچی)

وان عجز عن الصوم اطعم ستين مسكيناكالفطرةاى نصف صاع من براوصاع من تمراوشعير(قوله نصف صاع من بر)اى من دقيقه اوسويقه __اوقيمته وهى افضل عندنالاسراع حاجة الفقير.

ولمافي ردالمحتار:(۴۲۶/۲طبع:سعيد،كراچی)

ولدية كل صلاة ولو وتراكمالى قضاء الفوائت كصوم يوم على المذهب

ولمافي ايضا:(۷۲/۲،طبع:سعيد كراچی)

ويعطى لكل صلوة نصف صاع من بركالفطرة وكذاحكم الوتر والصوم

وهكذافي البحر:(۱۰۲/۲،طبع:سعيد كراچی)

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفر لہ ولوالدیہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ　　فتویٰ نمبر:۳۹۸۱

﴿سنتوں کی قضاء لازم نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ قضاء فرض نماز کا واجب ہے یا واجبات اور سنت کی بھی واجب ہے؟

﴿جواب﴾ فرائض وواجبات کی لازم ہے سنن کی نہیں ہے، البتہ فجر کی سنتوں کی چونکہ تاکید زیادہ آئی ہے اس لئے اگلی نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے قضاء کا موقع اگر ملے تو انکی قضاء کرنی چاہئے

لما فی البحر: (۲/۷۴، طبع سعید)

لأن سائر السنن لا تقضی بعد الوقت لا تبعا ولا مقصوداً

ولما فی کتاب الأختیار: (۱/۸۹)

ویقضی الصلوات الخمس والوتر، وسنة الفجر اذفاتت معها، والاربع قبل الظهر یقضها بعدها،

قال تحت قوله (ولوتر) لمابینا من وجوبها، قال علیه الصلوة والسلام (من نام عن وتر أونسیه فلیصله اذاذکره او اذااستیقظ) فی روایة "من نام عن وتر فلیصل اذا أصبح" فکل ذلک یدل علی الوجوب (وسنة الفجر اذافاتت معها) لأنه علیه الصلاة والسلام قضاها معها لیلة التعریس. وعن محمدؒ أنه یقضیها وان فاتت وحدها. لأنه علیه الصلاة والسلام قضاها دون غیرها من السنن فدل علی اختصاصها بذلک

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا چمنی

۲۱ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۶۸

﴿فصل فی سجود السهو﴾

﴿سجدہ سہو کے مسائل﴾

﴿قصداً چھوٹے ہوئے واجب کی تلافی سجدہ سہو سے نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب سستی یا لاعلمی کی وجہ سے اگر چھوٹ جائے تو کیا اس کی تلافی سجدہ سہو سے ہوتی ہے؟

﴿جواب﴾ سجدہ سہو سے صرف ایسی غلطیوں کی تلافی ہوسکتی ہے جو دوران نماز بھول سے ہوگئی ہوں واجبات میں سے کوئی واجب قصداً چھوڑ دیا جائے یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے رہ

جائے تو ایسی غلطی کی تلافی سجدہ سہو سے نہیں ہوتی بلکہ نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

لما فی التنویر مع الدر :(۴۵۶/۱،طبع: سعید)

(ولها واجبات)لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو ان لم يسجد له

ولما فی البحر الرائق:(۹۱/۲،طبع سعید)

انه لا يجب السجود في العمد وانما تجب الاعادة اذا ترك واجبا عمدا جبر النقصانه

ولما فی الهندیه:(۱۲۶/۱،طبع:رشیدیه)

وظاهر كلام الجم الغفير انه لا يجب السجود في العمد وانما تجب الاعادة جبرا لنقصانه

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۱۵ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر: ۳۱۵۹

﴿نماز کے دوران کئی غلطیوں کیلئے ایک سجدہ سہو کافی ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی شخص سے ایک نماز کے دوران متعدد ایسی غلطیاں سرزد ہو جائیں جس سے سجدہ سہو لازم آتا ہو یا سجدہ سہو کرنے کے بعد ایسی غلطی ہو جائے .تو ایسی صورت میں صرف ایک ہی سجدہ سہو سے سب غلطیوں کی تلافی ہو جائیگی. یا کئی دفعہ سجدہ سہو کرنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ دوران نماز بھول سے اگر چہ کئی غلطیاں ہو جائیں .سجدہ سہو ایک ہی لازم ہوتا ہے جس سے تمام غلطیوں کی تلافی ہوتی ہے؛

ہر غلطی کیلئے الگ سجدہ سہو جائز نہیں ہے اسی طرح سجدہ سہو کرنے کے بعد پھر ایسی کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے.

لما فی رد المحتار :(۸۰/۲،طبع: سعید)

حتى لو ترك جميع واجبات الصلوة سهوا لا يلزم الا سجدتان

ولما فی البحر الرائق: (۸۹/۲، ۹۹،طبع: سعید)

انه لا يتكرر الوجوب بترك اكثر من واجب حتى لو ترك جميع واجبات الصلوة ساهيا فانه لا يلزمه اكثر من سجدتين

ولما فی الفتح القدیر:(۵۱۶/۱،طبع:رشیدیه)

وتقريره ان سجود السهو تأخر عن زمان العلة وهو وقت وقوع السهو تفاديا عن تكراره اذالشرع لم يرد به فاخر ليكون جبرا لكل سهو يقع في الصلوة.

ولما فی فتاویٰ قاضی خان:(۱/۱۱۶،طبع: قدیمی)

اذاشک فی سجود السهوانه سجد سجدة او سجدتین و طال تفکره ثم تذکر لا سهو علیه

ولما فی التاتار خانیه:(۱/۵۱۷،طبع:قدیمی)

وقال شمس الأئمة الحلوانی:القعدة بعد سجدتی السهو لیست برکن وانما امر بها بعد سجود السهولیقع ختم الصلوة بها فیوافق موضوع الصلوة ونظمها فأما ان یکون رکنا فلا حتی لو ترک بأن یسجد سجدتین بعد التسلیم ثم قام وذهب لم تفسد صلوته

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۷صفرالخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۵۵

﴿امام کے اقتداء میں مقتدی کی انفرادی غلطی سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب باجماعت نماز کے دوران اگر کسی سے انفرادی طور پر غلطی ہوجائے تو کیا وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کریگا ؟

﴿جواب﴾ نماز میں دوران اقتداء سجدہ سہو والی غلطی کرنے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا امام کی وجہ سے بچت ہوجاتی ہے لہٰذا ایسی صورت پیش آجائے تو سلام پھیرنے کے بعد کوئی سجدہ سہو نہ کرے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۸۲،طبع:سعید)

(ومقتد بسهوامامه ان سجد امامه)لوجوب المتابعة(لا سهوه)اصلا

ولمافی الهندیه:(۱/۱۲۸،طبع:رشیدیه)

سهوالمؤتم لا یوجب السجدة

ولمافی البحرالرائق:(۲/۹۹،طبع:سعید)

(قوله وبسهوامامه لابسهوه)

الجواب صحیح: عبدالرحمان عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۲صفرالخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۴۰

﴿سجدہ سہوہ کا حکم فرائض اور واجبات کیساتھ خاص نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سجدہ سہو کرنے کا حکم صرف فرض اور واجب نمازوں کیساتھ خاص ہے یا سنن اور نوافل نمازوں میں بھی سجدہ سہو کرنے کا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ سجدہ سہو کرنے کا حکم صرف فرائض اور واجبات کیساتھ خاص نہیں. بلکہ سنن اور

نوافل میں بھی اگر بھول سے ایسی غلطی ہو جائے تو اسکی تلافی بھی سجدہ سہو سے ہوگی۔

لما فی التنویر مع الدر:(۹۲/۲طبع: سعید)

والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه فی الاولیین لدفع الفتنة كما فی جمعة.

ولما فی الهندیه: (۱۲۶/۱طبع رشیدیه)

وحكم السهو فی الفرض والنفل سواء كذا فی المحيط.

ولما فی البحر الرائق:(۹۱/۲طبع سعید)

فان سجود السهو فی مطلق الصلوة ولا يختص بالفرائض

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۱۵صفرالخیر ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر: ۳۱۵۸

﴿رکوع مؤخر کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور نماز کے دوران سورۂ فاتحہ اور ایک سورۃ پڑھنے کے بعد رکوع کئے بغیر سجدہ میں چلا گیا اور ابھی ہاتھ اور گھٹنے زمین پر لگائے سجدہ نہیں کیا کہ رکوع یاد آ گیا، فوراً رکوع کرنے کی طرف لوٹ گیا اور رکوع کر کے بقیہ نماز مکمل کر لی تو، پوچھنا یہ ہے کہ آیا اس شخص پر سجدہ سہو واجب ہے کہ نہیں؟ برائے مہربانی راہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: حاجی طالب حسین پی این ٹی کورنگی ا

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص پر تاخیر رکن (رکوع) کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہے، لہٰذا اگر اس نے نماز کے آخر میں سجدہ سہو کر لیا تب تو نماز مکمل ہوگئی ورنہ نماز لوٹانا ضروری ہے۔

لما فی الدر المختار:(۴۶۹/۱،طبع سعید)

"وبقی من الواجبات اتيان كل واجب أوفرض فی محله،فلوأتم القرأة فمكث متفكراً سهوأثم ركع أوتذكرالسورة راكعاً فضمها قائماً أعاد الركوع وسجد للسهو" وفی الشامية:(قوله: فلوأتم القرأة) وهذامثال لتأخير الفرض وهوالركوع هناعن محله.

ولمافيه أيضاً:(۴۷۰/۱،طبع سعید)

"وترك كل زيادة تتخلل بين الفرضين" وفی الشامية:ويدخل فی الزيادة السكوت حتى لوشك فتفكر سجد للسهو كمامر"

ولمافی ردالمحتار:(۴۶۹/۱،طبع سعید)

وهكذاكل زيادة بين فرضين يكون فيهاترك واجب بسبب تلك الزيادة ويلزم منهاترك

واجب آخر وهو تأخير الفرض الثاني عن محله.

ولما في الهندية:(۱/۱۳۹،طبع قديمي)

"ولا يجب السجود الابترك واجب أوتأخيره أوتأخير ركن أوتقديمه أوتكرار أوتغييره واجب.

ولما في البزازية على هامش الهندية:(۴/۶۳،طبع رشيديه)

سها في صلوته أنها الظهر أو العصر أو غير ذلك ان تفكر قدر مايؤدى فيه ركن كالركوع لزم وان قليلا لا.

ولما في الطحطاوي في حاشيته على مراقي الفلاح:(۱/۴۷۴،طبع قديمي)

ولم يبينوا قدر الركن وعلى قياس ماتقدم أن يعتبر الركن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسبيحات.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب: عبدالباری چشتی

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۷۷

﴿ چار رکعت سنت غیر مؤکدہ پڑھنے کا طریقہ اور ایک صورت میں سجدۂ سہو کا حکم ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ پڑھنے کا ایک ہی طریقہ ہے یا کچھ مختلف ہے؟ (۲) نیز اگر کوئی شخص چار رکعت سنت غیر مؤکدہ میں دو رکعت کے بعد بھول کر سلام پھیر دے پھر یاد آنے پر اٹھ کر چار رکعت مکمل کرے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر لازم ہوگا تو کیوں حالانکہ اسمیں ہر دو رکعت مستقل نماز ہے؟

مستفتی: حاجی نصیر احمد

﴿جواب﴾ (۱) سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ پڑھنے میں صرف اتنا فرق ہے کہ سنت مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں "عبدہٗ ورسولہ" تک تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے اٹھنا ہوتا ہے اور سنت غیر مؤکدہ کی سنتوں میں تشہد کے بعد درود شریف دعا سمیت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے اٹھنا ہوتا ہے اور تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے ثناء اور تعوذ بھی پڑھنا چاہیے، یہی صحیح طریقہ ہے اگر چہ سنت مؤکدہ کی طرح پڑھنے سے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے۔

لما في تنوير الابصار:(۲/۱۶،طبع سعيد)

(ولا يصلي على النبي ﷺ في القعدة الاولى في الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها) ولو صلى ناسياً فعليه السهو وقيل لا شئى (ولا يستفتح اذا قام الى الثالثة منها وفي البواقي من ذوات الاربع يصلي على النبي ﷺ (ويستفتح) ويتعوذ ولو نذراً لأن كل شفع صلاة.

(۲) چار رکعت والی سنت غیر مؤکدہ نماز ایک لحاظ سے ہر دو رکعت اگر چہ مستقل نماز ہے

لیکن چاروں رکعتوں کو ایک تحریمہ سے ادا کرنے میں دونوں شفعوں کے ایک نماز ہونے کی جہت کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، ورنہ ایک شفعہ کا بغیر سلام کے اور دوسرے کا بغیر تحریمہ کے ہونا لازم آئیگا، مذکورہ صورت میں سہواً سلام پھیرنے کے بعد مزید نماز کی بناء کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی بھولے سے وسط نماز میں سلام پھیر دے، لہٰذا سجدہ سہو لازم ہے۔

لمافی غنیۃ المستملی:

والحاصل ان کل رکعتین صلاۃ علی حدۃ من وجہ دون وجہ فاعتبر کونہ صلاۃ علی حدۃ فی حق القرأۃ للاحتیاط اذبالنظر الیہ تجب القرأۃ فی کل شفع وبالنظر الیٰ ان الکل صلاۃ علیٰ حدۃ لاتجب فالاحتیاط للوجوب کما فی الوتر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۰۶۲

﴿سورۃ فاتحہ کو مکرر پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ اگر کسی نے فرض نماز کی پہلی یا دوسری رکعت میں دو مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ لی، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ پہلی یا دوسری رکعت میں اگر سورۃ فاتحہ کو بھولے سے مکرر پڑھا اور درمیان میں کوئی سورۃ بھی نہیں پڑھی تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔

لمافی العالمگیریۃ: (۱۲۶/۱، طبع رشیدیہ)

ولو کررھا فی الاولیین یجب علیہ سجود السھو بخلاف مالو اعادھا بعد السورۃ او کررھا فی الاخریین کذا فی التبیین.

ولمافی الھدایۃ: (۱۶۴/۱-۱۶۵، طبع رحمانیہ)

ویلزمہ السھو اذازادفی صلاتہ فعلامن جنسھالیس منھا وھذایدل علی ان سجدۃ السھو واجبۃ ھوالصحیح لانھاتجب لجبرنقصان تمکن فی العبادۃ کدماء فی الحج واذاکان واجبالایجب الابترک واجب اوتاخیرر کن ساھیاھذاھوالاصل وانماوجبت بالزیادۃ لانھالاتعری عن تاخیررکن اوترک واجب.

ولمافی الشامیۃ: (۴۶۰/۱، طبع سعید)

(وکذاترک تکریرھا) فلوقراھافی رکعۃ من الاولیین مرتین وجب سجود السھولتاخیر الواجب وھوالسورۃ کمافی الذخیرۃ وغیرھا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر: ۸۴۷

﴿بھول کر سورت کو فاتحہ سے پہلے پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب اگر کسی نے نماز میں بھولے سے سورت پہلے پڑھی اور فاتحہ بعد میں پڑھی تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ سورۃ فاتحہ اور سورت میں ترتیب کی رعایت واجب ہے سہوا خلاف کرنے کی صورت میں سجدہ سے کفایت ہو جاتی ہے

لما فی البحر الرائق:(۱/۲۹۶،طبع:سعید)

احدهما وجوب تقديم الفاتحة على السورة لثبوت المواظبة منه ﷺ كذلك حتى قالو الو قرأ حرفا من السورة قبل الفاتحة ساهيا ثم تذكر يقرأ الفاتحة ثم السورة ويلزمه سجود السهو

ولما فی الهندية:(۱/۱۲۶،طبع:رشيديه)

ولو اخر الفاتحة عن السورة فعليه سجود السهو كذا في التبيين

ولما فی الحلبی الكبيری:(ص:۲۵۸،طبع: نعمانية)

تقديمها اى تقديم الفاتحة على السورة لمواظبته عليها ايضا

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۶۷۹

﴿سورہ فاتحہ کی ایک آیت بھی بھولے سے رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی سے فرض، واجب، سنت یا نفل نماز کی کسی رکعت میں پوری سورۃ فاتحہ یا اس کی کچھ مقدار بھولے سے چھوٹ جائے اور پھر آخری قعدہ میں اس کو یاد آجائے تو کیا اس سے سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ فرض نماز اگر چار یا تین رکعات والی ہے تو اس کی پہلی دو رکعتوں میں اگر سورۃ فاتحہ کی ایک ایت بھی بھولے سے رہ جائے تو اس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور آخری دو رکعتوں میں اگر فاتحہ کی کچھ مقدار یا پوری فاتحہ رہ جائے تو اس سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، دو رکعات والی فرض نماز اسی طرح واجب ، تمام سنت اور نوافل کی کسی بھی رکعت میں سورہ فاتحہ کی ایک ایت بھی بھولے سے اگر رہ جائے تو اس سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے.

لما فی التنوير مع الدر: (۱/۴۸۸،طبع: سعید)

(قرأة فاتحة الكتاب) فيسجد بترك أكثرها لا اقلها لكن في المجتبى يسجد بترك اية وهو اولى

وقال الشامی تحته (قوله وهواولیٰ)لعله للمواظبة المفيدة للوجوب

ولما فی السعایہ:(۱۲۶/۲،طبع سہیل اکیڈمی)

وليس معناه الا كون كل اٰية اٰية منها واجبا علیٰ حدة يلزم وجوب سجدة السهو بترك اقلها قطعا

ولما فی البحر الرائق:(۹۳/۲،طبع: سعید)

اما فی النفل والوتر فلا بد من القرة فی الكل

ولما فی الھندیہ:(۱۳۹/۱،طبع: قدیمی)

وان تركها فی الاخريين لا يجب ان كان فی الفرض وانكان فی النفل او الوتر وجب عليه

ولما فی السعایہ:(۱۲۶/۲،طبع: سہیل اکیڈمی)

ثم وجوبها فی الفرض ليس فی كل الركعات بل فی الركعتين الاوليين واما ركعات النفل والوتر والعيدين فتجب فی كلها كما فی البحر

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۸۱

﴿فاتحہ سے پہلے یا بعد میں تشہد اور تشہد سے پہلے یا بعد فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب اگر کوئی آدمی قیام کی حالت میں فاتحہ سے پہلے یا فاتحہ کے بعد تشہد پڑھے یا قعدہ میں تشہد سے پہلے یا تشہد کے بعد فاتحہ پڑھ لے تو کیا اس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ قیام کی حالت میں فاتحہ سے پہلے کوئی تشہد پڑھے یا قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد فاتحہ پڑھے تو اس سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اس لئے کہ فاتحہ سے پہلے مقام ثناء ہے اور تشہد کے بعد دعاء کا موقع ہے اور تشہد ثناء جبکہ فاتحہ دعاء ہے البتہ فاتحہ کے بعد تشہد پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اس لئے کہ فاتحہ کے بعد بلا تاخیر سورت کا پڑھنا واجب ہے اسی طرح قعدہ اولیٰ اور اخیرہ میں تشہد سے پہلے اور قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد فاتحہ پڑھنے سے بھی سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

لما فی الدر مع الرد:(۴۷۰/۱،طبع: سعید)

وترك كل زيادة تتخلل بين الفرضين

وقال الشامی تحته وقوله بين الفرضين غير قيد فتدخل الزيادة بين فرض وواجب كالزيادة بين التشهد الاول والقيام الی الركعة الثالثة لما مر والظاهر ان منه قرأة التشهد

بعد السجدة الثانية بلا تاخير حتى لو رفع من السجدة وقعد ساكتا يلزمه السهو

ولما في الحلبي الكبيري:(ص:۲۹۷،۲۹۸ طبع نعمانيه)

او قرأ القرآن في ركوعه او في سجوده او في موضع التشهد يجب عليه سجود السهو للزوم تاخير الواجب ....لو تشهد في قيامه قبل قرأة الفاتحة فلا سهو عليه وبعدها يلزمه وهو الاصح لانه محل قرأة السورة فقد اخر الواجب ....وان قرأ القرآن بعد قرأة التشهد في القعدة الأخيرة لا سهو عليه لانه محل الثناء والدعاء والقرآن يشتمل عليهما

ولما في التاتارخانيه:(۵۲۲/۱ طبع قديمى)

واذا فرغ من التشهد وقرأ الفاتحة فلا سهو عليه و اذاقرأ الفاتحة مكان التشهد وفي الخانية او قرأ اية من القرآن فعليه السهو وكذالك اذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو كذا روى عن ابى حنيفةؒ وفي واقعات الناطقى وذكر هناك اذابدأ في موضع التشهد بالقرأة ثم التشهد فعليه السهو وبمثله لو بدأ بالتشهد ثم بالقرأة فلا سهو عليه ....ولو قرأ التشهد قائما او راكعا او ساجدا لا سهو عليه لان التشهد ثناء والقيام موضع الثناء والقرأة

ولما في الهنديه:(۱/۱۲۷ طبع: رشيديه)

ولو قرأ التشهد في القيام ان كان في الركعة الاولى لا يلزمه شيء وان كان في الركعة الثانية اختلف المشايخ فيه والصحيح انه لا يجب كذا في الظهيرية ولو تشهد في قيامه قبل قرأة الفاتحة فلا سهو عليه وبعده يلزمه سجود السهو وهو الاصح لان بعد الفاتحة محل قرأة السورة فاذاتشهد فيه فقد اخر الواجب وقبلها محل الثناء كذافي التبيين

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۸۵

﴿سری نماز میں جہراً اور جہری نماز میں سراً قرأت کرنے سے سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب امام اگر جہری نماز میں سراً قرأت کر لے یا سری نماز میں جہراً قرأت کر لے تو کتنی مقدار ہے جسکی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اسی طرح اگر منفرد جہری نماز میں سراً قرأت کر لے یا سری نماز میں جہراً قرأت کر لے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

مستفتی: طارق علیم صاحب

﴿جواب﴾ امام تین چھوٹی آیات یا ایک آیت طویلہ کے بقدر اگر جہری نماز میں اخفاء کرے یا سری نماز میں جہر کرے اسی طرح منفرد اگر سری نماز میں جہر کرے تو اس سے سجدہ سہو

واجب ہو جاتا ہے لیکن منفرد کے جہری نماز میں سراً قرأت کرنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اس لئے کہ جہری نماز میں منفرد کو اختیار ہوتا ہے

لما فی التنویر مع الدر:(۸۱/۲،طبع:سعید)

(والجهر فيما يخافت فيه)للامام (وعكسه لكل مصل فى الاصح)والاصح تقديره (بقدرماتجوز به الصلوٰة فى الفصلين)

ولمافى الردالمختار:(۸۱/۲،طبع:سعيد)

وقال فى شرح المنية:والصحيح ظاهر الرواية وهو التقديربما تجوز به الصلوٰة من غير تفرقة لان القليل من الجهر فى موضع المخافتة علو ايضاً

ولما فى الحلبى الكبيرى :(۴۹۲تا۴۹۵،طبع:نعمانيه)

وذكر فى المحيط ان فى رواية النوادر عليه السهو وميل الشيخ كمال الدين بن الهمام الىٰ ان المخافتة واجبة على المنفرد فى موضعهافيجب بتركها السهوو هوالاحتياط .....ولو جهرالامام فيمايخافت او خافت فيما يجهر قدر ماتجوزبه الصلوٰة يجب سجودالسهو عليه وهو اى التقدير بمقدار ما تجوز به الصلوٰةهو الاصح

ولما فى الدر المختار:(۵۳۳/۱،طبع:سعيد)

و فى السرية يخافت حتما على المذهب وقال الشامى تحته (قوله على المذهب) كذافى البحر رادأعليهما فى العناية من ان ظاهرالرواية انه مخير اقول .....واما جواب رواية النوادر فانه يلزمه السهو وفى الذخيرة اذا جهر فيما يخافت عليه السهو وفى ظاهرالرواية لا سهو عليه نعم صحح فى الدرر تبعا للفتح والتبيين وجو بالمخافتة ومشى عليه فى شرح المنية والبحروالنهر والمنح وقال فى الفتح:فحيث كانت المخافتة واجبة ينبغى ان يجب بتركها السجود

ولما فى الهندية :(۷۳/۱،طبع:رشيديه)

وان كان منفردا ان كانت صلاة يخافت فيها يخافت حتما هوالصحيح وان كانت صلاة يجهر فيها فهو بالخيار

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
فتویٰ نمبر: ۳۱۹۱

﴿امام جب سہو کا سلام پھیرے تو مسبوق اور مدرک کے لیے سلام پھیرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام جب سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرے تو مسبوق اور مدرک بھی سلام پھیریں گے یا نہیں؟ اور اگر سلام

پھیر دیں تو کیا حکم ہے؟ بینوا وتو جروا۔ مستفتی: محمد حسن پشاور

﴿جواب﴾ امام اگر سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرے تو مدرک بھی سلام پھیرے گا کیونکہ امام کی اتباع مقتدی پر لازم ہے لیکن مسبوق کے لیے سلام پھیرنا صحیح نہیں بلکہ بغیر سلام پھیرے امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور اگر یہ جانتے ہوئے کہ وہ مسبوق ہے پھر بھی سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر سہوا پھیرا ہو یعنی بے خیالی میں غلطی سے سلام پھیر دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

لما في الشامي: (۴۷۰/۱ مطلب مهم في تحقيق المتابعة للامام طبع سعيد)

(قوله ومتابعة الامام) قال في شرح المنية: لا خلاف في لزوم المتابعة في الاركان الفعلية اذ هي موضوع الاقتداء.

ولما في الشامي: (۸۲،۸۳/۲ باب سجود السهو طبع سعيد)

(والمسبوق يسجد مع امامه) قيد بالسجود لانه لا يتابعه في السلام بل يسجد معه ويتشهد فاذا سلم الامام قام الى القضاء، فان سلم فان كان عامدا فسدت والا لا.

ولما في الهداية: (۱۳۶/۱، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها مكتبه رحمانيه)

بخلاف السلام ساهيا لانه من الاذكار فيعتبر ذكرا في حالة النسيان وكلاما في حالة التعمد لما فيه من كاف الخطاب.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشاوری

۱۳ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ فتوی نمبر: ۲۸۵۴

﴿خلیفہ کو سجدہ سہو کا اشارہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ امام کو دوران نماز حدث لاحق ہو گیا جبکہ امام پر سجدہ سہو بھی لازم ہے تو امام کسی کو خلیفہ بناتے وقت کیسے سمجھائے گا کہ سجدہ سہو کرنا ہے؟ مستفتی: محمد عظیم صاحب

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں امام اپنے خلیفہ کو بات کئے بغیر ہاتھ کے اشارے سے سمجھائے گا، اس اشارہ سے متعلق فقہاء کرام رحمھم اللہ سے مختلف تصریحات منقول ہیں مثلاً: بعض فقہاء کرام رحمھم اللہ کے ہاں امام سجدہ سہو کے اشارہ کیلئے سینے پر ہاتھ رکھے گا اور بعض کے ہاں سینے پر انگلی رکھے گا، ان دونوں اقوال میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر پہلے قول کو اختیار کیا جائے تو دونوں صورتوں پر عمل ہو جائیگا۔

لما في الدر المختار شرح تنوير الأبصار (۲/۳۵۳، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف)

ويضع يده على ركبته لترك ركوع وعلى جبهته لسجود وعلى فمه لقراءة وعلى جبهته ولسانه لسجود تلاوة أو صدره لسهو.

ولما في حاشية الطحطاوي على تنوير الأبصار: (۱/۲۵۶، كتاب الصلاة، طبع رشيديه)

(قوله: وصدره) أي يضع يده على صدره فقط لسجود سهو.

ولما في البحر الرائق: (۱/۳۶۹، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، طبع سعيد)

ولسجدة التلاوة بوضع اصبعه على الجبهة واللسان وللسهو على صدره.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حفیظ اللہ بیگ چترالی

صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۴۹

﴿فرض نماز کے آخری دو رکعتوں میں سورۃ ملانے سے سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے چار رکعتوں والی فرض نماز کے آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد ایک اور سورۃ بھی ملایا تو کیا اس شخص پر سجدہ سہو واجب ہوا یا نہیں؟ مستفتی: حیات اللہ خان پشین

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوا، البتہ اسکا یہ فعل خلاف سنت ہے اس لئے آئندہ اس سے اجتناب کرے۔

لما في التنوير مع الدر: (۱/۴۵۸، ۴۵۹، طبع سعيد)

"(وضم سورة في الأوليين من الفرض) وهل يكره في الأخريين؟ المختار لا" وفي الشامي: (قوله: المختار لا) أي لا يكره تحريماً بل تنزيهاً لأنه خلاف السنة"

ولما في البحر الرائق: (۱/۲۹۶، طبع بيروت)

"وهذا الضم واجب في الأوليين من الفرض وفي جميع ركعات النفل والوتر كالفاتحة، وأما في الأخريين من الفرض فليس بواجب ولا سنة بل هو مشروع فلو ضم السورة الفاتحة في الأخريين لا يكون مكروهاً كما نقله في غاية البيان عن فخر الاسلام".

ولما في رد المحتار: (۱/۴۵۹، طبع سعيد)

"وفي البحر عن فخر الاسلام أن السورة مشروعة في الأُخريين نفلاً، وفي الذخيرة أنه المختار، وفي المحيط وهو الأصح، والظاهر أن المراد بقوله نفلاً الجواز، والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافي كونه خلاف الأولى".

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبد الباری پشینی

۲۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۷۵

﴿سجدہ سہو لازم نہ تھا پھر بھی سجدہ سہو کرلیا تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے نماز میں کسی سنت کو ترک کیا اور یہ سمجھا کہ سجدہ سہو لازم ہو گیا پھر سجدہ سہو کرنے کے بعد پتہ چلا کہ اس پر سجدہ سہو لازم نہ تھا، اب اس کی نماز ہو گئی یا اعادہ ضروری ہے؟ مستفتی: نوید حسین راولپنڈی

﴿جواب﴾ جس شخص پر سجدہ سہو واجب نہ ہو اور محض ظن ہو کہ سجدہ سہو لازم ہے ایسے شخص کو سجدہ نہ کرنا چاہیے، تاہم اگر سجدہ سہو کرلیا تو نماز فاسد نہ ہوگی آئندہ کے لیے خیال رکھے اور نماز کے ضروری مسائل سیکھنے کی کوشش کرے۔

لما فی تنویر الابصار:(۱/۵۹۹،قبیل الاستخلاف،طبع سعید)

ولو ظن الامام السهو فسجد له فتابعه(المسبوق)فبان ان لا سهو فالاشبه الفساد.

وفی الشامية:(قوله فالاشبه الفساد)وفی الفيض:وقيل لا تفسد وبه يفتى وفی البحر عن الظهيرية قال الفقيه ابو الليث:فی زماننا لا تفسد لان الجهل فی القراء غالب.

ولما فی فتاوی قاضی خان:(۱/۹۲،فصل فی المسبوق،طبع قديمی)

اذاظن الامام ان عليه سهوا فسجد للسهو وتابعه المسبوق فی ذلک ثم علم ان الامام لم يكن عليه سهوا فيه روايتان واختلف المشائخ لاختلاف الروايتين و اشهرهما ان صلاة المسبوق تفسد وقال الشيخ الامام ابو حفص الكبير رحمه الله تعالى لا تفسد وان لم يعلم انه لم يكن سهوا على الامام لم تفسد صلاة المسبوق فی قولهم.

ولما فی الهندية:(۱/۹۲،فصل فی المسبوق واللاحق،طبع رشيديه)

ولو ظن الامام ان عليه سهوا فسجد للسهو فتابعه المسبوق فيه ثم علم انه لم يكن عليه سهو فاشهر الروايتين ان صلاة المسبوق تفسد لانه اقتدى فی موضع الانفراد قال الفقيه ابو الليث فی زماننا لا تفسد هكذا فی الظهيرية و ان لم يعلم لا تفسد صلاته فی قولهم كذا فی فتاوی قاضی خان هو المختار وبه يفتى ابو حفص الكبير وهو الماخوذبه كذا فی الغياثيه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تاجد محمود کھوٹہ

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۰۷

﴿سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرنا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا سجدہ سہو کے لیے سلام ضروری ہے؟ یہاں عام طور پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کرتے ہیں جب کہ بخاری شریف میں اس کے

برعکس بغیر سلام پھیرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے؟ مستفتی: مقتدی ابوبکر مسجد فیز۲

﴿جواب﴾ سجدہ سہو کے لیے سلام احناف کے نزدیک سنت اور افضل ہے اور سلام پھیرے بغیر بھی سجدہ سہو کرنا جائز ہے لیکن خلاف سنت اور مکروہ تنزیہی ہے۔

بخاری شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً سلام پھیرے بغیر سجدہ سہو کرنے کی روایت اگر ہے تو اسی بخاری شریف میں اور دیگر کتب احادیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنے کی بھی تو ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب قولی اور فعلی حدیث میں تعارض ہو جائے تو فعلی حدیث کے مقابلے میں قولی حدیث پر عمل کیا جائے گا کیونکہ بہت سارے افعال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں یا محض تعلیم جواز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کوئی عمل اختیار کر لیتے ہیں لیکن قولی احادیث امت کے لیے ہوتی ہیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنے کی فعلی احادیث بھی ثابت ہیں، لہٰذا کوئی ایک حدیث نظر سے گزر جائے تو حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی، علماء سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

لما فی ردالمحتار:(۵۴۰/۲،باب سجود السہو،طبع امدادیہ)

(بعد سلام)متعلق بمحذوف حال من فاعل یجب لا بیجب،کما یاتی من انہ لو سجد قبل السلام کرہ تنزیہاً.

ولما فی عمدۃ القاری:(۴۳۹/۷،کتاب السہو،طبع رشیدیہ)

وذهب ابوحنیفة واصحابه والثوری الیٰ ان السجود یکون بعد السلام فی الزیادة والنقص،وهو مروی عن علیّ بن ابی طالب وسعد بن وقاص وابن مسعود وعمار وابن عباس وابن الزبیر وانس بن مالک والنخعی وابن ابی لیلیٰ والحسن البصری،واحتجوا بحدیث ذی الیدین المخرج فی (الصحیحین)وفیه:((فاتمّ رسول الله صلیّ الله علیه وسلّم مابقی من الصلاة ثم سجد سجدتین وهو جالس بعد التسلیم))،واحتجوا أیضاً بأحادیث أخریٰ،ومنها ما رواه الترمذی من حدیث الشعبی قال:((صلیٰ بنا المغیرة بن شعبة فنهض فی الرکعتین فسبّح به القوم وسبّح بهم،فلمّا صلیٰ بقیة صلاته سلّم ثم سجد سجدتی السهو وهو جالس، ثم حدّثهم أن رسول الله صلی الله علیه وسلّم فعل بهم مثل الذی فعل))،ومنها ما رواه ابوداود وابن ماجة واحمد فی (مسنده)،وعبدالرزاق فی (مصنفه)والطبرانی فی (معجمه)من حدیث ثوبان عن النبیّ صلی الله علیه وسلّم أنه قال (لکلّ سهو سجدتان بعد مایسلّم)

واما الجواب عن أحادیثهم فنقول:أمّا حدیث الباب،وهو حدیث بن بحینه فهو یخبر عن

فعله صلى الله عليه وسلم وفي احاديثنا ما يخبر عن قوله،فالعمل بقوله أولى،على أنه قد تعارض فعلاه،لأن في احاديثهم أنه صلى الله عليه وسلم سجد قبل السلام،وفي احاديثنا سجد بعد السلام،ففي مثل هذاالمصير الى قوله اولى،وقد يقال:ان سجوده بعد السلام،انما كان لبيان الجوازقبل السلام لا لبيان المسنون.

ولما في مجمع الأنهر:(۲۱۹/۱،باب سجودالسهو،مكتبة المنار كوئٹه)

(بعدالتسليمتين)بيان لمحله المسنون عندنا وعندالشافعي قبل السلام،وفي التبيين وهذا الخلاف في الأولوية،ولا خلاف في الجواز قبل السلام وبعده،لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم مثل المذهبين قولاً وفعلاً،لكن ذكرالمقدسي كراهته تنزيهاً(وقيل بعد) تسليمة(واحدة)كما هو مختار فخرالاسلام،وصاحب الايضاح، وصاحب الكافي وشيخ الاسلام وفي المجتبى وهوالاصح وفي المحيط على قول عامةالمشائخ:يكتفي بتسليمة واحدة.

ولما في التاتارخانية:(۵۱۷/۱،الفصل السابع عشرفي سجودالسهو، طبع قديمي)

واما بيان محلها:فنقول:سجودالسهوبعدالسلام،سواء كان من زيادة او نقصان،وقال الشافعي رحمه الله تعالى:يسجد قبل السلام،ولو سجد قبل السلام اجزأه عندنا.

ولما في بدائع الصنائع:(۱۷۲/۱ـ۱۷۳،فصل،طبع سعيد)

واما بيان محل السجود للسهو فمحله المسنون بعد السلام عندنا سواء كان السهوبادخال زيادةفي الصلاةاو نقصان فيها.....واما محل جوازه فنقول جوازالسجود لا يختص بما بعد السلام حتى لوسجد قبل السلام يجوز ولا يعيد لأنه أداه بعدالفراغ من أركان الصلاة الا أنه ترك سنته وهو الاداء بعد السلام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب:محمد شعیب پشاوری

۲۰محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۸۳

﴿نماز میں سجدہ بھول جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ تراویح کی پہلی رکعت میں زید ایک سجدہ ادا کرنا بھول گیا اور قیام کے لئے کھڑا ہو گیا لیکن کھڑے ہوتے ہی اسے یاد آیا تو فوراً سجدہ کی ادائیگی کے لئے سجدہ میں چلا گیا اور پھر قیام کے لئے کھڑا ہوا اور نماز پوری کرنے کے بعد سجدہ سہو بھی کیا تو کیا صورت مذکورہ میں زید کی نماز ادا ہوئی کہ نہیں؟ مستفتی:سلمان سواتی

﴿جواب﴾ مسئولہ صورت میں زید نے جس طریقہ سے نماز ادا کی اس طریقہ کے مطابق

اس کی نماز ہوگئی، دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لمافی الشامی: (۱/۶۲ طبع سعید)

حتی لو ترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أوسجود فانه يقضيها ولا يقضي ما فعله قبل قضائها مما هو بعد ركعتها من قيام اوركوع او سجود بل يلزمه سجود السهو فقط.

ولمافی الهندية: (۱/۱۴۰ قديمی)

ومنها رعاية الترتيب في فعل مكرر فلو ترك سجدة من ركعة فتذكرها في اخر الصلاة سجدها وسجد للسهو لترك الترتيب.

ولما فی قاضی خان: (۱/۱۱۸ طبع قديمی)

وان كان اماما فصلى ركعة وترك منها سجدة فصلى ركعة اخرى وسجدلها فتذكر المتروكة في السجود فانه يرفع راسه من السجود ويسجد المتروكة ثم يعيد ما كان فيها لانها ارتفضت فيعيد ها استحسانا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی

۱۸ المحرم ۱۴۳۲ھ | فتویٰ نمبر: ۲۷۶۳

﴿مغرب کی نماز غلطی سے تین کے بجائے چار رکعات پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مغرب کی نماز تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھے تو سجدہ سہو سے تلافی ہوجائے گی یا ازسرِ نو نماز پڑھنی ہوگی؟ بینواتوجروا

سعید الرحمٰن اورنگی ٹاون کراچی

﴿جواب﴾ مغرب کی نماز میں تیسری رکعت پڑھنے کے بعد قعدہ کئے بغیر چوتھی رکعت کیلئے بھول سے کوئی کھڑا ہوجائے اور سجدہ کرنے سے پہلے احساس ہوجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ کر نماز پوری کرے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے اور سجدہ کرنے کے بعد احساس ہوا تو اب فرض باطل ہوا دوبارہ لوٹانا ضروری ہے یہ نماز نفل شمار ہوگی۔

اور قعدہ اخیرہ کرنے کے بعد بھول سے کوئی چوتھی رکعت کیلئے کھڑا ہوجائے تب بھی سجدہ سے پہلے یاد آنے کی صورت میں واپس لوٹنے کا حکم ہے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے اور سجدہ کرنے کے بعد یاد آئے تو ایک اور رکعت ملا کر نماز پوری کرے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے تو اس صورت

میں فرض نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے فرض کے ساتھ اضافی دو رکعت نفل شمار ہوگی۔

لما فی الدر المختار :(۸۵/۲،طبع سعید)

(ولو سها عن القعود الاخير عاد مالم يقيدها بسجدة) لان ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتاخير القعود (وان قيدها) بسجدة عامدا أوناسيا أو ساهيا أو مخطئا(تحول فرضه نفلا برفعه):اى الجبهة عند محمد ......(وضم سادسة ان شاء)لاختصاص الكراهة والاتمام بالقصد (ولا يسجد للسهو على الاصح)لان النقصان بالفساد لا ينجبر (وان قعدفى الرابعة)مثلا ــــ(أى او قعد فى ثالثة الثلاثى اوفى ثانية الثنائى.(ردالمحتار) قدر التشهد (ثم قام عادوسلم)وان سجد للخامسة سلموا)لانه تم فرضه اذ لم يبق عليه الا السلام (وضم اليها سادسة)لو فى العصر، وخامسة لو فى المغرب ،ورابعه فى الفجر به يفتى لتصير الركعتان له نفلا.....(وسجد للسهو) فى الصورتين اى ما اذا لم يسجد للخامسة أو سجد.

ولما فى البحر الرائق :(۱۰۳/۲،طبع سعید)

(وان سها عن الاخير عاد مالم يسجد)لان فيه اصلاح صلاته فامكنه ذالك لان مادون الركعة بمحل الرفض أراد بالاخير القعود المفروض ليشمل الفرض الرباعى والثلاثى والثنائى.....(وسجد للسهو)لتاخيره فرضا وهو القعود الاخير (فان سجد بطل فرضه برفعه).

ولمافى التاتار خانية:(۵۳۶/۱،طبع قدیمی)

رجل صلى المغرب فيجى رجل ويقتدى به فصلى المغرب تطوعا فقام الامام الى الرابعة ناسيا ولم يقعد على رأس الثالثة وقيد الرابعه بالسجدة وتابعه المقتدى فى ذالك قال فسدت صلاة الامام وصلاة المقتدى ومعنى قوله ،فسدت صلاة الامام،فسدت صلاته فرضا لا نفلا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۹۹۴

﴿تراویح کی نماز میں قعدہ اخیرہ چھوڑ کر سیدھا کھڑے ہو جانے سے سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ تراویح کی نماز میں اگر امام صاحب قعدہ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے قیام میں چلے جائیں اور مقتدی کے لقمہ دینے سے واپس قعدہ اخیرہ میں بیٹھ جائیں تو کیا اس سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی:ابوبکر چارسدہ

﴿جواب﴾ اگر سیدھا کھڑے ہو گئے تھے پھر تو سجدہ سہو واجب ہے اور اگر کھڑے ہونے کی کوشش کی پھر بیٹھ گئے تو اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قیام کے زیادہ قریب ہوں تو سجدہ

سہو واجب ہے اور اگر بیٹھنے کے قریب ہوں تو واجب نہیں ہے۔

لما فی الهندیة:(۱/ ۱۲۷،طبع رشیدیه)

وفی روایة اذا قام علی رکبتیه لینهض یقعد وعلیه السهو ویستوی فیه القعدة الاولی الثانیة وعلیه الاعتماد وان رفع الیتیه ورکبتاه علی الارض لم یرفعهما لاسهو علیه.

ولما فی الخانیة:(۱/ ۱۱۳،طبع قدیمی)

منها اذا قعد فیما یقام فیه قام فیما یجلس فیه وهو امام او منفرد اراد بالقیام اذااستتم قائما او کان الی القیام اقرب.

ولمافی رد المحتار:(۲/ ۵۵۰،مکتبه امدادیه)

(قوله وسجد للسهو) لم یفصل بین ما اذا کان الی القعودا قرب او لا، وکان ینبغی ان لا یسجد فیما اذا کان الیه اقرب کما فی الاولی لما سبق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۸۱۳

﴿دو رکعت والی نماز میں کسی رکعت کا ایک سجدہ چھوٹ جائے تو اس کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر دو رکعت والی نماز میں آخری رکعت کا ایک سجدہ بھول کر چھوٹ جائے یا پہلی رکعت کا ایک سجدہ چھوٹ جائے اور سلام کے بعد یاد آئے تو کیا کرے؟ کیا سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی؟ مستفتی: کلیم اللہ منگو پیر

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں سلام کے بعد جیسے ہی یاد آجائے تو سجدہ کر لے اور تشہد وغیرہ پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز مکمل کر لے پھر اس میں ذرا تفصیل ہے اگر اس کو یقین ہو کہ سجدہ پہلی رکعت کا ہے تو اس سجدہ کی قضاء کی نیت کر کے سجدہ کر لے یعنی دل میں یہ خیال ہو کہ پہلی رکعت کا جو سجدہ رہ گیا ہے وہ ادا کر رہا ہوں۔

اور اگر یقین ہو کہ دوسری رکعت کا سجدہ چھوٹا ہے تو پھر قضاء کی نیت کی ضرورت نہیں صرف سجدہ کر لے اور تشہد وغیرہ پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لے۔

لما فی الهندیة:(۱/ ۱۲۹،مکتبه رشیدیه)

مسائله مبنیة علی اصول منها السجدة متی ادیت فی محلها تصح بغیر النیة ومتی فاتت عن محلها لا تصح الا بالنیة لم انما تصیر فائتة عن محلها اذاتخلل بینها وبین محلها رکعة تامة.

وفيه ايضاً: رجل صلى صلاة الفجر فتذكر في آخرها قبل السلام اوبعده انه ترك منها سجدة فعليه ان يسجدها ثم يتشهد ويسلم ويسجد للسهو فان علم انها من الركعة الاولىٰ وغالب رائيه ذالك ينوى القضاء..... وان علم انها من الثانية لاينوى القضاء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۸۵

﴿فرض کی آخری دو رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کر لے اور آخری دو رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ بھی قصداً پڑھے تو اسکا یہ عمل کیسا ہے؟

مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل لکی مروت

﴿جواب﴾ فرض کی پہلی دو رکعت میں قراءت کے بعد آخری دو رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔

لما فی الشامی: (۴۵۹/۱ ایچ ایم سعید)

(قوله وهل يكره) اى ضم السورة (قوله المختار لا) اى لا يكره تحريما بل تنزيها لانه خلاف السنة قال في المنية وشرحها: فان ضم السورة الى الفاتحة ساهيا يجب عليه سجدتا السهو في قول ابى يوسف لتاخير الركوع عن محله وفي اظهر الروايات لايجب لان القرائة فيهما مشروعة من غير تقدير والاقتصار على الفاتحة مسنون لا واجب اه وفي البحر عن فخر الاسلام ان السورة مشروعة في الاخريين نفلا وفي الذخيرة انه المختار وفي المحيط وهو الاصح اه والظاهر ان المراد بقوله نفلا عن الجواز والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافي كونه خلاف الاولى كما افاده في الحلية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۴۲

﴿فرض کی تیسری رکعت میں جہراً قراءت کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام جہری نماز میں فرض کی تیسری رکعت کے اندر بھولے سے جہراً قراءت کر لے اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا اگرچہ واجب نہیں ہے لیکن پڑھے تو سراً پڑھنا واجب ہے، لہٰذا بھولے سے کوئی جہراً پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

لما فی الشامی :(۱/۴۶۹،طبع سعید)

والاسرار یجب علی الامام والمنفرد فیما یسر فیه وهو صلاة الظهر والعصر والثالثة من المغرب والأخریان من العشاء وصلاة الکسوف والاستسقاء کمافی البحر ، ولکن وجوب الاسرار علی الامام بالاتفاق.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب :محمد کاشف عزیز غفرلہ

۴ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۳۹۳

﴿فاتحہ کی جگہ تشہد پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں بحالت قیام التحیات پڑھ لے اور پھر فاتحہ پڑھے یا بحالت التحیات فاتحہ پڑھے اور پھر التحیات پڑھے، تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: ناصر خان حسن سکوائر کراچی

﴿جواب﴾ حالت قیام میں سورۃ فاتحہ سے پہلے بھول سے کوئی تشہد پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہے اسلئے کہ یہ مقام ثناء ہے اور تشہد بھی ثناء پر مشتمل ہے، البتہ سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ متصلاً پڑھنا واجب ہے تو اس موقع پر تشہد پڑھنے کیوجہ سے واجب میں تاخیر ہوئی اس لئے اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے اور قعدہ اولی ہو یا اخیرہ دونوں میں تشہد بلا تاخیر پڑھنا واجب ہے اس لیے شروع میں بھول سے سورۃ فاتحہ کوئی پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا، اسی طرح قعدہ اولی میں تشہد کے بعد تیسری رکعت کیلئے قیام بلا تاخیر ضروری ہے تو قعدہ اولی کے بعد بھی قعود کی حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا، البتہ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف ثناء ودعاء کا مقام ہے تو سورۃ فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

لما فی الفتاوی الهندیة:(۱/۱۲۷مطبوعه رشیدیه کوئٹه)

ولو تشهد فی قیامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو علیه وبعدها یلزمه سجود السهو وهو الاصح لان بعد الفاتحة محل قراءة السورة فاذا تشهد فیه فقد اخر الواجب وقبلها محل الثناء کذا فی التبیین.

ولما فی حلبی کبیری:(ص۲۹۷ مکتبه نعمانیه کوئٹه)

وذکر الناطفی فی الاجناس عن محمدؒ لو تشهد فی قیامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو علیه وبعدها یلزمه قال السروجی وهو الاصح لانه محل قراءة السورة فقد اخر الواجب انتهی.

ولما فی الفتاوی الهندیة:(۱/ ۱۲۱ مطبوعه رشیدیه کوئٹه)

ولو قرأ فی رکوعه او سجوده او تشهده یلزمه وهذا اذا بدأ بالقراءة ثم با لتشهد وان بدأ بالتشهد ثم بالقراءة فلا سهو علیه کذا فی محیط السرخسی.

ولما فی حلبی کبیری:(ص۲۹۷ مکتبه نعمانیه کوئٹه)

قرأ القرآن فی رکوعه او فی سجوده او فی موضع التشهد یجب علیه سجود السهو للزوم تاخیر الواجب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۵۹۷

﴿سجدہ سہو کے متعلق چند سوالات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) مسبوق اگر امام کیساتھ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر مغرب کی نماز میں امام کی اقتداء میں ایک رکعت پڑھ لی سلام کے بعد مقتدی اپنی پہلی رکعت میں اگر قعدہ اولیٰ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

(۳) ایک بار سجدہ سہو کر کے اگر التحیات کی جگہ سورۃ الفاتحہ پڑھنا شروع کردے تو دوبارہ سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی:عبدالواحد صاحب

﴿جواب﴾ (۱) مسبوق کو چاہیے کہ امام کیساتھ قعدہ اخیرہ میں تشہد اس قدر آرام سے پڑھے کہ امام کے سلام پھیرنے تک تشہد پورا ہو، البتہ اگر جلدی پڑھ لے تو "اشھد ان لا الہ" سے عبدہ ورسولہ تک کے الفاظ کو بار بار دہراتا رہے اور اگر بھولے سے درود شریف پڑھ بھی لے تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

(۲) مذکورہ صورت میں مسبوق پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔

(۳) سجدہ سہو کرنے کے بعد اگر التحیات کی جگہ الحمد للہ وغیرہ پڑھنا شروع کردے تو یاد آنے پر اسکو چھوڑ کر تشہد شروع کرے اور پھر درود شریف وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے دوبارہ سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی حلبی کبیر:(ص ۴۰۱،طبع نعمانیه)

وسهو الامام يوجب السجدة عليه وعلى القوم وسهو المؤتم لا يوجب السجود على الامام ولا عليه.

ولما فيه ايضا:(ص ۴۰۵،طبع: نعمانيه)

اذا فرغ من التشهد قبل سلام الامام يكرره من اوله وقيل يكرر كلمة الشهادة وقيل يسكت وقيل يأتي بالصلوة والدعاء والصحيح انه يترسل ليفرغ من التشهد عند سلام الامام.

وفيه ايضاً :لو ادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد في اولها لانها ثنائية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياسا ولم يلزمه سجود السهو لكونها اولى من وجه وكذا في رد المحتار:(۱/۵۹۷)

ولما في المبسوط:(۱/۲۲۴،طبع دار المعرفة بيروت)

وان كان شك في سجود السهو عمل بالتحري ولم يسجد للسهو لما بينا ان تكرار سجود السهو في صلوة واحد غير مشروع ولانه لو سجد بهذا السهو ربما يسهو فيه ثانيا وثالثا فيؤدي الى مالا نهاية له.

ولما في الهندية:(۱/ ۱۲۲،طبع قديمي)

السهو في سجود السهو لا يوجب السهو لانه لا يتناهى كذا في التهذيب وكذا في تاتار خانية:(۱/ ۵۳۶،طبع قديمي)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن
۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ	فتویٰ نمبر:۲۱۸۱

﴿نماز میں قرآن کو ترتیب کے خلاف پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی یہ عادت بن چکی ہے کہ اکثر اوقات وہ دوران نماز قرأت کرتے ہوئے پہلی رکعت میں چھوٹی سورت جبکہ دوسری رکعت میں اس کے مقابلے میں بڑی سورت پڑھ لیتا ہے۔

اسی طرح اکثر اوقات وہ سورتوں میں ترتیب کا لحاظ بھی نہیں رکھتا یعنی پہلی رکعت میں سورۃ الناس تو دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھ لیتا ہے ان صورتوں میں نماز درست ہے یا نہیں؟

اسی طرح مذکورہ شخص کی یہ بھی عادت ہے کہ صلاۃ وتر میں دعائے قنوت بھول جاتا ہے اور رکوع میں یاد آنے پر اس کا اعادہ نہیں کرتا بلکہ صرف سجدہ سہو کر لیتا ہے لیکن کبھی کبھار سجدہ سہو کرنا بھی بھول جاتا ہے حالانکہ اس کا یہ عمل جان بوجھ کر نہیں ہے بلکہ سہوا ہے،اسی طرح اگر یہ شخص سجدہ

سہو بھول جائے اور نماز سے فارغ ہو کر چلا جائے اب اگر وقت کے ختم ہونے سے پہلے یا وقت کے بعد یاد آئے تو ان صورتوں میں ایسے شخص کی نماز کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

﴿جواب﴾ پہلی دو صورتوں میں نماز ادا ہوگئی مگر خلاف سنت ہے اور اس شخص کو چاہئے کے کسی طرح اس عادت کو ختم کرنے کی کوشش کرے اور اگر دعائے قنوت بھول جائے تو رکوع میں یاد آنے پر دوبارہ نہ لوٹے، بلکہ رکعت پوری کر کے آخر میں سجدہ سہو کرے لیکن اگر آخر میں سجدہ سہو بھی بھول گیا تو ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے چاہے وقت کے اندر ہو یا وقت کے بعد ہو۔

لما فی البخاری (۱۰۷/۱، باب مایقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب، طبع: قدیمی)

عن عبد الله بن أبی قتادة عن أبیه أن النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الأولیین بأم الکتاب و سورتین، وفی الرکعتین الاخریین بأم الکتاب و یسمعنا الآیة و یطول فی الرکعة الاولی مالا یطیل فی الرکعة الثانیة و هکذا فی العصر و هکذا فی الصبح.

لما فی التنویر و شرحه (۱/ ۵۴۲، فصل فی القرأة، طبع سعید)

اطالة الرکعة الثانیة علی الاولی یکره تنزیهاً اجماعاً.

ولما فی الشامی تحت قوله

و الحاصل ان سنیة اطالة الاولی علی الثانیة و کراهیة العکس انما تعتبر من حیث عدد الآیات.

ولما فی البحر (۲/ ۹۳، باب سجود السهو طبع: سعید)

لو ترك ترتیب السور لا یلزم شیئ مع کونه واجب وهو اجمع ماقیل فیه وصححه فی الهدایة واکثر الکتب.

ولما فی الهندیة (۱/ ۱۲۶، طبع: رشیدیه)

واذا قرأ فی الرکعة الاولی سورةً و قرأ فی الرکعة الثانیة سورة قبلها فلا سهو علیه.

ولما فی الشامی (۵۴۶/۱ طبع: سعید)

(قوله و ان یقرء منکوسا) بان یقرء فی الثانیة سورة اعلی مما قرء فی الاولی، لان ترتیب السور فی القرأة من واجبات التلاوة.

ولما فی الهندیة (۱/ ۱۲۸، طبع: رشیدیه)

و منها القنوت فاذا ترکه یجب علیه السهو و ترکه یتحقق برفع رأسه من الرکوع.

ولما فی الشامی (۲/ ۶۴ طبع: سعید)

قلت: ای لانه یشمل وجوبها فی الوقت وبعده ای بناء علی ان الاعادة لا تختص بالوقت وظاهره ماقدمناه عن شرح التحریر ترجیحه، وقد علمت ایضاً ترجیح القول

بالوجوب فيكون المرجح وجوب الاعادة في الوقت و بعده.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد امین چارسدوی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۶۶

﴿سورتوں کی ترتیب الٹ کردی تو سجدۂ سہو واجب نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر نماز میں منکوس قراءت کی جائے مثلاً: پہلی رکعت میں سورۃ الناس اور دوسری رکعت میں سورۃ الفلق تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نماز میں قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے قراءت کرنا بلاشبہ ضروری ہے قصداً اسکے خلاف کرنے میں گناہ ہے نماز بھی مکروہ ہو جاتی ہے لیکن نماز کے دیگر واجبات کی طرح بھول سے اسکے خلاف پڑھنے میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

لمافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:(ص ۴۶۰،طبع قديمي)

ويجب سجدتان بتشهد وتسليم لترك واجب اى من واجبات الصلوة الاصلية فخرج واجب ترتيب التلاوة.

ولمافي الشامي:(۱/۵۴۶-۵۴۷،طبع سعيد)

ويكره الفصل بسورة قصيرة وان يقرأ منكوساً الا اذا ختم فيقرأ من البقرة وقال الشامي قوله (وان يقرأ منكوسا) بان يقرأ في الثانية سورة اعلى مما قرأ في الاولى لان ترتيب السور في القرأة من واجبا ت التلا وة وانما جوز للصغار تسهيلا لضرورة التعليم.

ولمافي التاتارخانية:(۱/۳۳۲،طبع قديمي)

ولا بأس بقرأة القرآن على التاليف فقد صح ان الصحابة فعلوا ذالك وفي الحجة والصحيح ان رعاية ترتيب المصاحف لازمة عملا باجماع الصحابة لكن لايجب السهو بترك هذاالترتيب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن ندیم سواتی

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۷۹

﴿من نسي في القعدة الاولى وتجاوز عن قدر التشهد﴾

﴿ایک رکن کے بقدر تاخیر کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ اذا نسي المصلي في القعدة الاولى من الفرائض وقعدزائدا من قدر التشهد فباى قدر من التاخير يجب عليه السهو؟ — مستفتی: فیاض احمد

﴿جواب﴾ التاخير عن القيام بقدر الركن يوجب سجدة السهو شرع في

الصلاة على النبی ﷺ او لم يشرع ومقدار الركن على القول المفتى به هو ان يمكن قراء ة سبعة عشر حرفا فمن نسى وتأخر عن القيام مقدار قوله "اللهم صلى على محمد" يجب عليه سجدة السهو والله اعلم.

لمافی التنوير وشرحه:(۱/۵۱۰،طبع سعيد)

(ولا يزيد)فی الفرض(على التشهد فی القعدة الاولى)اجماعا(فان زاد عامدا كره)فتجب الاعادة أو ساهيا وجب عليه سجود السهو اذا قال(اللهم صلى على محمد)فقط على المذهب.

ولمافی البزازية على هامش الهندية:(۴/۶۲،طبع رشيديه)

والمختار انه اذا قال "اللهم صلى على محمد " لزمه لانه ادى سنة وكيدة فلزم تأخير الركن.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد غفرلہ

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:

﴿سجدۂ تلاوت کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں ایک آدمی نے سجدۂ تلاوت ادا کیا لیکن جب سجدۂ تلاوت سے کھڑا ہو گیا تو اس نے سورۃ کے بجائے سورت فاتحہ شروع کر لی تو آیا مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ مستفتی:ابو محمد

﴿جواب﴾ سورت فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی سورۃ ملائی اور بعد میں بھولے سے سورۃ فاتحہ دوبارہ بھی شروع کر لیا تو اس سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا البتہ سورۃ ملائے بغیر سورۃ فاتحہ مکرر پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

لمافی قاضی خان:(۱/۱۲۸،طبع قدیمی)

قرأ فی صلاة الجمعة سورة السجدة وسجد لها ثم قام وقرأ الفاتحة وقرأت تتجافىٰ جنوبهم لا سهو عليه لانه لم يقرأ الفاتحة مرتين على الولاء،بهامش الهندية كذا فی التجنيس والمزيد(۲/۱۳۸:طبع:ادارة القرآن)

ولمافی الهندية:(۱/۱۲۶،طبع رشيديه)

ولو كررها فی الاوليين يجب عليه سجود السهو بخلاف مالو اعاده ابعد السورة اوكررها فی الاخريين.وفی البحر الرائق:(۲/۹۲،طبع سعيد)وان فصل بينهما بالسورة لا يجب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ حقانی

۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۸۳۸

﴿شک کی وجہ سے سجدہ سہو کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب کو مغرب کی نماز میں دوسری رکعت کی طرف اٹھتے ہوئے حدث لاحق ہوگیا تو انہوں نے خلیفہ بنایا خلیفہ نے نماز کے آخر میں سجدہ سہو کیا، وجہ پوچھی گئی تو کہا کہ میرے خیال میں مجھے مصلی تک جانے میں تین تسبیحات کی مقدار دیر ہوگئی ہے اور ایک رکن سے دوسرے رکن میں انتقال کے وقت اتنا وقفہ کرنے سے سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ امام صاحب کا سجدہ سہو کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو نماز ادا ہوگئی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ خلیفہ کے مصلی تک پہنچنے میں اتنی تاخیر کی گنجائش ہے کہ امام مسجد سے باہر نہ نکلنے پائے، اتنی تاخیر ہوگئی کہ امام مسجد سے باہر نکل گیا اور خلیفہ ابھی مصلی تک نہیں پہنچ سکا تو سجدۂ سہو نہیں بلکہ نماز فاسد ہو جائیگی سجدہ سہو کسی رکن کی ادائیگی میں بھولے سے تاخیر ہو جانے کی صورت میں لازم ہوتا ہے مذکورہ صورت میں تاخیر بھول سے نہیں بلکہ سستی یا لاعلمی کی وجہ سے پیش آئی ہے۔

لما فی قاضیخان:(۱/۱۱۵مطبوعه رشیدیه کوئٹه)

ولو خرج الامام من المسجد قبل ان یصل هذاالرجل الیٰ المحراب ویقوم مقامه فسدت صلاة الرجل والقوم ولا تفسد صلاة الامام الاول (قاضیخان بر هامش هندیة.

ولما فی الهندیة:(۱/۹۶مطبوعه رشیدیه کوئٹه)

وشرط جوازصلاة الخلیفة والقوم ان یصل الخلیفة الیٰ المحراب قبل ان یخرج الامام من المسجد کذا فی البحر الرائق.

سجدۂ سہو لازم نہ ہو اور امام اس خیال میں سجدہ سہو کرلے کہ شاید سجدہ سہو واجب ہے تو ایسی صورت میں امام اور عام مقتدیوں کی نماز ہو جائیگی۔

لما فی الدر المختار:(۲/۲۵۰طبع امدادیه)

ولو ظن الامام السهو فسجد له فتابعه المسبوق فبان ان لا سهو فالاشبه الفساد لاقتدائه فی موضع الانفراد قال العلامة ابن عابدینؒ وفی الفیض وقیل لا تفسد وبه یفتی وفی البحر عن الظهیریة قال الفقیه ابو اللیث فی زماننا لا تفسد لان الجهل فی القراء غالب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۹۶

﴿سہواً خاموش رہنے پر سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب نماز میں قراءت سے قبل تقریباً تین تسبیحات کی مقدار خاموش رہے اور بعد میں سورۃ فاتحہ کی قراءت شروع کی تو اس صورت میں سجدہ سہو لازم آئے گا یا نہیں؟ مستفتی: قاری اشفاق صاحب

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر امام صاحب واقعی بھول سے خاموش رہے اور تعوذ وتسمیہ وغیرہ پڑھنے میں مشغول نہیں تھے تو سجدۂ سہو لازم ہے اور اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

لما فی کبیری۔(ص ۴۰۱ طبع نعمانیه کوئٹه)

قال بعض المشايخ وهو الامام الصفار ان منعه التفكر عن القراءة أو عن التسبيح يجب عليه سجود السهو وان كان لايمنعه بان كان يقرأ ويسبح ويتفكرلا يجب عليه سجود السهو.

لما فی حاشیة الطحطاوی:(ص ۲۴۷ طبع قدیمی)

واذاشغله التفكر عن اداء واجب بقدر ركن......ولم يبينوا قدر الركن وعلى قياس ماتقدم ان يعتبر الركن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسبيحات ثم ان محل وجوب سجود السهو اذا لم يشتغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح اما اذاشتغل بهما فلا سهو عليه.

لما فی الدر المختار:(۲/۵۴۳ طبع امدادیه ملتان)

وتفكره عمداحتى شغله عن ركن .قال العلامة ابن عابدينؒ:واجاب فى الحلية عن وجوب السجود فى مسئلة التفكر عمدا بانه وجب لما يلزم منه من ترك واجب هو تاخير الركن او الواجب عما قبله فانه نوع سهو فلم يكن السجود لترك واجب عمدا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۰۰

﴿سجدہ سہو کے قعدہ میں تشہد کے ساتھ درود شریف پڑھا جائے کہ نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے متعلق کہ نماز میں کسی وجہ سے میرے ذمہ سجدہ سہو لازم ہو تو صرف تشہد پڑھ کر سجدہ سہو کرلوں یا درود شریف بھی پڑھنا چاہیے؟ نیز سجدہ سہو کرنے کے بعد دوبارہ تشہد پڑھنا ضروری ہے یا صرف درود شریف اور دعا؟ مستفتی: محمد ہاشم

﴿جواب﴾ دونوں طرح جائز ہے چاہے آپ درود شریف پڑھ کر سجدہ سہو کریں یا صرف

تشہد پڑھ کر، البتہ بہتر یہ ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے قعدہ میں اسی طرح اخیر والے قعدہ میں بھی درود شریف پڑھ لیا کریں۔

لمافی الحلبی الکبیر:(ص۴۰۸،طبع نعمانیہ کوئٹہ)

ویأتی بالصلوۃ علی النبی ﷺ فی کلتا القعدتین قعدۃ الصلوۃ وقعدۃ السہو وھذا مختار الطحاوی۔

ولمافی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ:(۱۲۱/۱ طبع رشیدیہ)

ومن علیہ السہو یصلی علی النبی علیہ الصلوۃ والسلام فی القعدۃ الاولیٰ فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وفی قول محمد فی القعدۃ الثانیۃ والاحوط ان یصلی فی القعدتین۔

سجدہ سہو کے بعد دوبارہ تشہد پڑھنا ضروری ہے اگر تشہد نہ پڑھا تو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا، البتہ نماز ہوجائے گی۔

ولمافی مراقی الفلاح:(ص۲۶۰،طبع قدیمی)

(بتشھد وتسلیم)قال الطحطاوی :ھما واجبان بعد سجود السھو لان الاولین ارتفعا بالسجود۔

ولمافی الدرالمختار:(۵۴۱/۲،طبع امدادیہ ملتان)

(تشھد وسلام) لان سجود السھو یرفع التشھد دون القعدۃ لقوتھا ..... ویأتی بالصلوۃ علی النبی ﷺ والدعاء فی القعود الاخیر فی المختار وقیل فیھما احتیاطاً۔

قال الشامیؒ(یرفع التشھد)ای قرائتہ حتی لو سلم بمجرد رفعہ من سجدتی السھو صحت صلاتہ ویکون تارکا للواجب۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ولی اللہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۹۰

﴿ترک سجدۂ سہو سے نماز واجب الاعادہ ہے﴾

﴿سوال﴾ تراویح کی نماز میں امام صاحب پر سجدہ سہو واجب ہوگیا لاعلمی کی بناء پر امام صاحب نے سجدۂ سہو نہیں کیا بعد میں معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب ہوگیا تھا، عرض یہ ہے کہ اس نماز تراویح کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر امام صاحب نے جماعت کے ساتھ اعادہ نہیں کیا تو مقتدی اکیلے اسکا اعادہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

مستفتی: عبیداللہ چارسدہ

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں اس نماز کا اعادہ ضروری ہے اور جب امام صاحب نے اس کا اعادہ نہیں کیا تو مقتدی اکیلے اسکا اعادہ کرسکتے ہیں۔

لما فی الدر المختار:(۱۴۷/۲،طبع امدادیه)

وکذاکل صلاة أدیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها وفی ردالمحتار:تحت هذاالقول:وانّ النتض اذادخل فی صلوة الامام ولم یجبر وجبت الاعادة علی المقتدی.

ولما فی منحة الخالق علی هامش البحر الرائق:(۷۸/۲،طبع سعید)

وفی شرح التحریر هل تکون الاعادة واجبة فصرح غیر واحد من شراح اصول فخر الاسلام بانها لیست بواجبة وان بالاول یخرج عن العهدة وان کان علی وجه الکراهة علی الاصح وان الثانی بمنزلة الجبر والاوجه الوجوب.

ولما فی الدر المختار:(۲۲۰/۲-۵۲۲طبع امدادیه)

کل صلوة ادیت مع کراهة التحریم تعاد وجوبا فی الوقت وامابعده فندبا.وفی الشامیة:وقدعلمت ایضاترجیح القول بالوجوب فیکون المرجح وجوب الاعادةفی الوقت وبعده.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:عبداللہ عفااللہ عنہ

۲۵ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر:۸۱۹

﴿رکوع،سجدہ اور حالت تشہد میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی بھولے سے رکوع سجدہ یا حالت تشہد میں سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورت پڑھے تو اس سے سجدۂ سہولازم ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ رکوع اور سجدہ میں فاتحہ کے پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے اور حالت تشہد میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تشہد سے پہلے پڑھے یا قعدۂ اُولیٰ میں تشہد کے بعد پڑھے تو سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے اور اگر قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد پڑھے پھر واجب نہیں۔

لما فی الصحیح لمسلم:(۱۹۱/۱،طبع قدیمی)

عن عباس قال کشف رسول الله ﷺ الستارة والناس صفوف خلف ابی بکرؓ فقال ایها الناس انه لم یبق من مبشرات النبوة الا الرؤیا الصالحة یراها المسلم او تری له الا وانی نهیت ان أقرأ القران راکعا او ساجدا فاما الرکوع فعظموا فیه الرب واما السجود فاجتهدوا فی الدعا فقمن ان یستجاب لکم.

ولما فی الخانیة علی هامش الهندیة:(۱۲۱/۱،طبع رشیدیه)

ولو قرأ الفاتحة او آیة من القران فی القعدة او فی الرکوع او فی السجود أوقرأ التشهد فی الرکوع اوفی السجود کان علیه السهو.

ولما فی الهندیة:(۱۲۶/۱،طبع رشیدیه)

ولوقرأفی رکوعه اوسجوده اوتشهده یلزمه وهذااذابدأبالقرأةثم بالتشهدوان بدأ

بالتشهدثم بالقرأة فلا سهو عليه كذا في محيط السرخسي.

ولما في ردالمحتار:(۵۲۲/۲،طبع امدادیه)

قال:المقدسي وكما لو قرأ القران هنا أو في الركوع يلزمه السهو مع انه كلام الله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفااللہ عنہ

۲۶ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتوی نمبر: ۸۲۸

﴿عشاء کی آخری دو رکعتوں میں امام صاحب کا بھولے سے جہر کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام صاحب نے عشاء کی آخری دو رکعتوں میں سے ایک میں ایاک نعبد و ایاک نستعین تک جہر کیا اور نماز کے آخر میں سجدہ سہو کر کے نماز ختم کر لی، پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ نیز وہ کتنی مقدار ہے جسکے جہر کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں بھی سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے اور نماز صحیح ہونے کیلئے جتنی مقدار کی قراءت ضروری ہے اتنی مقدار میں جہر کرنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

لما في منية المصلي:(ص۲۹۶،طبع سهيل اكيڈمی)

(و)من الواجبات(الجهر)بالقرأة (فيمايجهر)فيه بها كالفجر......واولى المغرب والعشاء و)منها (المخافتة)بالقراءة(فيما يخافت)فيه بها كغير ماذكر فان الجهر و المخافتة في محله واجب للمواظبة منه عليه الصلوة والسلام على ذلك.

ولما في الطحطاوي:(ص۲۵۳،طبع قديمي)

(ويجب الاسرار)......(و)الاسرار(فيمابعدأوليي العشائين) الثالثة من المغرب وهي والرابعة من العشاء الخ.

ولما في الدر المختار:(۱۶۳/۲-۵۲۵،امدادیه)

(فيما يجهر ويسر)لف ونشر يعني أن الجهر يجب على الامام فيمايجهر فيه وهوصلاة الصبح ...... الخ والاسرار يجب على الامام و المنفرد فيمايسر فيه وهوصلاة الظهر والعصروالثالثة من المغرب والاخريان من العشاء......(والجهر فيمايخافت فيه) للامام والاصح تقديره(بقدر ما تجوزبه الصلاة في الفصلين وقيل)__(بهما)__(وهو ظاهر الرواية).

وفي الشامية:(وظاهر الرواية)......وقال في شرح المنية:والصحيح ظاهر الرواية وهو التقدير بما تجوز به الصلاة من غير تفرقة،لانّ القليل من الجهر في موضع المخافتة عفوأيضا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد

۲۳محرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　　فتوی نمبر: ۱۱۳۹

﴿تشہد کا کچھ حصہ رہ جانا پوری تشہد رہ جانے کے حکم میں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھے، اور کچھ مقدار بھولے سے نہ پڑھ سکا ہو، اور یاد آنے پر اس نے بھولی ہوئی مقدار پھر سے پڑھ لی، تو کیا اس شخص کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ مستفتی: اختر حسین قصور

﴿جواب﴾ تشہد ایک منظوم ذکر ہے اس کا کچھ حصہ رہ جانا پورا تشہد رہ جانے کے حکم میں ہے، اس لئے تشہد کا تھوڑا سا حصہ بھی اگر رہ جائے تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہوگا، سجدۂ سہو کرنے سے نماز ٹھیک ہو جائے گی اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

لما فی الهنديه:(۱۲۷/۱، طبع: رشيديه كوئٹه)

وفيها التشهد فاذا تركه فی القعدة الاولی او الاخيرة وجب عليه سجود السهو وكذا اذا ترك بعضه كذا فی التبيين.

ولما فی الخانيه علی هامش الهنديه:(۱۲۱/۱ طبع: رشيديه كوئٹه)

ولو ترك قرأة التشهد ناسيا فی القعدة الاولی او فی الاخيرة وتذكر بعد السلام يلزمه السهو عن ابی يوسف رحمه الله تعالی فی رواية لا سهو عليه وكذا لو ترك بعض التشهد ساهيا يلزمه السهو فی ظاهر الرواية.

ولما فی الشامی:(۴۶۶/۱، طبع: سعيد كراچی)

(قوله بترك بعضه ككله) قال فی البحر من باب سجود السهو فانه يجب سجود السهو بتركه ولو قليلا فی ظاهر الرواية لانه ذكر واحد منظوم فترك بعضه كترك كله.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفر لہ ولوالدیہ

۲۳ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۱۸

﴿تشہد کا تھوڑا سا بھی حصہ بھولے سے رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تشہد کی کتنی مقدار رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: محمد ابراہیم شاہ حسن خیل ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ تشہد کا تھوڑا سا بھی حصہ رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہے، تشہد ایک منظوم ذکر ہے اس کا کچھ رہ جانا پورا تشہد رہ جانے کے حکم میں ہے۔

لما فی البحر الرائق:(۹۵/۲، طبع سعيد)

السابع التشهد فانه يجب سجود السهو بتركه ولو قليلا فی ظاهر الرواية كذا فی

الهندية: (۱/۱۲۷) ومنها التشهد فاذا تركه في القعدة الاولى أو الاخيرة وجب عليه سجود السهو كذا اذا ترك بعضه.

ولما في الطحطاوي:(ص ۲۵۱،طبع قديمي)

ولو ترك التشهد في القعدتين أو بعضه لزمه سجود السهو في ظاهر الرواية لانه ذكر واحد منظوم فترك بعضه كترك كله.

ولما أيضا في الدر المختار:(۲/۱۵۹-۱۶۰،طبع امداديه)

(والتشهدان) ويسجد للسهو بترك بعضه ككله.

وفي الشامية:قوله:(والتشهدان) اى تشهد قعدة الاولى والتشهد الاخيرة......(بترك بعضه ككله) قال في البحر: من باب سجود السهو فانه يجب سجود السهو بتركه ولو قليلا في ظاهر الرواية لانه ذكر واحد منظوم ، فترك بعضه كترك كله.

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :محمد احمد عفا اللہ عنہ

۶ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۱۷۰

﴿سورۃ الفاتحہ کی کتنی مقدار رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سورۃ الفاتحہ کی کتنی مقدار رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا؟ مستفتی:محمد ابراہیم شاہ حسن خیل ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ سورۃ الفاتحہ کی ایک آیت بھی بھولے سے رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہے، اسکی ہر ایک آیت مستقل واجب ہے اسی کو فقہاء کرام نے ترجیح دی ہے۔

لما في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية:(۲/۱۲۶،طبع سهيل اكيڈمی)

وواجبها قرائة الفاتحة ،قال العلامة محمد عبدالحی تحت هذا القول اوأشار بعدم تقييد الفاتحة بالأكثر الى ان كل اية منها واجبة فيسجد للسهو بترك اية منها ايضا وروى عنهما خلاف ذلك قال القهستاني كل الفاتحة واجب عنده وأما عندهما ،فاكثرها ولذا لا يجب السهو بنسيان الباقي كما في الزاهدي انتهى وفي الدر المختار يسجد للسهو بترك اكثر الفاتحة لا اقلها لكن في المجتبى يسجد بترك اية منها وهو اولى انتهى قلت الاولى تبديل الاولى بالصواب فان مثبت وجوب الفاتحة انما هو مواظبة النبي ﷺ واخبار الاحاد التي يأتي ذكرها وهي لا تفصل بين الأكثر والاقل فالاصح وجوب الكل ولذا قال صاحب البحر اعلم انهم قالوا في باب سجود السهو انه لو ترك الفاتحة يجب عليه سجود السهو ولو ترك اقلها لا يجب وظاهره ان الفاتحة بتمامها ليست واجبة وانما الواجب اكثرها ولا يعرى هذا عن تأمل انتهى كلامه واما قول تلميذه في منح الغفار معترضا عليه من ان المذكور في باب سجود السهو

لایدل علی ماذکر لان ایجاب السجود انمابترکھا وھواذاترک اکثرھافقد ترکھا حکما لان للاکثر حکم الکل واما اذا ترک اقلھا فلم یکن تارکالھالا حقیقة ولاحکما انتھی ،فلا الفقیہ حق التفقه فانه لو کان تمام الفاتحة واجبا ولیس معناه الا کون کل اية اية منھا واجبا علی حدة یلزم وجوب سجدة السھو بترک اقلھا قطعا لالانه ترک الفاتحة بل لانه ترک واجبا مستقلا فعدم ایجاب سجدةالسھوبترک اقلھایدل بالضرورة علی ان تمامھا لیس بواجب فقوله لایدل علی ماذکر غیرصحیح فافھم.....فانه دقیق.

ولما فی الطحطاوی:(ص:۲۴۸،طبع قدیمی)

(قراءة الفاتحة)قالوابترک اکثرھایسجد للسھولاان ترک اقلھاولم ارماذاترک النصف نھرلکن فی المجتبی:یسجد بترک ایةمنھا،وھواولی قال فی الدروعلیه فکل اية واجب.

وھکذافی الدرالمختار:(۱۴۹/۲،طبع امدادیه)

(قراءة فاتحة الکتاب)فیسجد للسھو بترک أکثرھا لا أقلھا،لکن فی المجتبی:یسجد بترک ایةمنھا،وھواولی ،قلت وعلیه فکل اية واجبة،الخ.

وفی الشامیة:قوله :(وھو اولی) لعله للمواظبة المفیدة للوجوب.....قوله:(وعلیه):أی وبناء علی مافی المجتبی فکل اية واجبة وفیه نظر ، لأن الظاھر أن مافی المجتبی مبنی علی قول الامام بأنھا بتمامھا واجبة ،وذکرالایة تمثیل لا تقیید ،اذبترک شیء منھا اية أو أقل ولو حرفا لا یکون آتیا بکلھا الذی ھوالواجب،کما أن الواجب ضم ثلاث ایات،فلوقرأدونھا کان تارکا للواجب أفاده الرحمتی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:محمداحمدعفااللہ عنہ

۶صفرالمظفر ۱۴۲۹ھ   فتوی نمبر:۱۱۷۱

﴿مقدار رکن وغیرہ کی تشریح﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) کسی درد و تکلیف کی بناء پر دوران نماز آنسو رونا جس سے حروف ظاہر ہو جائے ان حروف سے کیا مراد ہے؟ (۲) امام سے آگے بڑھ جانا مفسد صلوٰۃ ہے اس سے تقدم مکانی مراد ہے یا رکنی؟ (۳) ایک رکن کی بقدر ستر کھل جانے سے،اب مقدار رکن کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) کوئی خاص حروف مراد نہیں ہیں ،روتے وقت عموماً حروف بھی آواز کے ساتھ بن جاتے ہیں اور یہ ہر زبان اور لغت میں مختلف بنتے ہیں ،عربی زبان والے روتے وقت عموماً یہ الفاظ نکالتے ہیں ،أوّہ ،آہ،أوہ ،آہ وغیرہ جب کہ ہمارے معاشرے میں ''اُف'' واہ،

وائے وغیرہ الفاظ رونے کے دوران نکلتے ہیں، تمام کا ایک حکم ہے۔

(۲) امام سے آگے بڑھنا اس سے تقدم مکانی مراد ہے (۳) رکن کی مقدار ہے جسمیں تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلی" پڑھی جا سکے۔

لمافی الدر المختار:(۲/۳۷۷،طبع امدادیه)

(والانين) هو قوله "اه" بالقصر (والتاوه) هو قوله "آه" بالمد (والتافيف) أف أوتف.

ولمافيه ايضا:(۲/۳۸۱،طبع امداديه)

(و) يفسدها (اداء ركن)..... وهو قدر ثلاث تسبيحات.....الخ.

ولمافي حلبي كبير:(ص۴۳۹،طبع سهيل اكيڈمي)

(وان أن)(المصلي في صلاته) بان قال اه بقصر الهمزة المفتوحة (او تاوه) بان قال اوه بفتح الهمزة وتشديد الواو مفتوحة أو بضم الهمزة واسكان الواو أو قال آه بمد الهمزة (او بكى).....الخ.

ولمافي الهندية (۱/۱۰۲ طبع رشيديه)

ولو تقدم على الامام من غير عذر فسدت صلاته.....الخ.

ولمافي حاشية الطحطاوي:(ص۲۵۸،طبع قديمي)

اذا شغله التفكر.....ان يعتبر الركن :وهو مقدار بثلاث تسبيحات.....الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد احمد غفرلہ

۵ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۴۱۲

﴿دونوں جانب سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کو دوران نماز سجدہ سہو لازم ہوا لیکن زید نے بھول سے سجدہ سھو کئے بغیر دونوں جانب سلام پھیرا اور سلام پھیرتے ہی اسے یاد آیا کہ اس کے ذمہ تو سجدہ سہو باقی ہے چنانچہ اس نے فوراً سجدہ سہو کیا اور پھر تشہد کے بعد سلام پھیرا، کیا اس طرح کرنے سے نماز ہوگئی؟ یا دوبارہ لوٹانی ہوگی؟ مستفتی: سردار علی سوات

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں زید کی نماز ہوگئی دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما في الشامي:(۲/۸۹،طبع سعيد)

(سلام من عليه سجود سهو يخرجه) من الصلاة خروجا (موقوفا) ان سجد عاد اليها و الا لا ،وعلى هذا (فيصح) الاقتداء به.

و لما فی البحر الرائق :(۱۰۶/۲، ۱۰۷،طبع:سعید)

(و لو سلم الساهی فاقتدى به غيره فان سجد صح و الا لا و سجد للسهو و ان سلم للقطع)قوله فان سجد صح والا لا عند محمد فظاهر لانه لا يخرجه عن حرمة الصلاة اصلاً واما عندهما فلا يخرجه خروجاً باتاً فلا ينقطع الاحرام مطلقاً.

و لما فی التاتارخانية: (۵۲۹/۱،طبع:قديمى)

و اصله ان سلام من عليه سجود السهو لا يخرجه عن حرمة الصلاة ، وعندهما يخرجه خروجاً موقوفا فان عاد الى سجود السهو تبين انه لم يخرجه و ان لم يعد تبين انه اخرجه .

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۰۹۷

﴿سجدہ سہو بھول کر سلام پھیرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص پر نماز کے دوران سجدہ سہو واجب ہوا لیکن وہ سجدہ سہو کرنا بھول گیا یہاں تک کہ اس نے سلام پھیر دیا پوچھنا یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد وہ سجدہ سہو کر سکتا ہے یا نہیں؟　　　　مستفتی: عبدالشکور

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جب تک نمازی مسجد میں موجود ہو انحراف قبلہ کے باوجود اس پر سجدہ سہو واجب ہے بشرطیکہ کوئی اور منافی صلوۃ کام نہ کیا ہو لیکن اگر نماز کھلے میدان یا گھر میں ادا کر رہا ہو اور سلام کے بعد کوئی منافی صلوۃ کام نہ کیا ہو تو جب تک صفوں سے تجاوز نہ کرے سجدہ سہو کر سکتا ہے، اکیلے نماز پڑھنے کی صورت میں بھی اتنی مقدار چلنے کا اعتبار ہوگا۔

لما فی فتح القدير:(۵۳۲/۱،طبع رشيديه)

اذاسلم وانصرف ثم ذكر أن عليه سجدة صلبية أوسجدة تلاوة فان كان فى المسجدولم يتكلم وجب عليه أن ياتى به ولو انصرف عن القبلة.

لما فی الشامية:(۹۱/۲،طبع سعيد)

ولو نسى السهو او سجدة صلبية او تلاوية يلزمه ذلك ما دام فى المسجد، وقال الشامیؒ:وان تحول عن القبله استحسانا لأن المسجد كله فى حكم مكان واحد ولذا صح الاقتداء فيه وان كان بينهما فرجة،واما اذاكان فى الصحراء،فان تذكر قبل أن يجاوز الصفوف من خلفه اويمينه او يساره عاد الىٰ قضاء ما عليه.

ولما فی التاتارخانية:(۵۳۳/۱،طبع قديمى)

ولو سلم وعليه سجدتا السهو وسجدة التلاوة ان سلم وهو غيرذاكر لهما او ذاكر لسجدتى سهو فان سلامه لا يكون قطعا فعليه ان يسجد للتلاوة ثم

يتشهد ويسلم ثم يسجد للسهو.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفااللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۲۹ھ
فتویٰ نمبر: ۱۱۶۲

﴿سجدہ سہو کرنے کے بعد دوبارہ سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ اگر کوئی سجدہ سہو کرنے کے بعد پھر بھول جائے اور کوئی ایسا عمل کرے جس سے سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے مثلاً: التحیات کی جگہ الحمد شریف پڑھ لیا تو ایسی صوت میں کیا دوبارہ سجدہ سہو کرنا ہوگا؟

﴿جواب﴾ سجدہ سہو نماز میں صرف ایک ہی مرتبہ مشروع ہے سو کوئی ایک مرتبہ سجدہ سہو کرنے کے بعد پھر بھول جائے تو مزید کوئی سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا وہی کافی ہے۔

لمافي بدائع الصنائع: (۱/۱۶۷، طبع سعید)

ولوشك في سجود السهو يتحرى ولايسجد لهذاالسهو لان تكرار سجودالسهو في صلاة واحدة غيرمشروع على ما نذكر ولانه لوسجد لا يسلم عن السهو فيه ثانياوثالثاًفيؤدي الىٰ مايتناهي(وحكى) ان محمدا ......فقال من باب انه لا يصغر المصغرفتحير من فطنته......(ولنا)ماروى عن النبي ﷺ انه قال سجدتان تجزيان لكل زيادة ونقصان......فعلم ان السجدتان كافيتان ولان سجودالسهوانما اخر عن محل النقصان الى آخر الصلوة لئلا يحتاج الىٰ تكراره لو وقع السهو بعد ذلك والالم يكن للتاخير معنى والحديث محمول على جنس السهو الموجود في صلاةواحدة لانه عين السهوبدليل ما ذكرنا.

لما في حلبي كبير: (ص: ۴۲۶، طبع سهيل اكيڈمي)

لان السجودلا يتكرر بتكررالسهو لان الجنايات الواقعة في الصلوة من جنس واحد......يكتفي فيها بجزاء واحد.

ولما في الهندية: (۱/۱۳۰، طبع رشيديه)

السهو في سجود السهولايوجب السهو لانه لايتناهي كذافي التهذيب..... ولوسها في صلاته مرارايكفيه سجدتان كذا في الخلاصة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن کوہاٹی
۶ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
فتویٰ نمبر: ۱۱۰۵

﴿نماز میں خلاف ترتیب سورتیں پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں

ترتیب کے خلاف سورتیں پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: محمد لقمان

﴿جواب﴾ خلاف ترتیب سورتیں پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا کیونکہ ترتیب سے سورتیں پڑھنا واجبات نماز میں سے نہیں ہے، البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر سہواً ہو جائے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔

لما في الدر مع الرد:(۱/۵۴۶-۵۴۷،طبع سعید)

ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسا......وفي القنية:قرأ في الاولىٰ الكافرون وفي الثانية:الم ترأو تبت ثم ذكر يتم.(قوله وأن يقرأ منكوسا)بأن يقرأ في الثانية سورة اعلى مما قرأ في الأولىٰ لأن ترتيب السور في القرأة من واجبات التلاوة......(قوله:ألم ترأو(تبت):اى نكس أو فصل بسورة قصيرة ط (قوله ثم ذكر يتم)أفاد أن التنكيس أوالفصل بالقصيرة انما يكره اذا كان عن قصد فلو سهوا فلا كما في شرح المنية.

لما في البحر الرائق:(۲/۹۴،طبع سعید)

في التجنيس لو قرأ سورة ثم قرأ في الثانية سورة قبلها ساهيا لا يجب عليه السجود لأن مراعاة ترتيب السور من واجبات نظم القرآن لا من واجبات الصلاة فتركها لا يوجب سجود السهو.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۰۰۱

﴿سجدہ سہو کرنے کے بعد بھولے سے کھڑا ہو جائے تو کیا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص چار رکعات نماز ادا کر رہا تھا اس پر سجدہ سہو لازم ہوگیا جب وہ آخری قاعدہ میں بیٹھ گیا اس نے سجدہ سہو کرلیا پھر تشہد پڑھ لی اسکے بعد بھولے سے کھڑا ہوگیا پھر اس کو یاد آیا کہ میں تو چار رکعت پڑھ چکا ہوں تو اب وہ کیا کرے کھڑے کھڑے سلام پھیر دے یا واپس بیٹھ کر دوبارہ سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے؟ جواب دیکر عند اللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: شیراز احمد

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں کھڑے کھڑے بھی سلام پھیر سکتا ہے لیکن خلاف سنت ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہیکہ بیٹھ کر سلام پھیر دے اور سجدہ سہو دوبارہ اس پر واجب نہیں ہے۔

لما في المراقي الفلاح:(ص۱۸۰،طبع قدیمی)

(وان قعد)الجلوس (الاخيرة)قدر التشهد (ثم قام)ولو عمدأو قرأ وركع(عاد)للجلوس

لان مادون الركعة بمحل الرفض (وسلم)فلو سلم قائماً صح وترك السنة لان السنة التسليم جالساً (من غير اعادة التشهد)لعدم بطلانه بالقيام.

ولما في البدائع الصنائع :(۱/۱۶۷،طبع سعيد)

ولو شك في السجود السهو يتحرى ولا يسجد لهذا السهو لان تكرار سجود السهو في صلاة واحد غير مشروع على ماذكر ولانه لو سجد لا يسلم عن السهو فيه ثانياً وثالثاًفيودى الى ما يتناهى ....(ولنا)ما روى عن النبى ﷺانه قال سجدتان تجزيان لكل زيادة او نقصان........... فعلم ان السجدتان كافيتان ولان سجود السهوانما اخر عن محل النقصان الى آخر الصلوة لئلا يحتاجالى تكراره لو وقع السو بعد ذالك الا لم يكن للتأخير معنى والحديث محمو ل على جنس السهو الموجود في صلاة واحدة لا انه عين السهو بدليل ما ذكرنا.

ولما في حلبي كبير :(ص۴۶۶،طبع سہیل اکیڈمی)

لان السجود لا يتكرر بتكراره لان الجنايات الواقعة من جنس واحد ....يكتفى فيها بجزاء واحد.

ولما في الفتاوى السراجية :(ص۱۲ ،طبع سعيد)

لو سهى مرة وسجد ثم سهى لا سهو عليه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

فتویٰ نمبر: ۳۷۱۶

﴿امام کے سجدہ سہو کرنے کے بعد شریک ہونے والے پر سجدہ سہو لازم نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام صاحب پر سجدہ سہو واجب ہوگیا تھا اس نے آخر میں سجدہ سہو کرلیا اس کے بعد کوئی شخص نماز میں شریک ہوگیا تو یہ شخص آخر میں سجدہ سہو کرے گا یا نہیں؟

مستفتی: ایک مسلم

﴿جواب﴾ جو شخص امام صاحب کے ساتھ سجدہ سہو کے بعد شریک ہوگیا اس پر سجدہ سہو لازم نہیں۔

لما في الشامي (۲/۸۳ ،طبع سعيد كراچی)

(قوله سواء كان السهو قبل الاقتداء اوبعده)بيان للاطلاق وشمل ايضا مااذا سجد الامام واحدة ثم اقتدى به قال في البحر :فانه يتابعه في الاخرى ولا يقضى قضاء الاولى كما لا يقضيهما ولو اقتدى به بعد ما سجدهما.

ولما في عالمگیریہ(۱/۱۲۸ طبع رشيديه كوئٹه)

ولو دخل معه بعد ما سجد سجدة السهو يتابعه في الثانية ولا يقضى الاول وان دخل

معه بعد ما سجدهما لا يقضيهما كذا في التبيين .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ   فتوی نمبر: ۳۶۰۲

﴿فرض نماز پوری کر کے بھول سے زائد رکعت کیلئے اٹھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص چار رکعات فرض نماز پڑھ رہا ہو، اور وہ چار رکعات پوری کر کے یہ گمان کرے کہ میں نے تین پڑھی ہے اور پانچویں رکعت کیلئے اٹھ جائے اور رکوع یا سجدہ کے وقت یاد آجائے تو سجدہ سہو سے اسکی فرض نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں۔   مستفتی: سلمان الطاف

﴿جواب﴾ بھول سے پانچویں رکعت میں جانے والا نمازی عموماً آخری قعدہ کئے بغیر زائد رکعت کے لئے اٹھتا ہے، ایسی صورت میں زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر یاد آجائے تو بلا تاخیر لوٹ کر قعدہ کرے اور سجدہ سہو سے غلطی کی تلافی کرے اور اگر یاد نہیں آیا یہاں تک کہ سجدہ کرلیا تو اب سجدہ سہو سے تلافی نہیں ہو سکتی، چھٹی رکعت کا اضافہ کرے تا کہ چھ رکعت نفل ہو جائے نمازِ فرض تو باطل ہوگئی۔

اور قعدہ اخیرہ اگر کرلیا تھا تب بھی زائد رکعت کے لئے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آنے کی صورت میں لوٹنے کا حکم ہے سلام میں تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو سے تلافی ہو جائے گی اور اگر زائد رکعت کے لئے سجدہ کرنے کے بعد غلطی کا احساس ہوا تو ایک اضافی چھٹی رکعت بھی ملائے تا کہ دو رکعت نفل شمار ہوں اور چار رکعات فرض اور اخیر میں سجدہ سہو کرے تا کہ سلام میں تاخیر کرنے کی تلافی ہو جائے۔

لما في الهندية ۱/۱۲۹ طبع رشيديه

رجل صلى الظهر خمسا وقعد في الرابعة قدر التشهد ان تذكر قبل ان يقيد الخامسة بالسجدة انها الخامسة عاد الى القعدة وسلم كذا في المحيط، ويسجد لسهو كذا السراج الوهاج، وان تذكر بعد ما قيد الخامسة بالسجدة انها الخامسة لا يعود الى القعدة ولا يسلم بل يضيف اليها ركعة اخرى حتى يصير شفعا ويتشهد ويسلم هكذا في المحيط، ويسجد لسهو استحسانا كذا في الهداية، وهو المختار كذا في الكفاية، ثم يتشهد ويسلم هكذا في المحيط..... وفيه ايضا: ان لم يقعد على رأس الرابعة حتى قام الى

الخامسة ان تذكر قبل ان يقيدالخامسة بالسجدة عاد الى القعدة هكذا في المحيط وفي الخلاصة ويتشهد ويسلم ويسجد للسهو كذافي التتارخانيه ،وان قيد الخامسة بالسجدة فسد ظهره عندنا كذا في المحيط ،وتحولت صلاته نفلا عند ابى حنيفه وابى يوسف رحمهما الله تعالى ويضم اليها ركعة سادسة ولو لم يضم فلا شئى عليه كذا في الهدايه ،ثم اختلف ابو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى في وقت الفساد فقال ابو يوسف رحمه الله تعالى كما وضع رأسه للسجود تفسد صلاته وقال محمد رحمه الله تعالى لا تفسد صلاته حتى يرفع رأسه من السجود ففرض السجود عند ابى يوسف رحمه الله تعالى يتأدى بوضع الرأس وعند محمد رحمه الله تعالى بالوضع والرفع كذا في المحيط ،قال فخر الاسلام في الجامع الصغير والمختار للفتوى قول محمد رحمه الله تعالى كذافي النهايه .

ولما في التنوير مع الدر ۸۵/۲، ۸۶، ۸۷ طبع سعيد

(ولو سها عن القعود لاخير) كله او بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (ما لم يقيدها بسجدة) لان مادون الركعة محل الرفض ويسجد للسهو لتأخير القعود (وان قيدها) بسجدة عامدا اوناسيا اوساهيا اومخطئا (تحول فرضه نفلا برفعه) الجبهة عند محمدؒ وبه يفتى لان تمام الشئى باخره ـــ (وضم سادسة ان شاء) لاختصاص الكراهية والاتمام بالقصد (ولا يسجد لسهو على الاصح) لان النقصان بالفساد لاينجبر (وان قعد في الرابعة) مثلا قدر التشهد (ثم قام عاد وسلم) ولو سلم قائما صح ـــــ الخ

الجواب صحيح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی
۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۲۸

﴿نمازی آخری قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو سجدے سے پہلے لوٹ آئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص قعدۂ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کے سجدے کے بعد یاد آئے تو پانچویں رکعت میں سجدہ سہو سے نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟ مستفتی: محمد عامر

﴿جواب﴾ آخری قعدہ فرض ہے اگر نہیں کیا اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا قعدہ آخیرہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کر لے تو نماز درست ہو جائے گی لیکن اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی سجدہ سہو سے نماز درست نہیں ہو گی ، البتہ اب چھٹی رکعت بھی ساتھ ملا دے تو یہ چھ رکعتیں نفل

ہو جائیں گی اور اصل نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

لمافی الهندية:(۱۲۹/۱،طبع رشيديه)

وان لم يقعد على رأس الرابعة حتى قام الى الخامسة ان تذكر قبل أن يقيد الخامسة بالسجدة عاد الى القعدة هكذا في المحيط.وفي الخلاصة يتشهد ويسلم ويسجد للسهو كذا في التاتارخانية وان قيد الخامسة بالسجدة فسد ظهره عندنا كذا في المحيط وتحولت صلاته نفلا عند أبي حنيفة و أبي يوسفؒ ويضم اليها ركعة سادسة ولو لم يضم فلا شئ عليه كذا في الهداية.....والاصح أنه لا يسجد للسهو كذا في النهاية.

ولمافي الحلبي:(ص۳۹۹،۴۰۰،طبع نعمانيه)

(وان سهى عن القعدة الأخيرة) في ذوات الأربع (وقام الى الخامسة يعود الى القعدة ما لم يسجد) للخامسة لأنها فرض فيرفض لأجلها عند التمكن من اصلاحها ماهو محل الرفض وهو مادون الركعة ويتشهد ويسلم (ويسجد للسهو) لتأخير القعدة (وان قيد) الركعة (الى الخامسة بالسجدة تحولت صلاته نفلا) عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ وبطلت اصلا عند محمدؒ.....(وعليه يضم اليها) اى الى الخامسة (ركعة سادسة) عندهما خلافا لمحمدؒ..... (ويسجد للسهو) هو قول بعض المشائخ وفي النهاية والاصح أنه لا يسجد وكذا قال ابن الهمامؒ الصحيح أنه لا يسجد لأن النقصان بالفساد لا ينجبر بالسجود.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۱۶

﴿پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے امام لوٹ آئے تو ضمناً مقتدی کی نماز بھی درست ہوگئی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب فرض کا قعدہ اخیرہ بھول گئے، مجمع زیادہ تھا بعض لوگوں نے قیام کیا جگہ جگہ سے امام صاحب کو لقمہ ملنا شروع ہوا، امام نے رکوع تو کرلیا لیکن سجدہ سے پہلے واپس ہوگئے قعدہ کی طرف جبکہ بعض مقتدی لوگوں نے سجدہ بھی کرلیا تب امام کی حالت ان پر واضح ہوگئی، وہ بھی قعدہ کی طرف آگئے تو ان مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں امام صاحب سجدہ کرنے سے پہلے قعدہ کی طرف چونکہ لوٹ آئے ہیں اس لیے سب کی نماز صحیح ہوگئی ہے البتہ تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہے، مقتدیوں نے اگرچہ پانچویں رکعت کی لیے مغالطہ میں سجدہ بھی کرلیا ہے لیکن قعدہ کی طرف لوٹ کر امام

صاحب کے رکوع کا کوئی اعتبار نہیں رہا تو ضمناً مقتدیوں کے رکوع کا بھی کوئی اعتبار نہیں رہا اور سجدہ بغیر رکوع کے معتبر نہیں ہے اس لیے اس سجدہ سے مقتدیوں کی فرض نماز فاسد نہیں ہوئی۔

لما فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح(ص:۴٦٧ طبع قدیمی)

(وان سہا عن القعود الاخیر عاد ما لم یسجد) لعدم استحکام خروجه من الفرض لاصلاح صلاته، وبه وردت السنة عاد النبیﷺ بعد قیامه الی الخامسة وسجد للسہو.

وفیه ایضاً۔

العبرة للامام حتی لو عاد قبل ان یسجد ولم یعلم به القوم حتی سجدوا لم تفسد صلاتہم لانه لما عاد الامام ارتفض رکوعه، فیرتفض رکوع القوم ایضاً تبعا له فبقی لہم زیادة سجدة وہی غیر مفسدة ما لم یتعمد.

ولما فی الدر المختار (٨٦/٢طبع سعید)

(قوله والعبرة للامام) ای فی العود قبل التقیید وفی عدمه ط(قوله لم تفسد صلاتہم) لانه لما عاد الامام الی القعدة ارتفض رکوعه فیرتفض رکوع القوم تبعا له، لانه مبنی علیه، فبقی لہم زیادة سجدة وذالک لایفسد الصلاة.(قوله ما لم یتعمدوا السجود) قید به لما فی المجتبی لو عاد الامام الی القعود قبل السجود وسجد المقتدی عمداً تفسد،وفی السہو خلاف،والاحوط الاعادة اه بحر.

اقول: مقتضی التعلیل المار بارتفاض رکوع القوم بارتفاض رکوع الامام انه لا فرق بین العمد وغیره فلیتامل.

ولما فی الہندیه(١٢٨/١)رشیدیه

سہو المؤتم لا یوجب السجدة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۵صفر المظفر ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۵۵۲

﴿تکبیرات عیدین بھول جانے کی صورت میں کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہم عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھ رہے تھے،امام صاحب دوسری رکعت میں تکبیرات زوائد کہنے کے بجائے رکوع میں چلے گئے، یاد آنے پر رکوع سے اٹھے تکبیرات ادا کیں پھر رکوع میں چلے گئے اور نماز مکمل کی لیکن سجدۂ سہو نہیں کیا، پوچھنا یہ ہے کہ ہماری نماز ہوگئی یا نماز دوبارہ ادا کرنی پڑے گی؟　　مستفتی:محمد ابرار بلال

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں نماز ہوگئی ہے، تکبیرات زوائد کو برمحل ادا نہ کرنے کی وجہ سے

سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے لیکن فقہاء کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ اگر عیدین اور جمعہ میں مجمع کثیر ہو تو سجدۂ سہو کو چھوڑ دینا اولیٰ ہے، رکوع سے تکبیرات کی طرف لوٹنا نہ چاہیے تھا، تاہم لوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔

لمافی التنویروشرحہ:(۲/۱۷۴،ایچ ایم سعید)

(کمالورکع الامام قبل ان یکبرفان الامام یکبرفی الرکوع ولایعود الی القیام لیکبر)فی ظاهرالروایة فلوعادینبغی الفساد.

وفی الشامی:قوله فی ظاهرالروایة تبع فیه المصنف فی المنح والذی فی البحر والحلیة ان ظاهرالروایة انه لایکبرفی الرکوع ولایعود الی القیام زاد فی الحلیة وعلی ما ذکره الکرخی ومشی علیه فی البدائع وهوفی روایة النوادریعود الی القیام ویکبر ویعید الرکوع دون القراءة وهذه الروایة ایضاً تخالف مافی المتن.

نعم صرح بمثله فی البحروالحلیة والفتح والذخیرة فی باب الوتر والنوافل وذکرواالفرق بین التکبیر حیث یرفض الرکوع لاجله وبین القنوت بکون تکبیرالعید مجمعاً علیه دون قنوت الوتر،وذکرمثله فی البدائع هناك مخالفاً لما ذکره فی هذاالباب ولکن حیث ثبت ظاهرالروایة لایعدل عنه وعلی مافی المتن،فالفرق بین التکبیروبین القنوت حیث لایاتی به فی الرکوع انه لم یشرع الافی محل القیام بخلاف التکبیر.

قوله فلوعاد ینبغی الفسادتبع فیه صاحب النهر وقدعلمت ان العودروایة النوادر علی انه یقال علیه ماقاله ابن الهمام فی ترجیح القول بعدم انفسادفیمالوعادالی القعودالاول بعدمااستتم قائما بان فیه رفض الفرض لاجل الواجب وهووان لم یحل فهو بنصحه لایفل.

ولمافی التنویروشرحه:(۲/۹۲)

(والسهوفی صلاة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء) والمختار ......عندالمتاخرین عدمه فی الاولیین لدفع الفتنة کمافی جمعة البحروأقره لمصنف،وبه جزم فی الدرر.

وفی الشامی:قوله عدمه فی الاولیین الظاهران الجمع الکثیرفیماسواهما کذلك کمابحثه بعضهم وکذابحثه الرحمتی،وقال خصوصاًفی زماننا وفی جمعة حاشیة ابی السعود عن العزمیة انه لیس المرادعدم جوازه،بل الاولی ترکه لئلایقع الناس فی فتنة.

ولمافی الهندیة:(۱/۱۲۸ رشیدیه)

(ثم واجبات الصلوة انواع)......(منهاتکبیرات العیدین)قال فی البدائع اذاترکها اونقص

منها اوزادعليها اواتى بها فى غيرموضعها انه يجب عليه االسجود كذافى البحر الرائق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدابخش

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۵۱۸

﴿قعدہ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے بعد واپس لوٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ امام صاحب عشاء کی نماز میں قعدہ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہو گئے لیکن لقمہ دینے کی وجہ سے قعدہ اولیٰ کی طرف لوٹے اور آخر میں سجدہ سہو کیا لہٰذا امام صاحب کا قیام سے قعدہ اولیٰ کی طرف لوٹنے سے نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: عبدالسلام

﴿جواب﴾ قیام فرض ہے اور قعدہ واجب ہے امام صاحب قیام تک پہنچے تھے تو قیام سے واپس قعدہ کی طرف نہیں لوٹنا چاہیئے تھا بعض روایات میں اس طرح کرنے سے نماز کے فساد کا بھی قول ہے لیکن مفتی بہ قول کیمطابق نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن ایسا کرنا غلط ہے، البتہ سجدہ سہو سے نماز درست ہو جاتی ہے۔

لمافی التنویر: (۲/۸۳،طبع سعید)

سها عن القعود الاول من الفرض ثم تذكره عاد اليه ما لم يستقم قائما والالا و سجد للسهو فلو عاد الى القعودتفسد صلاته وقيل لا وهو الاشبه......(قوله وهو الحق بحر) قال ابن عابدين كان وجهه ما مر عن الفتح اوما فى المبتغى من ان القول با لفساد غلط لانه ليس بترك بل هو تا خير كما لو سها عن السورة فركع فانه يرفض الركوع و يعود الىٰ القيام ويقرأ فى البحر:(۲/۱۰۰،طبع سعيد)(قوله و ان سها عن القعودالاول وهو اليه اقرب عاد والالا)......وذكرفى المبسوط ان ظاهر الرواية اذالم يستتم قائمايعود واذا استتم قائما لا يعود لانه جاء فى الحديث عن النبى ﷺ انه قام من الثانية الىٰ الثالثة قبل ان يقعد فسبحوا به فعاد وروى انه لم يعد و كان بعد ما استتم قائما و هذالانه لما استتم قائما اشتغل بفرض القيام فلا يترك ا ه و صححه الشارح وفى فتح القديرانه ظا هر المذهب والتوفيق بين الفعلين المر ويين با لحمل على حالتى القرب من القيام و عدمه ليس باولى منه بالحمل على الاستواء و عدمه ثم لو عاد فى موضع وجوب عدمه اختلفوا فى فساد صلاته فصحح الشارح الفساد لتكامل الجناية برفض الفرض بعد الشروع فيه لاجل ما ليس بفرض و فى المبتغى بالغين المعجمة لأنه ليس بترك وانما هو تا خير كما لو سها عن السورة فركع فانه يرفض الركوع و يعود الىٰ القيام و يقرا لاجل الواجب وكما لو سها عن القنوت فركع

فانه لو عاد و قنت لا تفسد على الاصح.(۱۰۱/۲)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۶۳

﴿سورت یا قنوت یا قعدہ چھوٹنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) اگر کوئی شخص فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا بھول جائے اور رکوع میں چلا جائے اور پھر اسکو رکوع میں یاد آجائے کہ فاتحہ کے ساتھ سورت نہیں پڑھی تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص وتر کی نماز میں دعائے قنوت بھولے سے چھوڑ کر رکوع میں چلا جائے اور پھر رکوع میں اسکو یاد آجائے تو اس کیلئے کیا حکم ہے کیا دوبارہ کھڑے ہوکر قنوت پڑھے گا یا نہیں؟

(۳) نیز اگر کوئی شخص بھولے سے قعدہ اولی کو چھوڑ کر قیام کیلئے کھڑا ہو جائے اور پھر یاد آنے پر واپس قعدہ کی طرف آجائے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) ایسی صورت میں رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف لوٹے اور سورت پڑھ کر دوبارہ رکوع کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے اور اگر سورت پڑھنے کے بعد دوبارہ رکوع نہیں کیا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔

لمافی الشامية :(۸۰/۲طبع سعيد)

والتحقيق ان تقديم الركوع على القرءة مطلقا موجب لسجود السهو لكن اذا ركع ثم قام فقرء فان عاد الركوع صحت صلاته والا فسدت......واما اذا قرء الفاتحة مثلا ثم ركع فتذكر السورة فعاد فقرء ها ولم يعد الركوع فلان ما قرأ ثانيا التحق بالقراءة الاولى فصار الكل فرضا فارتفض الركوع فاذالم يعد تفسدبعدم صلاته نعم،اذا كان قرء الفاتحة والسورة ثم عادللقراءة سورة اخرى لا يرتفض ركوعه كما نقله فى الحلية عن الزاهدى وغيره فظهر ان ايقاع الركوع قبل القراءة أصلا او قبل قراءة الواجب يلزم به سجود السهو لكن اذا لم يعد الركوع يسقط سجود السهولفساد الصلاة وان اعاده صحت ويسجد للسهو.

ولمافى التاتارخانية :(۵۱۹/۱طبع قديمى)

اذا ركع ولم يقرء السورة رفع راسه وقرء السورة اعاد الركوع وعليه السهو هوالصحيح.

(۲) ایسی صورت میں سجدہ سہو کر لے، اس سے ترک قنوت کی تلافی ہو جائے گی، تاہم رکوع کے بعد قنوت پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی لیکن اس صورت میں دوبارہ رکوع نہ کریں البتہ سجدہ سہو ضروری ہے۔

ولما فی حلبی کبیر: (ص۲۹۸ طبع نعمانیه)

(وان تذكر القنوت بعد الركوع لم يعد..... وان تذكر بعد وهو في الركوع ففيه) اى فى القعود (روايتان) احدهما لايعود ولايقنت والاخرى يعود الى القيام ويقنت ويعيد الركوع والذى فى فتاوىٰ قاضى خان والصحيح ان لا يقنت فى الركوع ولايعود الىٰ القيام فان عاد الىٰ القيام وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته لان ركوعه قائم لم يرتفض (وقال الناطفى) سواء (عاد او لم يعد يسجد للسهو) وفى الخلاصة وعليه السهو عاد او لم يعد قنت او لم يقنت انتهى ولا بدمن الفرق على ما هو الصحيح من انه لا يعود الىٰ القيام ولو عاد وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته لان ركوعه قائم لا يرتفض ركوعه بين القنوت وبين الفاتحة او السورة اذا تذكرها فى الركوع فانه يعود ويقرء.....ويرتفض الركوع حتى لولم يعده تفسد صلاته ...... وان كان البعض يقول انها لا تفسد لان الرفض لأجل القراءة فاذا لم يقرء صار كانه لم يكن يتم مع ان الكل واجب وبيان الفرق اما اولا فبان وجوب القنوت دون وجوبهما اذ اكثر العلماء لايقولون به بخلافهما فان الفاتحة فرض عند اكثر العلماء والسورة واجبة باتفاق ائمتنا فلذا يجب العود لاجلها ويرتفض الركوع به دون القنوت واما ثانيا فبانهما اذا اعيدا يقعان فرضين والقنوت اذا اعيد يقع واجبا.

وكذا فى الخانية على هامش الهندية: (۱/۱۲۱ طبع رشيديه)

ولو ترك القنوت فذكر فى القعدة او بعدما قام من الركوع لا يقنت وعليه السهو.

(۳) صورت مسئولہ میں جب قیام کے لئے کھڑا ہو گیا تو پھر دوبارہ قعدہ کی طرف نہیں لوٹنا چاہیئے کیونکہ قیام فرض ہے اور قعدہ واجب ہے، بعض روایات میں اسطرح کرنے سے نماز کے فساد کا بھی قول ہے، مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ ایسا کرنا غلط ہے سجدہ سہو بہر حال ضروری ہے۔

لمافى التنوير وشرحه: (۲/۸۳)

سهى عن القعود الاول من الفرض ثم تذكره عاد اليه ما لم يستقم قائما والا لا وسجد للسهو فلو عاد الى القعود تفسد صلاته وقيل لا وهو الاشبه كماحققه الكمال وهو الحق بحر وقوله وهو الحق بحر، كان وجهه مامر عن الفتح او ما فى المبتغى من ان القول بالفساد غلط لانه ليس بترك بل هو تاخير كمالوسهى عن السورة فركع فانه يرفض الركوع ويعود الىٰ القيام

ويقرء وكذافي البحر:(۲/۱۰۱-۱۰۲طبع سعيد)وكذافي مراقي الفلاح:(۹۷۱-۱۸۰طبع قديمي).

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:حبیب الوہاب سواتی غفرلہ

۵ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۲۸۴

﴿لاحق پر سجدہ سہو نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مقیم آدمی نے مسافر امام کی اقتداء کی۔جب امام نے دو رکعت پڑھالیں تو مقتدی اپنی بقیہ دو رکعتوں کو پورا کرنے کے لئے کھڑا ہوگیا۔تو اس سے ان دو رکعتوں میں ایسی غلطی ہوگئی کہ جس کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔تو کیا یہ مقتدی سجدہ سہو کریگا یا نہیں؟ مستفتی:مقبول احمد بلوچ مٹھہ کھوہ

﴿جواب﴾ مسافر امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے والا مقیم لاحق کے حکم میں ہوتا ہے یعنی باقی ماندہ نماز پڑھتے ہوئے گویا امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہے اس لئے سجدہ سہو اس پر لازم نہیں ہوتا۔

لما في الدرالمختار:(۲/۱۲۹،طبع سعيد)

وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعد ، فاذا قام)المقيم (الى الاتمام لايقرأ) ولايسجد للسهو (في الاصح)لانه كالاحق.

ولما في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:(ص:۴۲۸،طبع: قديمي)

قوله :(ولايسجد سهو)لو سهو افيما يتمون لانهم كالاحقين.

ولما في فتاوى قاضي خان:(۱/۱۵۱،طبع قديمي)

جماعة من المقيمين صلو ا خلف مسافر لاقراء ة عليهم فيما يقضون كذاذكر الكرخي رحمه الله وكذلك السهو.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد امیر ملک قائد آبادی

۲۳ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۷۷

﴿سجدہ سہو کے بعد دوبارہ تشہد پڑھنا واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پر سجدہ سہو لازم ہوگیا اس نے سجدہ سہو کر لیا لیکن سجدہ سہو ادا کرنے کے بعد تشہد نہیں پڑھا اور فوراً سلام پھیر لیا تو کیا اس آدمی کی نماز درست ہوگی یا دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا؟

﴿جواب﴾ سجدہ سہو کرنے کے بعد دوبارہ تشہد پڑھنا اور نماز سے نکلنے کے لیے سلام پھیرنا

واجب ہے، لہٰذا اس آدمی نے سجدہ سہو ادا کرنے کے بعد اگر تشہد پڑھے بغیر سلام پھیر دیا ہے تو اسکی نماز واجب الاعادہ ہے۔

لما فی العالمگیریہ (۱۳۹/۱ طبع سعید).

وكيفيته ان يكبر بعد سلامه الاول ويخر ساجداً ويسبح في سجوده ثم يفعل ثانيا كذالك ثم يتشهد ثانيا ثم يسلم كذا في المحيط ويأتي بالصلاة على النبي ﷺ والدعاء في قعدة السهو وهو الصحيح.

ولما فی نور الایضاح: (۱۰۸/۱ طبع قدیمی باب سجود السہو).

يجب سجدتان بتشهد وتسليم لترك واجب سهواً.

ولما فی مراقی الفلاح: (۱۷۷/۱ طبع قدیمی)

ويجب سجدتان لانه ﷺ سجد سجدتين للسهو وهو جالس بعد التسليم وعمل به الاكابر من الصحابة والتابعين (بتشهد وتسليم) لما ذكرنا، ويأتي فيه الصلاة على النبي ﷺ والدعاء على المختار.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی (۴۶۰ طبع قدیمی).

قوله (وعمل به الأكابر) اى فلم يكن منسوخاً..... (بتشهد وتسليم) هما واجبان بعد سجود السهو لان الاولين ارتفعا بالسجود.

ولما فی الدر المختار (۷۸/۲: طبع سعید).

(يجب ..... سجدتان و) يجب ايضا (تشهد وسلام) لان سجود السهو يرفع التشهد دون القعدة لقوتها.

ولما فی الشامی: (۷۸/۲)

(تحت قوله يرفع التشهد) اى قراته حتى لو سلم بمجرد رفعه من سجدتى السهو صحت صلاته ويكون تاركا للواجب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۱۰

﴿مسبوق کا سہواً یا قصداً امام کے ساتھ سلام پھیرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) زید کو ظہر کی نماز میں ایک امام کیساتھ آخری دو رکعت ملیں امام صاحب پر پہلی دو رکعتوں میں سجدہ سہو واجب ہو گیا تھا، اب زید نے بھولے سے سجدہ سہو کے بعد آخر نماز میں امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو کیا اس سے

اسکی نماز فاسد ہوگئی یا نہیں؟ (۲) اسی طرح اگر قصداً سلام پھیرا ہو تو کیا حکم ہوگا؟

﴿جواب﴾ مسبوق نے امام صاحب کیساتھ اگر قصداً سلام پھیر لیا تو اسکی نماز فاسد ہوگئی، نماز کا دوبارہ اعادہ ضروری ہے، بھولے سے پھیر لیا ہو تو سجدہ سہو واجب ہے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوبارہ سجدہ سہو کرنے سے تکرار سجدہ سہو لازم آتا ہے حالانکہ تکرار غیر مشروع ہے، اس لئے کہ مسبوق کی باقی ماندہ نماز حکماً الگ نماز ہوتی ہے۔

لمافی الدر المختار: (۱/۵۹۹، طبع سعید)

ولو سلم ساهيا ان بعد امامه لزمه السهو والالا. وفی ردالمحتار (قوله لزمه السهو) لانه منفرد فی هذه الحالة ح، (قوله والالا) ای وان سلم معه او قبله لا يلزمه لانه مقتد فی هاتين الحالتين ح..... الیٰ قوله: قلت يشير الیٰ ان الغالب لزوم السجود، لان الاغلب عدم المعية وهذامما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له.

ولمافی بدائع الصنائع: (۱/۱۷۶، طبع سعید)

(فان) قيل ينبغی ان لا يسجد المسبوق مع الامام لانه ربما يسهو فيما يقضی فيلزمه السجود ايضا فيؤدی الیٰ التكرار وانه غير مشروع ولانه لوتابعه فی السجود يقع سجود فی وسط الصلاة وذا غير صواب (فالجواب) ان التكرار فی صلاة واحدة غير مشروع وهما صلاتان حكما وان كانت التحريمة واحدة لان المسبوق فيما يقضی كالمنفرد..... الیٰ قوله: ولا يسلم اذا سلم الامام لان هذا السلام للخروج عن الصلاة و قد بقی عليه اركان الصلاة فاذا سلم مع الامام فان كان ذاكرا لما عليه من القضاء فسدت صلاته لانه سلام عمدا وان لم يكن ذاكرا له لا تفسد لانه سلام سهو فلم يخرجه عن الصلوة وهل يلزمه سجود السهو لاجل سلامه ينظر ان سلم قبل تسليم الامام او سلما معا لا يلزمه لان سهوه سهو المقتدی وسهو المقتدی متعطل وان سلم بعد تسليم الامام لزمه لان سهوه سهو المنفرد فيقضی مافاته ثم يسجد للسهو فی آخر صلاته.

وكذافی البحر الرائق: (۱/۹۹)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس چارسدوی

۲/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۶۴۳

﴿بلا ضرورت لقمہ لینے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب کو ایک مقتدی نے بلا ضرورت لقمہ دے دیا اور امام صاحب نے لقمہ لے لیا لیکن پھر اس گمان پر کہ میں

نے بلاضرورت لقمہ لے لیا امام نے سجدہ سہو کرلیا تو اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا بلا ضرورت لقمہ لینے سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے؟ نیز بلاضرورت لقمہ دینا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ بلاضرورت لقمہ دینے ولینے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا تاہم ایسی صورت میں غلط فہمی کی بناء پر سجدہ سہو کرلینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

بلاضرورت لقمہ نہیں دینا چاہیئے اس لئے کہ لقمہ کی ظاہری صورت تعلیم وتعلم کی ہے جو بلا ضرورت کراہت سے خالی نہیں، اسی وجہ سے کتب فقہ میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ مقتدی لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے یعنی فوراً لقمہ نہ دے اور امام صاحب کو چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کریں بایں صورت کہ ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہیں یا خاموش کھڑے ہوجائیں (اسلئے کہ اس صورت میں لامحالہ مقتدی لقمہ دے گا) اگر بقدر واجب قراءت کر چکے ہوں تو رکوع کرلیں یا بعد والی آیت پڑھنا شروع کردیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۶۲۲ طبع سعید)

بخلاف فتحه على امامه فانه لايفسد مطلقاللفاتح والآخذ بكل حال.

وفي الشامية:(قوله بكل حال) أي سواء قرأالامام قدر ماتجوز به الصلاة أم لا،انتقل الىٰ آية اخرى أم لاتكرر الفتح أم لا هو الأصح نهر.

ولما في التاتارخانية:(۱/۵۱۷ طبع قديمي)

أكثر المشائخ على ان سجود السهو يجب بستة اشياء: بتقديم ركن وبتاخير ركن؛ وبتكرار ركن وبتغيير واجب وبترك واجب و بترك سنة يضاف الىٰ جميع الصلاة.

ولما في الشامية:(۱/۶۲۳ طبع سعيد)

يكره ان يفتح من ساعته كما يكره للامام ان يلجئه اليه بل ينتقل الى آية اخرىٰ لا يلزم من وصلها مايفسد الصلوة أوالىٰ سورة اخرىٰ أويركع اذاقرأقدر الفرض كما جزم به الزيلعي وغيره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالرزاق عفااللہ عنہ

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۷۹

﴿سنن کے قعدہ اولیٰ میں مقدار تشہد سے زائد پڑھنے پر سجدہ سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس طرح فرائض کے قعدہ اولیٰ میں بقدر تشہد سے زائد پڑھنے پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اگر کوئی چار

رکعات سنت یا نفل نماز پڑھتے ہوئے ایسا کرے تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ سنن مؤکدہ مثلاً: ظہر سے قبل کی چار رکعات کا حکم اس مسئلہ میں فرض کی طرح ہے یعنی قعدہ اولیٰ میں تشہد سے زائد پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہو جائے گا لیکن سنن غیر مؤکدہ مثلاً: عصر و عشاء سے قبل کی چار رکعات یا نفل کی چار رکعات میں ایسا حکم نہیں ہے ان کے قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود و غیرہ پڑھنا اولیٰ ہے اس لئے کہ سنن غیر مؤکدہ یا چار رکعات نفل کی ہر دو رکعتیں مستقل نماز شمار ہوتی ہے، لہٰذا ہر دو رکعت پر درود و دعا سمیت تشہد پڑھنا چاہیئے اور تیسری رکعت سبحانک اللھم سے شروع کرنا چاہیئے۔

لمافی الدر المختار:(۲/۴۵۶،طبع امدادیه)

ولا يصلي على النبي ﷺ في القعدة الاولى في الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها ولو صلى ناسيا فعليه السهو وقيل لا.شمني. ولا يستفتح اذاقام الى الثالثة منهالأنها لتأكدها اشبهت الفريضة وفي البواقي من ذوات الاربع يصلي على النبي ﷺ ويستفتح ويتعوذولونذرالان كل شفع صلاة.

وفي الشامية: (وقيل لا) قال في البحر ولايخفى مافيه والظاهر الاول زاد في المنح ومن ثم عولنا عليه وحكينا مافي القنية بقيل.

ولمافي الهندية:(۱/۱۱۳،طبع رشيديه)

وفي الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لايصلي على النبي ﷺ في القعدة الاولى ولا يستفتح اذاقام الى الثالثة بخلاف سائر ذوات الاربع من النوافل كذا في الزاهدي.

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عبدالرازاق غفرلہ — الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۴۰۷ — ۲۲ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

﴿عیدین اور جمعہ کے موقع پر سجدہ سہو نہ کرنا اولیٰ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے امام صاحب نماز عید کی دوسری رکعت میں تکبیرات عیدین بھول گئے اور اخیر صلوۃ میں انھوں نے سجدہ سہو بھی نہیں کیا، سوال یہ ہے کہ تکبیرات عیدین کے ترک پر سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟ برائے کرم اس بارے میں رہنمائی فرمائیں۔

مستفتی: فضل ربی

﴿جواب﴾ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں اور نماز میں کسی بھی واجب کو سہواً چھوڑنے سے

سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے لیکن فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ عیدین اور جمعہ کے موقع پر مجمع زیادہ ہوتا ہے اور سجدہ سہو کرنے سے لوگوں کے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا اس موقع پر سجدہ سہو نہ کرنا اولیٰ ہے۔

لمافی الهندية:(۱۲۱/۱،طبع قديمى)

ومنها تكبيرات العيدين،قال فى البدائع اذاتركهااونقص منهااورادعليهااواتى بهافى غير موضعهافانه يجب عليه السجود.وفيهاايضا:السهوفى الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحدالاان مشائخنا قالوالايسجدللسهوفى العيدين والجمعةلئلايقع الناس فى فتنة.

ولمافى التنويرمع الدرالمختار:(۹۲/۲،طبع سعيد)

(والسهو فى صلوة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء)والمختار عند المتاخرين عدمه فى الاوليين وفى رد المحتار:وقال خصوصا فى زماننا وفى جمعة حاشية ابى السعود عن العزمية انه ليس المراد عدم جوازه بل الاولى تركه لئلايقع الناس فى فتنة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۲۵۵

﴿سورۃ فاتحہ کا تکرار متواتر نہ ہو تو سہو کا حکم﴾

﴿سوال﴾انى قرات اليوم آية السجدةفى الصلاةفسجدت لها فلماقمت قرات الفاتحة لاليابالسهولم شرعت مما بعد آية السجدة فهل وجب علىّ سجود السهوام لا ؟ المستفتى عبد الحكيم الكشميرى

﴿جواب﴾انما يلزم سجود السهو من تكرار الفاتحة سهوا اذا كان متواليًافى الركعتين الاوليين واما اذا كان على غير الولاء كما جاء فى السؤال من ادخال السورة بينهما فلا يجب السهو كما لا يلزم من تكرارها فى الركعتين الأخرين۔

لمافى شرح المنية:(ص ۴۶۰،طبع سهيل أكيڈمى)

ولو قرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لا يلزمه السهووقيل يلزمه وكذالو قرأ الفاتحة الا حرفا ثم اعادها لا سهو عليه.

ولمافى التاتارخانية:(۵۱۹/۱،طبع قديمى)

ولو قرأ فاتحة الكتاب وسورة ثم قرأ فاتحة الكتاب فلا سهو عليه لانه ماقرأ ها على الولاء،وفى الخانية:وقيل بأنه يلزمه السهو وعن هذا قيل اذا قرأ فى صلاة فجر يوم

الجمعة سورة السجدة وسجد لها ثم قام وقرأ الفاتحة وقرأ(وتتجافی):لاسهو عليه وان قرأ الفاتحة مرتين لانه ما قرأ ها على الولاء وفى العتابية هو المختار.

ولمافى الخلاصة: (۱/۱۷۶،طبع رشيديه)

اما لو قرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لا سهو عليه وقيل بانه يلزمه ولو فعل هذا فى الأخريين يعنى كرر الفاتحة لا سهو عليه ولو قرأ الفاتحة الا حرفا او قرأ أكثرها ثم اعادها ساهيا لا سهو عليه يعنى فى الأوليين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: معراج الدین غفر اللہ لہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — رقم الفتویٰ: ۱۳۸۰

﴿ تکرار تشہد کی وجہ سے سجدہ سہو کی تفصیل ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تشہد کو سہواً یا قصداً مکرر پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہوتا ہے تو کتنی مقدار میں تکرار سے واجب ہوتا ہے؟ مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل لکی مروت

﴿جواب﴾ قعدہ اخیرہ میں تشہد کو سہواً مکرر پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا البتہ قعدہ اولیٰ میں تین تسبیحات کے برابر تشہد کو سہواً مکرر پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہے، قصداً مکرر پڑھ لیا تو نماز واجب الاعادہ ہے۔

لما فى السعاية:(۲/۲۲۹،طبع سهيل اكيڈمى)

فروع ذكر فى جمع التفاريق انه اذا كرر التشهد فى القعدة الاولىٰ يجب عليه سجود السهو لوجود تأخير الركن وهو القيام بعد التشهد فى القعدة الاولىٰ فان كان عمداً كان مكروهاً وان كان سهواً يجب عليه سجود السهو لتأخيره عن الركن وهو القيام الى الثالثة وهو جواب مشائخنا.

ولمافى الهندية:(۱/۱۲۷،طبع رشيديه)

ولو كرر التشهد فى القعدة الاولىٰ فعليه السهو وكذا لو زاد على التشهد الصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم كذا فى التبيين...... ولو كرره فى القعدة الثانية فلا سهو عليه كذا فى التبيين.

ولما فى منحة الخالق على البحر:(۱/۲۷۲،طبع سعيد)

(قوله وقدر الكثير ما يؤدى فيه ركن) أى بسنته كما قيده فى المنية قال شارحها ابن امير حاج أى بما له من السنة أى بما هو مشروع فيه من الكمال السنى

كالتسبيحات في الركوع والسجود مثلاً وهو تقييد غريب ووجهه قريب ولم اقف على التقييد بكونه قصيراً أو طويلاً. اهـ أي تقييد الركن أي هل المراد منه قدر ركن طويل بسنته كالقعود الاخير أو القيام المشتمل على قرأة المسنون اوقدر ركن قصير كالركوع اوالسجود بسنته أى قدر ثلاث تسبيحات وبا لثاني جزم البرهان ابراهيم الحلبي في شرح المنية حيث قال و ذالك مقدار ثلاث تسبيحات.اهـ فافاد ان المراد قصر ركن و كانه لانه الاحوط والله اعلم.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

۱۶صفرالخیر ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۱۹۴

﴿تسبیحات چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رکوع یا سجدے کی حالت میں کوئی تسبیحات نہ پڑھے اور ویسے خاموش رہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ رکوع اور سجدہ میں تسبیحات پڑھنے کو بعض نے واجب قرار دیا ہے لیکن مفتی بہ قول کے مطابق سنت ہے بھولے سے چھوٹ جائیں تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

لمافي التنوير مع الدر:(۱۹۷/۲-۱۹۸،طبع امدادیه)

(ويسبح فيه)واقله(ثلاثا)فلوتركه أونقصه كره تنزيها.

وفي الشامية قوله :(كره تنزيها) أي بناء على ان الامر بالتسبيح للاستحباب......وفي القهستاني : وقيل يجب . اهـ وهذاقول ثالث عندنا......والحاصل ان في تثليث التسبيح في الركوع والسجود ثلاثة اقوال عندنا ، ارجحها من حيث الدليل الوجوب تخريجا على القواعد المذهبية......وامامن حيث الرواية فالارحج السنية لانها المصرح بها في مشاهير الكتب وصرحوابانه يكره ان ينقص عن الثلاث.

ولمافي حلبي كبير:(ص۴۵۵،طبع سهيل اكيڈمي)

(انه لايجب الابترك الواجب)...... فلايجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ والتسمية والثناء ......والتسبيحات.

ولمافي الخانية:(۱۱۵/۱،طبع قديمي)

ولايجب السهوبترك رفع اليدين في تكبيرة الافتتاح ......ولابترك التسبيحات في الركوع والسجود.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

۱۶صفرالخیر ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۱۹۳

﴿تکرار فاتحہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں نے نماز شروع کرنے کے بعد سورۃ فاتحہ آدھی سے زیادہ پڑھی پھر یاد آیا کہ میں نے ثناء نہیں پڑھی بعد میں ثناء اور سورۃ فاتحہ دو بارہ پڑھی تو اس صورت میں سجدہ سہوہ لازم ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نماز کے اندر جتنی بھی سنتیں ہیں ان میں سے کسی بھی سنت کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہوہ لازم نہیں ہوتا۔

لمافی حاشیۃ الطحطاوی:(ص:۲۵۰،طبع قدیمی)

ویجب سجدتان بتشهدوتسلیم لترك واجب بتقدیم اوتاخیراوزیادۃاونقص لاسنۃ لان الصلوۃ لاتوصف بالنقصان علی الاطلاق بترك سنۃ.

البتہ کوئی واجب عمل رہ جائے تو سجدہ سہوہ لازم ہوتا ہے بیان کردہ صورت میں ثناء کے چھوڑنے یا دوبارہ ثناء کی طرف لوٹنے سے سجدہ سہوہ لازم نہیں ہوا لیکن سورۃ فاتحہ کے تکرار سے چونکہ سورۃ ملانے میں تاخیر ہوئی جبکہ تاخیر نہ کرنا واجب ہے اس لئے سجدہ سہو واجب ہے۔

ولمافی الشامی:(۱۵۶/۲)

فلو قرأها فی رکعۃ من الاولیین مرتین وجب سجود السهو لتاخیر الواجب وهو السورۃ کمافی الذخیرۃ وغیرها ولذا لوقرأ اکثرها اعادها کما فی الظهیریۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد طیب حسن زئی

۱۶ ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ　　　فتوی نمبر:۱۷۷۸

﴿مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنے پر سجدہ سہوہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے امام کی اقتداء اس حالت میں کی کہ میرے سے ایک رکعت نکل گئی اور میں نے غلطی سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا یاد آنے پر میں نے کھڑے ہو کر وہ رکعت ادا کی، سوال یہ ہے کہ میرے ذمہ سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا کہ سجدہ سہو ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو نہیں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں درست بات بتائیں جزاکم اللہ۔　　　مستفتی:وحیدالرحمٰن صاحب کراچی

﴿جواب﴾ اقتداء کی حالت میں سہو سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا لیکن امام صاحب سلام

پھیر دیں تو لفظ ''السلام'' کہنے سے نماز مکمل ہو جاتی ہے اور مسبوق باقی ماندہ نماز میں منفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے، لہٰذا مسبوق نے اگر سہواً سلام پھر دیا ہے تو ظاہر ہے امام صاحب ''السلام'' کم از کم کہہ چکے ہوں گے اس کے بعد مسبوق نے سلام پھیر دیا ہوگا یہی عادت ہے اور اقتداء کا تقاضا بھی اس لئے سجدہ سہو لازم ہے البتہ کوئی مسبوق امام صاحب سے پہلے سلام پھیر دے یا بالکل ساتھ تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا لیکن عملاً یہ صورت نادر ہے۔

ولما في الدر المختار مع رد المحتار:(۱/۵۹۹،طبع:سعيد)

(قوله ولو سلم ساهيا) قيد به لأنه لو سلم مع الأمام على ظن أن عليه السلام معه فهو سلام عمد فتفسد كما في البحر عن الظهيرية (قوله لزمه السهو) لأنه منفرد في هذه الحالة (قوله وإلا لا) اى وان سلم معه اوقبله لا يلزمه لأنه مقتد في هاتين الحالتين وفي شرح المنية عن المحيط ان سلم في الأولى مقارنا لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به و بعده يلزم لأنه منفرد ثم قال فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهو نادر الوقوع قلت يشير الى ان الغالب لزوم السجود لان الأغلب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۲۴

﴿مغرب میں قعدہ اخیرہ کے بعد چوتھی رکعت ملانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب نماز مغرب کی تیسری رکعت میں قعدہ آخیرہ کے لئے بیٹھ گئے اور قریب بسلام تھے کہ کسی مقتدی نے لقمہ دیا کہ دوسری رکعت ہے، امام صاحب کھڑے ہو گئے اور چوتھی رکعت پڑھا کے سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

مستفتی: عبدالعظیم صاحب

﴿جواب﴾ بیان کردہ صورت میں جب امام صاحب نے قعدہ اخیرہ کر لیا اور پھر کسی مقتدی کے لقمے کی وجہ سے چوتھی رکعت ملا کر سجدہ سہو کر لیا اس صورت میں نماز درست ہے البتہ اس کے ساتھ پھر پانچویں رکعت ملانا بہتر تھا نہ ملائی ہو تو بھی نماز ہو گئی ہے۔

لما في تنوير الابصار مع الدر المختار:(۲/۸۷،طبع:سعيد)

(و)لانه تم فرضه انلم يبق عليه الا السلام (وضم اليهاسادسة)لوفي العصروخامسة في المغرب ورابعة في الفجربه يفتى (لتصير الركعتان له نفلا)والضم هنا آكد ولا عهدة لوقطع

وفی الشامی تحت قوله:ای لا یلزمه القضاء لولم یضم وسلم لانه لم یشرع به مقصوداً.

ولمافی الحلبی :(۱/۲۶۳)

والکلام فی القیام الیٰ الرابعة فی المغرب والیٰ الثالثة فی الفجر کا لکلام فی القیام الیٰ الخامسة فی الرباعیات ثم الحکم المذکوروهو ضم فی الظهروالعشاء والمغرب لا کلام فیه لعدم کراهة النتل بعدها.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :محمد طیب حسن زکی

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۲۱۹۱

﴿شک کی بنیاد پر سجدہ سہو نہیں کرنا چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام صاحب نے سجدہ سہو کر کے نماز پوری کی جب بعد میں مسئلہ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ان پر سجدہ سہو لازم نہیں تھا تو کیا امام صاحب اور انکے پیچھے مقتدی جو کہ سب کے سب شروع سے آخر تک امام کیساتھ شریک تھے تمام کی نماز ہوگئی ہے؟ مستفتی:حزب اللہ صاحب

﴿جواب﴾ امام صاحب نے شک کی بنیاد پر اگر سجدہ سہو کیا ہو تو ایسی صورت میں امام صاحب اور تمام مقتدیوں کی نماز ہوگئی ہے البتہ شک کی بنیاد پر سجدہ سہو نہیں کرنا چاہیے تھا آئندہ کیلئے خیال رکھیں۔

لما فی الدرالمختار:(۲/۵۰)

ولوظن الامام السهو فسجد له فتابعه المسبوق فبان ان لاسهو فالاشبه الفساد لاقتدائه فی موضع الانفراد قال العلامة ابن عابدین وفی الفیض وقیل لاتفسد وبه یفتی وفی البحر عن الظهیریة قال الفقیه ابو اللیث فی زماننا لاتفسد لان الجهل فی القراء غالب.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :سلمان احمد

۱۵ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۲۳۶۲

﴿پہلی رکعت پر بیٹھنے اور قعدہ اولیٰ میں درود پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے غلطی سے پہلی رکعت پر بیٹھ گیا اور "التحیات للہ" تک پڑھ لیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ اسی طرح قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا شروع کیا تو کتنا درود شریف

پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا؟ اور اگر کچھ نہ پڑھے اور ویسے بیٹھے رہے تو کتنی مقدار بیٹھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا؟ مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل لکی مروت

﴿جواب﴾ کسی رکن یا واجب کو اپنی جگہ سے سہواً اتنا مؤخر کرنا جتنے وقت میں نماز کا کوئی رکن ادا ہوسکتا ہو موجب سجدہ سہو ہے جسکی مقدار تین تسبیحات بتایا گیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر پہلی رکعت پر اتنا بیٹھ گیا تھا تو سجدہ سہو واجب ہے خواہ اس دوران کچھ پڑھا ہو یا خاموش رہا ہو، البتہ قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا شروع کیا تو ''اللھم صل علیٰ محمد'' تک پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا اگرچہ ایک رکن کے بقدر تاخیر نہ ہوئی ہو، اسلئے کہ اتنے پڑھنے سے ایک سنت ثابتہ (مستقل) ادا ہوئی اور یہ موجب سجدہ سہو ہے، چنانچہ قعدہ کے موقع پر قیام کیطرف محض انتقال کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوجاتا ہے حالانکہ اس صورت میں کوئی اتنی تاخیر نہیں ہوئی، اس لئے کہ قیام ایک مستقل وظیفہ ہے اور اگر درود شریف پڑھنا شروع نہ کیا ویسے خاموش رہا تو ایک رکن کی مقدار میں تاخیر کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا اس سے کم پر نہیں ہے۔

لمافی الرد:(۲/۱۶۴)

قوله: (وترك تكرير ركوع الخ)......وكذا القعدة فى آخر الركعة الاولىٰ اوالثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها ايضا تأخير القيام الى الثانية اوالرابعة عن محله وهذا اذاكانت القعدة طويلة اما الجلسة الخفيفة التى استحبها الشافعى فتركها غير واجب عندنا بل هوالافضل.

ولمافی الدر:(۲/۲۲۰)

(ولايزيد) فى الفرض (على التشهد فى القعدة الاولىٰ) اجماعا(فان زادكره) فتجب الاعادة (اوساهيا وجب عليه سجود السهواذاقال:اللهم صلى علىٰ محمد)فقط(على المذهب)المفتىٰ به.

ولمافی حلبی کبیر:(ص ۴۲۰-۴۲۱)

(فان زاد) على القدر التشهد (قال المشائخ ان قال: اللهم صل علىٰ محمد: ساهيا يجب عليه سجدتا السهو وعن ابى حنيفة) فيمارواه الحسن عنه (ان زادحرفا). ....وفى الخلاصة والمختار انه لايلزمه السهو ان قال: اللهم صل علىٰ محمد قال البزازى لانه ادىٰ سنة وكيدة فيلزم تأخير الركن أى وبتاخير الركن يجب سجود السهو...... و الصحيح ان قدر زيادة الحر ......ونحوه غير معتبر جنس فى مايجب به سجود السهو وانما المعتبر قدرمايؤدى فيه ركن ...... وقوله: اللهم صلى علىٰ محمد: يشغل من

الزمان مايمكن ان يؤدى فيه ركن بخلاف مادونه لانه زمن قليل يعسر الاحتراز عنه فبهذا يتم مراد البزازى ويعلم منه انه لايشترط التكلم بذالك بل لومكث مقدار مايقول اللهم صلى علىٰ محمد يجب السهو لانه أخر الركن بمقدار مايؤدى فيه ركن سواء صلىٰ على النبى ﷺ اوسكت.

ولمافى البزازية:(۶۴/۴)

زاد فى القعدة الاولىٰ ان عمدايكره وان ناسيا قيل يلزم اذاقال وعلىٰ أل محمدوالمختار انه اذاقال اللهم صلى علىٰ محمد لزم لانه ادىٰ سنة وكيدة فيلزم تأخير الركن.

ولمافى منحة الخالق على البحر الرائق:(۲۴۲/۱)

(وقدر الكثير مايؤدى فيه ركن) أى بسنته كماقيده فى المنية قال شارحها ابن امير حاج أى بما له من السنة أى بما هومشروع فيه من الكمال السنى كالتسبيحات فى الركوع والسجود مثلا وهو تقييدغريب ووجهه قريب ولم اقف على التقييد بكونه قصيراأوطويلا اه أى تقييد الركن أى هل المراد منه قدر ركن طويل بسنته كالقعود الاخيرا والقيام المشتمل علىٰ قرأة المسنون اوقدر ركن قصير كالركوع اوالسجود بسنته أى قدر ثلاث تسبيحات وبالثانى جزم البرهانى الحلبى فى شرح المنية حيث قال وذالك ثلاث تسبيحات اه فافاد ان المراد اقصرركن لانه الاحوط والله اعلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۴۳۲

﴿وقت میں گنجائش نہ رہے تو سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی آدمی سے فجر کی نماز میں سہو ہو گیا اور وقت اتنا کم ہے کہ اگر سجدہ سہو ادا کرے تو سورج طلوع ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں وہ آدمی کیا کرے؟　　　مستفتی: ایک مسلم

﴿جواب﴾ نماز کے نقصان کی تلافی کے لیے سجدہ سہو کرتے ہوئے سورج نکلنے کا اگر اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ سورج نکلنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، تاہم اس نماز کا بعد میں اعادہ کرنا لازمی ہے۔

لما فى الهنديه:(۱۲۸/۱ :طبع قديمى)

والوجوب مقيد بما اذا كان الوقت صالحا حتى ان من عليه السهو فى صلاة الصبح اذ لم يسجد حتى طلعت الشمس بعدالسلام الاول سقط عنه السجود، وكذا اذا سها فى قضاء الفائتة فلم يسجد حتى احمرت، وكل مايمنع البناء اذا وجد بعد السلام يسقط

السهو كذا في البحر الرائق.

ولما في تنوير الابصار مع الدر: (۷۹/۲: طبع سعيد)

(اذا كان الوقت صالحاً) فلو طلعت الشمس في الفجر، او احمرت في القضاء، او وجد منه مايقطع البناء بعد السلام سقط عنه.

ولما في الشامي: (۷۹/۲: طبع سعيد)

(قوله سقط عنه) لانه بالعود الى السجود يعود الى حرمة الصلاة وقد فات شرط صحتها بطلوع الشمس في الفجر، ومثله خروج وقت الجمعة والعيد، وكذا اذا وجد ما يقطع البناء واما في احمرار الشمس في القضاء فكذالك۔۔۔۔بقي اذا سقطا السجود فهل يلزمه الاعادة لكون ما اداه اولا وقع ناقصا بلا جابر، والذي ينبغي انه ان سقط بصنعه كحدث عمد مثلاً يلزمه والا فلا تامل.

ولما في التقريرات الرافعي: (ص: ۱۰۱ طبع سعيد)

(قوله والذي ينبغي انه ان سقط الخ) سياتي له عن النهر ان المقتدى اذا سها مقتضى كلامهم انه يعيدها لثبوت الكراهة مع تعذر الجابر اه ومقتضاه الاعادة مطلقا ولو سقط بلاصنعه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۰۹

﴿سجدہ تلاوت کا بیان﴾

﴿نماز میں سجدۂ تلاوت بھول جائے تو یاد آنے پر کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کرنا بھول گیا تو پھر آخری قعدہ میں یاد آیا تو اب کیا کرے؟ اور اگر یاد نہ آئے اور سلام پھیر دے تو کیا حکم ہوگا؟ مستفتی: محمد فیصل راولپنڈی

﴿جواب﴾ نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کرنے سے سجدۂ تلاوت بلا تاخیر واجب ہے آیت سجدہ کے بعد دو تین آیات تک تلاوت کرنے کی گنجائش ہے اس سے زیادہ تاخیر کرنا منع ہے البتہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ انشقاق کے آخر تک سجدۂ تلاوت مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

مذکورہ مقدار میں تاخیر کیے بغیر نمازی اگر رکوع میں گیا اور رکوع میں جاتے ہوئے سجدہ کی بھی نیت کرلی تو سجدۂ تلاوت اُدا ہو جائے گا رکوع میں نیت نہیں کی تو نماز کے سجدہ میں نیت کے بغیر بھی سجدہ اُدا ہو جاتا ہے الگ سجدہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن مذکورہ تأخیر سے زیادہ

تأخیر اگر بھول سے ہوئی یہاں تک کہ اگر قعدہ آخیرہ میں بھی یاد آجائے تو مستقل سجدہ تلاوت کرنے کا حکم ہے اور ایسی صورت میں سجدۂ سہو بھی واجب ہوگا بلکہ سلام پھیرنے کے بعد بھی اگر یاد آجائے تو جب تک نماز کے منافی کوئی عمل نہیں کیا سجدہ تلاوت کرے اس کے بعد دوبارہ تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرلے لیکن اس موقع پر بھی یاد نہ آئے تو نماز سے مکمل نکلنے کے بعد اس کی قضاء کی صورت نہیں ہے استغفار کرتا رہے۔

لمافی الدر المختار:(۱۰۹/۲)

(وهي على التراخي) (وان لم تكن صلوتيه)فعلى الفور لصيرورته جزء منها ويأثم بتأخيرها ويقضيها مادام في حرمة الصلوٰة ولو بعد السلام فتح.

ولمافی الشامية:(۱۰۹/۲-۱۱۰)

(قوله على الفور) جواب شرط مقدر تقديره فان كان صلوية فعلى الفور ثم تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة أكثر من آيتين أو ثلاث على ما سيأتي حلية. (قوله ويأثم بتأخيرها)أنها وجبت بما هو من افعال الصلوٰة هو القراءة وصارت من أجزائها فوجب بترك واجب أداؤها مضيقا كما في البدائع ولذا كان للمختار وجوب سجود السهو لو تذكر بعد محلها كما قدمناه في بابه عند قوله بترك واجب.

ولمافی الدر المختار:(۱۱۰/۲ طبع:سعید)

(وتلاها في الصلوٰة سجدها فيها لاخارجها)لما مر.وفي البدائع اذا لم يسجد أثم فتلزمه التوبة. وفي الشامية:(قوله واذا لم يسجد أثم) افاد أنه لا يقضيها.قال في الشرح المنية وكل سجدة،وجبت في الصلوٰة ولم تؤد فيها سقطت أي لم يبق السجود لها مشروعا لفوات محله اقول:وهذا اذا لم يركع بعد على الفور والا دخلت في السجود وان لم ينوها كما سيأتي ومقيد ايضا بما اذا تركها عمدا حتى سلم وخرج من حرمة الصلوٰة؛ اما لو سهوا وتذكرها ولو بعد السلام قبل أن يفعل منافيا يأتي بها ويسجد للسهو كما قدمنا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب : محمد سجاد کشمیری

۵ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر : ۲۱۴۶

﴿نماز میں سجدہ تلاوت کا ایک مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی نے دوران نماز آیت سجدہ تلاوت کی لیکن سجدہ تلاوت کرنے سے پہلے اسکی نماز فاسد ہوگئی اب اس سجدہ تلاوت کو کیسے ادا کرے؟

﴿جواب﴾ دوران نماز اگر کوئی ایت سجدہ کی تلاوت کرے تو اسی نماز میں اسکو ادا کرنا

ضروری ہوتا ہے، لیکن اگر سجدہ تلاوت ادا کرنے سے پہلے نماز (حیض ونفاس کے علاوہ کسی اور وجہ سے) فاسد ہوگئی تو چونکہ اب اسکو نماز کے اندر ادا کرنا ممکن نہیں رہا اس لیے اس سجدہ تلاوت کو نماز سے باہر ادا کرے۔

لما فی التنویر الابصار مع الدر:(۱۱۰/۲: طبع سعید).

(ولو تلاها فی الصلاة سجدها فیها لاخارجها الا اذا فسدت الصلاة بغیر الحیض) فلو به تسقط عنها السجدة ذکره فی الخلاصة (فیسجدها خارجها) لانها لما فسدت لم یبق الا مجردة التلاوة فلم تکن صلوتیة.

ولما فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(۴۹۲مطبع:قدیمی).

(ولم تقض الصلاتیة خارجها) لان لها مزیة فلا تتادی بناقص،وعلیه التوبة لاثمه بتعمد ترکها کالجمعة لفوات الشرط اذا لم تفسد الصلاة لغیر حیض ونفاس فاذا فسدت به فعلیه السجدة خارجها لبقاء مجرد التلاوة فلم تکن صلاتیة.

ولما فی الهندیه:(۱۳۲/۱: طبع رشیدیه).

والسجدة التی وجبت فی الصلاة لاتودی خارج الصلاة کذا فی السراجیه وهکذا فی الکافی ویکون اثما بترکها هکذا فی البحر الرائق هذا اذا لم یفسدها قبل السجود فان افسدها قضاها خارجها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفااللہ عنہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۱۹

﴿نماز میں آیات سجدہ کے بعد رکوع کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کرنا بھول گیا پس نماز ختم کرنے کے بعد یاد آیا تو ایسی صورت میں سجدہ تلاوت کی قضاء ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح آیت سجدہ کے بعد رکوع میں جاتے وقت سجدہ تلاوت کی نیت کی تو آیا اس سے سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ مستفتی: امداداللہ

﴿جواب﴾ نماز میں سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے تو اسی نماز میں ادا کرنا ضروری ہے، نماز میں ادا نہ کر سکا تو اب اس سجدہ کی قضاء کی کوئی صورت نہیں ہے تلافی کے لئے استغفار کرتا رہے۔

رکوع میں جاتے ہوئے سجدہ تلاوت کی نیت کرنے سے سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے لیکن اگر امام نے نیت کی اور مقتدیوں نے نیت نہیں کی تو اس صورت میں امام کا سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا

اور مقتدیوں کا ادا نہیں ہوگا، اس لئے امام کو چاہیئے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے سجدہ تلاوت کی نیت کریں تاکہ مقتدیوں کا بھی سجدہ تلاوت ادا ہو جائے۔

لما فی الشامی:(۱۱۰/۲،باب سجود التلاوة طبع: قدیمی)

کل سجدة وجبت فی الصلوة ولم تودفیها سقطت:ای لم یبق السجود لها مشروعا لفوات محله.

ولما فی الهدایة:(۱۶۷/۱،باب سجود التلاوة،طبع:قدیمی)

وجبت فی الصلوة فلم یسجد هافیها لم تقض خارج الصلوة لانها صلاتیة ولها مزیة الصلاة فلاتتأدی بالناقص.

لمافی التاتارخانیة:(۵۲۲/۱ نوع آخر فی تکرار ایة السجدة،،طبع:قدیمی)

کل سجدة وجبت فی الصلاة لاتودی خارج الصلاة وکل سجدة وجبت خارج الصلاة لاتودی فی الصلاة ایضا.

لمافی الهندیة:(۱۳۳/۱،الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة،طبع:رشیدیه)

وان قرء ایة السجدة فی الصلاة فان کان فی وسط السورة فالافضل ان یسجد ثم یقوم ویختم السورة ثم یرکع ولولم یسجد ورکع ونوی السجدة یجزی قیاسا وبه نأخذ.

لمافی التاتارخانیة:(۵۲۸/۱ نوع آخر فی سماع المصلی ،طبع:قدیمی)

واذاقرء الامام آیة السجدة فی صلاته وهی فی آخر السورة فان شاء رکع لها وان شاء سجد.

ولما فی حاشیة الطحطاوی:(ص۴۸۷،باب سجود التلاوة طبع: قدیمی)

وسجود ها وان لم ینوه لکان اولی وفی الدرلونواها فی رکوعه ولم ینوها الموتم لم یجزه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد امین چارسدوی

۱۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۶۸

﴿ آیت سجدہ کے ترجمہ سے بھی سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں اگر کوئی شخص آیت سجدہ تلاوت نہ کرے بلکہ صرف اس کا ترجمہ کرے تو سننے والے پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟ شریعت کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

مستفتی: محمد طاہر خان کرک

﴿جواب﴾ کوئی شخص آیت سجدہ کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کرے تلاوت نہ کرے تو سننے والے پر سجدہ اس صورت میں واجب ہوگا جب کہ وہ جانتا ہو کہ یہ آیت سجدہ ہے اور اسکا معنی بھی سمجھتا ہو لیکن اگر وہ نہیں جانتا کہ یہ آیت سجدہ ہے یا اسکا معنی نہیں سمجھتا تو اس صورت میں سجدہ واجب نہیں

ہوگا اسی طرح اگر آیت کا ترجمہ نہیں ہو رہا بلکہ صرف تفسیر بیان کی جارہی ہو تو تب بھی سجدہ واجب نہیں ہوگا۔

لمافی الدر المختار:(۲/۱۰۵)

والسماع شرط فی حق غیر التالی ولو بالفارسیة اذا الخبر.

وفی الشامیة:(قوله اذا الخبر)أی بأنها آیة سجدة سواء فهمها أولا وهذا عند الامام وعندهما ان علم السامع أنه یقرأ القران لزمته الا فلا بحر: وفی الفیض وبه یفتی وفی النهر عن السراج أن الامام رجع الیٰ قولهما وعلیه الاعتماد والمراد من قوله ان علم السامع أن یفهم معنی الآیة کما فی شرح المجمع حیث قال وجبت علیه سواء فهم معنی الآیة أولا عنده وقال ان فهمها وجبت والا فلا لانه اذا فهم کان سامعا للقرآن من وجه دون وجه۔

ولمافی الهندیة:(۱/۱۳۳)

و اذ اقرء آیة السجدة بالفارسیة فعلیه وعلی من سمعها السجدة فهم السامع أولا اذا الخبر السامع أنه قرأ آیة السجدة وعند هما ان کان السامع یعلم أنه یقرأ القرآن یلزمه والا فلا کذا فی الخلاصة وقیل تجب بالاجماع وهوالصحیح کذا فی محیط السرخسی۔

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب :محمد سجاد کشمیری

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر ۲۰۸۸

﴿نماز میں سجدۂ تلاوت کی تاخیر کے بارے میں حکم﴾

﴿سوال﴾ سجدۂ تلاوت کے بارے میں چند مسائل عرض ہیں:

(۱) نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد بھولے سے ایک یا دو آیات اور پڑھ لی پھر سجدۂ تلاوت یاد آنے پر سجدہ کرلیا تو کیا یہ سجدۂ تلاوت قضا شمار ہوگا یا ادا؟

(۲) اگر آیت سجدہ پڑھنے کے بعد بھولے سے ایک یا دو آیات اور پڑھ کر رکوع میں چلا گیا اور رکوع کے اندر سجدۂ تلاوت یاد آیا تو کیا دوران رکوع سجدہ تلاوت کی نیت سے سجدہ ادا ہو جائیگا؟ اسی طرح اگر رکوع میں یاد نہ آیا بلکہ سجدہ میں یاد آیا تو کیا دوران سجدۂ صلوۃ اگر سجدۂ تلاوت کی نیت کرے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جائیگا یا نہیں؟ یا اس کیلئے الگ سجدہ کرنا ضروری ہے؟

(۳) اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد بھولے سے لمبی قراءت کر کے پھر سجدۂ تلاوت یاد آیا تو کیا اس صورت میں نماز کے رکوع یا سجود میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنے سے سجدۂ تلاوت

ادا ہو جائیگا یا اس کیلئے الگ سجدہ کرنا ضروری ہے؟

(۴) سجدۂ تلاوت میں بھولے سے تین آیات سے زیادہ تاخیر کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ (۱) نماز میں سجدہ کی آیت پڑھنے سے سجدہ علی الفور یعنی بلا تاخیر واجب ہوتا ہے تاہم ایک یا دو آیتیں اور بعض فقہاء کے قول کے مطابق تین آیات تک پڑھنے سے علی الفور فوت نہیں ہوتا جبکہ بعض جگہوں میں جہاں سورت کے آخری آیتوں میں آیت سجدہ ہوتی ہے مثلاً: سورہ بنی اسرائیل اور سورہ انشقاق اس میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سورت کے اختتام تک پڑھنے سے علی الفور فوت نہیں ہوتا، لہٰذا مذکورہ صورت میں سجدۂ تلاوت ادا شمار ہوگا۔

لمافی رد المحتار:(۲/۹-۱۰-۱۱)

فان كانت صلوية فعلى الفور ثم تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة أكثر من آيتين أو ثلاث.

ولما فی البحر:(۲/ ۱۲۳)

وفي المجتبى. وانما ينوب الركوع عنها بشر طين أحدهما النية. والثانى ان لايتخلل بين التلاوة والركوع ثلاث آيات الا اذا كانت الآيات الثلاث من آخر السورة كبنى اسرائيل واذا السماء انشقت.

(۲) رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ رکوع علی الفور ہو یا ایک یا دو آیات کے بعد ہو اسی طرح سجدہ کی نیت بھی رکوع سے پہلے کرنا ضروری ہے البتہ اس صورت میں اگر رکوع کے بعد بلا تاخیر سجدہ میں چلا جائے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جائیگا چاہے ادا کرنے کی نیت ہو یا نہ ہو، لہٰذا مذکورہ صورت میں رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا تاہم اگر رکوع کے بعد علی الفور سجدہ کیا تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جائیگا۔

لما فی الدر المختار:(۲/۱۱۱)

وتؤدى بركوع صلاة اذا كان الركوع على الفور من قرآءة آية أو آيتين كذا الثلاث على الظاهر أى كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح.

ولما فی رد المحتار:(۲/۱۱۱-۱۱۲)

ثم ان النية محلها عند ارادة الركوع فلو نواها فيه قيل يجوز وقيل لايجوز ولو بعد الرفع لايجوز.

(۳) جب آیت سجدہ کے بعد لمبی قراءت کرے پھر رکوع یا سجدہ میں اسکی نیت نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے الگ سجدہ کرنا ضروری ہے جب تک مصلی نماز کے اندر ہو اسی طرح سلام پھیرنے کے بعد بھی کر سکتا ہے جب تک نماز کے منافی کوئی عمل نہ کرے۔

لما فی رد المحتار:(ج۲/۱۱۱ طبع سعید)

فلو انقطع الفور لا بد لها من سجود خاص بها ما دام فی حرمة الصلوة وعلله فی البدائع بانها صارت دينا والدين يقضى بما له لا بما عليه والركوع والسجود عليه فلا يتادى به الدين.

(۴) آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ کرنے میں بھولے سے تین آیات سے زیادہ تاخیر ہوگئی تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

لما فی رد المحتار:(۲/۱۱۰، مکتبہ ایچ ایم سعید)

أما لو سهواً وتذكرها ولو بعد السلام قبل أن يفعل منافيا يأتي بها ويسجد للسهو.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر: ۹۱۷

﴿نماز کے اندر سجدۂ تلاوت آیت سجدہ کے فوراً بعد ادا کیا جائے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نماز میں آیت سجدہ پر سجدۂ تلاوت کرنے کی بجائے نو، دس آیات پڑھنے کے بعد سجدہ تلاوت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنے سے سجدۂ تلاوت ادا ہوگا یا نہیں؟ امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کی لیکن مقتدیوں نے نہیں کی تو کیا امام کی نیت مقتدیوں کے لئے کافی ہوگی یا نہیں، اس طرح اگر کسی نے نماز میں سجدۂ تلاوت ادا نہیں کیا بعد میں قضا کس طرح کرے؟

﴿جواب﴾ سجدۂ تلاوت آیت سجدہ کے فوراً بعد ادا کرنا ضروری ہے اور آیت سجدہ کے بعد ایک یا دو یا تین آیات پڑھنے کے بعد ادا کرے تب بھی درست ہے لیکن نو، دس آیات پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت ادا کرنے سے تاخیر واجب کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

لما فی الدر المختار:(۲/۵۸۴ طبع)

ويأثم بتاخيرها ويقضيها مادام فی حرمة الصلاة ولو بعد السلام.

وفی الشامی تحت هذه المسئلة فان كانت صلوية فعلى الفور ثم تفسير الفور: عدم

طول المدة بين التلاوة والسجدة بقرأة اكثر من آيتين أو ثلاث على ماسيأتي.

ولمافي حلبي كبير:(۱/ ۵۰۲)

فان قرأ بعدها اربع آيات انقطع الفور بلاخلاف وان قرأ ثلاث آيات قيل ينقطع واليه مال شيخ الاسلام خواهر زاده وقيل لا، واليه مال شمس الائمة الحلواني وهو اصح رواية وبعد اسطر قال: فهذا نص على أن الثلث ليست قاطعة للفور.

سجدۂ تلاوت کی نیت رکوع میں کرنے سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے بشرطیکہ آیت سجدہ کے فوراً بعد یا دو تین آیات پڑھنے کے بعد رکوع کیا ہو تین آیات سے زیادہ پڑھنے کے بعد رکوع کرنے سے تاخیر واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

لمافي الدرالمختار:(۲/ ۱۱۱ طبع سعيد)

وتؤدى بركوع صلاة اذا كان الركوع على الفور من قرأة آية أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحربان نواه اى كون الركوع بسجود التلاوة على الراجح.

ولمافي الهندية:(۱/ ۱۳۳ طبع رشيدية)

ولو قرأ آية السجدة في الصلاة فأراد أن يركع بها يحتاج الىٰ النية عند الركوع فان لم يوجد منه النية لايجزيه عن السجدة.

امام کو چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کو پہلے سے بتائے کہ وہ رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کریں اگر امام نے رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کی لیکن مقتدیوں نے نہیں کی تو امام کی نیت مقتدیوں کے لئے کافی نہیں ہے، مقتدیوں کی نیت نہ کرنے کی وجہ سے ان کا سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا اور اگر امام نے رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت نہ کی تو نماز کے سجدے میں بغیر نیت کے مقتدیوں کی طرف سے ادا ہو جائے گا خواہ امام نیت کرے یا نہ کرے بشرطیکہ تین آیات سے زیادہ تاخیر نہ ہوئی ہو۔

لمافي الهندية(۱/ ۱۳۳-۱۳۴ طبع رشيديه)

ولو نواها في الركوع عقيب التلاوة ولم ينوها المقتدى لاينوب عنه ويسجد اذا سلم امامه ويعيد القعدة ولو تركها تفسد صلاته كذا في القنية أجمعوا على ان سجدة التلاوة تتأدى بسجدة الصلاة وان لم ينو للتلاوة كذا في الخلاصة.

ولمافي الدرالمختار:(۲/ ۱۱۲ طبع سعيد)

ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه وبعد اسطر قال: نعم لوركع وسجد لها فوراً ناب بلانية،قال الشامي تحت هذا القول: سجود المقتدى عن سجود التلاوة بلانية تبعاً لسجود امامه لما مر آنفاً انها تؤدى بسجود الصلاة فوراً وان لم ينو،والظاهر أن المقصود بهذا الاستدراك التنبيه على انه ينبغي للامام أن لاينويها في الركوع لأنه اذا

لم ينوها فيه ونواها في السجود اولم ينوها اصلاً لاشئ على المؤتم لأن السجود هو الاصل فيها بخلاف الركوع فاذانواها الامام فيه ولم ينوها المؤتم لم يجزه.

اگر کسی نے نماز میں سجدہ تلاوت ادا نہ کیا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کی قضا نہیں ہوسکتی، اس لئے توبہ استغفار کرنا ضروری ہے۔

لمافي البحر الرائق:(۱۲۲/۲ ،طبع سعيد)

(قوله ولم تقض الصلاتية خارجها) اى خارج الصلاة لان السجدة المتلوة فى الصلاة أفضل من غيرها لأن قرأة القرآن في الصلاة افضل منها في غيرها فلم يجز أداؤها خارج الصلاة لأن الكامل لايتأدى بالناقص وبعد اسطر قال: انه اذا لم يسجد في الصلاة حتى فرغ فانه يأثم لانه لم يؤد الواجب ولم يمكن قضاء، هالما ذكرنا وهذا من الواجبات الذى اذا فات وقته تقرر الاثم على المكلف والمخرج له عنه التوبة كسائر الذنوب.

ولمافي الدرالمختار:(۱۱۰/۲ ،طبع سعيد)

(ولوتلاها في الصلاة سجد فيها لا خارجها) لما مر وفي البدائع: واذالم يسجد أثم فتلزمه التوبة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۳

﴿سجدۂ تلاوت کی قضاء کی جائے گی﴾

﴿سوال﴾ ایک حافظ آٹھ دس سال سے قرآن پاک کی تلاوت کرتا آیا ہے رمضان میں تراویح پڑھاتا ہے، ابتدائی دو تین سال تو سجدہ تلاوت کرتا رہا پھر بعد میں تساہل کی بناء پر اس سے چھوٹتے رہے اب ان کی قضا کی کیا صورت ہوگی واضح رہے کہ چھوٹے ہوئے سجدے نماز کے علاوہ ہیں؟ بینوا توجروا

مستفتی: شاہد

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں جتنے بھی سجدہ تلاوت اس سے چھوٹ گئے ہیں ان کا اندازہ لگا کر ادا کرے اور اگر بہت زیادہ ہیں تو فی یوم مقدار مقرر کرے اور ادا کرتا رہے مزید تاخیر نہ کرے کیونکہ یہ اس کے ذمہ واجب ہیں۔

ولمافي الدرالمختار:(۱۰۹/۲ ،طبع سعيد)

(وهى على التراخى) على المختار ويكره تاخيرها تنزيها ويكفيه أن يسجد عدد ماعليه بلاتعيين ويكون مؤديا.

ولمافي مراقي الفلاح:(ص ۱۸۳ ،طبع قديمى)

وصفتها الوجوب على الفور في الصلوة وعلى التراخى ان كانت غير صلوتية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عزیز چترالی

۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۷

﴿ٹی وی پر آیت سجدہ سننے پر سجدہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد نبوی ﷺ سے براہ راست ٹی وی پر نماز دکھائی جارہی تھی اور آیت سجدہ پڑھی گئی تو کیا سننے والے پر سجدہ واجب ہے کہ نہیں؟ اور اگر براہ راست نشر ہو تو کیا اس کا حکم سامنے تلاوت کرنے والے جیسا ہوگا؟ اور ہر ایک کو کیا خبر ہوگی کہ براہ راست نشر ہو رہا ہے یا ریکارڈ ہونے کے بعد؟ مستفتی: محمد حارث

﴿جواب﴾ اگر تلاوت براہ راست ہو اور اس میں قاری آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے، البتہ ریکارڈ شدہ تلاوت میں آیت سجدہ کی تلاوت سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا اور جہاں پتہ نہ چل سکے کہ تلاوت براہ راست ہے یا ریکارڈ شدہ تو وہاں احتیاط اسی میں ہے کہ سجدہ کرلیا جائے، خیال رہے کہ ٹی وی وغیرہ میں جو تلاوت نشر ہوتی ہے اس کے بارے میں اہل فن یہ کہتے ہیں کہ وہ عموماً ریکارڈ شدہ ہوتی ہے، بوقت ضرورت اس بارے میں ان سے تحقیق ہوسکتی ہے۔

لما فی مصنف ابن ابی شیبة:(۱/ ۴۵۷،امدادیه)عن ابن عمرؓ قال :انما السجدة علی من سمعها.

ولما فیه ایضا:(۱/ ۴۵۶،طبع امدادیه)

حدثنا حفص عن حجاج عن حماد عن ابراهیم ونافع وسعید بن جبیر انهم قالوا:من سمع السجدة فعلیه أن یسجد.(وهکذا فی المجلد السابع من اعلاء السنن:(ص ۲۲۱)

ولما فی بدائع الصنائع:(۱/ ۱۸۶،طبع سعید)

وکذا تجب علی السامع بتلاوة هؤلاء الا المجنون ......فینظر الی اهلیة التالی واهلیته بالتمیز وقد وجد ،فوجد سماع تلاوة صحیحة فتجب السجدة بخلاف السماع من الببغاء والصدی فان ذلک لیس بتلاوة.

ولما فی الهندیة:(۱/ ۱۳۲،طبع رشیدیه)

والأصل فی وجوب السجدة أن کل من کان من أهل وجوب الصلاة اما اداء أو قضاء کان أهلا لوجوب سجدة التلاوة ومن لا فلا کذا فی الخلاصة.....ولا تجب اذا سمعها من طیر هو المختار.

ولما فی التنویر وشرحه:(۲/ ۱۰۸،طبع سعید)

(لا) تجب (بسماعه من الصدی والطیر) ومن کل تال حرفا ولا بالتهجی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم: علی خان

۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ   فتویٰ نمبر: ۲۵۰۵

﴿سجدۂ تلاوت کے ساقط ہونے کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ:

(۱) ایک عورت نے دوران نماز آیت سجدہ پڑھی لیکن ابھی تک سجدہ نہیں کیا تھا کہ اسکو حیض آگیا، کیا اب یہ سجدہ اس پر واجب رہے گا؟ (۲) ایک شخص نے نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھی اس کا سجدہ بھی کیا پھر کسی وجہ سے اسکی نماز فاسد ہوگئی، کیا اب اس پر سجدہ تلاوت باقی ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں اس عورت سے سجدہ تلاوت ساقط ہو چکا اب اس کے ذمے اسکی قضاء نہیں۔

ولما فی الهندية: (۱/ ۱۳۲، طبع رشيديه)

المرأة اذا قرأت اٰية السجدة فی صلاتها ولم تسجدلها حتی حاضت سقطت عنها السجدة.

(۲) اس صورت میں سجدہ تلاوت تو اس کا ادا ہو گیا لوٹانے کی ضرورت نہیں، البتہ نماز کی قضاء اسکے ذمہ لازم ہے۔

لما فی الهندية: (۱/ ۱۳۲ طبع رشيديه)

مصلی التطوع اذا قرا اٰية السجدة وسجد لها ثم فسدت صلاته ووجب عليه قضاؤها ولا تلزمه اعادة تلك السجدة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۴

﴿مجنون کی تلاوت سے سجدہ تلاوت لازم نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک ایسا شخص جو پاگل ہو وہ اگر آیت سجدۂ تلاوت کرے تو سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ آیت سجدۂ سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے بشرطیکہ تلاوت صحیح اور شرعاً معتبر بھی ہو، مجنون کی تلاوت شرعاً صحیح اور معتبر نہیں ہے اس لئے کہ وہ قصد وارادہ سے تلاوت نہیں کرتا اور ایسے ہی نیند کی حالت میں بھی کوئی اگر تلاوت کرے تو پڑھنے والے اور سننے والے دونوں میں سے کسی پر بھی سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ قصد وارادہ کا اعمال میں بڑا دخل ہے۔

لما فی تنویر الا بصار: (۲/ ۱۰۷ طبع سعید)

يجب علی من كان اهلا لوجوب الصلاة اداء او قضاء فلا تجب علی كافر وصبی

ومجنون وحائض نفساء قرأو اوسمعوا وتجب بتلاوتهم خلا المجنون المطبق.

ولما في البحر الرائق :(۲/ ۱۱۹ طبع سعید)

لاتجب على كافر وصبي ومجنون وحائض ونفساء قرأوا اوسمعوا وتجب على محدث والجنب وكذا تجب على السامع بتلاوة هؤلاء الا المجنون لعدم اهليته لا نعدام التمييز.

ولما في فتح القدير:(۲/ ۱۶ طبع رشیدیه)

ان كل من لا تجب عليه الصلوة ولا قضاءها كالحائض والنفساء والكافر والصبي والمجنون ليس عليهم بالتلاوة والسماع سجود ويجب على السامع منهم اذا كان اهلا لكن ذكر شيخ الاسلام انه لا يجب بالسماع من مجنون او نائم او طير لان السبب سماع تلاوة صحيحة وصحة التلاوة بالتمييز ولم يوجد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی

۲۵ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۴۸۷

﴿ آیت سجدہ سننے کی صورت میں سجدہ کن پر واجب ہے؟ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک شخص آیت سجدہ بآواز بلند تلاوت کر رہا تھا کچھ لوگ متوجہ تھے اور کچھ لوگ ذکر میں مشغول تھے وضاحت فرمائیں کہ سجدہ کس پر واجب ہے اور کس پر نہیں؟

مستفتی: محمد عزیز

﴿جواب﴾ سجدہ کی آیت تلاوت کرنے والے پر سجدہ واجب ہے وہ خود سنے یا نہ سنے البتہ دوسرے لوگوں کے حق میں آیت سجدہ سننا شرط ہے جبکہ ان کو خبر ہو آیت سجدہ سمجھنا ضروری نہیں، پس جو لوگ ذکر وغیرہ میں مشغول ہیں اگر انہوں نے آیت سجدہ سنی اور اس کی خبر بھی ہوگئی تو ان پر بھی سجدہ واجب ہے ورنہ نہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/ ۷۷۵، مکتبہ امدادیہ)

(بشرط سماعها) فالسبب التلاوة وان لم يوجد السماع كتلاوة الاصم والسماع شرط في حق غير التالي ولو بالفارسية اذا اخبر (فهم اولم يفهم) قال ابن امير حاج ينبغي ان يستثنى منه...... ولا بسماعه الابعدالعلم بكون المقرو، سجدة تلاوة يعني وان لم يفهم لان التكليف بمالا علم له به محال حتى لومات قبل الاداء والعلم بالوجوب لااثم عليه ولاتجب عليه الاوقت العلم(طحطاوی ص ۲۶۳)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد قذافی غفرلہ

۱۹ ربیع اول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۳

﴿نماز میں سجدۂ تلاوت کرنا بھول جائے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں رمضان میں تراویح کے اندر قرآن سنا رہا تھا بھولے سے ایک سجدۂ تلاوت میں نے ادا نہیں کیا تھا، عرض یہ ہے کہ میں ابھی اس کی قضاء کرنا چاہتا ہوں تو کر سکتا ہوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نماز میں اگر سجدۂ تلاوت رہ جائے تو اس کی قضا کی اب کوئی صورت نہیں رہی فقہاء کرام نے اس صورت میں توبہ واستغفار کی تصریح کی ہے، لہٰذا آپ سجدۂ تلاوت کی قضاء نہ کریں بلکہ اسکے لئے توبہ واستغفار کریں۔

لما فی الهداية:(۱/۱۶۷،طبع رحمانيه)

وكل سجدة وجبت فی الصلوة فلم يسجدها فيها لم تقض خارج الصلوة لانها صلاتية ولها مزية الصلوة فلاتتأدی بالناقص.

ولما فی البحر:(۲/۱۲۲،طبع سعيد)

(قوله ولم تقض الصلاتية خارجها) أی خارج الصلاة لان السجدة المتلوة فی الصلاة أفضل من غيرها لان قرآءة القرآن فی الصلاة منها فی غيرها فلم يجز أداؤها خارج الصلاة لان الكامل لا يتأدى با لناقص.

ولما فی التنوير مع الدر والرد:(۲/۱۱۰،طبع سعيد)

(ولو تلا ها فی الصلوة سجد فيها لا خارجها) لما مر وفی البدائع واذا لم يسجد أثم فتلزمه التوبة(قوله واذا لم يسجد اثم) افاد انه لا يقضيها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۵ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۹۱۸

﴿سجدہ تلاوت اخیر میں ادا کر لیا تو قعدہ کا اعادہ ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص سجدہ تلاوت ادا کرنا بھول جائے پھر قعدہ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے یاد آتے ہی سجدہ کر کے سلام پھیر دے تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں نماز صحیح ہو جائیگی بشرطیکہ سجدہ تلاوت ادا کرنے کے بعد تشہد کو دوبارہ پڑھے اور آخر میں سجدہ سہو بھی کرے اس لئے کہ تشہد کا مقام نماز کے اخیر میں ہے اور قعدہ

اخیرہ کے بعد کسی بھی ایسے عمل کیطرف لوٹنے سے وہ کالعدم شمار ہوتا ہے جس کا مقام قعدہ اخیرہ سے پہلے ہو، چونکہ سجدہ تلاوت کا اصل مقام قعدہ اخیرہ سے پہلے ہے اس لئے قعدہ دوبارہ کرنا اور اخیر میں سجدہ سہو کرنا لازم ہے۔

لما فی الحلبی الکبیری: (ص ۲۵۳-۲۵۴، القعدۃ الاخیرۃ، طبع نعمانیۃ)

والثالثة من المسائل: اذا تذكر المصلى بعد تمام الصلاة والقعود قدر التشهد ان عليه سجدة التلاوة فعاد اليها اى الى سجدة التلاوة بان سجدها ارتفعت اى زالت القعدة وارتفعت بعوده الى شيء محله قبلها فان محل السجود سواء كان للصلاة او لتلاوتها قبل القعود الاخير اما سجود الصلاة فظاهر واما سجود التلاوة فلانه من احكام القرائة فيلحق بها بخلاف سجود سهو فان محله آخر الصلاة فلاترتفع به القعدة حتى انه لو لم يقعد قدر التشهد بعد ماسجد للتلاوة فسدت صلوته.

لمافی الدر المختار: (۱/۴۶۳-۴۶۴، کتاب الصلاۃ، طبع سعید)

حتى لو نسى سجدة من الاولى قضاها ولو بعد السلام قبل الكلام لكنه يتشهد ثم يسجد للسهو ثم يتشهد، لانه يبطل بالعود الى الصلبية و التلاوية و اما فى الرد: و اما بطلانها بالعود الى التلاوية فقال ط لان التلاوية لما وقعت فى الصلاة اعطيت حكم الصلبية بخلاف ما اذا تركها اصلا وقال الرحمتى: لانها تابعة للقرائة التى هى ركن فاخذت حكم القرائة فلزم تاخير القعدة عنها. وبعد السطور: (قوله بخلاف تلك السجدتين) اى الصلبية والتلاوية، فانه لو سلم بمجرد رفعه منهما تفسد صلاته لرفعهما القعدة

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۴۵

﴿امام کا رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں عام طور پر تراویح کی نماز میں حفاظ کرام سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کے بجائے رکوع میں جاتے ہیں دریافت کرنے پر بتاتے ہیں کہ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت سے سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوجاتا ہے جبکہ اکثر مقتدیوں کو نہ آیت سجدہ کا علم ہوتا ہے اور نہ امام کے ساتھ رکوع میں اس کی نیت کرتے ہیں عرض یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں صرف امام کی نیت سے مقتدی حضرات کا سجدۂ تلاوت ادا ہوجائیگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ امام صاحب نے رکوع میں اگر سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی اور مقتدی نے نہیں

کی تو ایسی صورت میں مقتدی حضرات کا سجدہ ادا نہ ہوگا امام صاحب جب سلام پھیر دیں تو مقتدیوں کو چاہیے کہ سجدۂ تلاوت کے لئے سجدہ میں جائیں اوراس کے بعد دوبارہ قعدۂ اخیرہ کا اعادہ کریں، اگر امام صاحب آیت سجدہ پڑھنے کے بعد علی الفور رکوع میں جائیں اور رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت نہ کریں تو سجدہ میں چاہے نیت کریں یا نہ کریں امام اور مقتدی حضرات سب کا سجدۂ تلاوت ادا ہو جائیگا بشرطیکہ رکوع کے بعد علی الفور سجدہ میں گئے ہوں چونکہ عام لوگ مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے امام صاحب کو چاہیے کہ آیت سجدہ پر سجدہ کریں تاکہ لوگوں کو تشویش نہ ہو یا کم از کم نماز کے سجدہ میں سجدۂ تلاوت ادا کریں۔

لما فی البحر:(۱۲۳/۲،طبع سعید)

وفی المنیة ولو نواها فی الرکوع عقب التلاوة ولم ینوها المقتدی لاینوب عنه ویسجد اذا سلم الامام ویعید القعدة ولو ترکها تفسد صلاته.

ولما فی الدر المختار:(۱۱۲/۲،طبع سعید)

ولو نواها فی رکوعه ولم ینو ها المؤتم لم تجزه ویسجد اذا سلم الامام ویعید القعدة،ولو ترکها فسدت صلاته ......نعم لورکع وسجد لها فورا ناب بلا نیة.

ولمافی رد المحتار:(۱۱۲/۲،طبع سعید)

(قوله لم تجزه) أی لم تجز نیة الامام المؤتم ولا تندرج فی سجوده وان نواها المؤتم فیه لانه لما نواها الامام فی رکوعه تعین لها أفاده ح:هذا وفی القهستانی: واختلفوا فی أن نیة الامام کافیة کما فی الکافی فلو لم ینو المقتدی لاینوب علی رأی فیسجد بعد سلام الامام ویعید القعدة الأخیرة کما فی المنیة اه..... والأولی أن یحمل علی القول بأن نیة الامام لاتنوب عن نیة المؤتم والمتبادر من کلام القهستانی السابق أنه خلاف الأصح حیث قال علی رأی(قوله نعم لو رکع وسجد لها) أی للصلاة فورا ناب ای سجود المقتدی عن سجود التلاوة بلا نیة تبعا لسجود امامه .....والظاهران المقصود بهذا.....استدراك التنبیه علی أنه ینبغی للامام أن لاینویها فی الرکوع لانه اذالم ینوها فیه ونواها فی السجود أو لم ینو ها أصلا لا شئی علی المؤتم لان السجود هو الأصل فیها بخلاف الرکوع فاذانواها الامام فیه ولم ینوها المؤتم لم یجزه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبداللہ عفااللہ عنہ

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:۹۳۵

﴿ٹیپ یا ٹی وی سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ٹیپ ریکارڈ، ٹی وی یا کسی

پرندے مثلاً طوطے وغیرہ سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ٹیپ ریکارڈ، ٹی وی اور پرندے وغیرہ سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا، البتہ ٹی وی یا ریڈیو میں براہ راست تلاوت نشر ہو تو اکثر علماء وجوب سجدہ کا فتوی دیتے ہیں۔

لمافی الهندية:(۱/۱۳۲ طبع رشيديه)

ولاتجب اذاسمعهامن طيروهكذافى فتاوى التاتارخانيه:(۲/۵۵۱).

ولمافى ردالمحتار:(۲/۱۰۸ طبع سعيد)

(لا)تجب(بسماعه من الصدى والطير)(قوله من الصدى) هومايجيبك مثل صوتك فى الجبال الصحارى ونحوهماكمافى الصحاح(قوله والطير)هوالاصح زيلعى وغيره وقيل تجب وفى الحجة هوالصحيح تاتارخانية قلت والاكثرعلى تصحيح الاول وبه جزم فى نورالايضاح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۱۸ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ — فتوی نمبر: ۱۰۰۳

﴿سمع آية السجدة فى مجلس واحد من جماعة﴾

﴿آیت سجدہ کومختلف لوگوں سے بار بار ایک ہی مجلس میں سننا﴾

﴿سوال﴾ معلم يسمع آية السجدة من الطلبة وهم اكثرمن العشر فى مجلس واحد ولا تختلف الآية، ايكفيه سجدة واحدة ام يسجد عدد ما سمع ؟

﴿جواب﴾ لا تجب على المعلم وكذا على الطلبة الا سجدة واحدة لاتحاد المجلس والآية.

لمافى الدرمع الرد:(۲/۱۱۴-۱۱۵ طبع سعيد)

والاصل ان مبناه على التداخل دفعا للحرج بشرط اتحادالأية والمجلس قال: الشاميؒ: واشار الىٰ انه متى اتحدت الأيةوالمجلس لايتكررالوجوب وان اجتمع التلاوةوالسماع ولومن جماعة.

لمافى البزازية بهامش الهندية:(۴/۶۸ طبع رشيديه)

سمعهامن آخر ومن آخر أيضا وقرأها كفت سجدة واحدة فى الاصح لاتحاد الآية والمكان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ

۳۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۱۲۶

﴿دوران نماز آیت سجدہ سنے تو واجب شدہ سجدہ فراغت نماز کے بعد ادا کرے گا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نماز پڑھتے ہوئے تراویح پڑھانے والے امام سے آیت سجدہ سنی، پوچھنا یہ ہے کہ سجدہ تلاوت نماز کے اندر ادا کیا جائیگا یا نماز سے فراغت کے بعد؟ مستفتی: ذاکر اللہ چارسدوی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں سجدہ تلاوت نماز سے فارغ ہونے کے بعد ادا کرے نماز کے اندر ادا نہ کرے، اگر نماز کے اندر ادا کرلیا تو بعد میں اس کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔

لما فی التنویر وشرحه:(۱۱۲/۲-۱۱۳ مطبع سعید)

(ولو سمع المصلی) السجدة (من غیره لم یسجد فیها) لانها غیر صلاتیة (بل) یسجد (بعدها (ولو سجد فیها لم تجزه واعاده).

ولما فی الشامیة:(۱۰۵/۲ مطبع سعید)

(لم یسجد المصلی) المصلی صلاته سواء كان:ای فانهم یسجدونها بعد الفراغ من صلاتهم كماسیأتی ذلک فی قول المتن ولوسمع المصلی من غیره لم یسجدفیها بل بعدها.

ولما فی الخلاصة:(۱۸۵/۱ مطبع رشیدیه)

وان سمعها من الا مام من لیس معهم فی الصلوة فعلیه ان یسجد فی الحال ان سمعها خارج الصلوة وان سمعها فی صلاته غیر صلوة الامام یسجدها بعد الفراغ من الصلوة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن عفا اللہ عنہ

۱۶ ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۱۴

﴿آیت سجدہ کا لفظی ترجمہ پڑھ لینے سے بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) اگر کوئی شخص آیت سجدہ زبان سے پڑھے بغیر صرف لکھ لے تو کیا ایسے شخص پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا کہ نہیں؟

(۲) اسی طرح اگر آیت سجدہ کی تلاوت کیے بغیر اس کا ترجمہ پڑھ لے تو سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا کہ نہیں؟ مستفتی: محمد اسماعیل ریحان لکی مروت

﴿جواب﴾ (۱) آیت سجدہ کو زبان سے پڑھے بغیر صرف لکھ لینے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔

لما فی الشامیة:(۱۰۳/۲ طبع سعید)

قال العلامة الحصکفی: یجب بسبب تلاوة آیة قال ابن عابدین (قوله بسبب تلاوة)احترز عما لو کتبها او تهجاها فلا سجود علیه.

لمافی الهندیة:(۱۴۷/۱ مکتبه قدیمی)ولا تجب السجدة بکتابة القرآن کذا فی قاضیخان.

لما فی التاتارخانیة :(۵۵۹/۱ طبع قدیمی)

ولو تهجالا یجب علیه السجدة و کذالک لو کتب القرآن لا تجب علیه السجدة.

(۲) آیت سجدہ کی تلاوت کیے بغیر اگر اسکا لفظی ترجمہ بغیر تفسیر کے پڑھا گیا تو پڑھنے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا البتہ اس ترجمے کے سننے والے پر اس وقت واجب ہوگا جبکہ سننے والے کو اس بات کا علم ہو کہ یہ قرآن کا ترجمہ ہے اور اس کا مطلب بھی سمجھ جائے بصورت دیگر سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا۔

لما فی التنویر وشرحه :(۱۰۵/۲ طبع سعید)

قال العلامة الحصکفی: والسماع شرط فی حق غیر التالی ولو بالفارسیة اذا اخبر.

لما فی الهندیة :(۱۴۷/۱ قدیمی کتب خانه)

اذا قرأ آیة السجدة بالفارسیة فعلیه و علی من سمعها السجدة فهم السامع اولا اذا اخبر السامع انه قرأ آیة السجدة وعند هما ان کان السامع یعلم انه یقرأ القرآن یلزمه والا فلا.

ولما فی التاتارخانیه:(۵۵۹/۱ طبع قدیمی)

فلو تلاها بالفارسیه:فعلیه ان یسجد وعلی من سمعها فی قیاس قول ابی حنیفة سواء فهم اولم یفهم،اذااخبرانه آیة السجدة.وقال ابو یوسف: ولا یجب علی من لم یفهم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفااللہ عنہ

۱۲ربیع الاول ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۵۶۳

﴿دوران نماز کسی سے آیت سجدہ سنے تو نماز سے فراغت کے بعد ادا کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں سنتیں پڑھ رہا تھا اسی دوران امام نے آیت سجدہ تلاوت فرمائی،سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سجدہ تلاوت ادا کیا تو سجدہ تلاوت ادا ہو گیا یا نہیں؟　　　　مستفتی:عبداللہ ابوبکر مسجد ڈیفنس فیز ۲ کراچی

﴿جواب﴾ نماز میں اپنے امام کے علاوہ کسی سے سجدہ کی آیت سنی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ ادا کرنے کا حکم ہے،لہٰذا آپ نے صحیح طریقہ اختیار کیا ہے۔

لما فی الهندية:(۱۳۳/۱ طبع قدیمی)

لو سمع المصلی من أجنبی یسجد بعد الفراغ ولو سجد فی الصلاة لا یجزیه ولا تفسد صلاته.

ولما فی الشامية:(۱۱۲/۲ طبع سعید)

(ولو سمع المصلی) السجدة (من غیره لم یسجد فیها) لأنها غیر صلاتية (بل) یسجد (بعدها (قوله ولو سمع المصلی): أی سواء کان اماما أو مؤتما او منفردا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۶۱۶

﴿سجدہ تلاوت کی جماعت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے سجدہ کی آیت پڑھی کچھ لوگوں نے سن لی پھر پڑھنے والے نے سننے والوں کو سجدہ تلاوت کی جماعت کرائی کیا از روئے شرع اس کو جماعت شرعی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ جس وقت سجدہ کی آیت پڑھی جائے یا سنی جائے اسی وقت سجدہ ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ پڑھنے والا اور سننے والے تمام بلا تأخیر اگر سجدہ کریں گے تو ظاہر بات ہے جماعت کی سی صورت بن جائیگی باقاعدہ امامت اور اقتداء کا حکم نہیں ہے۔ البتہ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ سننے والے پڑھنے والے کے بعد سجدہ سے سر اٹھائیں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ وجوب میں جو ترتیب تھی ادا میں بھی وہی قائم رہے۔

لما فی الشامی (۱۰۷/۲، طبع سعید)

(تتمة) ویندب ان لا یرفع السامع رأسه منها قبل تالیها ولیس هو اقتداء حقیقة ولذا لا یومر التالی بالتقدم والسامعون بالاصطفاف ولا تفسد سجدتهم بفساد سجدته وفی النوادر یتقدم ویصطفون خلفه وتمامه فی الامداد.

ولما فی الهندية (۱۴۸/۱، طبع قدیمی)

والمستحب فی غیر الصلوة ان یسجد السامع مع التالی ولا یرفع رأسه کذا فی الخلاصه ومن المستحب ان یتقدم التالی ویصف القوم خلفه فیسجدون وذکر ابوبکر ان المرأة تصلح اماما للرجل فیها کذا فی البحر الرائق.

ولما فی التاتار خانية (۵۶۱/۱، طبع قدیمی)

"الحاوی" سئل عمن قرء آیة السجدة بین قوم؟ قال: سجد القاری والسامعون معه من غیر ان یصطفون. ویسجدون معه حیث کانوا وکیف کانوا (وعلی هذه

الصفحة)واذاقرأ الرجل ومعه قوم سمعوها فسجد سجدوا معه ولا يرفعون رؤسهم قبله."وفي الخانية ":وهو المستحب.

ولما في الشامي (۱۰۹/۲،طبع سعيد)

قلت:لكن سيذكر الشارح في الحج الاجماع على انه لوتراخى كان اداء مع ان المرجح انه على الفور ويأثم بتأخيره فهونظير ماهنافتأمل (قوله تنزيها)لانه بطول الزمان قدينساها،ولوكانت الكراهة تحريمية لوجبت على الفور وليس كذلك ولذاكره تحريما تأخير الصلوتية عن وقت القرائة امداد.واستثنى من كراهة التأخير مااذاكان الوقت مكروها كوقت الطلوع.

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:دوست محمد دیروی

۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر ۳۹۶۵

﴿فجر اور عصر کی نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی عصر کے بعد قرآن مجید پڑھ رہا تھا، دوران تلاوت اس نے آیت سجدہ تلاوت کی تو کیا وہ عصر اور مغرب کے درمیان سجدۂ تلاوت ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی:عبداللہ سنل باڈی سوات

﴿جواب﴾ عصر کے بعد مکروہ وقت داخل ہونے سے پہلے سجدۂ تلاوت جائز ہے اور جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوجائے تو سجدۂ تلاوت منع ہے۔

لمافي الهداية:(۸۳/۱،طبع رحمانيه)

ولابأس ان يصلي في هذين الوقتين الفوائت ويسجدللتلاوةويصلي على الجنازة.

ولما في شرح الوقاية:(۱۵۰/۱طبع امداديه)

وصح الفوائت وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة في هذين:اى بعد الصبح وبعد اداء العصرالى اداء المغرب.

ولما في البحر الرائق:(۲۵۱/۱طبع سعيد)

(قوله وعن التنفل بعد صلاة الفجر والعصر لا عن قضاء فائتة وسجود تلاوة وصلاة جنازة). وايضا فيه:(۲۴۹/۱)(ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب الا عصر يومه) لما روى الجماعة الا البخارى من حديث عقبة بن العامر الجهنيؓ قال ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا ان نصلي فيهن وان نقبر فيهن موتانا حين تطلوع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل وحين تضيف للغروب حتى تغرب ومعنى التضيف تميل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۴۶۸

﴿کیسٹ سے آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! میں قاری حنیف صاحب کی تلاوت سن رہا تھا کہ اسی دوران انہوں نے آیت سجدہ تلاوت کی، اب پوچھنا یہ ہے کہ کیسٹ سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوجاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: ایک سائل بونیر

﴿جواب﴾ کیسٹ کی تلاوت، تلاوت کے حکم میں نہیں ہے اسلئے مذکورہ صورت میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔

لما فی التنویر وشرحہ: (۱۰۸/۲ طبع سعید)

(لا) تجب (بسماعہ من الصدی والطیر) (قولہ من الصدی) ہو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوہما کما فی الصحاح (قولہ والطیر) ہو الاصح۔

ولما فی حلبی کبیر: (ص۵۰۰ طبع سہیل اکیڈمی)

ولو سمعہا من الطائر او الصدی لا تجب لانہ محاکاۃ ولیس بقراءۃ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر: ۱۷۱۳

﴿حائضہ عورت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر حائضہ عورت آیت سجدہ سن لے تو کیا سجدہ تلاوت اسپر واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: عامر سعید کوہاٹی

﴿جواب﴾ سجدہ تلاوۃ بھی نماز کے سجدہ کیطرح ہے حائضہ عورت کے ذمہ سے پوری نماز ساقط ہوجاتی ہے اس لئے سجدہ تلاوت بھی اس کے ذمہ واجب نہیں ہوتا۔

لما فی الہندیہ: (۱۳۶/۱، طبع: قدیمی)

والاصل فی وجوب سجدۃ التلاوۃ ان کان من اہل وجوب الصلاۃ اما ادا او قضاء کان اہلا لوجوب سجدۃ التلاوۃ ومن لا فلا کذا فی خلاصۃ حتی لو کان التالی کافرا او مجنونا او صبیا أو حیضا او نفسا او عقیب الطہر دون العشر والا ربعین لم یلزمہم وکذا السامع کذا فی الزاہدی

ولما فی تنویر الابصار: (۱۰۷/۲ طبع: سعید)

(علی من کان) متعلق بیجب (اہلا لوجوب الصلاۃ) لانہا من اجزائہا (ادا) کالا صم اذا تلا (او قضاء) کالجنب والسکران والنائم (فلاتجب علی کافر وصبی ومجنون

وحائض ونفساء قرئوا او سمعوا) لانهم ليسوا اهلا لها (وتجب بتلاوتهم) يعني المذكورين الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہائی

۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۳۶

﴿زچگی کی حالت میں آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب میرا زچگی کا زمانہ تھا، رمضان کا مہینہ تھا، میں عشاء کے وقت گھر کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی اور قاری صاحب مسجد میں تراویح پڑھا رہے تھے، اسی دوران انہوں نے آیت سجدہ پڑھی، پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ حالت میں مجھ پر سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

مستفتیہ ایک سائلہ اسلام پور

﴿جواب﴾ زچگی کی حالت میں یعنی نفاس کی حالت میں سجدہ تلاوت سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا ہے۔

لمافی التنویروشرحہ:(۱۰۷/۲، طبع سعید)

(فلاتجب علیٰ کافروصبی مجنون وحائض ونفساء قرأواوسمعوا)لانهم ليسوااهلالها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۱۱

﴿سجدۂ تلاوت کی ادائیگی میں بلاوجہ تاخیر نہیں کرنی چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہونے کے فوری بعد ادا کرنا ضروری ہے؟ یا کچھ تاخیر بھی کر سکتے ہیں تاخیر کرنے سے سجدۂ تلاوت قضا تو نہ ہوگا۔

﴿جواب﴾ نماز کے علاوہ آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ تلاوت بلا تاخیر ادا کرنا چاہیئے، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو، مکروہ وقت ہو تو اسکے نکلنے تک مؤخر کرے، البتہ اتنی تاخیر مکروہ ہے جسکی وجہ سے بھول جانے کا اندیشہ ہو اور دوران نماز آیت سجدہ تلاوت کی تو فوراً ادا کرنا ضروری ہے، تین آیت سے زیادہ تاخیر کرنا گناہ ہے، نماز میں ادا نہ کیا تو قضاء کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔

لمافی مراقی الفلاح:(ص ۲۶۰-۲۶۱، طبع قدیمی)

وصفتها الوجوب على الفور في الصلاة وعلى التراخي ان كانت غير الصلاتية .....

وغيرها تجب موسعا(و)لكن (كره تأخيره)السجود عن وقت التلاوة في الاصح اذالم يكن مكروهالانه بطول الزمان قدينساهافيكره تأخيرها تنزيها.

ولمافي حاشية الطحطاوي:(ص ۲۲۰-۲۲۱،طبع قديمی)

(على الفور)أي فور التلاوة وظاهره انه لواخرها الىٰ ركعة ثانيةأثم قال في الشرح واذا اخرها حتىٰ طالت التلاوة تصير قضاء ويأثم ثم قال وهكذاكره تحريما تأخيرالصلاتية عن وقت القراءة (اذالم يكن مكروها)أي اذالم يكن وقت التلاوة وقتا مكروها بان كان احد الاوقات الثلاثة فلايكره تأخيرهاعنه ليؤديهافي كامل.

ولمافي حلبي كبير:(ص ۵۰۱،طبع سهيل اكيڈمي)

ولاتجب على الفور حتىٰ لوسجد لهابعدستةاواكثرتقع اداء لاقضاء لعدم التقييد بالوقت.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۹۰

﴿سجدۂ تلاوت اوراس سے متعلق احکام﴾

﴿سوال﴾ سورۂ نحل کی تلاوت کرتے ہوئے آیت نمبر ۵۰ میں ''مایؤمرون'' ۳ بار زبان سے ادا ہوا تو سجدۂ تلاوت ۳ بار کرنا ہے یا ایک بار، اب جو میں نے ''مایؤمرون'' تحریر کیا ہے اس پر بھی سجدۂ تلاوت ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: محمد حنیف ابوبکر مسجد فیز ۲

﴿جواب﴾ سجدۂ تلاوت کی آیت کو ایک مجلس میں ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھے تب بھی صرف ایک ہی سجدہ واجب ہوتا ہے، مجلس بدلنے کے بعد دوبارہ اسی آیت کی تلاوت کی یا مجلس وہی ہے دوسری آیت سجدہ پڑھی تو دوسرا سجدہ واجب ہوگا، مذکورہ صورت میں سورۂ نحل کی آیت نمبر ۵۰ کی تلاوت سے صرف ایک سجدہ واجب ہوگیا ہے ''مایؤمرون'' ۳ بار زبان سے ادا ہوا اس سے مزید کوئی سجدہ واجب نہیں ہوا، صرف مایؤمرون پڑھنے سے خواہ مجلس الگ ہو سجدہ واجب نہیں ہوتا، اسی طرح تلاوت کیے بغیر صرف لکھنے سے بھی کوئی سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

لما في ردالمحتار:(۲/۱۰۳-۱۱۵،طبع سعيد)

يجب بسبب التلاوة احترز عمالو كتبهااو تهجاها فلا سجود عليه الىٰ قوله بشرط اتحاد المجلس والآية:اي بان يكون المكرر آية واحدة في مجلس واحد فلو تلا آيتين في مجلس واحد او آية واحدة في مجلسين فلا تداخل.

لما في المبسوط للسرخسي:(۱۲/۱،طبع دارالمعرفةبيروت)

"قال"رجل قرأ آية السجدة فسجدها ثم قرأها ثانية بعدما اطال القعود لجزئته السجدة الاولى

لانه لم يشغل بين التلاوتين بعمل يقطع به المجلس وبا تحاد المجلس يتحد السبب

ولما فی شرح المنیة:(ص ۵۰۳-۵۰۲،طبع سہیل اکیڈمی)

ولو كرر تلاوة آية في مجلس واحد كفته سجدة واحدة سواء كانت بعد جميع التلاوات او بعد بعضها وهذا استحسان ... ولو تلا ها فسجد ثم تلا ها لا يجب السجود ثانيا ان لم يتبدل المجلس اوالآية لانه تداخل في السبب ، اما لو تبدلت الآية فلا تداخل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب:ظہوراحمد شمس

۱۴۲۸/۱۲/۷ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۳۸

﴿مقتدی کا سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے بعد وضوء ٹوٹ گیا تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام نے فجر کی نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ تلاوت کرلیا اس کے بعد دوسری رکعت میں زید کو حدث لاحق ہوا، وضوء کرنے کے بعد امام کے ساتھ تشہد میں شامل ہوگیا امام کے سلام پھیرنے پر کھڑے ہوکر از سرنو نماز پڑھ لی، پوچھنا یہ ہے کہ نماز فاسد ہوجانے کی بناء پر گزشتہ سجدہ تلاوت کی قضاء اس کے ذمہ لازم ہے یا نہیں نیز لاحق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات کب ادا کرے گا؟

﴿جواب﴾ سجدۂ تلاوت ادا کرنے سے پہلے نماز فاسد ہوجائے تو سجدہ تلاوت کی قضاء ضروری ہے البتہ سجدہ کرنے کے بعد اداء شمار ہوکر لوٹانا ضروری نہیں ہوگا، لہٰذا مذکورہ صورت میں سجدۂ تلاوت ادا ہوگیا ہے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی الهندیة :(۱۳۲/۱،طبع رشیدیه)

والسجدة التي وجبت في الصلاة لا تودى خارج الصلاة كذافي السراجية وهكذافي الكافي ويكون اثما بتركها هكذا في البحر، هذااذالم يفسدها قبل السجود فان افسدها قضاها خارجها ولو بعد ما سجد ها لا يعيد ها كذا في القنية.

لاحق کو چاہیے کہ چھوٹی ہوئی رکعات بغیر قراءت کے ادا کر کے امام کے ساتھ شامل ہوجائے اگر امام فارغ ہو چکا ہے تو باقی ماندہ نماز بھی بغیر قرأت کے اداء کرے، چونکہ بناء (باقی ماندہ نماز) کی شرائط اور ادائیگی کے طریقہ کار سے عموماً لوگ ناواقف ہوتے ہیں اسلئے انکے لئے از سر نو نماز پڑھنا بہتر ہے۔

لما فی رد المحتار:(۳۴۵/۲،طبع امدادیه)

ففي شرح المنية وحكمه انه يقضي ما فاته اولا ثم يتابع الامام ان لم يكن قد فرغ وفي الملتقط اذا توضا و رجع يبدا بما سبقه الامام به ثم ان ادرك الامام في شئي من الصلاة

یصلیہ معہ، وفی البحر وحکمہ انہ یبدأ بقضاء ما فاتہ بعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لاشرط حتی لو عکس یصح.

ولما فی حلبی کبیر:(ص ۴۵۲-۴۵۳،طبع سہیل اکیڈمی)

من سبقہ حدث سماوی من بدنہ موجب للوضوء فی الصلاۃ انصرف من فورہ وتوضأ من غیر ان یشتغل بشئی غیر ضروری فی وضوئہ وبنی علی صلاتہ...

ولکن الاستیناف افضل للبعد عن شبھۃ الخلاف وقیل ذلک فی حق المنفرد واما الامام والمقتدی فالبناء افضل فی حقھما احرازا لفضیلۃ الجماعۃ وعلی ھذا فلوامکنھما الاستیناف بجماعۃ اخری فھوافضل فی حقھما ایضا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۳جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۵۷

﴿ آیت سجدہ کا لقمہ دینا اور امام سے سنی ہوئی آیت کا حکم ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر تراویح میں امام صاحب آیت سجدہ بھول گئے، اور حافظ مقتدی نے اس آیت کو پڑھ کر لقمہ دیا، تو کیا اس سے امام اور مقتدیوں پر ایک سجدۂ تلاوت ہوگا یا دو؟ اور خارج نماز کوئی شخص آیت سجدہ سنے، تو کیا حکم ہوگا؟

﴿جواب﴾ مقتدی نے سجدہ والی آیت پڑھ کر امام کو اگر لقمہ دیا، اور امام نے پڑھ کر فوراً سجدہ کرایا، تو یہی ایک سجدہ نماز میں شامل تمام نمازیوں کے لئے کافی ہے، اور علیحدہ طور پر نہ امام پر اور نہ مقتدیوں پر کوئی دوسرا سجدہ واجب ہے۔ البتہ جو شخص نماز میں شامل نہ ہو، اور اس نے ایک یا کئی مقتدیوں سے سجدہ والی ایک ہی آیت مسجد میں ہوتے ہوئے سنی، تو اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہے۔ پھر اگر وہ اسی رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا، تو اس سے سجدہ ساقط ہو جاتا ہے، یعنی امام کا سجدہ اس کے لئے بھی کافی ہے، لیکن دوسری رکعت میں اگر جاملا، تو نماز کے بعد علیحدہ طور پر سجدہ کرنا اس پر واجب ہوگا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۰۵/۲،طبع: سعید)

ولو تلاھا المؤتم لم یسجد المصلی أصلاً لا فی الصلوۃ ولا بعدھا ،بخلاف الخارج لان الحجر ثبت لمعینین فلا یعدوھم ،حتیٰ لو دخل معھم سقطت." وفی الشامیۃ(تحت قولہ لان الحجر ثبت لمعینین)الامام ومن معہ وفیہ ان الامام غیر محجور علیہ القراءۃ فی ھذہ الصلاۃ وانما الحجر علی المقتدین بہ فالاظھر التعلیل بما فی شرح المنیۃ وغیرھا بانہ ان سجد الامام یلزم انقلاب المتبوع تابعاً والا لزم مخالفتھم لہ بخلاف من لیس معھم فی صلاتھم لعدم حجرہ بالنظر الیھم لانہ بمنزلۃ

من ليس في الصلاة في حقهم".

ولما في حلبي كبيري:(ص،۴۳۱، طبع: نعمانيه)

ولو تلاها المؤتم لا تجب عليه ولا على من سمعه ممن هو معه في تلك الصلوة خلافاً لمحمد...... لهما انه محجور عن القراءة بالنظر الى الصلوة التي التزم فيها المتابعة وتصرف المحجور غير معتبر..... وتجب على من سمعها منه ممن ليس في صلاته اجماعاً لعدم الحجر بالنظر اليهم لانه بمنزلة من ليس في الصلوة في حقهم.

ولما في التنوير مع الدر أيضاً:(۱۰۵/۲، طبع: سعيد)

ولو تلا ها المؤتم لم يسجد المصلي اصلا لا في الصلاة ولا بعدها بخلاف الخارج ..... حتى لو دخل معهم سقطت." وفي الشامية تحت (قوله حتىٰ لو دخل) اى الخارج معهم اى في صلاتهم سقطت السجدة عنه تبعاً لهم وظاهره سقوطها عنه ولو دخل في ركعة اخرى غير ركعة التلاوة"." وفي تقريرات الرافعي تحت (قوله و لودخل في ركعة اخرى الخ) سيأتي ان من اقتدى بالامام في ركعة اخرى بعد ما سمعها منه في الاولى يسجدها على ظاهر الرواية" اه سندي.

ولما في الشامي:(۱۱۶،۱۱۵/۲، طبع: سعيد)

وفي البزازية: سمعها من آخر ومن آخر أيضاً وقرأها كفت سجدة واحدة في الاصح لاتحاد الآية والمكان..... لعلى هذا لو قرأها جماعة وسمعها بعضهم من بعض كلتهم واحدة..... والحاصل ان ماله حكم المكان الواحد كالمسجد والبيت لا يضر الانتقال فيه باكثر من ثلاث خطوات ما لم يقترن بعمل اجنبي يعد في العرف قطعاً لما قبله كالدياسة والتسديد بخلاف مجرد المشي من غير عمل.

ولما حلبي كبيري:(ص،۴۳۵،۴۳۴، طبع: نعمانيه)

ولو قرأ آية سجدة خارج الصلاة ولم يسجدها ثم شرع في الصلاة من غير ان يتبدل المجلس وقرأها فيها وسجد لها كفته هذه السجدة عن التلاوتين ــــ وهذه المسئلة من جزئيات التداخل لاتحاد المجلس لعدم اعتبار اختلاف المجلس بالصلاة لان الشروع فيها عمل قليل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ
۲۴ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ	فتوی نمبر: ۳۶۲۶

﴿مقتدی آیت سجدہ سننے کے بعد سجدۂ تلاوت میں شامل نہ ہو سکے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب فجر کی نماز میں سورہ سجدہ کی تلاوت کر رہے تھے، ایک شخص نے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے آیت سجدہ سن لی لیکن سجدہ تلاوت میں امام کے ساتھ شامل نہ ہو سکا، ہاں پہلی رکعت اسکو ملی، پوچھنا یہ ہے کہ اس

شخص پر سجدہ تلاوت کی قضاء لازم ہے یا نہیں؟ اطمینان بخش جواب مطلوب ہے۔

﴿جواب﴾ اگر کوئی شخص آیت سجدہ سننے اور امام کے سجدہ کرنے کے بعد اسی رکعت میں شامل ہو گیا تو امام کا سجدہ اس کے لئے کافی سمجھا جائیگا، مستقل سجدہ اسکے ذمہ لازم نہیں ہوگا، البتہ دوسری رکعت وغیرہ میں اقتداء کرلے تو نماز سے فراغت کے بعد مستقل سجدہ کرنا اس کے ذمہ لازم ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق شخص مذکور کا سجدہ تلاوت ادا ہو گیا ہے الگ سے سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما في العالمكيرية:(١/١٣٣ طبع رشيديه)

ولو سمعها من الامام أجنبي ليس معهم في الصلاة لزمه السجود وكذا في الجوهرة النيرة وهو الصحيح كذا في الهداية سمع من امام فدخل معه قبل أن يسجد سجد معه وان دخل في صلاة الامام بعد ما سجدها الامام لا يسجد ها وهذا اذا أدركه في اخر تلك الركعة، اما لو ادركه في الركعة الاخرى يسجدها بعد الفراغ كذا في الكافي وهكذا في النهاية وهكذافي امدادالفتاوی(١/٣٧٢ طبع دار العلوم کراچی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

٢١ جمادی الاولیٰ ١٤٢٩ھ　　فتویٰ نمبر: ١٤٧٩

﴿مکروہ وقت سے پہلے سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ بعد جماعت نماز عصر مکروہ وقت سے پہلے سجدہ تلاوت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عصر کی نماز کے بعد مکروہ وقت سے پہلے سجدہ تلاوت کیا جا سکتا ہے۔

لما في التاتارخانية:(١/٣٠١ طبع قديمي)

الاوقات التي يكره فيها الصلاة خمسة، ثلاثة يكره فيها التطوع والفرض، وذالك عند طلوع الشمس ووقت الزوال وعند غروب الشمس الا عصر يومه فانها لا يكره عند غروب الشمس الىٰ ان قال ووقتان آخران يكره فيها التطوع وهما بعد طلوع الفجر الىٰ طلوع الشمس الا ركعتي الفجر، وما بعد صلاة العصر الىٰ وقت غروب الشمس، ولا يكره فيها الفرائض ولا صلاة الجنازة، وفي الكافي ولا سجدة التلاوة وفي الينابيع ولا سجدة السهو، وهكذافي المبسوط للسرخسي (١/١٥٢، طبع دار المعرفة)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

٢٨/١/١٤٢٩ھ　　فتویٰ نمبر: ١٠٣٩